اُردو

الفوائد

تزکیۂ نفس، علمِ قلب اور محبت الٰہی کے بارے میں

تالیف

ابی محمد امین اللہ البشاوری حفظہ اللہ

مترجم:

مولانا محمد علی "صدیقی"

1

مکتبہ محمدیہ

گنج گیٹ منگل مارکیٹ پشاور، پاکستان

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

الفوائد

تزکیۂ نفس، علم القلوب
اور محبت الٰہی کے فوائد

تالیف

ابی محمد امین اللہ البشاوری حفظہ اللہ

1

اردو ترجمہ

مولانا محمد علی صدیقی

الناشر

مکتبہ محمدیہ

بیرون گنج گیٹ منگل مارکیٹ پشاور

عربی تالیف ———— الفوائد : فی تزکیۃ النفوس وعلم القلوب والرغبۃ الی علام الغیوب

اردو ترجمے کا نام ———— تزکیۂ نفس، علم القلوب اور محبت الٰہی کے فوائد

مولف ———— الشیخ العلامۃ ابو محمد امین اللہ البشاوری حفظہ اللہ

اردو مترجم ———— مولانا محمد علی صدیقی فاضل مدرسہ دار الحدیث محمدیہ جلال پیروالہ (ملتان) پاکستان

فن ———— تزکیۂ نفس

سنۂ طباعت ———— آخر جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ موافق ۱۷/ جون/ ۲۰۰۹ء

ناشر

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ محمدیہ

بیرون گنج گیٹ منگل مارکیٹ پیشور

زیر انتظام ولی اللہ : 0301 8828402

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی أصحابہ وأتباعہ أجمعین وبعد: تزکیۂ نفس اور حصولِ تقویٰ کیلئے بہت زیادہ تحقیق وتفتیش اور کتابوں کی تسوید وتصنیف سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو جائے، یہ لکھنے لکھانے کی چیز نہیں، کرنے اور اپنانے کی چیز ہے، آج امام غزالیؒ کی کتاب (احیاء العلوم) کے کئی تحقیق شدہ ایڈیشن بھی شائع اور عام ہو چکے، ابن القیم رحمہ اللہ کی ''الجواب الکافی'' اور بہت سی کتب منظرِ عام پر آ چکیں، ابن جوزی رحمہ اللہ کی لاجواب تصانیف بھی زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر مقبولیت کے مدارج طے کر چکیں مگر زہد وتقویٰ، للّٰہیت اور ایثار، دلوں کی پاکیزگی اور تزکیۂ نفس ناپید ہوتا چلا جا رہا ہے، آج ہم لوگ غضِ بصر پر بحث تو خوب کرتے ہیں لیکن جب غضِ بصر کا موقع اور عمل کا وقت آتا ہے تو ڈھیر ہو جاتے ہیں، زہد وقناعت اور ذکرِ الٰہی کی فضیلت تو خوب بیان کرتے ہیں، لیکن ہماری عملی زندگی دنیا سنوارنے کی تگ ودو اور فضول بحثوں میں گزر جاتی ہے، معاشرے کے جس طبقے کو عوام کیلئے اُسوۂ حسنہ بننا تھا وہ بھی صرف گفتار کا غازی بن پایا ہے (اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ) ٹھیک ہے کہ لوگ حوالے مانگتے ہیں، لیکن حوالوں سے زیادہ عمل چاہتے ہیں، عمل، عمل اور عمل۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ نے عملی زندگیاں پیش کی تھیں، اس وقت ایک اللہ کی کتاب تھی اور اسکی عملی تفسیر آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ۔ بس یہی دو چیزیں تھیں جنہوں نے دنیا کی کایا پلٹ دی، لیکن آج بہت ساری کتابیں ہونے کے باوجود عمل کہیں کھو کر رہ گیا ہے، لہٰذا آج اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگوں کی عملی تربیت کی جائے، شاید یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

صحابہ کہا جاتا ہے کیونکہ اُنہوں نے آپ ﷺ کی صحبت اور عمل سے فیض پایا اور یہی وصف اُن پر غالب ٹھہرا، لہٰذا اُنہیں تلامیذ النبی ﷺ نہیں کہا جاتا، اگر چہ وہ تلامیذ بھی تھے، زبان دانی سے لوگوں کو وقتی طور پر مرعوب تو کیا جا سکتا ہے لیکن پاکیزہ انقلاب صرف زبانوں سے نہیں آیا کرتے بلکہ اسکے لیے مضبوط علم وارادے پُر معنیٰ یقین، مسلسل عمل اور دلوں کو موہ لینے والی بے لوث محبت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ مردوں کی ہیں شمشیریں

بہر حال یہ کتاب بھی عمل پر اُبھارتی ہے اور اس میں ایمان وتقویٰ، زہد وقناعت، محبتِ الٰہی، حسنِ خاتمہ کے اسباب، استقامت فی الدین کا طریق اور دیگر بہت سے مفید موضوعات پر بحث کی گئی ہے اگر چہ اس سے پہلے بہت سی کتب اسی انداز میں لکھی گئی ہیں جن میں ابن قیم رحمہ اللہ کی بدائع الفوائد، الفوائد، اور ابن جوزی رحمہ اللہ کی صید الخاطر ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں، لیکن ہمارے محترم مصنف حفظہ اللہ کی یہ کتاب بھی منفرد مقام رکھتی ہے البتہ اسکی خصوصیات یہ ہے کہ اس میں جا بجا ہر موقع پر قرآن وحدیث اور اقوال سلف سے بہت زیادہ استدلال کیا گیا ہے بلکہ بعض فوائد میں تو اقوال کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث اور بہت سے اقوال کی عربی عبارتیں میں نے ترجمے سے حذف کردی ہیں اگر چہ بہت سے اہم اقوال کو عربی عبارت کیساتھ ہی نقل کیا ہے، کیونکہ اگر تمام عبارات شامل کی جاتیں تو کتاب کا حجم مزید بڑھ جاتا۔

یقیناً انسانی کوشش میں کوتاہی اور کمی ضرور ہوتی ہے، لہٰذا میں تمام قارئین سے گزارش کرونگا کہ جہاں کہیں ترجمے میں کوئی سُقم ہو تو مترجم اور اصل کتاب میں کوئی خطا نظر آئے تو صاحبِ کتاب کو ضرور مطلع فرمائیں۔ وجزاکم اللہ خیراً۔

طالبِ دُعا: محمد علی صدیقی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضلّ له ومن يضلل فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان محمّداً عبدهٗ ورسوله .

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون، ياايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة، وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساءً واتقوا الله الذى تساء لون به والارحام، ان الله كان عليكم رقيباً .

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً، يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم، ومن يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً .

حمد وثناء کے بعد: آجکل لوگوں کا رجحان دلوں کی اصلاح اور تقویٰ کے علم سے ہٹ کر دنیاوی آلات وعلوم کی طرف مائل ہو چکا ہے اور لوگ علم قلوب کو پیٹھ پیچھے پھینک چکے ہیں، سوائے چند علماء وطلباء کے کسی کو فکر نہیں کہ تزکیۂ نفس کا طریقہ معلوم کریں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل ایمان کی مٹھاس سے محروم، یقین کی کمی کا شکار، غفلت اور گناہوں کی کثرت کی وجہ سے آلودہ وزنگ شدہ ہو چکے ہیں، اور صرف غافل ہی نہیں بلکہ اس حد تک غافل ہو چکے ہیں کہ اگر کوئی تزکیۂ نفس کی بات کرے تو اُسے صوفی سمجھتے ہیں اور جاہل وبے کار قرار دیتے ہیں۔

دل کی نرمی، تقویٰ اور زہد کے حوالے سے میں نے اپنے لئے کچھ فوائد جمع کیے تھے اور میں کسی کو اُن پر مطلع کرنے کا ارادہ نہ تھا لیکن بعض فاضل بھائیوں نے مجھے ترغیب دلائی کہ ان فوائد کو طبع کیا جائے تاکہ مسلمان بھائیوں کو بھی ان سے فائدہ ہو، پس یہ بات میرے دل کو اچھی لگی اور میں نے کہا: ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فوائد کو دعوت الی اللہ کا ذریعہ بنا دے اور

ان کے ذریعے لوگوں کے عیوب دور ہو جائیں، انکے دلوں کی اصلاح اور تزکیہ حاصل ہو سکے، لہٰذا میں نے اس رسالے کو ترتیب دینے کیلئے کمر باندھ لی۔

ان فوائد میں سے بعض تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالے اور بعض وہ ہیں جو میں نے کتابوں میں پڑھے اور ان فوائد میں سلف صالحین کے قیمتی اقوال اور نایاب حکمتیں بھی شامل کی گئی ہیں۔

اور یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یہ تمام فوائد اللہ عزوجل کی کتابِ حکیم میں مذکور ہیں بلکہ ان سے بھی کئی گنا زیادہ۔ کیونکہ قرآن مجید کے علوم غیر متناہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کریم ﷺ کی سُنّت کے بعد کسی کتاب کی ضرورت ہی نہیں، کتاب وسنت میں شفاء اور دوا بھی ہے، دلوں کی اصلاح اور نفوس کا تزکیہ بھی، یہ دونوں حکمت بھی ہیں اور نصیحت بھی۔ لیکن میرا اس رسالے کو لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو کتاب وسنت کی ترغیب دلائی جائے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ علوم اور حکمتوں کے دروازے آپ پر کھلیں، تقویٰ اور اللہ کی معرفت سے آپکے دل منوّر ہوں، دنیا وآخرت کی حقیقتیں آپ پر آشکار ہوں اور آپ تقرّب الی اللہ کے زینے طے کریں تو آپ قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم کتاب میں ایسے عجیب اَسرار اور نوادرات کو جمع کر دیا ہے کہ جنھیں جان کر دل باغ باغ ہو جاتے، اور آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے اور یہ کتابِ مبین دلوں کو منوّر کرنے کیساتھ ساتھ اعمال کے تزکیہ اور اقوال کی تزئین کا بھی باعث ہے۔

میں نے اس کتاب کا نام "الفوائد فی تزکیة النفوس وعلم القلوب والرغبة الی علام الغیوب" تجویز کیا ہے۔

اس رسالے کی کچھ **خصوصیات** درج ذیل ہیں:

(۱) اس رسالے میں اللہ کی کتاب یا صحیح وحسن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

(۲) یہ فوائد آپکو باقی کتابوں میں اس انداز میں شاید نہ مل سکیں۔

(۳) اس میں تقویٰ اور اصلاح القلوب پر توجہ دی گئی ہے۔

(۴) اس میں کتاب وسنت کے اکثر مقاصد پر بحث کرتے ہوئے وہ اسباب وذرائع ذکر کئے گئے ہیں جن سے وہ حاصل ہوسکیں۔

(۵) یہ فوائد حکمت پر مبنی ہیں اور بیان میں بھی ایک حکمت ہے۔

(۶) یہ رسالہ بوجھل نہیں کرتا بلکہ اسکی قراءت اور مطالعے کے دوران قاری خوشی محسوس کرتا ہے۔

(۷) یہ آخرت کی ترغیب دلاتا ہے۔

(۸) اسکا اسلوب انتہائی آسان ہے۔

اور بالجملہ یہ انتہائی نادر اور بہترین فوائد ہیں۔

اگر آپ کو اس رسالے سے کوئی نفع ہو تو اسے جمع کرنے والے کو اپنی بہترین دعاؤں میں یاد فرمائیں، اور بار بار اس کے فوائد کو دہراتے رہیں کیونکہ یاددہانی ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے اور آپکے ایمان کے مطابق ہی نصیحت آپکو فائدہ دیتی ہے۔ اب ہم اپنے مقصود کی طرف آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں، اُسی پر ہمارا توکل ہے اور اُسی کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کرتے ہوئے کہ وہ ہمیں ہر قول وفعل میں اخلاص سے نوازے اور ریاکاری وشہرت پسندی سے بچائے۔

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك.

❁❁❁❁❁❁❁❁
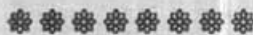
۱- پہلا فائدہ

جسے سونے کے پانی سے لکھنا چاہیے

جان لیجئے! کہ نیک اعمال مسلمان کا رأس المال ہیں انہیں کیلئے وہ پیدا ہوا، انہی کا حساب ہوگا، اور انہی پر ثواب کا دارومدار ہے، اللہ اور اس کے رسول نے بھی نیک اعمال کی طرف رغبت دلائی ہے لہٰذا ہر عاقل پر لازم ہے کہ ہر چیز سے زیادہ نیک عمل کا اہتمام کرے، اسکی شروط، آداب اور حقوق کا لحاظ رکھے، اسکو مکمل اور درست کرنے کی کوشش کرے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ان اللهَ يُحِبُّ مِن العامِلِ اذا عَمِلَ أن يُتْقِنَهُ" (صحیح الجامع) (اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جب عامل عمل کرے تو مضبوط اور مکمل کرے)۔

جب کوئی چیز قیمتی اور نادر ہو تو اسکی شروط بھی زیادہ ہوتی ہیں اور قیود بھی سخت۔ لہٰذا اب ہم آپ کے سامنے عملِ صالح کی شروط اور اسکی حفاظت کے ذرائع کا تذکرہ کرتے ہیں۔

عملِ صالح کی بہت سی شروط ہیں جنہیں شرعی دلائل سے مستنبط کیا ہے، انکا بیان درج ذیل ہے:

۱- ایمان :کوئی عمل بھی ایمان کے بغیر قبول نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل/۹۷) (جو کوئی بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مومن ہو تو ہم ضرور بالضرور اسے پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے)۔

اور فرمایا: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾۔ (النساء/۱۲۴)

(جو کوئی بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مؤمن ہوں تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کئے جائیں گے)

اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوْرًا ﴾ (الاسراء/۱۹)

(اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے کیلئے جیسی کوشش کرنی چاہیے ویسی کوشش بھی کرے بشرطیکہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش قبول کی گئی ہے)۔

اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عمل صالح کی قبولیت کو ایمان کیساتھ مشروط کیا ہے۔

۲- اخلاص: اخلاص یہ ہے کہ عمل صالح خالصتاً اللہ تعالیٰ کیلئے ہو اور اس عمل کا مقصود دنیا کا حصول، ریاکاری یا غیر اللہ کی خوشنودی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا ﴾ (الکہف/۱۱۰)

(پس جو شخص بھی اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے)

اور فرمایا: ﴿ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ﴾ (البینۃ آیت:۵)

(اور لوگوں کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ یکسو ہو کر، اللہ کیلئے دین کو خالص کرتے ہوئے اسکی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں اور یہی ہے دین سیدھی ملت کا)

اسی طرح فرمایا: ﴿ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ﴾ (الحج آیت:۳۱)

(اللہ کیلئے یکسو ہو کر رہو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک مت کرو)

اور فرمایا: ﴿ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (المؤمن/۶۵) (پس اُسے پکارو اسکے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، تمام تعریفیں اللہ

رب العالمین کیلئے ہیں)

اور فرمایا: ﴿فَادْعُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (المؤمن/۱۴)

(پس پکارو اللہ تعالیٰ کو اُسکے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے اگرچہ کافر ناپسند سمجھیں)۔

اور فرمایا: ﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر/۲)

(سُن لو! اللہ کیلئے تو دینِ خالص ہی ہے)

۳۔ سنت نبوی کی اتباع:

عمل اگر سنت کے مطابق نہ ہو تو اسکی مثال اُس کھوٹے سکے کی طرح ہے کہ جس سے آپ کچھ بھی نہیں خرید سکتے یا اُس گھٹیا مال کی طرح ہے کہ جسکا کوئی خریدار ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک آیت:۲)

(اللہ نے موت وحیات کا سلسلہ اس لیے تخلیق کیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون ہے جو عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے)۔

اور فرمایا: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الکہف/۷)

(بے شک ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اُسے زمین کی زینت بنادیا ہے تاکہ ہم آزمائیں کہ لوگوں میں سے کون ہے جو عمل کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے)

اور فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ (الکہف/۳۰)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو بے شک ہم اچھا عمل کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے)

العمل الاحسن کے بارے میں فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: ھو الاخلص والأصوب) (احسن عمل وہ ہے جو زیادہ خالص اور زیادہ درست ہو) پوچھا گیا کہ اخلص سے مراد کیا ہے؟ تو فرمایا: خالص اللہ کیلئے ہو۔ پھر پوچھا گیا کہ أصوب سے مراد کیا ہے؟ تو

فرمایا: یہ کہ سنت کے مطابق ہو۔ اس لیے کہ اگر عمل خالص اللہ کیلئے نہ ہو تب بھی مردود ہے اور سنت کے مطابق نہ ہو تب بھی مردود ہے۔ (ابن کثیر: ۱/۲۱۴)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [من عمل عملاً لیس علیه امرنا فهو رد] رواہ مسلم۔

(جس نے بھی کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے پر نہیں تو وہ عمل مردود ہے)۔

اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [السنة كسفينة نوح عليه السلام، من رَكِبَها نَجا، ومن تَخَلَّفَ عَنها غَرِقَ ......].

(الاعتصام بالسنة للسيوطى) (مجموع الفتاوى (۱۱/ ۶۲۳)

(نبی کریم ﷺ کی سنت بھی نوح علیہ السلام کی کشتی کی مانند ہے، جو اس میں سوار ہوا اُس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہا غرق ہو گیا)۔

اتباع سنت کے بہت سے دلائل ہیں جنکی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔

٤- الاحسان :احسان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کریں کہ گویا آپ اللہ کو دیکھ رہے ہیں اور اگر ایسا ممکن نہیں تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ یہ تصور دل میں پیدا کریں کہ وہ آپکو دیکھ رہا ہے۔ احسان کی یہ تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (الحج/ ۳۷)

(اور محسنین کو خوشخبری سنا دیجئے)

اور فرمایا: ﴿ فَلَوْ أَنَّ لِىْ كَرَّةً فَأَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (الزمر/ ۵۸)

((جہنمی کہے گا) اگر مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کا موقع مل جائے تو میں محسنین میں سے ہو جاؤنگا)۔

اور فرمایا: ﴿بَلٰى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ أَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾

(البقرۃ/ ۱۱۲) (جی ہاں! جس نے اپنا چہرہ اللہ کیلئے جھکا دیا جبکہ وہ محسن بھی ہے تو اسکے

لیے اُسکا اجر ہے اُسکے رب کے پاس)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے احسان کو بطورِ شرط بیان فرمایا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: ﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمٰن آیت:۶۰)

(نہیں ہے بدلہ احسان کا مگر احسان)

اور فرمایا: ﴿بَلٰى، مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا﴾ (النساء/۱۲۵)

(جی ہاں! جس نے اپنا چہرہ اللہ کیلئے جھکا دیا جبکہ وہ محسن بھی ہے اور پیروی کی ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی جو کہ یکسو تھے)

احسان کے دو درجے ہیں: عُلْيَا (بلند) سُفْلٰى (پست)

پہلا یہ ہے کہ آپ اللہ کی عبادت اس طرح کریں گویا کہ آپ اُسے دیکھ رہے ہیں اور دوسرا یہ اپنے دل میں اس بات کا احساس پیدا کریں کہ بے شک اللہ آپکو دیکھ رہا ہے۔

احسان کے درجے پر پہنچنا ایک مشکل امر ہے اور اللہ کے فضل کے بغیر اسکا حصول ممکن نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مختلف الفاظ کیساتھ بہت سی احادیث میں احسان کا حکم دیا ہے، جیسا کہ آپکا ارشاد ہے: [اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ واحفظِ اللّٰه تَجِدْهُ تُجَاهَكَ].

(رواہ الترمذی) (تم اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت کریگا، تم اللہ (کے دین) کی حفاظت کرو اُسے اپنے سامنے ہی پاؤ گے)

اسی طرح آپکا فرمان ہے: [وَزَكّٰى نَفْسَهُ، قيل: وما تزكية المرأ نفسَهُ؟ فقال: يَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ مَعَهُ حَيْثُ كَانَ] (ابو داود ۲/۱۰۳)

(اور نفس کا تزکیہ کیا، آپ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص اپنے نفس کا تزکیہ کیسے کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس بات کو جان لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو بے شک اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ ہے)

اور ایک حدیث میں ہے:

[افضل الایمان أن تعلم أن اللہ معك حیثما كنت]۔(الطبرانی)
(افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تم جان لو کہ بے شک تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے)۔

یہ تمام احادیث احسان ہی کے بارے میں ہیں۔

۵- **احتساب فی العمل** : اسکا معنیٰ یہ ہے کہ عملِ صالح اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید پر کیا جائے گویا کہ یہ لفظ حساب سے ماخوذ ہے۔ احادیث نبویہ میں احتساب کا ذکر کثرت سے آتا ہے جیسا کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا :

[من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه، ومن قام لیلة القدر ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه] (رواه البخاری)

(جس نے ایمان اور احتساب کیساتھ رمضان کے روزے رکھے اسکے تمام گذشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اور جو شخص رمضان کی راتوں کا قیام کرے ایمان اور احتساب کیساتھ، تو اسکے بھی تمام گذشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور جو شخص لیلۃ القدر کا قیام کرے ایمان اور احتساب کیساتھ، تو اسکے بھی تمام گذشتہ گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں)
(اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا)۔

النہایۃ لابن الأثیر میں "احتساباً" کا معنیٰ یہ کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکے ثواب کی طلب میں کوئی عمل کرنا۔

أعمال صالحہ اور مکروہات میں احتساب یہ ہے کہ اس پر أجر کو طلب کرنا اور برضا وتسلیم اور صبر کیساتھ اُسے حاصل کرنا۔

اس معنیٰ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ لوگو! اَپنے اعمال پر اللہ رب العزت سے أجر کی امید رکھو، جس نے اپنے عمل پر اللہ سے أجر کی امید رکھی اسکے عمل اور امید دونوں کا ثواب اسکے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے [من مات له ولد فاحتسبه]

(جسکا کوئی بچہ فوت ہوا اور اُس نے اس پر (صبر کے ذریعے) اجر کی امید رکھی)۔

اور حدیث میں ہے: [مَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ وَاحْتَسَبَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ] (ذكره المنذرى فى الترغيب والترهيب وهو حديث مشهور)

((حدیث قدسی کے الفاظ ہیں) کہ میں نے جسکی دونوں آنکھیں سلب کرلیں اور پھر اُس نے صبر کیا اور اُجر کی امید رکھی تو میں انکے عوض اُسے جنت عطا کرونگا)۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں: جس نے کسی مسلمان کے جنازے کی پیروی ایمان اور احتساب کیساتھ کی، اسکے لیے ایک قیراط ثواب لکھ دیا جاتا ہے (الحدیث)

(رواه البخارى ١/١٣٠)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں: [باب الأعمال بالنية والحسبة، نفقة الرجل على اهله وهو يحتسبها صدقة]۔

باب اس بارے میں کہ اعمال کا انحصار نیت اور حسبہ یعنی اجر کی امید پر ہے، کوئی شخص اگر اجر کی امید پر اپنے اہل خانہ پر بھی خرچ کرے تو یہ بھی صدقہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے: [ان الله ليدخل الجنة بالسهم الواحد ثلاثة : صانعه الذى يحتسب فى صنعه الخير، ورامیه ومنبله]۔(رواہ ابوداود)

(بے شک اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل کریگا ایک اسکو خیر کی امید پر بنانے والا دوسرا (جہاد میں اسے کفار کی طرف) پھینکنے والا اور تیسرا وہ شخص جو وہ تیر مجاہد کو پکڑاتا ہے)۔

دوسری حدیث میں ہے: [يا بنى سلمة ! ألا تحتسبون آثاركم، حين ارادوا الانتقال الى قرب المسجد] ۔

(اے بنی سلمہ! کیا تم اپنے قدموں کے آثار پر اجر کی امید نہیں رکھتے)۔

یہ بات اس موقع پر فرمائی، جب اُنہوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا)۔

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: [عجبت للمسلم اذا أصابه الخير حمد الله

وشكر واذا اصابته مصيبة احتسب وصبر، المؤمن يؤجر في كل شيء حتى اللقمة يرفعها الى فيه] (رواہ احمد باسناد قوی صحیح) (۱/ ۱۷۷، ۱۸۲)

(مسلمان پر مجھے تعجب ہے کہ جب اسے خیر پہنچے تو اللہ کی تعریف اور شکر کرتا ہے اور جب اُسے مصیبت پہنچے تو صبر کرتا اور اجر کی امید رکھتا ہے، مؤمن کو ہر چیز پر اجر سے نوازا جاتا ہے حتی کہ اس لقمے پر بھی جسے وہ اپنے منہ کی طرف اٹھاتا ہے)۔

(اسے احمد نے قوی صحیح سند کیساتھ روایت کیا)

اور حدیث میں ہے: [أرأيت ان قتلت صابراً محتسباً، مقبلاً غير مدبر، أيكفر عني خطاياي ؟ قال : نعم ! الا الدين ...... الحديث.

(رواہ احمد: ۲/ ۳۰۸، مفصلاً)۔

ایک شخص نے آپ ﷺ سے سوال کیا مجھے بتلائیے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں جبکہ میں صبر اور اجر کی امید کروں اور میدان جہاد میں دشمن کی طرف رُخ کر کے جوانمردی سے جان دوں، نہ کہ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے تو کیا میری خطائیں معاف کر دی جائیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! سوائے قرض کے......الحدیث۔

(اسے احمد نے تفصیل کیساتھ روایت کیا)۔

گذشتہ احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اعمال صالحہ اور وہ آزمائشیں جو گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں انکے لیے شرط ہے کہ اجر کی امید رکھی جائے مصیبت پر اجر کی امید نہ رکھنا گویا دوسری مصیبت ہے کہ یہ اجر سے محرومی ہے، کیونکہ کسی بھی عمل کے صالح ہونے کیلیے احتساب شرط ہے بصورتِ دیگر وہ عمل عبادت کے بجائے عادت شمار ہوگا۔

اس بات پر خوب غور کیجئے۔

لہٰذا بعض لوگوں کی یہ بات کہ ہم جنت کیلیے عمل نہیں کرتے، غلط ہے کیونکہ اس میں احتساب کی شرط نہیں۔

احتساب کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مطلوب کام پر ایک انتہائی قیمتی انعام

مقرر کرتا ہے اب جو شخص اس انعام میں رغبت رکھے وہ اسکا محبوب ہوگا اور جو انعام سے بے توجہی کرے وہ اس انعام مقرر کرنے والے کو ناپسند ہوگا۔ فتدبر!۔

٦- **صدق فی العمل** : اعمال صالحہ کی اہم ترین شرط یہ بھی ہے کہ انسان اپنے عمل میں سچا ہو صدقِ فی العمل کا معنی ہے ''ارادے کا ایک ہونا'' اور اخلاص کا معنی ہے ''مراد کا ایک ہونا''، لہٰذا صدق یہ ہے کہ صرف اور صرف وہی عمل مقصود ہو اسکے ساتھ کسی بھی قسم کے دنیاوی امور یا نفسانی خواہشات کا تعلق نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبہ آیت:) (صادقین کیساتھ ہو جاؤ۔)

اور فرمایا: ﴿وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ﴾ (الاحزاب/۳۵)

(صادقین اور صادقات)۔

اور فرمایا: ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾۔ (المائدة/۱۱۹)

(یہ وہ دن ہے کہ جب صادقین کو انکا صدق فائدہ دیگا)

ایک حدیث میں ہے کہ ''باجماعت نماز پڑھنا، گھر یا بازار میں اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجے افضل ہے اس لیے کہ بے شک جب کوئی اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر مسجد کی طرف نکلتا ہے۔ [**لا یرید الا الصلاۃ**] جبکہ نماز کے علاوہ اسکا کچھ ارادہ نہیں ...... الحدیث۔

اس میں ''لا یرید الا الصلاۃ'' کے الفاظ صدق کا مصداق ہیں۔

عمل میں صدق ضروری ہے تا کہ حظوظ نفسانی اس میں داخل نہ ہو سکیں مثلاً ایک شخص سیر سپاٹے کا ارادہ کرتا ہے اور اسے دعوت الی اللہ کا نام دیتا ہے اور کوئی مال جمع کرنے کیلئے مدرسے بناتا ہے اور کوئی کسی کے ہاں کھانے پینے کیلئے جاتا ہے اور اسے اللہ کیلئے ملاقات قرار دیتا ہے اور اسی قسم کی اور بھی باتیں ہیں۔

صدق فی العمل یہ ہے کہ اس عمل پر ابھارنے والی چیز صرف اور صرف اللہ کی رضا ہو، حظوظ نفسانی بالکل نہ ہو اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو صادقین کا لقب دیا ہے فرمایا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾۔(الحشر/۸)
((مال فیئ وغیرہ) اُن فقراء مہاجرین کیلئے ہے کہ جو اپنے گھروں اور اموال سے نکال دیئے گئے کہ وہ اپنے رب کا فضل اور اسکی خوشنودی تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اسکے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں)۔

﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبۃ/۱۱۹) کی تشریح میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صادقین یعنی مہاجرین کیساتھ مل جاؤ کیونکہ اس موقع پر مہاجرین کا مقصد صرف اللہ کی رضا کا حصول تھا۔

اس تفصیل کے ذریعے آپ پر صدق فی العمل کا معنیٰ واضح ہو چکا ہوگا۔ صدق جیسے عمل میں ہوتا ہے اسی طرح اعتقاد، قول اور حال میں بھی ہوتا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ/۱۷۷) (یہی لوگ سچے اور یہی متقین ہیں)

صدق کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کمال عزم کیساتھ اللہ کے راستے پر چلے، ہر کوتاہی کی تلافی کرے، گذشتہ زندگی میں جو لغزشیں ہوگئیں انکا تدارک کرے، اور آئندہ زندگی کو اطاعت کیساتھ آباد کرے۔

اور اس صدق کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنا عہد نہ توڑے، غفلت میں پڑے لوگوں کیساتھ رہنا اسکے لیے ممکن نہ ہو، کسی حال میں بھی سنجیدگی اور محنت کو نہ چھوڑے۔ دنیاوی زندگی کی تمنا صرف اللہ کی اطاعت کی خاطر ہو، اپنے آپ کو ہمیشہ ناقص ہی خیال کرے، عزیمت کی راہ پر چلے رخصتوں کو تلاش نہ کرے کیونکہ یہ صدق کے منافی ہے، صدق کو پہچاننے کی کوشش کرے تاکہ اپنے عمل، قصد اور حال کے ذریعے اللہ کی رضامندی حاصل کرسکے۔ (کما ذکر فی المدارج: ۲/۲۷۹)۔

۷- **اسکا عمل** اللہ کے سامنے تذلل اور عاجزی وانکساری پر مبنی ہو۔

۸- **اسکا عمل** اللہ کی محبت پر قائم ہو۔

یہ دونوں شرائط بھی ضروری ہیں کیونکہ ہر وہ عمل جو اللہ کے سامنے عاجزی اور محبت پر مبنی نہ

ہو وہ عبادت ہی نہیں، عبادت کا معنی ہی ''محبت اور عاجزی وانکساری'' ہے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں ''غایت درجے کی محبت جو عاجزی اور انکساری کیساتھ ہو'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾۔(البقرۃ/۱۶۵)

(اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو دوسروں کو اللہ کے شریک قرار دیکر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہیں)

اور فرمایا: ﴿ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ ﴾ (الاحزاب آیت:۳۵)

(اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں)

اور فرمایا: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾۔ (المؤمنون آیت:۱-۲)

(یقیناً کامیاب ہوگئے وہ مؤمن جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خشوع اور محبت کو شرط قرار دیا ہے اور ان دونوں کو اہل ایمان کی علامات میں سے قرار دیا ہے کہ جن اہل ایمان کے اعمال اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ ''القصیدۃ'' میں فرماتے ہیں :

وَعِبَادَةُ الرَّحْمٰنِ غَايَةُ حُبِّهِ مَعَ ذُلِّ عَابِدِهِ هُمَا قُطْبَانِ

رحمٰن کی عبادت یہ ہے کہ اسکے سامنے عابد کی بے انتہا انکساری، اور غایت درجے کی محبت ظاہر ہو، کہ یہی دو چیزیں عبادت کا محور ہیں۔

وَعَلَيْهِمَا فَلَكُ الْعِبَادَةِ دَائِرٌ مَا دَارَ حَتّٰى قَامَتِ الْقُطْبَانِ

انہی پر عبادت کی چکی چلتی ہے، یہ چکی نہیں چلتی یہانتک کہ یہ دونوں (محور) قائم ہو جائیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وہ عبادت جسکا اللہ نے حکم دیا ہے وہ اللہ کیلئے غایت درجے کی ذلت اور غایت درجے کی محبت کو متضمن ہے''۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے سامنے جھک جائے مگر اپنے دل میں اسکی نفرت رکھتا ہو تو اسکا عابد نہ ہوگا اسی طرح اگر کسی سے محبت رکھے مگر اس کے سامنے نہ جھکے تب بھی وہ اُسکا عابد نہیں کہلائے گا۔ (العبودیة ص : ۷)

ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''شریعت کی اصطلاح میں عبادت عبارت ہے اس عمل سے کہ جو کمال درجے کی محبت، خضوع اور خوف کا جامع ہو''۔

ہر وہ آیت اور حدیث جس میں کسی عبادت کیساتھ محبت، خشوع، تضرع، خضوع اور عاجزی کا تذکرہ ہو، وہ اس عبادت میں انکے شرط ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے ریشم اور سونا پہننا (مردوں پر) حرام کیا ہے اور سرخ قالین بچھانے، سونے چاندی کی برتنوں میں کھانے، فخریہ لباس پہننے، تہہ بند کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے، بالوں کو حد سے زیادہ بڑھانے اور ان جیسی اور کئی چیزوں سے منع کیا ہے اس لیے کہ یہ تمام باتیں عبودیت اور اللہ رب العالمین کے سامنے ذلت وانکساری کے منافی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے لباس میں تواضع اختیار کرنے کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔

۹- عمل کی بنیاد اللہ کی ملاقات اور آخرت کے خوف پر ہو۔

۱۰- اور انسان اللہ کی کتاب کا تأثر قبول کرے۔

لہٰذا جو شخص اللہ کے خوف کے بغیر کوئی عمل کرتا ہے تو اسکا عمل مقبول نہیں بلکہ یہ عبادت ہی نہیں جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول پیچھے گذرا ہے۔

اللہ کی کتاب سے متاثر ہونے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس بات کو اچھی طرح جان لے کہ بے شک یہ اللہ کا حکم ہے، اسکی اتباع اور پیروی میں سعادت اور اسکی مخالفت میں ہلاکت ہے، لہٰذا غیر اللہ سے متاثر ہو کر کوئی عمل نہ کرے، مثلاً کوئی شخص نیک عمل کرتا ہے لیکن صرف اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنی پارٹی، فقہی مذہب، امام یا مجتہد سے متاثر ہو کر تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ فی الحقیقت اسکے عمل کو صالح قرار دیا جائے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ، الَّذِينَ

ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا، اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاءِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴾ (الکہف/۱۰۴)

(آپ فرمایئے! کیا ہم تمہیں اُن لوگوں کے بارے میں نہ بتلائیں جو اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنکی کوششیں دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئیں حالانکہ وہ یہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اسکی ملاقات کا انکار کیا، لہٰذا انکے اعمال برباد ہو گئے اور ہم قیامت کے دن انکے لیے کوئی بھی وزن قائم نہیں کریں گے)

ان لوگوں کے اعمال دو وجوہات کی بناء پر برباد ہوئے۔

۱- عدم التأثر بآیات اللہ : اللہ کی آیات سے متاثر نہ ہونا۔

۲- عدم الخوف من الآخرۃ : آخرت کا خوف دل میں نہ رکھنا۔

یہ آیت ان دونوں چیزوں کے شرط ہونے پر دلیل ہے۔

اسی لیے حدیث میں وارد ہوا ہے: [لَا تُحْدِثُوْا حِلْفًا فِي الْإِسْلَامِ]۔

(اسلام کے بارے میں کسی قسم کا کوئی نیا حلف نہ اٹھاؤ) (ترمذی بسند صحیح)

یعنی امور شرعیہ اور عبادات کے معاملے میں کسی کے ساتھ حلف یا معاہدے کی ضرورت نہیں کیونکہ حلف میں بھی ایک تأثیر ہے کہ جس میں غیر اللہ کی عظمت کا پہلو نکلتا ہے اسی صورت میں تأثر بآیات اللہ ممکن نہیں رہتا، فتدبر!۔

(کیونکہ حلف میں اس شخص سے تأثر ہوتا ہے جس کے ساتھ حلف اور بیعت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے تأثر نہیں ہوتا) فتدبر!

اسی وجہ سے مخصوص وظائف اور عبادات میں صوفیوں کا طریقہ بیعت جائز نہیں، یہ بدعت ہے جسکی قطعی طور پر کوئی دلیل نہیں۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اگر صوفیوں کی بیعت جائز نہیں تو عوام الناس دین پر کیونکر عمل کر سکتے ہیں؟

تو ہم کہیں گے کہ تعلیم و تعلم کے ذریعے، جیسا کہ مسلمانوں میں شروع سے یہ معمول رہا ہے۔
اس شرط کو خوب اچھی طرح سمجھئے یہ بہت عجیب شرط ہے بہت کم لوگ اسکی طرف توجہ اور رسائی حاصل کر پاتے ہیں۔

۱۱- حرام سے اجتناب : یہ بھی بڑی اہم شرط ہے کہ انسان اپنے کھانے پینے اور لباس میں حرام سے اجتناب کرے ورنہ اسکی تمام عبادات حتیٰ کہ دُعا بھی باطل ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾۔(المؤمنون آیت:۵۱)

(اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو)۔

اور فرمایا: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ، وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (البقرہ/۱۷۲)

(پاکیزہ روزی کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو)

اور حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ حال ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے یارب، یارب ! کی صدائیں بلند کر رہا ہے، جبکہ اسکا کھانا حرام، اسکا پینا حرام، اسکا لباس حرام، اسکی پرورش ہی حرام پر ہوئی ہے تو ایسے شخص کی دُعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے (مسلم)۔

حرام کھانے والے کی دعائیں اور عبادات قبول نہیں ہوتیں ۔ اس معنی میں بہت سی احادیث ہیں جنہیں ہم نے ''فتاوی الدین الخالص'' میں جمع کیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے: [ولا يقبل الله الا الطيب] (البخاری)

(اور اللہ تعالیٰ نہیں قبول کرتا مگر طیب (پاکیزہ) کو)۔

۱۲- گناہوں کا چھوڑ دینا :

یہ بھی اُن شروط میں سے ہے جن سے لوگ تغافل کا شکار ہیں یہ بات بھی جان لیجئے کہ اہل سنت کے نزدیک تمام گناہوں کا چھوڑنا قبولیت عمل کی شرط نہیں البتہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ

جو عمل کو قبول ہونے سے روک دیتے ہیں۔

مثلاً حدیث ہے:[من شرب الخمر لم تقبل له صلاة اربعين صباحاً]
(رواہ النسائی واحمد:۲/ ۱۹۷)
(جو شخص شراب پی لے تو چالیس دن تک اسکی نماز قبول نہیں ہوتی)(نسائی،مسند احمد)

اسی طرح قطع رحمی کے بارے میں حدیث ہے:[لایقبل عمل قاطع رحم]۔
(احمد:۲/۴۸۴) (رشتہ داری کو توڑنے والے شخص کا عمل قبول نہیں ہوتا)۔

اسی طرح نماز میں تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، بدعت کرنا یا وہ شخص جس کے کپڑوں میں زرد رنگ کی زعفرانی خوشبو لگی ہو، اسکی نماز بھی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ ابوداؤد باب الترجل (۸)اور مسند احمد :۴/۴۰۳) میں موجود ہے۔

یا جیسا کہ وہ شخص جو مجرم کو پناہ دے، اسکی نہ نفل نماز قبول ہوتی ہے نہ ہی فرض۔ جیسا کہ بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

یا جیسے وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کروائے حالانکہ وہ قوم اسے ناپسند کرتی ہے، اور وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اُسکا خاوند اس پر ناراض ہو، اور وہ دو بھائی جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں اور اس قسم کے کچھ دیگر گناہ بھی ہیں، اگر چہ ان میں سے بعض اتباع سنت والی شرط میں شامل ہیں۔

اسی طرح ولاء اور براء کا مسئلہ ہے کسی بھی شخص کی نماز یا روزہ اُس وقت تک قبول نہیں ہوسکتا جب تک اسکی دوستی اور دلی تعلق اللہ، اسکے رسول ﷺ اور اہل ایمان کیساتھ، اور اسکی دشمنی اور بغض اللہ کے دشمنوں کیساتھ نہ ہو، اور اس میں دوستی و دشمنی کا علی الاعلان اظہار کرنا بھی ضروری ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو شخص اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے نفرت کرے، اللہ کیلئے دوستی اور اللہ کیلئے ہی دشمنی رکھے تو اس ذریعے سے اللہ کی ولایت حاصل کر لیتا ہے اور جب تک کوئی بندہ اس معیار پر پورا نہ اترے تو وہ ہرگز ایمان کا مزہ نہیں چکھ سکتا اگر چہ اسکی

نمازیں اور روزے کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ (ابو نعیم نے الحلیۃ ۱/۳۱۲ میں یہ قول نقل کیا)

ابن مسعود ﷛ فرماتے ہیں: "اہل معاصی سے بغض رکھ کر تم اللہ کا قرب حاصل کرو، اور انکار کرنے والے چہروں کیساتھ اُن سے ملو، اور اللہ کی رضا اُنکی ناراضگی میں تلاش کرو، اور اُن سے دور ہو کر اللہ کے قریب ہو جاؤ۔ (الموالاۃ ۱/۱۱۸)

لیکن یہ ولاء اور براء کا مسئلہ پہلی شرط میں داخل ہے کیونکہ ایمانِ صحیح اسکو متضمن ہے۔

۱۳ - حقوق العباد کو ادا کرنا:

عمل کی حفاظت کیلئے حقوق کو صحیح طور پر ادا کرنا، اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا اور مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچانا بھی ضروری ہے ورنہ عمل برباد ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام ﷡ سے پوچھا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم تو مفلس اسے کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ یا مال ومتاع نہ ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن بہت سی نمازیں، روزے اور زکوۃ و خیرات لیکر آئیگا لیکن اس حال میں آئے گا، کہ کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون ناحق بہایا ہوگا، اور کسی کو مارا ہوگا لہٰذا اُسکی نیکیوں میں سے کچھ اس فلاں کو اور کچھ فلاں کو دے دی جائیں گی، حق والوں کا حق پورا ہونے سے پہلے اگر اسکی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان (حق والوں) کی خطائیں اس پر ڈال کر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

اس شخص کی حالت دیکھیں جو نیکیوں کے باوجود جہنم میں صرف اس وجہ سے ڈال دیا جائے گا کہ اسکا اخلاق اچھا نہ تھا اور یہ لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيئ فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، ان كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وان لم يكن له حسنات، أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه]۔

(جس نے بھی اپنے بھائی کی بے عزتی کی یا کسی بھی قسم کا کوئی ظلم کیا ہے تو اسے چاہیے کہ آج ہی اسکی تلافی کرلے اس دن سے پہلے کہ جب درہم اور دینار نہ ہونگے اگر اس (ظالم) کے کچھ نیک عمل ہوئے تو اسکے ظلم کے بقدر اس سے لے لیے جائیں گے اور اگر اسکے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اسکے ساتھی (مظلوم) کے گناہوں کو لیکر اس پر ڈال دیا جائے گا۔

آپ بہت سے دین کے دعویداروں کو دیکھیں گے کہ وہ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان پر بہتان تراشی کرتے اور گالیوں سے نوازتے ہیں حالانکہ انکا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے، شرک، بدعت اور تقلید کو ترک کیا ان پاکیزہ نفوس کیلئے اجر عظیم ہے۔ ان شاء اللہ۔

اللهم اجعلنا منهم برحمتك يا أرحم الراحمين !

۱۴ - ادب :

عمل کی حفاظت اور اسکی نفع مندی کیلئے ادب بھی ایک شرط ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں۔

۱- **ادب في العمل** : یعنی عمل میں ادب ہونا یہ قبولیت کی شرط ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ [**الادب علامة قبول العمل**] ادب قبولیتِ عمل کی علامت ہے۔

۲- **أدب بعد العمل** : یعنی عمل کے بعد ادب کا رویہ اختیار کرنا جو شخص ادب نہ کرے اسکا عمل برباد ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾۔ (الحجرات/۲)

(اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور نہ ہی آپکو بلند آواز سے پکارو جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہوجائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے)۔

یہ آیت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ ایک اثر میں ہے کہ" دو بہترین شخص بھی ہلاک ہونے کے قریب تھے" تو پھر دوسروں کے بارے میں آپکا

کیا خیال ہے؟۔

ادب کی کچھ انواع ھیں :

۱-اللہ کیساتھ ادب۔

۲-رسول اللہ ﷺ کیساتھ ادب۔

۳-کتاب وسنت کیساتھ ادب۔

۴-صحابہ اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کیساتھ ادب۔

۵-عام اہل ایمان کیساتھ ادب۔

۱-اللہ کیساتھ ادب یہ ہے کہ انسان اللہ کیساتھ اپنے معاملے کو درست رکھے، دل کو غیر اللہ کی طرف التفات سے بچائے، اور اپنے ارادوں کو بھی اللہ کی ناراضگی اور بغض والی باتوں سے دور رکھے۔

ابو علی الدقاق ؒ کہتے ہیں: ”بندہ اللہ کی اطاعت کے ذریعے جنت تک پہنچتا ہے اور اطاعت میں ادب کے ذریعے اللہ عز وجل تک پہنچ جاتا ہے“۔

اسی طرح انکا قول ہے کہ: ترک ادب کی وجہ سے بندہ دھتکار دیا جاتا ہے، جو دستر خوان پر بے ادبی کرے اسے دروازے کی طرف اور جو دروازے پر بھی بے ادبی کرے اُسے جانوروں کی رکھوالی کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔

یحیی بن معاذ ؒ فرماتے ہیں: ”جو اللہ کے آداب سیکھ لے وہ اسکی محبت کو حاصل کرلیتا ہے“۔

عبد اللہ بن مبارک ؒ فرماتے ہیں: ”جو شخص آداب میں سستی کرے وہ سنتوں سے محروم کردیا جاتا ہے اور جو سنتوں میں سستی یا غفلت کرے تو بطورِ سزا اسے فرائض سے محروم کردیا جاتا ہے اور جو فرائض میں غفلت کا مظاہرہ کرے تو اسکی سزا یہ ہے کہ اُسے معرفت سے محروم کردیا جاتا ہے“۔

ابو نصر السراج ؒ کہتے ہیں کہ ”ادب کے معاملے میں لوگوں کے تین طبقے ہیں“۔

اہل دنیا کا ادب فصاحت و بلاغت، حفظ علوم، عربوں کے اشعار اور بادشاہوں کے جگ راتوں کا حال احوال یاد کرنا ہے۔

اہل دین کا زیادہ تر ادب نفس کی ریاضت، اعضاء کی تاَدیب، حدود کی حفاظت اور شہوات کو ترک کرنا ہے۔

جبکہ اہل خصوص کا زیادہ تر ادب دل کی طہارت، اسرار کا لحاظ، معاہدوں کی پاسداری، وقت کی حفاظت، خواطرِ قلب کی طرف قلتِ التفات اور خاص طور پر مقامات قرب، اوقاتِ حضور اور مواقفِ طلب میں بہترین ادب اختیار کرنا ہے۔

ابن مبارکؒ کہتے ہیں: ''ادب یہ ہے کہ نفس اور اسکی رعونتوں (اوچھے پن) کو جان لینا اور ان رعونتوں کو ترک کر دینا''۔

شبلیؒ کہتے ہیں: ''حق کے سامنے لب کشائی کرنا ترک ادب ہے''۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''ادب کی حقیقت یہ ہے کہ اچھے اخلاق کو اپنایا جائے اسی وجہ سے انبیاء کرام ادب کے اعتبار سے کامل ترین تھے''۔

ابراھیم علیہ السلام کا ادب دیکھیں! فرماتے ہیں: [وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ]۔ (الشعراء آیت:) (اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے)

باقی چیزوں کی بنسبت مرض کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں خضر علیہ السلام کا قول دیکھیں :[فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا]۔(الکھف آیت:)

(پس میں نے ارادہ کیا کہ اس (کشتی) کو عیب لگا دوں)

عیب کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا قول:

﴿رَبِّ اِنِّيْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ﴾ (القصص آیت:)

(اے میرے رب! جو خیر بھی تو میری طرف اتارے میں اسکا محتاج ہوں)

یہ نہیں کہا کہ اللہ! مجھے کھانا کھلا۔

اسی طرح ایمان والے جنوں کا قول:

﴿ أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (الجن/۱۰)

(کیا زمین والوں کیساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا انکے رب نے انہیں ہدایت دینے کا ارادہ کیا ہے)۔

اس میں بھی ہدایت کے برعکس شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی۔

اسی طرح آدم علیہ السلام کا قول بھی دیکھیں !۔

فرمایا: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا ﴾ (الاعراف/۲۳) (اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا)۔

یہ نہیں کہا تو نے ہماری تقدیر ایسی بنائی۔ جیسا کہ ابلیس نے کہا تھا: ﴿ بِمَا أَغْوَيْتَنِي ﴾ (الاعراف/۱۶) (تو نے مجھے گمراہ کیا)

اسی طرح ایوب علیہ السلام کا ادب دیکھئے! فرماتے ہیں:

﴿ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴾۔ (الانبیاء/۸۳)

(اے میرے رب! بے شک مجھے تکلیف نے چھولیا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہے)

یہ نہیں کہا کہ "مجھے شفا دے دے" اور دو عظیم ادب اختیار کیے۔

اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ادب بھی ملاحظہ کیجئے!

اسراء و معراج کے واقعے کے حوالے سے قرآن کہتا ہے :

﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴾۔ (النجم/۱۷)

(نہ نگاہ بھٹکی اور نہ حد سے بڑھی تحقیق آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں)

ان آیات میں بڑے عجیب اسرار ہیں لیکن یہاں انہیں بیان کرنے کا موقع نہیں۔

اور اسی ادب میں سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ستر ڈھانپنے کا حکم دیا، پوچھا گیا کہ اگر ہم میں سے کوئی اکیلا ہو تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اُس سے حیا کی جائے۔

پورا دین ادب پر مشتمل ہے، مثلاً نماز میں سر جھکا کر کھڑے ہونا، ہاتھوں کو سینے پر باندھنا، قرآن مجید کو نرمی اور خشوع کیساتھ پڑھنا، ستر ڈھانپنا، زبان کی حفاظت کرنا، رکوع اور سجدے میں قراءت نہ کرنا، قبلے کی طرف منہ کر کے پیشاب، پاخانہ نہ کرنا، قبلے کی جانب نہ تھوکنا، اسی طرح نماز میں سکون اختیار کرنا، ظاہراً اور باطناً اللہ کا ادب کرنا، یہ سب کچھ ادب میں شامل ہے۔ا

سی طرح اللہ کیلئے زیب وزینت اختیار کرنا کیونکہ:[ان اللہ جمیل یحب الجمال]۔ (بے شک اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے)۔

ادب کی تعریف:

صاحب المنازل نے ادب کی تعریف یوں کی ہے: ادب یہ ہے کہ سرکشی کے نقصانات کی معرفت کیساتھ غلو اور جفا کی درمیانی حد کی حفاظت کی جائے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ادب کی بہترین تعریف ہے۔

اور یہ بھی اللہ کیساتھ ادب میں سے ہے کہ انسان اس حد تک اللہ سے نہ ڈرے کہ اس کی رحمت سے ہی مایوس ہو جائے اور نہ ہی ایسا بے خوف ہو کہ اسکی معصیت پر نڈر ہو جائے، اور اپنی خوشی پر بھی قابو رکھے۔

ابو عبیدؒ کہتے ہیں: میں مکہ میں داخل ہوا کبھی میں کعبہ کے سامنے بیٹھتا اور کبھی اپنی ٹانگیں اسکی جانب پھیلا کر لیٹ بھی جاتا تھا، اسی اثناء میں عائشہ المکیۃ رحمہا اللہ میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں: اے ابو عبیدؒ! کہا جاتا ہے کہ تو اہل علم میں سے ہے، میری ایک بات مان لے وہ یہ کہ اللہ کے سامنے ہمیشہ ادب سے بیٹھ ورنہ تیرا نام مقربین کی کتاب سے مٹا دیا جائیگا۔

سریؒ کہتے ہیں: میں نے ایک رات نماز پڑھی اور محراب میں پاؤں پھیلا دیئے تو ایک ندا آئی: اے سری! کیا تو بادشاہوں کے سامنے بھی اسی طرح بیٹھتا ہے؟۔

یوسف بن حسینؒ فرماتے ہیں: ادب کے ذریعے علم سمجھ آتا ہے، اور علم سے عمل درست ہوتا ہے اور عمل سے حکمت ملتی ہے، اور حکمت سے زہد حاصل ہوتا ہے اور زہد کے ذریعے دنیا

ترک کی جاتی ہے اور ترکِ دنیا سے آخرت کی رغبت ہوتی ہے اور آخرت میں رغبت کرنے سے ہی اللہ کے ہاں رتبہ ملتا ہے۔

اور یہ بھی اللہ کیساتھ ادب ہے کہ اسکے نام کی تحریراً اور لفظاً دونوں اعتبار سے تعظیم کی جائے۔

۲- **رسول اللہ ﷺ** کیساتھ ادب یہ ہے کہ آپکی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی آپکی تعظیم کی جائے، آپکا اصل ادب تو یہی ہے کہ انسان آپ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کردے، آپکی بات کو دل وجان سے قبول کرلے اور کسی باطل خیال کو عقل، قیاس، ذوق، سیاست یا تقلید کا نام دیکر اسکی وجہ سے آپ ﷺ کی مخالفت نہ کرے۔

جس طرح توحید رب العالمین واجب ہے اسی طرح توحید متابعۃ الرسول ﷺ بھی واجب ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو ادب کے دعویدار ہونے کے باوجود اس حوالے سے آپکی گستاخی اور سوءِ ادب کا معاملہ کرتے ہیں۔

اور آپکا ادب یہ بھی ہے کہ آپکو آپکے نام سے نہ پکارا جائے۔ اونچی آواز سے بات نہ کی جائے، اپنی آواز کو آپکی آواز پر بلند نہ کیا جائے، آپ سے آگے نہ بڑھا جائے، آپکے واضح حکم کے خلاف فتویٰ نہ دیا جائے، احادیث نبویہ میں اشکال تلاش نہ کرے بلکہ انکی مخالف آراء میں اشکال ڈھونڈے، اور یہ بھی آپکے ادب میں سے ہے کہ جب آپکی محفل میں کسی اہم معاملے پر جمع ہوں تو آپ سے اجازت لیے بغیر اس محفل سے نہ اُٹھیں، اور یہ بھی آپکا ادب ہے کہ آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کا احترام کیا جائے اور آپکا نام تعظیم اور محبت سے لیا جائے، آپ ﷺ پر درود وسلام پڑھا جائے، اور ان جیسے اور بھی بہت سے آداب ہیں جن سے قرآن بھرا ہوا ہے۔

۳- صحابہ کرام اور سلف صالحین رضی اللہ عنہم کا ادب:

ان سے محبت کرنا، ان سے راضی رہنا، اچھے کاموں میں انکی اتباع کرنا، انکے باہمی جھگڑوں کا بلا فائدہ ذکر نہ کرنا اور انکے جھگڑوں کو اجتہاد پر محمول کرنا، انکے جہاد اور تبلیغ پر انکا مشکور

ہونا، جو ان سے بغض رکھے اس سے بغض رکھنا اور جو انکے ساتھ محبت رکھے اس سے دوستی رکھنا۔

۴- مخلوق کیساتھ ادب: یہ تو معروف ومعلوم ہے۔

۵- کتاب وسنت کا ادب۔

کتاب وسنت کا ادب یہ ہے کہ انہیں پر کتاب اور کلام پر مقدم کیا جائے ان دونوں پر ایمان لانا، انکی تعظیم کرنا، انکی نصوص کو تسلیم کرنا، انکے بالمقابل شیطانی خیالات کو دفع کرنا، کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم پر سمجھنا، ان میں تدبر کرنا، انہیں یاد کرنا اور نشر کرنا، اپنے فیصلے انکی طرف لیکر جانا، انکے فضائل بیان کرنا، انکی خیر خواہی چاہنا، انکو دائیں ہاتھ سے پکڑنا، باقی کتابوں کے اوپر رکھنا، انکی جانب پاؤں نہ پھیلانا، انکو پڑھنے کیلئے باوضو وپاک صاف ہونا خصوصاً قرآن کریم کیلئے ۔ اور انہیں عرب کے اسلوب اور لہجے پر پڑھنا، یہ سب باتیں کتاب وسنت کے آداب میں شامل ہیں۔

پس جو شخص یہ کہے کہ کتاب وسنت میں تو دین کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے یا قیاس اور قوانین اُصولیہ کو کتاب وسنت پر مقدم کرے یا انگریزی قوانین کو کتاب وسنت پر ترجیح دے، یا یہ کہے کہ بے شک کتاب وسنت لفظی اُدلہ ہیں جو گمان کا فائدہ دیتے ہیں، یقین کا فائدہ نہیں دیتے، یا یہ کہے کہ کتاب وسنت جدید دور میں نہیں چل سکتے تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی گستاخی کی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے خبردار رہیں اور اپنے آپ کو ان میں شامل ہونے سے بچائیں۔

ادب کا درجہ تو ایسا ہے کہ ایک پوری کتاب کا متقاضی ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم اسے تفصیل کیساتھ کہیں ذکر کریں گے، یہاں تو یہی مقصود تھا کہ ادب کو عمل صالح اور اس سے انتفاع کی شرط کے طور پر ذکر کیا جائے اور یہ اہم ترین شرط ہے لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر ہر لحاظ سے ادب کے تقاضے پورے کریں۔

۱۵- خاتمہ بالخیر: عمل صالح کے نفع بخش ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ

انسان کی موت ایمان اور صحیح عقیدے پر آئے بصورت دیگر تمام اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ (البقرہ:۲۱۷)

(تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور کافر ہو کر مرا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو جائیں گے)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:[انما الاعمال بالخواتیم] (متفق علیہ)

(اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا : [ان الرجل لیعمل باعمال اهل الجنة فیما یبدو للناس، وانه من اهل النار...... الخ] متفق علیه .

(بے شک ایک آدمی بظاہر اہل جنت والے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے)

لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے، نفاق اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگے، اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس دُعا کو لازم پکڑے :

[اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ ! صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ! ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ]

(اے اللہ ! اے دلوں کو پھیرنے والے ! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین کی طرف پلٹ دے)

اور اس قرآنی دُعا کو بھی ہمیشہ زبان پر رکھے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۸)

(اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا، اور اپنی جناب سے ہمیں رحمت عنایت فرما، بے شک تو بے انتہا عنایت والا ہے)

اور یہ بات بھی جان لیں کہ اگر آپ اچھا عمل کریں گے تو یہ بات اللہ کے کرم اور شان کے لائق نہیں کہ وہ یونہی آپکا عمل برباد کردے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾۔(آل عمران:۱۹۵)

(اُنکے رب نے انکی دعائیں قبول کرلیں کیونکہ بے شک میں کسی عمل کرنیوالے مرد یا عورت کے عمل کو برباد نہیں کرتا)

اسی طرح فرمایا:﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۱۱۱)

(کون ہے جو اپنے عہد کو اللہ سے زیادہ پورا کرنیوالا ہے؟)

بہر حال اللہ پر حسن ظن رکھنا اور برے خاتمے سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

﴿فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾(الاعراف/۹۹)

(اللہ کی تدبیروں سے تو خسارہ پانے والے لوگ ہی بے خوف ہو سکتے ہیں)

❁❁❁❁❁❁❁❁
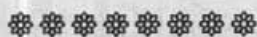
۲-دوسرا عظیم اور نفع بخش فائدہ

یہ ہر اس شخص کیلئے ہے جو اپنے نفس کو موجودہ اور آئندہ آنے والے فتنوں سے بچانا چاہتا ہے، یہ فائدہ فتنوں اور انکے علاج وأسباب کی معرفت اور اجتناب کے بیان پر مشتمل ہے۔ بے شک بہت سے لوگ فتنوں کی معرفت نہیں رکھتے اور اسکا سبب یا تو ایمان کی کمزوری ہے یا جہل کا غلبہ، یا پھر ان فتنوں کا عادی ہو جانا بھی اسکا سبب ہوسکتا ہے۔ واللہ المستعان۔

لفظ فتنہ کے بہت سے معانی ہیں:

۱-آزمائش۔

۲-فَتَّانُ شیطان کو بھی کہتے ہیں۔

۳-فتان ہر اُس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جو خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔

۴-اکثر طور پر اس لفظ کا استعمال آزمائش کے ذریعے کسی مکروہ بات کو ظاہر کرنے کے معنی میں ہوتا ہے اور پھر عموماً اس کا استعمال گناہ، کفر، لڑائی، جلانے، زائل کرنے اور کسی چیز سے ہٹا دینے کے معانی میں ہونے لگا۔ (النهاية ۳/۴۱۰)

اور لسان العرب میں ہے:(فتن الرجل : اى أزاله عما كان عليه، وان كادوا ليفتنوك : اى يميلوك ويزيلوك)

ہمارا مقصود یہاں پر لفظ فتنہ سے یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کے راستے سے ہٹ جائے لہٰذا ہر وہ چیز جو آپکو اللہ، اسکے ذکر اور اسکے راستے سے ہٹا دے وہ فتنہ ہے۔

فتنوں کی بہت زیادہ اقسام ہیں:

۱-مال کا فتنہ۔

۲-اولاد کا فتنہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (التغابن:۱۵)

(بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:(إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً، وفتنة أُمَّتِي المالُ)۔

(رواه الترمذی باسناد صحيح)

(بے شک ہر امت کا ایک (مخصوص) فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے) (ترمذی)

مال اور اولاد کا حصول اگر چہ جائز ہے لیکن اکثر اوقات انسان انہی کی وجہ سے اللہ اور اسکے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات تو اپنا دین تک دنیا کے بدلے بیچ کر اسلام سے ہی مرتد ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

کتنے ہی لوگ ہیں جو دن رات دنیا کا مال جمع کرنے کی خاطر اللہ سے غافل ہیں اور اسی وجہ سے گناہوں، غلطیوں اور قطع رحمی کا شکار ہیں۔

حدیث میں آتا ہے: [لا الفقر أخشى عليكم، ولكن أخشى ان تبسط عليكم الدنيا فتنافسوها كما تنافسوها فتهلككم كما اهلكتهم].

(رواه البخاری)

(میں تم پر فقر کا خوف نہیں رکھتا لیکن اس بات کا خوف رکھتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائیگی اور تم اس میں ایسے ہی رغبت کرو گے جیسے پہلوں نے کی اور وہ تمہیں ایسے ہی ہلاک کر دے گی جیسے پہلوں کو کیا (بخاری)

۳- عورتوں کا فتنہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ﴾

(آل عمران:۱۴) (لوگوں کیلئے عورتوں کی محبت کو مزین کر دیا گیا ہے)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فتنةً أَضَرَّ على الرجال مِنَ النساءِ ۔(متفق علیہ)

(میں نے اپنے بعد مردوں کیلئے عورتوں سے بڑھ کر کوئی نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: (الدنیا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وان الله مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تعملون، فاتقوا الدنيا، واتقوا النساءَ فان أولَ فِتْنَةِ بَنِيْ اسرائيل كانت في النساء)۔ (رواہ مسلم)

(دنیا بڑی میٹھی اور سر سبز ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اسکا جانشین بنانے والا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہیں، پس دنیا سے بچو، اور عورتوں سے بچو، بے شک بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں ہی تھا) (مسلم)

عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں جنکے ذریعے وہ مردوں کا شکار کرتا ہے، اور آجکل کے زمانے میں یہ فتنہ شدید تر ہو چکا ہے، آجکل کفار اور شیاطین کا اہم ترین اسلحہ یہ عورتیں ہیں جنکے ذریعے یہ مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں کا شکار کرتے ہیں، دیندار اور دنیادار دونوں کیلئے یہ فتنہ مہلک ترین ہے لہٰذا ہمارے پیارے نبی ﷺ نے امت کی خیر خواہی کرتے ہوئے ہمیں اس فتنے سے خبردار کیا۔

علماء کرام رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ غیر محرم عورت پر کبھی داخل مت ہونا اگرچہ تم یہ کہو کہ میں اسے قرآن کی تعلیم دیتا ہوں۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے: [ما من يوم الا وَمَلَكَانِ يُنَادِيَانِ: وَيْلٌ للرجال من النساء وويلٌ للنساء من الرجال]۔ (رواہ ابن ماجہ)

(روزانہ دو فرشتے ندا لگاتے ہیں کہ ہلاکت ہے مردوں کیلئے عورتوں کی جانب سے اور ہلاکت ہے عورتوں کیلئے مردوں کی طرف سے) (ابن ماجہ)

۴- دنیا کا فتنہ:

بے شک دنیا کی محبت ہر برائی کا سرا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے ایک اثر وارد ہے اور اسے مرفوعاً بھی بیان کیا گیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

الْغَرُوْرُ﴾ (فاطر:۵) (پس تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے، اور دھوکہ دینے والا کوئی (شیطان) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال پائے)

اور فرمایا: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرُ﴾ (الحدید:۱۹)

(دنیا کی زندگی تو بس دھوکے کا سامان ہے)

دنیا مؤمن کو طول بقاء کے ذریعے دھوکہ دیتی ہے حالانکہ یہ فانی ہے، اور ظاہری چکا چوند کے ذریعے دھوکہ دیتی ہے حالانکہ یہ آلام ومصائب سے بھری پڑی ہے، یہ تو اُن سر سبز پودوں اور بچیوں کی گڑیا کی طرح جنکا کچھ حاصل نہیں۔ (قاله الحسن)۔

یہ ایک مالِ متروک ہے جو مٹ جائے گا۔

اور اس فتنے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیاوی راحت، سکھ، چین اور منصب کے نہ ملنے پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف اور شدائد کا بھی صبر کیساتھ مقابلہ کیا جائے نہ سختیاں ہمیشہ رہتی ہیں اور نہ ہی راحتیں۔ انسان کو ان دونوں پر صبر وشکر کے ذریعے اجر کی امید رکھنی چاہیے۔

اسی طرح دنیا کی کسی بھی چیز کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مقدم نہ کرے، کھانا، پینا، نیند، بیوی، اولاد، راحت، کرسی، احباب کی محفل، سیر وسیاحت، مال۔ غرض ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بالمقابل ترجیح نہ دے اور تمام چیزوں میں سے اتنا ہی لے جو اسے اللہ تک پہنچادے اور بس۔

ترکِ دنیا کا یہی معنی ہے، اسکا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنے یا اپنے بچوں کیلئے دنیا ہی نہ کمائے، مال بالکل جمع ہی نہ کرے یا رزق حلال کی طلب ہی چھوڑ دے بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الاعراف:۳۲)

(آپ کہہ دیجئے! کون ہے جس نے اللہ کی زینتوں کو حرام کیا کہ جو اُس نے اپنے بندوں کیلئے نکالی ہیں اور پاکیزہ رزق کو بھی، آپ کہیے! یہ ایمان والوں کیلئے ہیں دنیا کی زندگی میں، جبکہ قیامت کے دن تو خالص انہی کی ہیں)

البتہ جو شخص اپنی خواہشات میں سے کسی چیز کو اللہ عز وجل کی اطاعت پر مقدم کرتا ہے تو یہ دنیا میں راغب اور اسے ترجیح دینے والا ہے، اور جو اللہ کی اطاعت کو اپنی خواہش پر مقدم کرتا ہے تو وہ دنیا سے بے رغبت ہے۔

پھر لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں، کتنے ہی لوگ ایسے بھی ہیں جو بیوی بچوں سے تو بے رغبت ہیں لیکن جاہ و مال کے پیچھے پوری عمر گذار دیتے ہیں۔ فتدبر!۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا، وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا، إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾۔ (الدہر: ۲۳ تا ۲۷)

(اور آپ صبر کیجئے اپنے رب کے حکم پر اور ان میں سے کسی بھی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت مت کیجئے، اور ذکر کیجئے اپنے رب کے ناموں کا صبح شام، اور رات کے بعض حصے میں اسکے لیے سجدہ کیجئے اور طویل رات میں اسکی تسبیح بیان کیجئے، بے شک یہ لوگ جلدی والی (دنیا) کو پسند کرتے ہیں اور (قیامت کے) بھاری دن کو پس پشت چھوڑے ہوئے ہیں)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اشارہ دیا ہے کہ جو شخص ان پاکیزہ اوقات میں کثرت کیساتھ اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہی قیامت کو پیٹھ پیچھے پھینکنے والا اور دنیا کو پسند کرنے والا ہے۔

اس بات پر غور کیجئے یہ آپکو فائدہ دے گی (ان شاء اللہ) اور اس کے ذریعے آپ زہد کا صحیح مفہوم سمجھ سکیں گے۔

۵- دنیاوی علوم کا فتنہ:

مثلاً فلسفہ، منطق، ریاضی اور جدید علوم کبھی یہ بھی انسان کیلئے فتنہ کا باعث ہوتے ہیں اور اُسے اللہ کے ذکر سے روک دیتے ہیں بلکہ کتاب وسنت اور حق کو قبول کرنے، اور اسکے لیے انقیاد میں بھی رکاوٹ بن جاتے ہیں اور انکی وجہ سے بعض اوقات انسان متکبر بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ (المؤمن:۸۳)

(پس جب انکے رسول انکے پاس واضح دلائل لے آئے تو یہ لوگ اُس علم پر اترانے لگے جو انکے پاس تھا اور گھیر لیا انہیں اس استہزاء نے جو وہ کیا کرتے تھے)

پس انکے علوم انکے لیے فتنہ بن گئے، ہم نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا اور سنا ہے جو علم منطق کا دعویٰ رکھتے ہیں اور کتاب وسنت کا استہزاء کرتے ہیں اور بعض سائنسی امور کے ماہر ہذیان گوئی کرتے ہوئے اللہ کی آیات کو جھٹلاتے ہیں ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ علم حقیقی علم وحی پر مبنی ہے جو اس اللہ عزوجل نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کے تمام بھید جانتا ہے۔

کسی نے خوب کہا:

اَلْعِلْمُ مـا فيـهِ قَـالَ حَدَّثَنَا ‏ وما سوىٰ ذالك وَسْوَاسُ الشياطين

علم وہ ہے جس میں قال حدثنا ہو اور جو اس کے سوا ہے، شیطان کے وسواس ہیں۔

اَلْعِلْمُ قَـالَ اللهُ قَـالَ رَسُوْلُهُ ‏ قال الـصـحـابـةُ هُـم أُولُـوا الْعِرْفَان

علم وہ ہے جس میں قال اللہ اور قال الرسول ہو، اور قال الصحابہ ہو جو کہ اہل عرفان ہیں

دِيْـنُ الـنَّـبِـيِّ مُـحَـمَّـدٍ أَخْبَـارُ ‏ نِـعْـمَ الْـمَـطِـيَّةُ لِلْفَتـى الآثَـارُ

نبی (ﷺ) محمد کا دین احادیث پر مبنی ہے، کسی نوجوان کی بہترین سواری آثار ہیں۔

لَا تَـرْغَبَـنَّ عَـنِ الْـحَـدِيْـثِ وَأَهْلِهِ ‏ فَـالـرَّأْيُ لَيْـلٌ وَالْـحَـدِيْـثُ نَهَارُ

حدیث اور اہل حدیث سے ہرگز بے رغبتی نہ کر، کیونکہ حدیث دن اور رائے رات ہے۔

يَـا أَيُّهَـا الْـمُـقْتَـدِىْ لِتَطْلُبَ عِلْمًا ‏ كُـلُّ عِـلْـمٍ عَبِـيْـدُ عِـلْـمِ الـرَّسُـوْلِ

اے مقتدی جو علم کا متلاشی ہے، جان لے کہ ہر علم علم رسول کا غلام ہے۔

وَتَطْلُبُ الْعِلْمَ كَيْ تُصَحِّحَ أَصْلًا ‏ كَيْفَ أَغْـفَـلْـتَ أَصْـلَ الْأُصُـوْلِ

تو علم اس لیے طلب کرتا ہے کہ اپنی اصل کو درست کرے، تو پھر تو تمام اصولوں کی اصل

سے کیسے غافل رہا۔ (قواعد التحدیث ص : ۵۱، شرح الفقه الاکبر ص : ۳)

کتاب وسنت کا پھل تواضع اور خشیت ہے، جبکہ دوسرے علوم تکبر، خود پسندی اور وحشت کا باعث ہیں۔

لہٰذا اے آخرت کے طالب! دیکھنا کہیں تمہارے علوم تمہارے لیے فتنہ نہ بن جائیں بلکہ بعض لوگ تو صرف اس لیے حق کو چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ اتنی مدت تک حق سے کس طرح غافل رہے اور اب کیسے بیان کر رہے ہیں؟ یعنی انکا علم وجاہ ہی تکبر بن جاتا ہے اور انہیں حق کو چھپانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (واللہ المستعان)

۶-جماعت اور تنظیم سازی کا فتنہ:

آجکل کے عظیم ترین فتنوں میں سے ایک جماعتیں اور تنظیمیں قائم کرنا اور اختلاف وانتشار کے راستے پر چلنا ہے، بے شک بہت سے لوگوں کی جماعت انکے لیے فتنہ بن جاتی ہے کیونکہ وہ جماعت کی خاطر دوستی اور جماعت کی خاطر ہی دشمنی رکھتے ہیں، اور لوگوں کو اپنی جماعت کی طرف بلاتے ہیں جبکہ قرآن وسنت ہمیں ان جماعتوں کیساتھ منسلک ہونے سے ڈراتے اور روکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا ﴾۔

(آل عمران:۱۰۵)

(اور مت ہو جاؤ اُن لوگوں کی طرح جو فرقوں میں بٹ گئے اور اختلاف میں پڑ گئے)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: [فاعتزل تلك الفرق كلها]

(ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ)

تفصیل کیلئے دیکھیے (فتاوی الدین الخالص جلد ٦، مسئلہ ٣)

۷-تقلید کا فتنہ:

یہ بھی اُن عظیم فتنوں میں ہے کہ بچے جس پر جوان اور بڑے جس پر بوڑھے ہو چکے ہیں

اس فتنے نے بہت سے لوگوں کو اللہ کے دین اور اس کے لیے اخلاص سے روک دیا ہے بلکہ انہیں اللہ، اسکے رسول ﷺ، اللہ کی کتاب اور اسکے رسول ﷺ کی سنت کی محبت سے دور کر دیا ہے اور انہیں ایمان اور کتاب وسنت کی مٹھاس سے محروم کر دیا ہے اور اسی فتنے نے لوگوں کو تحقیق، علمِ صحیح اور اللہ کی معرفت سے بھگا کر شیطانی جالوں میں پھنسا دیا ہے۔ (فالی اللہ المشتکیٰ وعلیه التکلان)

(اس فتنے کی تفصیل کیلئے ہماری کتاب ''حقیقة التقلید'' اور علماء اہل الحدیث والسنة کی کتب کی طرف رجوع کریں)

۸- بے دین اداروں اور مدارس کا فتنہ:

بعض لادین ادارے اور اہل شرک واہل بدعت کے مدارس بھی لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور گمراہی درگمراہی کا سبب ہیں۔ (واللہ المستعان)

۹- کتابوں کا فتنہ:

وہ کتابیں بھی فتنے کا باعث ہیں جو لطیفہ گوئی، حکایات اور کتاب وسنت سے ثابت شدہ صحیح مسائل کے خلاف لکھی گئی ہیں لیکن بعض تو خود کتاب وسنت ہی کی تردید کرتی ہیں جیسا کہ بعض فقہ حنفی کے اصول کی کتابیں ہیں۔

یہ تمام کتابیں جو اہل حق کے خلاف لکھی گئی ہیں اور کافی بڑی تعداد میں ہیں یہ بھی عظیم فتنہ ہیں جو خصوصاً عوام کی گمراہی کا باعث ہیں جو کہ ردی اور قیمتی بات میں فرق کرنے سے قاصر اور حق وباطل کو پہچاننے سے عاجز ہیں۔

۱۰- تصاویر کا فتنہ:

تصاویر کا فتنہ بھی بہت عام ہو چکا ہے، اور یہ اتنی بڑی مصیبت ہے کہ بہت سے اہل علم بھی اسکی پرواہ نہیں کرتے تو عوام کا کیا حال ہوگا؟

تصاویر ایسا فتنہ ہیں جن سے ایمان میں فساد اور تعلق باللہ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور انکی

وجہ سے انسان کے دل میں وحشت طاری ہو جاتی ہے۔

۱۱- نت نئی کاروں، موبائل فونز، کمپیوٹر اور ٹیلیوژن و دیگر آلات غفلت کا فتنہ

یہ سب چیزیں اپنے اندر بہت سے فتنے سموئے ہوئے ہیں کہ جنہیں صرف وہی شخص پہچان سکتا ہے جو اللہ کی محبت اور اسکے ذکر کی مٹھاس کو چکھ چکا ہو، اور جس نے اپنی عمر اور وقت کی قدر پہچان لی ہو، اور قراءت قرآن کی اہمیت سے واقف ہو، اور سورۃ لقمان پر تدبر کیا ہو کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ (سورۃ لقمان: ۵) (اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو لغو باتوں کو خریدتے ہیں تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے گمراہ کریں)

انسان اس وقت تک احسان کے درجے پر نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کے پاس یہ تمام آلات ہوں سوائے ایک گاڑی کے جو اُس کی سواری کیلیے ہو، اور یہ ایک مجرب بات ہے، بلکہ یہ آلات تو ایسے ایسے گناہوں کا سبب ہیں کہ جو گذشتہ لوگوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آسکتے تھے، لہٰذا اے میرے بھائی! اپنے آپ کو ان چیزوں میں رغبت سے بچائیے۔

ان موبائل فونز نے نماز اور ذکر وطواف تک کو فاسد کر دیا ہے اور تضییع اُوقات کے ساتھ ساتھ دورانِ سفر پریشان کرنے کا بھی باعث ہیں۔

۱۲- لوگوں کیساتھ زیادہ میل جول، مہمانوں کی کثرت، زیادہ سفر کرنا اور اپنے گھر یا مسجد سے بلا فائدہ نکلنے کا فتنہ

ان سب چیزوں میں بھی بہت سے فتنے ہیں، اسی لیے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے سیاحت کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: [اِئْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ] (ہمیں سیاحت کی اجازت دیجئے!) [قَالَ إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِيْ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ] ۔آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے)۔

(ابوداؤد)

لوگوں سے زیادہ میل جول بھی دل کے بگاڑ اور وقت کے ضیاع کا سبب ہے، اور کثرت کلام، غیبت اور غفلت کا باعث ہے۔ اور یہ بھی ہمارے تجربے کی بات ہے۔

۱۳-لڑائی جھگڑے کا فتنہ:

لڑائی اور جھگڑے بھی بڑا فتنہ ہیں جو لوگوں کو اللہ کے دین اور اسکے ذکر سے روک دیتے ہیں، اس لیے حدیث میں آتا ہے: [ما ضلَّ قومٌ بعد هُدىً كانوا عليه إلَّا أُوتُوا الجَدل] (مسند احمد، سنن ابی داود بسند حسن)

(ہدایت کے بعد گمراہی اختیار کرنے والی ہر قوم کو جھگڑوں میں پھنسا دیا جاتا ہے)

ایک اور حدیث میں ہے: [وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ]۔ (بخاری)

(قرب قیامت ہرج یعنی قتل عام ہو جائے گا)

اس لیے مؤمن کو چاہیئے کہ ان لڑائی جھگڑوں سے دُور رہے کیونکہ یہ دِلوں کو فاسد اور لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں اور انکی وجہ سے انسان غفلتوں میں پڑ جاتا ہے۔

۱۴-دل کی سختی کا فتنہ:

اللہ کی قسم دلوں کی سختی عظیم ترین فتنہ ہے، یہ مرض دراصل یہودیوں کا ہے جو سوائے چند لوگوں کے امت کے عرب وعجم میں بھی سرایت کر چکا ہے، یہ فتنہ ہر برائی، گناہ، غلطی، ظلم اور فساد کی جڑ ہے، یہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بے ادبی ہے۔

اسی کی وجہ سے قرآن کی آیات انسان پر اثر نہیں کرتیں اور جب یہ فتنہ راسخ ہو جائے تو عبادت کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہیں اور اسکی وجہ تعصب اور فساد پیدا ہو جاتا ہے اور انسان قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی تحریف کرنے لگتا ہے اور انسان کے اذکار، دعائیں اور نمازیں خشوع وخضوع اور آنسوؤں سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا)

یہ ایسا فتنہ ہے کہ بہت لوگ ہی اسکے ازالے کی کوشش اور دعا کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ

نے تو اسے کھلی گمراہی قرار دیا ہے، فرمایا: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الزمر:۲۲)

(ہلاکت ہے اُن لوگوں کیلئے جنکے دل اللہ کے ذکر سے (اثر نہیں لیتے بلکہ) سخت ہو چکے ہیں، یہ لوگ واضح گمراہی میں ہیں)

اور دلوں کی نرمی کو ہدایت قرار دیا ہے: فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾۔ (الزمر:۱۸)

(یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقلمند ہیں)

۱۵-انتخابات کا فتنہ:

جمہوری انتخابات اور حکومت وعہدے کی طلب بھی بہت بڑا فتنہ ہے اور اللہ کی قسم! یہ عظیم فتنہ کفر باللہ اور کفر بالاسلام پر مشتمل ہے اور اپنے اندر تمام کبائر اور گناہوں کو سمیٹے ہوئے ہے ۔ جو شخص اس بات کو نہیں سمجھتا اسے چاہیے کہ موجودہ دل کی جگہ دوسرا دل، موجود عقل کی بجائے دوسری عقل اور موجودہ ایمان کے بدلے اور ایمان اللہ سے مانگے ۔(اس فتنے کے پچاس نقصانات ہماری کتاب فتاوی الدین الخالص ۴/۲ میں دیکھیں)۔

۱۶-عیسائیوں، اسماعیلیوں، قادیانیوں اور شیعوں کے تبلیغی مشن کا فتنہ:

مسلمان علاقوں میں ان تمام اہل باطل کے تبلیغی مشن اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان آزادانہ نقل وحرکت بھی بہت فتنے کا باعث ہے۔ یہ اہل باطل بہت سے ذرائع مثلاً مال، عورت، اسلحہ، آلات لہو ولعب، انٹرنیٹ اور موبائل فونز وغیرہ کو اپنی باطل دعوت کیلئے استعمال کرتے ہیں، تصوف وغیرہ کی دعوت انہی کے پروگرام کا ایک حصہ ہے بہر حال انکی سرگرمیاں ایک مسلمان پر مخفی نہیں۔

۱۷-شدید فقر اور مؤذی اَمراض کا فتنہ:

شدید غربت اور دائمی امراض بھی بعض ... فقر کی ...

زیادہ غربت اور بیماری میں انسان صبر سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور جزع فزع کرنے لگتا ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ فرماتے: [اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِكَ مِنَ الۡكُفۡرِ وَالۡفَقۡرِ وَعَذَابِ الۡقَبۡرِ] (اے اللہ! بے شک میں کفر، فقر اور عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

اسی طرح آپ ﷺ زندگی اور موت کے فتنے، سینے کے فتنے، دجال کے فتنے، مالداری کے فتنے اور اسی طرح دن اور رات کے فتنے سے بھی پناہ مانگا کرتے تھے۔

۱۸-والدہ کی ظالم اولاد کیلئے بددعا کا فتنہ:

حدیث جریج میں آپ ﷺ کے الفاظ ہیں:

[لَوۡ دَعَتۡ عَلَيۡهِ اَنۡ يُّفۡتَنَ لَفُتِنَ] (رواہ مسلم)

(اگر وہ (اسکی ماں) اسکے لیے فتنے میں مبتلا ہونے کی بددُعا کرتی تو وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا) (مسلم) --- لیکن اُس نے صرف یہی بددُعا کی کہ اے اللہ! اسے موت سے پہلے بدکار عورتوں کا چہرہ دکھا۔ تو ایسا ہی ہوا۔

۱۹-علماءِ سوء کا فتنہ:

علماءِ سوء جو لوگوں کو خرافات سناتے ہیں یہ بھی فتنہ ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: [سيكون فی آخر الزمان دجالون كذابون يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤكم فاياكم واياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم]۔(رواہ مسلم)

(آخری زمانے میں ایسے ایسے فریبی اور جھوٹے ہونگے جو تمہیں ایسی ایسی باتیں بتائیں گے جو نہ تم نے سنی ہونگی نہ تمہارے باپ دادا نے، پس ان سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا کہیں یہ تمہیں گمراہ کر کے فتنے میں مبتلا نہ کر دیں) (مسلم)

یہ بھی ایک عظیم فتنہ ہے۔ بے شک عوام الناس ان علماء کو علم و ہدایت پر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ہدایت سے بہت دور ہیں لہٰذا بہت سے لوگ جو حق اور باطل میں تمیز نہیں کر سکتے ان علماء کی وجہ سے دین سے دور اور فتنے میں مبتلا ہو چکے ہیں، صحیح اسلام کے آثار مٹ چکے اور فساد

پھیل چکا ہے، جہالت عام ہو چکی اور علم اُٹھ چکا ہے (واللہ المستعان)

آپ ﷺ نے فرمایا: (اِنَّمَا اَخَافُ علی اُمَّتِیْ کُلَّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ)

(میں اپنی امت پر ہر زبان داں منافق کا خوف رکھتا ہوں)

۲۰- صالحین اور اہل اللہ کی بددُعا کا فتنہ:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو بددُعا دی تو وہ اس حد تک فتنے میں مبتلا ہوا کہ راستوں میں کھڑا ہو کر لڑکیوں کے درپے ہوتا حالانکہ وہ اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ اسکی بھنویں آنکھوں پر لٹک آئی تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ لڑکیوں کو چھیڑتا تھا جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

یہ مجرب بات ہے کہ صالحین کی بددُعا انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔

حدیث میں آتا ہے: مَنْ عَادیٰ لِيْ وَلِيًّا فقد آذَنْتُهٗ بالحرب۔

(جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میں اس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں)

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ کسی بھی مؤمن کو تکلیف نہ دیں تا کہ انکی کوئی بددُعا ہمیں فتنوں میں مبتلا نہ کر دے۔

۲۱- جہالت کا فتنہ:

بے شک جہالت بھی ایسا فتنہ ہے جو تمام آفات اور فتنوں کی جڑ ہے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: [ویکثر الجھل ویقل العلم] (رواہ البخاری وغیرہ)

(قربِ قیامت جہالت پھیل جائے گی اور علم کم ہو جائیگا) (بخاری)

فتنوں سے نجات کے اسباب :

الحمد للہ فتنوں سے نجات کے بہت سے اسباب ہیں جنہیں امت کی خیر خواہی کے طور پر قرآن وحدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آئندہ سطور میں انکی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

ا- پہلا سبب: بقدر استطاعت مذکورہ فتنوں سے دُور رہا جائے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: [یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنماً یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن]

(قال البخاری: باب من الایمان الفرار من الفتن فذکره)

(ایسا وقت قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال اسکی بکریاں ہونگی جنہیں لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا اور اپنے دین کو فتنوں سے بچائے گا)۔(بخاری)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے اس شخص کو بہترین قرار دیا ہے جو اپنے گھوڑے کی باگ تھامے جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف پیکار ہو اور اسی حدیث میں آپ ﷺ نے اسکے بعد بہترین شخص اسے قرار دیا ہے جو بکریوں کا چھوٹا سا ریوڑ لیکر کسی پہاڑ کی چوٹی یا وادی میں چلا جائے، نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے اور یقین یعنی موت کے آ جانے تک اللہ کی عبادت میں لگا رہے، سوائے بھلائی کے لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ (بخاری، ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں ہے: [ثُمَّ امْرُؤٌ فِي شَعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ] پھر بہترین شخص وہ ہے جو کسی گھاٹی میں چلا جائے، اللہ کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے بچائے۔

اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: [وَلَوْ اَنْ تَعُضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ] (صحیح بخاری)

((اختلافات اور انتشار کے زمانے میں لوگوں سے الگ رہو) اگر چہ آپکو کسی درخت کی جڑ چبا کر گذارہ کرنا پڑے یہاں تک کہ اسی حالت میں آپکو موت آ جائے)

اور ایک اور حدیث میں ہے:[ستکون فتن، القاعد فیها خیر من القائم والقائم فیها خیر من الماشی ...... الحدیث] (بخاری)

(عنقریب ایسے فتنوں کا دور دَورہ ہوگا کہ بیٹھا ہوا، کھڑے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہوا چلنے والے سے بہتر ہوگا)

۲-دوسرا سبب: زبان کی حفاظت۔

۳-تیسرا سبب: گھر کو لازم پکڑنا یعنی بلاضرورت گھر سے نہ نکلنا۔

۴-چوتھا سبب: اپنی خطاؤں پر رونا۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [قلت : ما النجاة ؟ قال عليه السلام : أمسك عليك لسانك وليسعك بيتك وابك على خطيئتك]۔

(رواه ابو داود باسناد صحيح)

(میں نے پوچھا نجات کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((نجات یہ ہے کہ) اپنی زبان پر قابو رکھو، اپنے گھر کو اپنے لیے کشادہ سمجھو، اور اپنی غلطیوں پر آنسو بہاؤ)

ایک اور حدیث میں ہے: [اَللِّسَانُ فيها أَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّيْفِ]۔

(رواه الترمذی)

(فتنوں کے زمانے میں زبان کی کاٹ تلوار سے زیادہ سخت ہوگی) (ترمذی)

اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما مرفوعاً فرماتے ہیں: [خُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ، وَأَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وعليك بنفسك وَدَعْ اَمْرَ العامَّةِ] ۔(رواہ الترمذی)

(آپ ﷺ نے فرمایا: (فتنوں کے دور میں) معروف باتوں کو لے لو اور منکر کو چھوڑ دو، زبان پر قابو رکھو، اپنی فکر کرو، لوگوں کے معاملے کو چھوڑ دو) (ترمذی)

۵-پانچواں سبب: کثرتِ عبادت، کثرت ذکر و اعمال صالحہ۔

حدیث میں آتا ہے: [بَادِرُوْا بِالأَعْمَالِ سِتًّا : طلوع الشمس من مغربها، والدخان، ودابة الأرض، والدجال، وخُوَيْصَةِ اَحَدِكُمْ، وامر العامة]

(رواہ ابن ماجہ)

(چھ چیزوں کے آنے سے پہلے خوب اعمال کرو، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، دھواں، دابۃ الارض، دجال، موت، عامی قسم کے لوگوں کی حکومت)۔

مسلم کی حدیث میں ہے: [اَلْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَيَّ]

(رواہ مسلم وابن ماجہ)

(ہرج کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہے) مسلم، ابن ماجہ

ایک اور حدیث میں ہے:[بادروا بالاعمال فتناً کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل فیها مؤمنا ویمسی کافراً، ویمسی مؤمنا ویصبح کافراً، یبیع دینه بعرض من الدنیا] (رواہ مسلم)

(اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح آنے والے فتنوں سے پہلے پہلے خوب اعمال کرلو، (کیونکہ وہ فتنے اسقدر شدید ہونگے کہ) صبح کو آدمی مؤمن ہوگا جبکہ شام کو کافر ہوگا، اور شام کو مؤمن ہوگا تو صبح تک کافر ہوجائے گا، (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ اپنے دین کو دنیا کے سامان کے بدلے بیچ دے گا) (مسلم)

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ بندے کو کفر اور فتنوں سے بچا لیتے ہیں ۔ کیونکہ اعمال صالحہ تو آگ سے نجات کا سبب ہیں تو فتنوں سے کیونکر نہ بچائیں گے؟۔ جبکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: [ماذا أنزل اللیلة من الفتن، من یوقظ صواحب الحجرات ؟](رواہ البخاری)۔

(آجکی رات کتنے ہی فتنے نازل کیے گئے، کوئی ہے کہ جو حجروں میں سونے والیوں کو جگادے) (بخاری)

اس میں اشارہ ہے کہ رات کی عبادت فتنوں سے نجات کا باعث ہے۔

۶- چھٹا سبب: اللہ کی کتاب

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ ﴾ (الاسراء/۹) (بے شک یہ قرآن درست ترین راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے)

اسی طرح اسکے متعلق فرمایا:﴿ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾۔(النحل:۱۰۲)

(تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو (قرآن کے ذریعے) ثابت قدم رکھے)

لہٰذا جب کبھی کوئی فتنہ رونما ہو، یا کوئی فتنہ آپکو اپنی جانب کھینچے تو قرآن کو لازم پکڑیے اور

اس پر تدبر کیجئے، ان شاء اللہ آپ ضرور اس فتنے کا علاج قرآن مجید میں پالیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب بڑے بڑے فتنے ہونگے۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! پھر ان فتنوں سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [کتاب اللہ]۔ (ابوداؤد)

۷- ساتواں سبب: صبر کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ]
(البقرہ: ۱۵۳)　(اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو)

اور فرمایا: ﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾۔ (الزمر: ۱۰)
(یقیناً صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اُنکا پورا پورا اجر دیا جائے گا)

اور فرمایا: ﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ، إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴾ (الشوریٰ: ۴۳)
(اور البتہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے)

اور فرمایا: ﴿ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ ﴾۔ (الرعد: ۲۴)
(اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہونگے (اور کہیں گے) تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو۔)

اور فرمایا: ﴿ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا ﴾ (الفرقان: ۷۵)
(انہی لوگوں کو انکے صبر کی وجہ سے بالا خانے دیئے جائیں گے)

اسی طرح آپ ﷺ نے دجال کے خروج کے وقت صبر کرنے کا حکم دیا ہے ہر مصیبت اور فتنے کی دوا صبر ہے اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ فتنہ ایک مصیبت ہے اور اسکا علاج صبر ہے اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ وسیع اور بہتر عطیے سے نہیں نوازا گیا۔

صبر کی تین اقسام ہیں :

۱- گناہوں سے صبر۔

۲-اطاعت پر صبر۔

۳-مصیبتوں اور دکھوں پر صبر۔

صبر کے بغیر کمال تک پہنچنا کسی کیلئے ممکن نہیں، اسی طرح شر سے نجات بھی صبر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس سلسلے میں مفید مباحث دیکھنے کیلئے ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب (عدة الصابرین) دیکھیئے!

جبکہ ایک اور حدیث میں آتا ہے: [فان وراء کم ایام الصبر، الصبر فیهن مثل قبض على الجمر، للعامل فیهن مثل اجر خمسین رجلاً یعملون بمثله]

(رواه ابن ماجه وهو فی الصحیحة ۱/٤٩٤)

(بے شک آئندہ زمانے میں صبر کے دن آنے والے ہیں، ان دنوں میں دین پر صبر کرنا ہاتھ میں انگارہ پکڑنے کے برابر ہوگا، ایسے کٹھن دور میں عمل کرنے والے کیلئے پچاس آدمیوں جتنا اجر ہوگا اور وہ پچاس بھی ایسے جو اس جیسا عمل کریں)

۸- آٹھواں سبب: حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز۔

بے شک جو حرام اور مشتبہات سے بچ گیا اُس نے اپنا دین بچالیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما أمور مشتبهة، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدینه وعرضه، ومن وقع فی الشبهات وقع فی الحرام، کراع یرعى حول الحمىٰ یوشك أن یواقعه) الحدیث]۔

(حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور انکے درمیان کچھ امور مشتبہ بھی ہیں، پس جو شخص شبہات سے بچ گیا اُس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا، اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا، وہ حرام میں پڑ گیا، اور اس کی مثال اُس چرواہے کی طرح ہے جو (بادشاہ کی مخصوص) چراگاہ کے

اردگرد (اپنے ریوڑ کو) چراتا ہے، تو یہ چرواہا قریب ہے کہ اس میں واقع ہی ہو جائے۔)
اس میں اشارہ ہے کہ شبہات حرام کی طرف اور حرام بڑے بڑے فتنوں کی طرف لے جاتا ہے۔ لہٰذا جو مشتبہ چیزوں کے حوالے سے محتاط رہے وہ صریح حرام کی جرأت کیسے کرسکتا ہے اور اس سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ کس مسلمان کا خون بہائے، اسکا حق دبائے یا اُسکی عزت پر حملہ کرے؟۔

۹۔نواں سبب: دُعا

دُعا بھی فتنوں سے نجات کا عظیم ترین سبب ہے، دُعا مؤمن کا ہتھیار ہے دُعائیں مانگنے والا کبھی ہلاک نہیں ہوسکتا۔ احادیث نبویہ میں کثرت کیساتھ فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔
آپ ﷺ نماز میں عذابِ قبر، عذاب جہنم، زندگی، موت اور مسیح دجال کے فتنوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ (مسلم)
اور آپ ﷺ نے فرمایا: [تعوذوا باللہ من الفتن، ما ظهر منها وما بطن]۔(رواہ مسلم۔ المشکاۃ ۱/۲۳)
اسی طرح آپ ﷺ نے تونگری، سینہ، دنیا، قبر اور شرمگاہ کے فتنے سے بھی پناہ مانگی ہے (جیسا کہ نسائی رحمہ اللہ نے باب الاستعاذۃ میں روایت کیا ہے)
اسی طرح دجال، آگ اور فقر کے فتنے سے بھی پناہ مانگی (ابن ماجہ)
لہٰذا اے نیک بھائی! دُعا کو لازم پکڑلو اور خصوصاً استجابت کے اوقات میں کثرت کیساتھ دعا کرو، امید ہے کہ اللہ عزوجل آپکو فتنوں سے نجات دے، اور آپ ﷺ کی ایک حدیث میں ہے: [ان السعيد لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، ولَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَر فَوَاهًا)
(رواہ ابوداؤد)۔
(بے شک سعادت مند وہ ہے جو آزمائشوں اور فتنوں سے بچالیا گیا اور جسکی آزمائش ہوئی اور اُس نے صبر کیا تو اس کے کیا کہنے!)(ابوداود)

اگر دُعا اپنی تمام شروط کیساتھ مانگی جائے اور اس پر دوام اختیار کیا جائے تو کبھی رد نہیں ہوتی۔
(تفصیل کیلئے دُعا سے متعلقہ فائدہ اسی کتاب کے صفحہ (۵۸) پر ملاحظہ کریں)

۱۰۔دسواں سبب: اللہ کے بندوں پر مہربانی اور صدقہ کرنا۔

اللہ کے بندوں خصوصاً مساکین، یتیموں اور بیوہ عورتوں پر شفقت و مہربانی کرنا اور صدقہ وغیرہ کی صورت میں اُن پر خرچ کرنا بھی فتنوں سے بچاؤ کا عظیم ترین سبب ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ﴾
(پس جس شخص نے مال دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور حسنیٰ (یعنی نیک بات) کی تصدیق کی تو ہم آسان راستہ اسکے لیے آسان (تر) کردیں گے)

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: [بادروا بالصدقة فان البلاء لا يتخطاها]۔(رواه رزين وهو في المشكاة ١/١٦٧)
(صدقہ خیرات میں جلدی کرو کیونکہ بلائیں صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتیں)(رزین)

ایک حدیث میں ہے:

[مثل المتصدق والبخيل كمثل رجلين عليهما جنتان– الحديث وفيه : ان المتصدق كلما هم بصدقة انبسطت حتى تعفو اثره الخ].
(صدقہ کرنے والے اور بخیل کی مثال اُن دو شخصوں کی طرح ہے جن کے جسموں پر زرہ نما ڈھالیں ہوں۔ پھر آپ نے حدیث ذکر کی اور صدقہ کرنیوالے کے حوالے سے یہ فرمایا کہ وہ جب بھی صدقہ کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ زرہ نما ڈھال کشادہ ہوجاتی ہے، اسقدر کشادہ ہوجاتی ہے کہ اُس کے قدموں کے نشان تک مٹا دیتی ہے)

پس صدقہ کشادگی، وسعت اور فتنوں سے نجات کا ذریعہ ہے، اور جس نے کسی مؤمن کے کرب کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کا کرب دور کردیگا، اللہ تعالیٰ نے غار والوں کو والدین کی فرمانبرداری، زنا سے فرار اور مزدور کیساتھ احسان کرنے پر نجات عطا فرمائی تھی جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے۔

۱۱- گیارھواں سبب: توبہ واستغفار

حدیث میں آتا ہے:[ان اللہ یحب العبد المؤمن المفتن التواب] (بے شک اللہ تعالیٰ آزمائشوں میں مبتلا، بہت توبہ کرنیوالے مؤمن بندے سے محبت کرتا ہے)(رواہ احمد ۱/۸۰، ۱۳۰) وھو فی المشکاۃ۔

پس توبہ فتنوں اور گناہوں کا عظیم علاج ہے۔

۱۲- بارھواں سبب : مضبوط ایمان اور اچھا اُخلاق :

(عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ایک طویل مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ پھر ایسے فتنے آئیں گے جن میں سے بعض بعض کو ہلکا کردیں گے۔(یعنی بعد میں آنے والا فتنہ دیکھ کر پہلا ہلکا اور معمولی محسوس ہوگا) ایک فتنے پر مؤمن کہے گا کہ میں اسی میں ہلاک ہوجاؤنگا لیکن پھر وہ ختم ہوجائے گا اور اس فتنے کی جگہ دوسرا آجائے گا اس پر بھی مؤمن کہے گا کہ اسی میں میری ہلاکت ہے لیکن وہ بھی منکشف ہوجائے گا، پس جو شخص یہ چاہتا ہے کہ جہنم سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے تو اُسے چاہیے کہ اسکی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کیساتھ ایسا برتاؤ کرے جیسا اپنے ساتھ چاہتا ہے۔الحدیث)(ابن ماجہ حدیث:۳۹۵۶)

اس حدیث میں ایمان اور احسان کو فتنوں سے نجات کی اساس قرار دیا گیا ہے فتدبر!۔

۱۳- تیرھواں سبب: عہدوں اور مناصب سے اجتناب :

حکومتی مناصب اور عہدوں سے اجتناب کرنا بھی فتنوں سے بچاتا ہے اگرچہ اسلامی حکومت ہی کیوں نہ ہو، چہ جائیکہ کافر سیکولر حکومت ہو جو اللہ کی نازل کردہ شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتی ہو۔پس ایسی حکومتوں اور انکے مناصب سے اپنے آپ کو منسلک کرنا بہت بڑا فتنہ ہے، ہم نے بہت سے علم اور دین کا دعویٰ رکھنے والے لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان مناصب کے حصول کے بعد وہ فتنوں میں مبتلا ہوگئے حتیٰ کہ

بعض تو کفر ہی کر بیٹھے، جبکہ بعض رشوت، غفلت، ظلم، شہرت، جھوٹ، خیانت، دنیا کی محبت اور اس جیسی کئی برائیوں میں مبتلا ہو گئے۔

امام ابوداؤد نے ثعلبہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے تو انہوں نے فرمایا: میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جسے فتنے کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتے تو جس شخص کی طرف انکا اشارہ تھا جب ہم اس طرف گئے تو وہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے جو کہ ایک خیمے میں موجود تھے، ہم نے اُن سے فتنوں سے محفوظ رہنے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے جواب دیا: [ما ارید ان یشتمل علی شیء من امصارکم حتی تنجلی عما انجلت] (ابوداود:۴۶۶۴)

(میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے شہروں کی کوئی چیز میرے حوالے یا میرے استعمال میں ہو، یہانتک کہ ان شہروں سے وہ فتنے ختم ہو جائیں جو ان شہروں کو ڈھانپ چکے ہیں۔)

پس محمد بن مسلمہ ﷺ کو فتنوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ مناصب کے دلدادہ نہ تھے اور تمام شہری امور سے فتنوں کے رونما ہونے کے بعد دور رہتے تھے۔ لہٰذا جو شخص بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا طریق کار اختیار کرتا ہے ان شاء اللہ وہ بھی فتنوں سے محفوظ رہے گا، لہٰذا آپکو چاہیے کہ مناصب قبول کرنے میں جلدی نہ کریں، اگر آپ ایمان کی محبت اور آگ سے نجات چاہتے ہیں تو کبھی بھی انتخابات کے چکر میں نہ پڑیں۔

اور حدیث میں ہے: [ومن اتی السلطان افتتن]

(رواہ الترمذی وابوداود والنسائی)

(اور جو بادشاہ کے پاس گیا وہ فتنے میں مبتلا ہوا) (ترمذی، ابوداود، نسائی)

۱۴- چودھواں سبب: فتنہ دجال سے نجات کے اسباب:

یہ بعض امور پر مشتمل ہے۔

۱- سورۃ الکہف کی قراءت کرنا جیسا کہ ابوداود میں روایت ہے کہ یہ سورت دجال کے فتنے سے تمہاری پناہ ہے۔

۲-دجال سے دور رہنا۔
۳-اس بات کا علم و یقین کہ اسکی ایک آنکھ ابھرے ہوئے انگور کی طرح ہوگی۔
۴-اور اسکی پیشانی پر ''کافر'' لکھا ہوگا۔
۵-اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتا جبکہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرنے کے باوجود دکھائی دے گا۔

۱۵-پندرھواں سبب: حقیقی نجات ''ایمان پر موت''

یہی انسان کی حقیقی نجات ہے، ایک حدیث میں آتا ہے:

(والمؤمن يكره الموت، والموت خير له من الفتنة) (رواه احمد : ٥/٤٢٧)

(مؤمن موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت اسکے لیے فتنے میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے)

اور آپ ﷺ یہ دُعا بھی مانگا کرتے تھے:

[واذا اردت بعبادك فتنةً فاقبضني اليك غير مفتون (ترمذی)۔

(اور جب تو اپنے بندوں کیساتھ کسی فتنے کا ارادہ کرے تو فتنے میں مبتلا ہونے سے پہلے میری روح اپنی طرف قبض کر لے) (ترمذی)

۱۶-سولھواں سبب: فتنوں میں ثابت قدمی دکھانا اور جلد بازی سے بچنا

عامر بن سعد فرماتے ہیں کہ (ایک دن) انکا بھائی عمر بن سعد، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، وہ مدینے سے باہر بکریوں میں تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جب اس شخص کو دیکھا، تو اللہ سے دعا مانگی: اے اللہ مجھے اس سوار بندے کی شر سے پناہ دے، جب وہ پہنچ گیا ،عرض کی: ابو جان! کیا آپ اس پر راضی ہے کہ اپنے بکریوں میں دیہاتی ہو اور عام لوگ مدینے میں ایک دوسرے سے حکومت کے بارے میں جگھڑتے ہیں چنانچہ سعد (اس بات کو سنتے ہی) سعد رضی اللہ عنہ نے عمر کو سینہ میں مارا، اور فرمانے لگے کہ خاموش رہو! میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت رکھتے ہیں جو متقی، دنیا

سے بے پرواہ اور مخفی رہنے والے ہو) (مسند احمد (رقم: ١٤٤١) بسند قوی)۔

۱۷- سترھواں سبب: جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الیٰ اللہ

اللہ کے حکم سے یہ دونوں چیزیں کفر اور ارتداد سے نجات کا سبب ہیں یہ حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ: لوگوں میں سے بہترین زندگی اُس کی ہے جو اپنے گھوڑے کی باگ تھامے جہاد فی سبیل اللہ میں مشغول ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے: [اذا تبايعتم بالعينة، واخذتم أذناب البقر، وتركتم الجهاد، سلط الله عليكم ذلاً، لاينزعه عنكم حتى ترجعوا الى دينكم] (رواه فی الصحیحة رقم (١١) وصحیح الجامع رقم (٤٢٣)

(جب تم سودی کاروبار کرنے لگو گے، بیلوں کی دُمیں تھام لو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دیگا اور اس وقت تک اسے تم سے نہیں ہٹائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف رجوع نہ کرو)

وقال تعالى: ﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾۔ (البقرة: ۲۱۷)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (اور یہ (کفار) ہمیشہ تم سے قتال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کیلئے ممکن ہو تو تمہیں تمہارے دین سے ہٹا دیں)

اس میں اشارہ ہے کہ جہاد کو ترک کرنا بہت سے لوگوں کیلئے ارتداد کا باعث ہے۔ العیاذ باللہ۔

اسی طرح دعوت الی اللہ کا کام کرنا، لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی فتنوں کو زائل کرتا ہے، اسی ذریعے سے مسلمان متحد ہو سکتے ہیں، اور دعوت الیٰ اللہ کا کام پوری ذمہ داری سے ادا کرنے والا اپنی دعوت کی برکت سے دین پر مستقیم رہتا ہے (وباللہ التوفیق)۔

۱۸- اٹھارواں سبب: شہرت:

مشہور و معروف نہ ہونا بے شک شہرت بھی فتنوں کا سبب ہے اور اس سے انسان کے دین

اور نفس کیلئے نت نئے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں وارد ہوا ہے: [بحسب امرئٍ من الشر ان يُشار اليه بالأصابع في دين او دنيا، إلا مَنْ عَصَمَهُ الله]

(رواه البيهقي في شعب الايمان، المشكاة ۲/۴۵۵)

(کسی انسان کے برا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ اسکی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جائے دین کے بارے میں یا دنیا کے بارے میں سوائے اُن کے جنہیں اللہ ہی محفوظ رکھے) (بیہقی شعب الایمان)۔

اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بے شک شہرت اور ناموری بہت سی برائیوں، تکبر، غرور، غفلت، غیبت، علو اور فساد کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

سنن ابن ماجہ باب من ترجى له السلامة عند الفتن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے باسناد ضعیف روایت آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(بیشک معمولی ریاء بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ یقیناً نیکوکار، متقی اور مخفی رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے، وہ لوگ کہ جب غائب ہوں تو کوئی انہیں نہیں ڈھونڈتا، اور جب حاضر ہوں تو بلائے نہیں جاتے اور نہ پہچانے جاتے ہیں، انکے دل ہدایت کے چراغ ہیں اور یہ لوگ ہر غبار آلود اندھیرے فتنے سے نکل جائیں گے (یعنی محفوظ رہیں گے)

یہ اس لیے کہ نہ تو یہ مشہور ہیں اور نہ ہی دنیا کی شہرت و منصب کے طلبگار، اور جس کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو تو وہ نورِ ایمان سے دمک اٹھتا ہے وہاں فتنوں کی رسائی کیونکر ہو سکتی ہے۔

اور یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن اسکی تائید سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے: [ان الله يحب العبد التقي الغني الخفي) رواه مسلم وهو في المشكاة ۲/۴۵۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ متقی، دنیا سے بے پرواہ اور مخفی رہنے والے بندے سے محبت کرتا ہے)

۱۹- انیسواں سبب: مسجدیں اور ذکر کی محفلیں

فتنوں سے نجات کے اسباب میں سے ایک مسجدوں اور ان مجلسوں میں بیٹھنا بھی ہے جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ایک حدیث میں ابورزین العقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''کیا میں تجھے اس دین کے ''ملاک'' یعنی اہم ترین بنیادی چیز کی خبر نہ دوں کہ جس کے ذریعے تو دنیا آخرت کی بھلائی حاصل کر سکے گا؟ اہل ذکر کی مجالس کو لازم پکڑو، اور جب علیحدہ ہو تو جہاں تک ہو سکے اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو، اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے نفرت کرو۔اے ابورزین! کیا آپکو معلوم ہے کہ جب کوئی اپنے گھر سے اپنے بھائی کی زیارت کیلئے نکلتا ہے تو اسکے ہمراہ ستر ہزار فرشتے بھی نکلتے ہیں اور وہ سب اُسکے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''اے ہمارے رب! اس نے تیری خاطر تعلق جوڑا پس تو اس سے تعلق جوڑ لے''

لہٰذا اگر تو اپنے جسم کو ان کاموں میں استعمال کر سکے تو ایسا ضرور کر۔

اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور اسکی سند میں عثمان بن عطاء نامی راوی ضعیف ہے۔

۲۰-بیسواں سبب: استقامت

فتنوں کو رفع کرنے کے حوالے سے یہ ایک عظیم نعمت ہے۔ ہم نے استقامت کے اسباب اور تفصیل فائدۃ (۵۲) الاستقامۃ میں لکھ دیئے ہیں رجوع کیجئے، ص: ۲۵۷)

❁❁❁❁❁❁❁❁
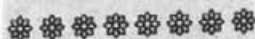
۳- تیسرا فائدہ

عمل صالح کی توفیق کیونکر ممکن و میسر ہو ؟

کسی کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کی مشیت کے بغیر نیک اعمال کر سکے " وَمَا تَشَاؤُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ "

(اور تم کسی چیز کو چاہ بھی نہیں سکتے ، الا یہ کہ اللہ رب العالمین اُسے چاہے)۔

یقیناً کتاب وسنت میں کچھ ایسے اسباب ضرور ہیں جنہیں اختیار کرنے سے عمل صالح آسان ہو جاتا ہے، بندے کو توفیق ملتی ہے اور اللہ اُس کیلئے ایسا چاہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر غایت اور منزل پر پہنچنے کے کچھ ذرائع مقرر کیے ہیں لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ اپنے جسم کو اُن اسباب و ذرائع میں لگائیں جن سے اعمال صالحہ پیدا ہوتے، اور انکی توفیق نصیب ہوتی ہے شاید کہ اللہ تعالیٰ آپکو صالحین میں شامل کر دے اور یہ کئی اسباب ہیں جنکا بیان درج ذیل ہے :

۱- پہلا سبب: فراخدلی وسخاوت

پہلا سبب یہ ہے کہ انسان دریا دل اور خرچ کرنے والا ہو، اپنا مال اپنی خدمات اور اطاعت گزاری کو نچھاور کر دے اور لوگوں کو اپنی زبان، ہاتھ، بدن، نیت اور ارادوں کے ذریعے نفع پہنچائے، اللہ کے حقوق بھی شکر گذاری، توبہ اور اخلاص کیساتھ بجالائے، اسکا نفس مطیع اور خرچ کرنیوالا ہو گھٹیا اور روکنے والا نہ ہو۔ یہ نفس لوگوں کیلئے نافع اور محسن ہے۔ اسکی مثال اس پانی کے چشمے کی طرح ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، خود بھی پانی پیتے ہیں، اپنی کھیتیوں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں اور جیسے چاہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھانا انکے لیے انتہائی آسان ہے اسی طرح وہ شخص مبارک ہے جو جہاں

جائے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ اس شخص کا بدلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے کیونکہ یہ بھی آسانیاں مہیا کرنے والا ہے لہٰذا اسکا پورا پورا بدلہ یہی بنتا ہے۔

پس کثرت کیساتھ خرچ کرنا، لوگوں کیساتھ احسان کرنا اور انکی اطاعت وخدمت بجالانا تیسیر کا عظیم سبب ہے۔

۲- دوسرا سبب: تقویٰ یعنی منہیات سے اجتناب:

یہ بھی تیسیر یعنی عمل صالح میں آسانی کے عظیم ترین اسباب میں سے ہے جبکہ اسکی ضد یعنی تقویٰ نہ ہونا تعسیر کے اسباب میں سے ہے اور تعسیر کا معنی ہے عمل صالح کا مشکل کر دیا جانا۔

متقی انسان پر دنیا وآخرت کے امور آسان کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾۔ (الطلاق:۲)

(اور جو اللہ سے ڈر گیا، اللہ تعالیٰ اسکے لیے (ہر غم اور مشکل سے) نکلنے کا راستہ بنا دیگا)

اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ (الطلاق:۴)

(جو اللہ سے ڈر جائے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام معاملات کو آسان کر دیتا ہے)

اور فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾۔ (آل عمران:۱۳۰)

(اور اللہ سے ڈرو! تاکہ تم کامیاب ہو سکو)

اور عمل کی آسانی ہی کامیابی تک پہنچاتی ہے۔

اور اسی بات کا قرآن نے اپنے اس قول میں اشارہ دیا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ (الحدید:۲۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایمان لاؤ اس کے رسول پر، تمہیں دے گا اللہ تعالیٰ دوگنا اپنی رحمت سے، اور بنا دیگا تمہارے لیے نور جس کے ذریعے (درست راہ پر) چل

سکو گے اور تمہارے گناہ بھی بخش دیگا)

۳-تیسرا سبب: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق اور اُن پر مکمل یقین۔

مندرجہ بالا تینوں اسباب کی طرف قرآن نے ان آیات میں اشارہ کیا ہے: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى ﴾ - (اللیل: ۷)

(پس جس شخص نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا اور حسنیٰ کی تصدیق کی تو ہم عنقریب اس کے لیے "یسریٰ" کو آسان کر دیں گے)

"حُسنیٰ" کی تفسیر "لا الہ الا اللہ" سے بھی کی گئی ہے اور ایمان، جنت اور خلف (بدلہ) کو بھی اسکا مصداق بتلایا گیا ہے اور حسنیٰ کا لفظ ان سب کو متضمن ہے۔

اور "یسریٰ" سے مراد "الخصلة اليسرىٰ" ہے اور اسکا معنی کی توفیق اور عمل صالح وجنت کے اسباب کا آسانی مہیا ہو جاتا ہے۔

ہر انسان کے نفس میں تین قوتیں ہوتی ہیں۔

۱-خرچ کرنے کی قوت ۲-روک لینے کی قوت

۳-علم وفہم اور ادراک کی قوت

جب یہ تینوں صلاحیتیں صحیح کام کریں تو انسان سے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ صادر ہوتے ہیں اور جب یہ فاسد ہو جائیں تو انسان برے اعمال کرنے لگتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى ﴾

(اور جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی اور نیک بات کی تکذیب کی تو ہم بھی اس کی تنگی ومشکل کے سامان میسر کر دیں گے)۔

انکے عمل کے بالمقابل یہ بالکل درست بدلہ ہے، بخل روک لینے کو کہتے ہیں، بخیل کیونکہ اللہ عز وجل کے بندوں پر تنگی کرتا ہے، لہٰذا اللہ عز وجل اس کیلئے خیر کے راستے تنگ کر دیتا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث بھی ہے۔

[مثل البخيل والمتصدق عليهما جنتان من حديد......الحديث]

(یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے)

ان آیات میں استغناء سے مراد"استغناء عن اللہ عزوجل"یعنی اللہ عزوجل سے بے پرواہ ہو جاتا ہے، یہ ایک مہلک مرض ہے جس میں بہت سے لوگ مبتلا ہو چکے ہیں۔ مستغنی متقی کے مقابلے میں ہے متقی کو ہر پل، اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ وہ ہر موڑ پر اللہ کا محتاج اور ضرورت مند ہے لہٰذا وہ اللہ سے ڈرتا اور اسکی ناراضگی سے بچتا ہے، بالکل اسی شخص کی طرح جسکی کوئی سخت ضرورت کسی آدمی سے وابستہ ہے تو وہ اس آدمی کی رضامندی کا متلاشی اور ناراضگی سے دور رہتا اور اسکی ہر بات مانتا ہے تاکہ اسکی ضرورت پورے ہو سکے۔ جب اسکا یہ حال ہے تو وہ بندہ جو محتاج بھی ہے اور گمراہ بھی، عاجز بھی ہے اور مسکین بھی، یہ اللہ سے کیوں نہیں ڈرتا؟ اسکی ناراضگی سے کیوں بچنے کی کوشش نہیں کرتا؟ بلکہ بے پرواہ ہو چکا ہے۔ ایسا تو وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنے رب، اپنے نفس اور اپنی ضرورتوں تک سے جاہل ہے۔

تکذیب الحسنیٰ سے مراد علم، ارادے، محبت اور یقین کا بگاڑ ہے، جبکہ یقین ہی تمام اعمال صالحہ کی اساس ہے، جب یقین فاسد ہو جائے تو اعمال بھی بگڑ جاتے ہیں۔ یہ دو آیتیں علم، عمل، ہدایت، تقدیر، سلوک، اخلاق، حقوق اللہ وحقوق العباد کے مسائل پر مشتمل ہیں اور یہی جامعیت اللہ عزوجل کی کتاب کے لائق بھی ہے۔ مزید تفصیل کیلئے مطالعہ کیجئے (بدائع التفسیر ۲۴۲/۵)

۴۔ چوتھا سبب: دُعا

احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ میں کثرت کیساتھ نیکیوں کے حصول اور توفیق کی دُعائیں ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ (الاحقاف/۱۵)

(اور کہا: اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری اُن نعمتوں کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے

مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں، اور یہ کہ میں وہ نیک اعمال کر سکوں جو تجھے پسند ہو، اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح کر دے، بے شک میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں مسلمانوں میں سے ہوں)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر تم خوب اچھی طرح دُعا کرنا چاہو تو یہ کہو: اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى شُكْرِكَ وَذِكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ] (الصحیحة) ۔(اے اللہ! ہماری مدد فرما اپنے شکر، اپنے ذکر اور اپنی اچھی عبادت کرنے پر)(الصحیحہ)

ایک حدیث میں ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِیْ وَتَرْحَمَنِیْ ......الحديث]

(المشكاة ١/٧٣- باب الذكر بعد الصلاة)

(اے اللہ! میں تجھ سے نیکیاں کرنے، برائیاں چھوڑنے کی توفیق اور مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال کرتا ہوں اور یہ کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما......)(مشکوۃ)

اسی طرح یہ دُعا بھی ہے: [اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ، عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْنَا مِنْهُ وَمَا لَمْ نَعْلَمْ](رواہ ابن ماجہ)

(اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی بھلائی کا طالب ہوں، جلدی ملنے والی اور دیر سے ملنے والی، جسے ہم جانتے ہیں وہ بھلائی بھی اور جسے نہیں جانتے وہ بھی)(ابن ماجہ)

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اے اللہ! میرے تمام اعمال کو نیک کر دے اور ان اعمال میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہ بنا)

اور اسی طرح کی اور بھی بہت سی دُعائیں ہیں۔

۵- پانچواں سبب: اُکلِ حلال

رزق حلال بھی نیک اعمال کیلئے مددگار رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿یا ایها الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً، انی بما تعملون علیم﴾ (المؤمنون: ٦٠)

(اے رسولوں کی جماعت! پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک عمل کرو، بیشک میں تمہارے اعمال سے خوب واقف ہوں)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (فاكل الحلال مُعِيْنٌ على العمل الصالح ولذلك قرن بينهما)۔

(حلال کھانا عمل صالح کیلئے مددگار ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو اکٹھاذکر کیا ہے)

سهل بن عبد الله رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (من اكل الحلال أطاع الله شاء ام ابیٰ، ومن أكل الحرام عصى الله، شاء أم أبیٰ)

(الدين الخالص جلد خامس باب التهجد)

(جس نے حلال کھایا، اُس نے اللہ کی اطاعت کی، خواہ چاہے یا نہ چاہے اور جس نے حرام کھایا، اللہ کی نافرمانی کی، چاہے یا انکار کرے)

یعنی حلال کھانے والا خود بخود نیکی کی طرف گامزن اور حرام کھانے والا برائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا آپ پر واجب ہے کہ آپ اپنے کھانے، پینے، لباس اور تمام چیزوں میں حرام سے مکمل اجتناب کریں اور مشتبہات سے بھی بچیں تاکہ آپکو اللہ کے حکم سے نیکیوں کی توفیق مل سکے۔

٦- چھٹا سبب: خاموش رہنا اور لایعنی باتوں کا ترک:

خاموش رہنا اور بے فائدہ چیزوں کو ترک کر دینا بھی نیکیوں کیلئے بہت مددگار ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے وصیت کیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں بیشک تقویٰ تمہارے امور کو مزین کر دیگا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ مزید وصیت کیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کی تلاوت اور اللہ کا ذکر کثرت کیساتھ کرو، ایسا کرنا آسمانوں میں تمہارے

تذکرے اور زمین میں تمہارے لیے نور کا باعث ہوگا" عرض کیا مزید وصیت کیجئے! آپ ﷺ نے فرمایا: "تم پر لازم ہے کہ طویل خاموشی اختیار کرو، کیونکہ یہ شیطان کو بھگانے والی اور تیرے دین کے معاملات میں تیری مددگار ہے"۔

عرض کیا: مزید وصیت کیجئے! فرمایا: "زیادہ ہنسنے سے بچو، کیونکہ یہ دل کو مردہ اور چہرے کو بے نور کر دیتا ہے" عرض کیا: مزید وصیت کیجئے! فرمایا: "حق بات کو کہہ دو، اگرچہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو"۔ عرض کیا: مزید وصیت کیجئے! فرمایا: "اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرو۔

عرض کیا: مزید وصیت کیجئے! فرمایا: "تمہارے نفس کی جن خامیوں سے تم واقف ہو، وہ خامیاں تمہیں دوسروں پر بات کرنے سے روک دیں۔

(امام بیہقی نے اس حدیث کو شعب الایمان میں ایسی سند کیساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں) اسکا معنیٰ بھی بالکل درست ہے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے طویل خاموشی کو دینی معاملات میں مددگار قرار دیا ہے اور ان سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔

ایک اور صحیح حدیث میں آتا ہے:

[من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه] (رواه احمد والترمذی)

(بے فائدہ کاموں کو ترک کر دینا آدمی کے بہترین اسلام کی علامت ہے)

معلوم ہوا کہ لایعنی کام ترک کرنے سے اسلام اچھا ہو جاتا ہے۔

۷-ساتواں سبب: درست بات کرنا:

قول سدید (یعنی درست بات) کا معنی یہ ہے کہ اس بات میں کوئی ٹیڑھ، ایذاء رسانی، نفاق، مسلمانوں کو دکھ دینے والی بات کا اشارہ و تعریض، غیبت، تحقیر، چغلی، دین کا استہزاء یا مسلمانوں کا مذاق نہ اڑایا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾۔ (الاحزاب/۷۱)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دیگا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا)

اللہ تعالیٰ نے درست بات پر اصلاح اعمال اور گناہوں کی بخش کا وعدہ کیا ہے کیونکہ درست بات دل کی درستگی کی دلیل ہے۔

اور تفسیر ابن کثیر میں اس بات کی تشریح یوں کی گئی ہے: ''اللہ تعالیٰ تمہیں اعمال صالحہ کی توفیق دیگا، اور اگر آئندہ بھی کبھی گناہ سرزد ہوا تو توبہ کی توفیق مل جائے گی''۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وحسبك بذلك درجة ورفعة ومنزلة'' (یہ بہترین وعدہ قدر ومنزلت اور درجے کے اعتبار سے آپکو اس عمل کی ترغیب دینے کو کافی ووافی ہے)

پس زبان کی اصلاح توفیق کا سبب ہے اور زبان کی استقامت نیکیوں کے اہم ترین عوامل اور باقیات صالحات کے بنیادی اسباب میں سے ایک عامل اور سبب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وقولوا للناس حسناً﴾۔

(لوگوں سے اچھی بات کرو)

اسی معنی کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کیا ہے: ''لا یؤمن احدکم حتی یستقیم قلبہ، ولا یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانہ، ولا یدخل رجل الجنة لا یأمن جارہ بوائقہ'' اخرجہ الامام احمد (۳/۱۹۸)

(تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اسکا دل درست نہ ہو جائے، اور اس وقت تک کسی کا دل درست نہیں ہوسکتا جب تک اسکی زبان درست نہ ہو جائے، اور کوئی آدمی اُس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک اس کے پڑوسی اسکی تکالیف سے مأمون نہ ہوں) (مسند احمد)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے زبان کی استقامت ودرستگی کو ایمان کی اساس قرار دیا ہے۔لہٰذا اے بھائی! اپنی زبان کو ہمیشہ درست استعمال کیجئے!

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ، إِنَّ الشَّيْطَنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ﴾۔ (الاسراء:۵۳)

(اور میرے بندوں سے کہیئے ! وہی بات کریں جو بہترین ہو کیونکہ شیطان لوگوں میں اختلاف ڈالتا ہے)

(یعنی بہترین بات نہ کی جائے تو شیطان کو اُس سے فائدہ اٹھا کر اختلافات پیدا کرنے کا موقع مل جاتا ہے)

۸- آٹھواں سبب: قلیل امیدیں :

امیدوں کا قلیل ہونا عمل صالح کیلئے ایک مجرب تریاق کا درجہ رکھتا ہے بے شک جس شخص کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ اسکی عمر انتہائی کم اور اُس پر حقوق بہت زیادہ ہیں تو وہ یقیناً نیکیوں میں جلدی کرے گا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: "کن فی الدنیا کأنك غریب او عابر سبیل" وکان ابن عمر یقول : اذا أصبحت فلا تنتظر المساء، واذا امسیت فلا تنتظر الصباح، وخذ من صحتك لمرضك، ومن حیاتك لموتك– اخرجه البخاری)

("دنیا میں یوں رہو جیسے تم کوئی اجنبی یا راہ گذر ہو" اسکے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب تم صبح کرو تو پھر شام کا انتظار مت کرو، اور جب شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو، اپنی صحت سے فائدہ اٹھالو بیماری سے پہلے، اور اپنی زندگی سے فائدہ اٹھالو موت آنے سے پہلے)

ایک حدیث میں ہے: "ان اخوف ما اتخوف علی امتی الهوی وطول الامل، فأما الهوی فیصد عن الحق، وأما طول الامل فینسی الآخرة"۔

(بیشک میں اپنی امت پر جن چیزوں کا خوف رکھتا ہوں اُن میں سب سے زیادہ خوف خواہشاتِ نفس اور لمبی امیدوں کا ہے، خواہشات حق سے روک دیتی ہیں اور لمبی امیدیں آخرت سے غافل کر دیتی ہیں)

(یہ دنیا جانے کا رخت سفر باندھ چکی ہے اور یہ آخرت آنے والی ہے، اور ان میں سے ہر ایک کیلئے بیٹے ہیں، پس اگر تم طاقت رکھو تو دنیا کے بیٹے نہ بننا، آج عمل کا دن ہے حساب نہیں، کل حساب ہوگا عمل نہیں (بیهقی شعب الایمان - المشكاة ٢/٤٤٤)

لہٰذا امیدوں کا قلیل ہونا ایک کامیاب دوا ہے اور اللہ کے حکم اور توفیق سے اس کے ذریعے اعمال پیدا ہوتے اور نشوونما پاتے ہیں۔

۹-نواں سبب: وقت کی قدر کرنا

وقت کو غنیمت سمجھنا اور اسکی قدر پہچاننا بھی ضروری ہے تا کہ آپکے اوقات معمولی کاموں میں برباد ہونے سے بچ سکیں، خصوصاً نماز کے اوقات کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے، جو ان اوقات کی حفاظت کریگا تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے اُس کے تمام اوقات کی حفاظت ممکن بنادیگا۔ جیسا کہ ابوغدہ کی کتاب "قيمة الزمن عند العلماء" میں اسکی تفصیل موجود ہے۔

اور جو شخص رات میں اپنے وقت کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ دن میں اس کے وقت کی حفاظت کریگا اور جو شخص سحر اور فجر کے بعد کے وقت کی حفاظت کرے اسکے بقیہ دن کے تمام اوقات محفوظ ہو جائیں گے جیسا کہ تجربے سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔

۱۰-دسواں سبب: اعمال صالحہ کے قبول نہ ہونے کا خوف:

یہ بات بھی مزید اور بہترین اعمال کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَآ اٰتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ، اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ﴾۔ (المؤمنون/٦١)

(اور وہ لوگ جو (نیک) اعمال بھی کرتے ہیں اسکے باوجود انکے دل ڈرتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ان (نیکیوں) میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوریاں کرتے ہیں؟ فرمایا: " لا، یا ابنة الصدیق! ھم الذین یصومون ویصلون ویتصدقون ویخافون ان لا یقبل منھم"۔

(نہیں، اے صدیق کی بیٹی! بلکہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ کرتے ہیں لیکن اسکے باوجود وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انکے اعمال قبول نہ کیے جائیں)

ایسے لوگ نیکیاں زیادہ کرتے ہیں، اسکا راز یہ ہے کہ بیشک مؤمن کیونکہ اللہ عزوجل کی معرفت رکھتا ہے لہٰذا اپنے اخلاص اور تمام تر کوشش کے باوجود اپنے ہر عمل کو حقیر سمجھتا ہے اور ڈرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق عمل نہیں کرسکا، اور اس وجہ سے دوسرا، تیسرا، چوتھا عمل کرتا چلا جاتا ہے، اور تیزی کیساتھ اعمال سرانجام دیتا چلا جاتا ہے تاکہ اللہ کے شایانِ شان کوئی عمل تو کرہی دے۔ لہٰذا اس کے اعمال بڑھتے چلے جاتے ہیں، اعمال کی زیادتی کے اعتبار سے یہ عجیب کارگر نسخہ ہے۔

۱۱- گیارہواں سبب: مجاہدہ

یقیناً جو اللہ کے راستے میں سخت محنت اور کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، ہر نیکی کا بدلہ اسکے بعد دوسری نیکی کی صورت میں ملتا ہے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (العنکبوت/۶۹)

(جو لوگ ہمارے راستے میں خوب کوشش کرتے ہیں تو ہم ضرور بالضرور انکے لیے اپنی راہیں کھول دیتے ہیں)

۱۲- بارہواں سبب: نیند کے وقت پڑھنے کی مندرجہ ذیل دُعا پر دوام

[اللهم اسلمت نفسي اليك الخ]

اس کے آخر میں یہ بتلایا کہ اگر آپ یہ دُعا پڑھ کر رات کو سوئے تو صبح بیدار ہونے پر خیر اور

بھلائی حاصل کریں گے۔ یعنی اس دُعا کی برکت سے آپکو نیک اعمال کی توفیق نصیب ہوگی۔ یہ دُعا بخاری میں مذکور ہے۔ دیکھئے (۱/ ۲۷)

۱۳۔ علم الکتاب والسنۃ کی طلب :

حدیث میں آتا ہے: ''من سلك طريقاً يلتمس فيه علماً سهّل الله له طريقاً الى الجنة''۔ (رواہ مسلم)

(جو شخص علم کی طلب میں کسی راستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے)

شقیق بن عبد الله رحمہ اللہ فرماتے ہیں: توفیق کا دروازہ لوگوں پر بند کردیا گیا ہے اور اسکی وجہ چھ چیزیں ہیں :

۱۔ نعمتوں میں مشغول ہیں لیکن انکا شکرادا نہیں کرتے۔

۲۔ علم کی رغبت رکھتے ہیں لیکن عمل کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

۳۔ گناہ تو جلدی کرتے ہیں لیکن توبہ میں تاخیر کرتے ہیں۔

۴۔ صالحین کی صحبت پر تکیہ کیے ہوئے جبکہ نیکیوں میں انکی اقتداء نہیں کرتے۔

۵۔ دنیا پیٹھ پھیرے بھاگ رہی ہے لیکن یہ اُسی کے پیچھے سرگرداں ہیں۔

۶۔ آخرت سامنے آنے کو ہے لیکن یہ اُس سے غفلت کا شکار ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: توفیق نہ ملنے کی اصل وجہ اللہ کی طرف سے بے رغبتی اور بے خوفی ہے، اور اس (بے رغبتی) کی اصل یقین کی کمزوری ہے، اور اسکی اصل ضعفِ بصیرت ہے، اور ضعفِ بصیرت کی اصل انسان کے نفس کا گھٹیا اور ذلیل ہونا ہے کیونکہ عزت دار نفوس کمزوریوں اور رذالتوں پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔

جبکہ تمام بھلائیوں اور خیر کی بنیاد اللہ کی توفیق، اسکی مشیت اور نفس کی شرافت، بلندی او ربڑائی پر ہے اور شر کی بنیاد نفس کی کمینگی، گھٹیا پن اور حقارت پر ہے۔ (الفوائد ص: ۳۰۷)

****

٤- چوتھا فائدہ

ہر ایک اچھی صفت اور اخلاق محمودہ کی بنیاد دو چیزیں ہیں

۱- **علوم الھمۃ** (ہمت کی بلندی)

۲- **الخشوع** (اللہ کے سامنے عاجزی وانکساری)

اسی طرح ہر بگاڑ اور کمینگی کا سبب پست ہمتی اور تکبر ہے

پس ہر قسم کا فخر، اترانا، اکڑ، خود پسندی، حسد، سرکشی، غرور، ظلم، سختی، جبر، انکارِ حق، ردِ نصیحت، اعراض، ذاتی اغراض کو ترجیح دینا، علو کی طلب، جاہ وریاست کی محبت، جو نہیں کیا اُس پر بھی تعریف پسندی، حقوق العباد کو ادا نہ کرنا، پڑوسیوں اور مسلمانوں کو تکلیف دینا، اللہ کے راستے سے روکنا، بے جا غصہ، معاف نہ کرنا، اپنے تیش کو کنٹرول نہ کرنا، مظلوموں پر اپنا غصہ اتارنا اور ان جیسی تمام برائیاں تکبر سے پیدا ہوتی ہیں۔

اسی طرح جھوٹ، کمینگی، خیانت، ریاکاری، دھوکا، مکر، لالچ، گھبراہٹ، بزدلی، بخل، عجز، کاہلی، غیر اللہ کے سامنے ذلیل ہونا، بہترین کو چھوڑ کر کمتر چیزوں پر راضی ہو جانا، اللہ کے ذکر اور اسکی محبت سے تغافل، مخلوقات پر خوش ہو جانا، کھانے، پینے، سونے اور جماع کا کثرت کیساتھ اہتمام، دنیا کی محبت، آخرت فراموشی، چھوٹی چھوٹی چیزوں پر جھگڑے، معمولی چیزوں کو بھی عاریۃً نہ دینا، علم وعبادت کا اہتمام نہ کرنا، دنیا کی دوڑ میں لگ جانا، زناکاری، فواحش کا ارتکاب، حرام خوری، وقت کا ضیاع، قناعت نہ ہونا، بے فائدہ کاموں میں مشغولیت، اللہ اور اسکی طرف رجوع سے غفلت، برے اخلاق، مخلوق سے مانگنا، حق کی گواہی نہ دینا، لوگوں کے عیوب پر نظر رکھنا اور اپنے عیبوں کو نہ دیکھنا اور ایسی تمام چیزیں پست ہمتی اور نفس کی ذلت وحقارت کی پیداوار ہیں۔

جبکہ اخلاق فاضلہ جیسے صبر، شجاعت، انصاف، لحاظ، عفت، پرہیزگاری، سخاوت،

بردباری، معافی و درگذر، برداشت، ایثار، عزت نفس، تواضع، قناعت، سچائی، اچھا اخلاق، کسی کے احسان کا اس کے مطابق یا بہتر بدلہ دینا، لوگوں کی بھول چوک سے تغافل، لایعنی چیزوں کا ترک، دل کا رذیل اخلاق سے پاک ہونا، آخرت کی طلب اور اسکی طرف دوڑ، قربِ الٰہی کے حصول کی تگ و دو، علوم شرعیہ کو سیکھنا اور یاد کرنا، جہاد اور دعوت الی اللہ کا کام مال یا شہرت کے بجائے اخلاص کیساتھ کرنا، تقوٰی کی محبت، نیک عمل کی کوشش، نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش اور جذبہ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی (ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ)۔

اللہ کے شعائر کی تعظیم، حسن ادب، حقوق کی ادائیگی، عام مسلمانوں کی خیر خواہی، خصوصاً اللہ اور اسکے رسول کی خیر خواہی، سوال سے بچنا، بخل سے بھاگنا، اللہ کی جناب میں توبہ، اللہ کی نعمتوں پر اسکی تعریف، توکل، حیا، ذکر اللہ کی کثرت، اللہ کے عذاب کا ڈر، امانت ادا کرنا، حق کی گواہی کو قائم کرنا، ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا، ایمان والوں سے دوستی، کفار سے دشمنی، تزکیۂ نفس پر کمربستہ ہونا اور ایسی تمام خوبیاں بلند ہمتی اور خشوع سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا اے بھائی! آپ بلند ہمتی اور خشوع کو لازم پکڑیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کی صفت (وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ) بیان فرمائی ہے۔

خشوع صرف نماز کیساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ تو ایمان کی دائمی شاخ ہے

اے اللہ! ہم نے جو کچھ کہا اور لکھا اُس پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ آمین!

❁❁❁❁❁❁❁❁
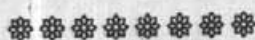
۵- پانچواں فائدہ

حقیقی ایمان کیا ہے؟

اگر آپ یہ پوچھیں کہ وہ ایمان کیا ہے جو مطلق طور پر بندے کو نجات دیتا ہے، جسے رب تعالیٰ قبول کرتا اور اُس پر اُن فوائد سے نوازتا ہے جو تم نے ذکر کیے۔؟

اس سوال کے جواب میں میں کہونگا کہ حقیقی ایمان کو کئی چیزوں سے تعبیر کیا جاتا ہے آپ ان تعبیرات پر غور کیجیے، ممکن ہے کہ آپکو حقیقی ایمان کے حصول میں کامیابی حاصل ہو جائے۔

۱- پہلی تعبیر: دِل سے پختہ تصدیق کرنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء سے عمل کرنا۔

ان تینوں امور میں لوگوں کے درمیان بہت تفاوت پایا جاتا ہے، بعض تو صدیق ﷜ کی طرح اور بعض کمزور ایمان والے عام شخص کی طرح ہیں۔

۲- دوسری تعبیر: تمام شعب الایمان کو بجالانا جنکا تذکرہ فتاوی الدین الخالص (۱) اور اس کتاب کی دوسری جلد میں کیا گیا ہے۔

۳- تیسری تعبیر: یا پھر ایمان دل کی ایک خاص کیفیت سے عبارت ہے جو کیفیت اللہ کی تصدیق، اسکے لیے تسلیم ورضا، توکل، توجہ، خشوع، خشیت، اسکے سامنے عاجزی، اللہ کی چوکھٹ پر دل کے جم جانے، اللہ سے تعلق پر خوشی اور فرحت، اسکے دین پر عمل کر کے دلی اطمینان کا احساس، اللہ کی طرف فرار، اسکے لیے صبر، اسکی شدید محبت، اسکے لیے محبت اور دشمنی، اسکے ذکر اور اسکی تسبیح جیسی صفات پر مشتمل ہے۔

پھر یہ کیفیت زبان اور جوارح کے ذریعے اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا باعث بن جاتی ہے۔ اسی طرح یہ کیفیت ہمیشہ کمی وزیادتی سے دوچار رہتی ہے اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم اسکا خوف رکھتے تھے اور اس کیفیت میں تھوڑا تکدر آ جانے کی صورت میں خود کو اہل نفاق میں شمار کرنے لگتے ہیں۔

اکثر لوگ اس چیز سے غافل ہیں اور دوسری وادیوں میں بھٹک رہے ہیں، ایمان والی پسندیدہ زندگی سے اعراض اور بے توجہی کا شکار ہیں، ان لوگوں نے ایمان کی دنیا کا مزہ ہی نہیں چکھا، سب سے زیادہ لذیذ، بہترین اور خوبصورت چیز سے اپنے نفوس کو محروم کیئے ہوئے ہیں۔ (واللہ المستعان)

اے عقلمند بھائی! غور کیجئے کہ آپ کس وادی میں ہیں؟ آپکا دل گلستانِ ایمان ومحبت کے خوبصورت پھولوں سے غفلت کا شکار، اور عمل صالح وقرآن حکیم کے باغیچوں کی معطر فضاؤں سے محروم کیوں ہے؟۔

یہ تعبیرات میں نے کتاب وسنت سے استنباط کی ہیں۔

ابـن الـقـیـم رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الفوائد ص:۱۸۳) میں فرماتے ہیں: تمام یا اکثر لوگ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن :﴿وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین﴾۔
(اور آپکے حرص کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں)

اسی طرح ایمان داروں میں بھی صرف ایمان مجمل پایا جاتا ہے، جبکہ ایمان مفصل جو کہ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی معرفت، علم، اقرار اور اسکی محبت کیساتھ ساتھ اسکی ضد کی پہچان، ناپسندیدگی اور اس سے بغض پر مشتمل ہے، یہ صرف اس امت کے خواص اور خاصۂ رسول اللہ ﷺ کا ایمان ہے۔ یہ صدیق رضی اللہ عنہ اور انکی جماعت کا ایمان ہے۔

۱۔ بہت سے لوگوں کا ایمان یہ ہے کہ وہ صانع کے وجود اور اکیلا ہونے کا اقرار کرتے اور تسلیم کرتے ہیں کہ اُسی نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے اسکو پیدا کیا ہے، اسکا انکار تو قریش وغیرہ جو بتوں کے پجاری تھے وہ بھی نہیں کرتے تھے۔

۲۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک ایمان کا معنی یہ ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھ لیا جائے، خواہ عمل ہو یا نہ ہو، خواہ اس دعوے کی دل میں تصدیق موجود ہو یا اُس سے عاری ہو۔

۳-جبکہ بعض کا خیال یہ بھی ہے کہ ایمان صرف دل سے اللہ تعالیٰ کے خالقِ ارض وسماء ہونے اور محمد ﷺ کے اللہ کا بندہ ورسول ہونے کی تصدیق کا نام ہے اگرچہ زبان سے اقرار نہ کرے اور عمل کچھ بھی نہ ہو بلکہ حتی کہ اگر اللہ اور اسکے رسول کو گالی دے، (والعیاذ باللہ) ہر عظیم جرم کرے لیکن کیونکہ وہ اللہ کی وحدانیت اور اسکے رسول کی نبوت کا عقیدہ رکھتا ہے لہٰذا وہ مؤمن ہے۔

۴-اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ کی صفات کا عقیدہ رکھتا ہے لہٰذا وہ مؤمن ہے۔

۵-اور بعض کے نزدیک اپنے وجد اور ذوق کے مطابق اللہ کی عبادت کرنا ایمان ہے۔

۶-اور بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے باپ دادا کی تقلید کو ہی ایمان سمجھے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فلاں بات غلط ہے تو ہمارے باپ دادا اس پر متفق کیوں تھے؟ لہٰذا اسی بات پر اڑ جاتے ہیں اگرچہ وہ کیسی ہی غلط بات کیوں نہ ہو۔

۷-اور بعض کے نزدیک مکارم اخلاق، حسن معاملہ، مسکراہٹیں بکھیرنا، ہر ایک کے بارے میں حسن ظن رکھنا اور انکو انکے حال پر چھوڑ دینا ہی ایمان ہے۔

۸-بعض ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا اور اسکی متعلقہ تمام چیزوں سے کٹ جانا اور اپنے دل کو دنیا کی محبت سے خالی کر کے دنیا سے بالکل بے رغبت ہو جانا ہی ایمان ہے، جب کسی کو اس حال میں دیکھیں تو اسے بلند درجے کا مؤمن سمجھتے ہیں اگرچہ وہ علم وعمل کے اعتبار سے ایمان سے ہی خارج کیوں نہ ہو۔

ان سب لوگوں نے ایمان کی حقیقت کو ہی نہیں سمجھا۔(ملخصاً)

اسکے بعد ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((ایمان تو ان سب لوگوں کے گمانوں سے ہٹ کر ایک حقیقت کا نام ہے۔ ایک ایسی حقیقت جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی معرفت، اسکی پختہ تصدیق، زبان سے اقرار، محبت اور عاجزی کیساتھ اسکی پیروی، ظاہراً وباطناً اس پر عمل اور حسب استطاعت اسکا نفاذ اور اسکی طرف دعوت دینے سے مرکب ہے۔

اور اسکا کمال یہ ہے کہ بندہ اللہ کیلئے محبت اور اسی کیلئے نفرت کرے، اللہ کیلئے ہی کسی کو

دے اور اسی کی خاطر کسی سے روکے، اللہ ہی اسکا اکیلا الٰہ اور معبود ہو اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ سب سے کٹ کر صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی ظاہری و باطنی ہر اعتبار سے پیروی کی جائے اور اللہ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کے ماسوا کسی پر دل کی نگاہوں سے نظرِ التفات تک نہ ڈالی جائے))۔ (وباللہ التوفیق)

❁❁❁❁❁❁❁❁

٦- چھٹا فائدہ

دل کی سختی کا علاج

اگر آپکا دل نرم ہونے کے بعد پھر سخت ہو چکا ہے اور خشوع پہلے زیادہ تھا اور اب کم ہو گیا ہے، آپکی عبادت کی مٹھاس وافر ہونے کے بعد اب کمی کا شکار ہے اور آپکے دل کا نور جو پہلے روشن اور چمکدار تھا اب بجھ چکا ہے تو آپ اللہ کی رحمت سے نا امید اور مایوس نہ ہوں اور اسکے علاج سے بے توجہی اختیار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کئی وجوہات کی بناء پر آپکے حالات ایک حالت وکیفیت پر نہیں رکھتا۔

۱- تا کہ آپ ہمیشہ تضرع اور عاجزی اختیار کریں۔

۲- اس لیے کہ آپ مجاہدے کے مکلف ہیں۔

۳- اس لیے کہ دل کی پیدائش ہی تقلب یعنی بدلتے رہنے پر ہوئی اور اس میں بڑی حکمت ہے۔

۴- اس میں گناہوں کی کثرت کا دخل بھی ہے۔

۵- شہوات کا اثر بھی ہے۔

۶- غفلت اور اشتغال بالمخلوق بھی ایک وجہ ہے۔

۷- شاید کچھ ایسے اسباب بھی ہوں جن سے ہم واقف نہیں کیونکہ اللہ کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں پنہاں ہیں۔

البتہ اس بات کو جان لیں کہ بے شک آپکا دل عنقریب پہلے والی اچھی حالت پر پلٹ آئے گا بلکہ اس سے بھی بہتر۔ مگر اسکے لیے آپکو اسکا پاکیزہ علاج کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ (الحدید/۱۷)

(جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے زمین کو اسکی موت کے بعد، تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیات (نشانیاں) بیان کردی ہیں تا کہ تم عقل کرو)

یہ بات اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے دلوں کی سختی کا تذکرہ کرنے اور اس سے روکنے کے بعد ارشاد فرمائی ہے۔ اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ بے شک دل کی مردہ اور بنجر زمین عنقریب اللہ کی رحمت کی برکھا سے سیراب ہونے کو ہے، جس رحمت کی برکت سے اس زمین میں انواع واقسام کی نباتات، پھل دار درخت، کھلکھلاتے پھول کھلنے کو ہیں اور اسکی فضاؤں میں پاکیزہ اور معطر خوشبوئیں پھیلنے والی ہیں جبکہ اس سے پہلے یہی زمین ویران اور تباہ حال تھی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علاج کے اسباب وطرق

۱ – دل کی سختی دور کرنے کیلئے ایک علاج تو یہ ہے کہ آپ تمام گناہوں سے توبہ کریں اور دن میں سو یا اس سے زیادہ مرتبہ اللہ سے استغفار کریں، آپ ﷺ کا بھی یہ طریق کار تھا حالانکہ آپ سید المتقین ہیں اور آپکا دل تمام جہانوں سے زیادہ پرہیزگار و متقی تھا۔ آپکا فرمان ہے:

[انه ليغان على قلبي فاستغفر الله مائة مرة]

(رواه مسلم عن الاغر المزنی رضی اللّٰہ عنه)

(بے شک میرے دل پر کچھ پردہ سا آجاتا ہے تو میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں) (مسلم)

"يُغَانُ" کا معنی: "يُغْشٰى" یعنی" ڈھانپ لینا" ہے۔ "الْغَيْنُ"، "الْغَيْمُ" کے معنی میں ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ اور بشارت ہے کہ یقیناً دل کی کدورتیں

استغفار صحیح کے ذریعے زائل ہو جاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ استغفار کامل توجہ اور بیشتر انابت کیساتھ سو مرتبہ کیا جائے۔

اور اگر آپ استغفار کی مٹھاس ہی چکھ لیں تو ان شاء اللہ آپکو کسی دوسرے نور کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوگی۔

حدیث نبوی میں علاج بھی ہے، پیروی بھی، اور آپکے مرض کی شفا بھی۔

اللہ کی شریعت کس قدر مکمل اور ہمارے نبی ﷺ کی سنت کتنی پیاری ہے! (اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے)

۲- اور دل کی سختی دور کرنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کتاب اللہ کی تلاوت کی طرف رجوع کریں اور اس کیلئے مکمل طہارت، پاکیزہ لباس، اچھی خوشبو اور خالی جگہ کا اہتمام کرتے ہوئے گہرے تدبر اور غمزدہ و خوشنما آواز کیساتھ تلاوت کریں۔

اللہ کی قسم یہ دلوں کے جلاء، زندگی اور نرمی کا بہترین سبب ہے، لیکن بہت کم لوگ اس کے ذریعے علاج کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ قرآن کا بطور شفا تذکرہ فرمایا ہے۔

﴿وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ (یونس/ ۵۷)

(اور (یہ قرآن) دلوں کی بیماریوں کیلئے شفا ہے)

اگر آپکے دل میں زنگ، غفلت کے پردے، سیاہی اور تنگی جیسے امراض ہیں تو قرآن ان سب بیماریوں کی شفاء ہے، آپ اس دوا اور شفا سے غفلت میں کیوں پڑے ہیں؟۔

اللہ تعالیٰ نے دلوں کی سختی کا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ ۔(الزمر/۲۳)

(اللہ نے بہترین بات نازل کی، جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی، اور بار بار پڑھی جانے والی آیات والی کتاب کی صورت میں ہے، اس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے

ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور پھر انکی جلدیں اور انکے دل اللہ کے ذکر کیلئے نرم ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی بھی ہدایت دینے والا نہیں)

اس آیت میں بھی واضح اشارہ ہے کہ دلوں کی سختی کتاب اللہ کے ذریعے زائل ہو جاتی ہے اور سیاق وسباق بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔

اور آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

" اوصيك بتقوى الله فانه رأس كل شيء، وعليك بالجهاد فانه رهبانية الاسلام وعليك بذكر الله وتلاوة القرآن فانه روحك في السماء وذكرك في الارض " اخرجه احمد، الصحيحة ۲/۸۷،۵۵۵)

(میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ بے شک یہ ہر خیر کی بنیاد ہے اور جہاد کو لازم پکڑو، بے شک یہ اسلام کی رہبانیت ہے اور اللہ کا ذکر اور قرآن کی تلاوت پر ہمیشگی اختیار کرو! بے شک یہ آسمان میں تمہاری خوشی ومسرت کا سامان اور زمین میں تمہارے ذکرِ خیر کا سبب ہے)(احمد)

ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: " یہ آسمانوں اور زمین میں تمہارے لیے نور کا باعث ہے" بیہقی نے شعب الایمان (۲/۳۵۴) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً ذکر کیا ہے:

" یہ دل بھی لوہے کی طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول (ﷺ)! پھر زنگ دور کر کے ان دلوں کو چمکانے کی کیا سبیل ہے؟ فرمایا: کثرت کیساتھ موت کی یاد اور تلاوت قرآن (اس حدیث کی سند میں مقال ہے)

جب قرآن مجید ہی آپکے دل کو منور نہ کرے تو اور کونسی چیز ایسا کر سکتی ہے؟ جبکہ قرآن نور، ہدایت، رحمت اور نعمت کا سرچشمہ ہے اور اللہ رب العزت کی وہ مضبوط رسی ہے کہ جو اسکے ساتھ چمٹ گیا وہ اللہ تک پہنچ گیا اور اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے مناجات کا مزہ اور مٹھاس چکھ لی۔ لہٰذا قرآن سے بالکل بھی غافل مت ہونا۔

۳- اور یہ کہ آپ مزاح کرنا چھوڑ دیں لیکن اس بات کی ضرور کوشش کریں کہ مسلمانوں کیساتھ خندہ پیشانی اور مسکراہٹ سے ملیں۔

۴- بہت زیادہ ہنسی سے بچیں کیونکہ یہ دل کو مردہ کر دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

[ایاك و كثرة الضحك ! فانه یمیت القلب و یذهب بنور الوجه]

(اخرجه احمد و الترمذی کما فی المشکاة ۲/۴۴۰)

(زیادہ ہنسی سے بچو کیونکہ یہ دل کو مردہ اور چہرے کے نور کو ختم کر دیتی ہے)

(احمد، ترمذی)۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ فتوحات اور دشمنوں کے ذلیل ہو جانے کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہنسی مزاح کچھ پھیلا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ ......الآیة﴾ (الحدید/۱۶)

(کیا ابھی ایمان والوں کیلئے وہ وقت نہیں آیا کہ انکے دل اللہ کے ذکر اور اسکے نازل کردہ حق کیلئے جھک جائیں اور نہ ہو جائیں اُنکی طرح جو ان سے پہلے کتاب دیئے گئے...... الآیۃ)

اس میں اشارہ ہے کہ ہنسی اور مزاح کی زیادتی دل سے نور کو نکال کر سختی پیدا کرتی ہے لہٰذا اگر آپ اس سے اجتناب کریں تو شاید نور پھر آپکی طرح پلٹ آئے اور آپ اس سے دوبارہ مانوس ہو جائیں۔

ہنسی اور مزاح کے بہت سے نقصانات ہیں جنکا ذکر اسی کتاب میں اپنے مقام پر کیا جائے گا۔

۵- اور حلال مال کو بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے سے بھی دل میں نور، زندگی اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ بہت سی آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔

سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ بالا آیات کے بعد اسی بات کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے فرمایا: ﴿ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَٰتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴾۔ (الحدید/ ۱۸)

(بے شک صدقہ کرنے والے اور صدقہ کرنے والیاں، اور جنہوں نے اللہ کو قرضہ حسنہ دیا انکے لیے یہ کئی گنا بڑھا دیا جائے گا اور انکے لیے عزت کا صلہ ہے)

اور حدیث میں ہے:

(ان الصدقة لتطفئ الخطيئة كما يطفأ الماء النار) (اخرجه احمد).

(بے شک صدقہ خطاؤں کو اسطرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے)

صدقہ کرنیوالے پر نیکیاں آسان ہو جاتی ہیں جیسا کہ پہلے یہ بات گذر چکی ہے۔

اور صدقے کے بہت سے فضائل اور خوبیاں ہیں جو کہ مشہور و معروف ہیں لیکن شاید کہ آپ نے اپنے دل کے علاج اور اس میں نور پیدا کرنے کیلئے اس نسخے کو نہیں آزمایا۔

۶۔ دل کی نرمی کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ ایمان کے حقائق کو اپنے دل میں پختگی کیساتھ اتار لیں اور اسکے وہ اسباب اختیار کریں جو ہم نے ذکر کئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ عِندَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ﴾ (الحدید/ ۱۷)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور اُسکے رسولوں پر، یہی لوگ صدیقین و شہداء ہیں اپنے رب کے نزدیک، اور انکے لیے انکا بدلہ اور نور ہے)

۷۔ اس دارِ فانی سے بے رغبتی اختیار کیجئے، کیونکہ دُنیا سے بے رغبتی اللہ کے حکم سے راحت، نور اور دل کی فراخی کا باعث ہے، دنیا کی محبت ہی دلوں کو آلودہ کرتی ہے، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: [حب الدنيا رأس كل خطيئة]۔

(دنیا کی محبت ہر برائی کا سرا ہے) فتدبر فیہ!

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید میں ہی دنیا سے بے رغبتی کا حکم دیا ہے:

﴿ اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي

الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ﴾۔ آیت (۲۰)

(جان لو! دنیا کی زندگی تو بس کھیل، تماشا، زیب وزینت، آپس میں فخر وغرور اور مال واولاد کی کثرت میں مقابلے کی جگہ ہے، مثل اس بارش کے جسکی پیداوار کسانوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے اور تم اُسے زرد دیکھتے ہو، اور پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے)

اور یہ مجرب بات ہے کہ یقیناً زہد دل کو روشن کرتا اور اسے آخرت اور اسکے مصالح کیلئے فارغ کر دیتا ہے۔

۸- اور یہ کہ آپ نیکیوں میں جلدی کریں اور ہر وہ عمل فوراً کرنے کی کوشش کریں جو آپ کو اللہ کے قریب کردے: ﴿ سَابِقُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ ...... الآية ﴾۔ الحدید آیت: (۲۱)

(اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف مسابقت اختیار کرو)

۹- تقویٰ اور ایمان بالرسول بھی اسکے اہم ترین اسباب میں سے ہے :

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ...... الآية ﴾۔ (الحدید/ ۲۸)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ایمان لاؤ اسکے رسول پر، (اگر ایسا کرو گے تو وہ) تمہیں اپنی دگنی رحمت سے نوازے گا۔

گذشتہ تمام اسباب سورۃ الحدید سے مأخوذ ہیں۔

۱۰- حیاتِ قلب کے حصول کیلئے آپ تمام گناہوں کو ترک کر دیجئے خصوصاً مردار، مشرکین کا ذبیحہ، سود اور نشہ آور چیزوں کی آمدنی سے کامل پرہیز کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ (الانعام/۱۲۲)

(کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے ایسے نور سے نواز جسے وہ

لوگوں میں لیے پھرتا ہے۔ کیا یہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں گرفتار ہے اور ان سے نکل ہی نہیں پاتا)

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مردار اور ہر اس چیز کا کھانا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، ممنوع قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دلوں کا نور اور حیات مذکورہ چیزوں سے بچ کر ہی ممکن ہے۔

۱۱- اور شاید آپ کے دل کی سختی کا سبب یہ ہو کہ آپ اپنی نگاہوں اور خواہشات کو آزادی دیئے ہوئے ہیں اور اسکی وجہ سے آپکا دل مکدّر ہو چکا ہے اگر آپ اس چیز کو ترک کر دیں تو دیکھیں گے کہ آپ کا دل روشن اور حیات افروز ہو چکا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ نگاہوں کو پست رکھنے سے دل کو زندگی، نورانیت اور فرحت حاصل ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں فواحش پر زجر کرنے کے بعد مؤمن کے نور کا تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلے میں اصول اور قواعد متعین کر دیئے ہیں: فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ -ای فی قلب المؤمن- كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ (النور/۳۵)۔

(اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، (مومن کے دل میں موجود) اسکے نور کی مثال اس طاقچے کی طرح ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشے میں، اور شیشہ گویا کہ روشن ستارہ، جلایا جائے وہ چراغ زیتون کے بابرکت درخت (کے تیل) سے، نہ شرقی نہ غربی، اور اسکا تیل ایسا کہ گویا خود ہی چمک پڑے اگرچہ اسے آگ نہ ہی چھوئے، نور علی نور (سراسر روشنی) ہے، رہنمائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جسکی وہ چاہیے، اور اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب واقف ہے)

اس میں اشارہ ہے کہ جس نے فواحش کو ترک کیا، شرعی پردہ اختیار کیا، نگاہوں کو پست رکھا اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تو اللہ عزوجل اسکے دل میں ایک عجیب نور پیدا کر دیتا ہے اور اسکے دل میں ایک روشن چراغ جلا دیتا ہے، یہ ایک حقیقی واقعاتی بات ہے جو بھی اسکا تجربہ کرے گا اسے یونہی پائے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا۔

۱۲- اسی علاج میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس دُعا سے کبھی مت اکتائیں:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ (آل عمران/ ۸)

(اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا، اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت عطا فرما، بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے)

اور یہ دُعا بھی زبان پر رہے: " اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ، يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ "۔

(اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے، اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ)

اور ایسی دیگر دُعائیں بھی مانگتے رہیں، قبولیت کے اوقات میں بھی زیادہ تر یہی دعائیں مانگیں، بے شک دُعا مؤمن کا ہتھیار ہے، دعائیں مانگنے والا کبھی برباد نہیں ہوتا، سب سے زیادہ عاجز وہ ہے جو دعاؤں سے عاجز آ جائے جیسا کہ صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے۔

جبکہ آپ ﷺ نے اس معنی کی طرف اپنے اس فرمان میں بھی اشارہ کیا ہے:

" ان الايمان لَيَخْلُقُ في جوف أحدكم كما يخلق الثوب، فاسئلوا الله ان يجدد الايمان في قلوبكم " كما في الصحيحة)

(بے شک ایمان تمہارے سینے میں اسی طرح بوسیدہ ہوتا ہے جیسے کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ سے تجدید ایمان کا سوال کرو) (الصحیحہ)

پس ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہمارے دلوں میں کچھ بگاڑ یا سختی در آئے اور ہمارے دلوں

کا نور زائل ہو جائے اور دل آلودہ ہونے لگیں تو ہم مسلسل دعائیں مانگیں اور اس عمل سے کبھی مت اکتائیں، یقیناً عنقریب ہم شفایاب ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔

لیکن یہ سب نسخے اسی وقت کارگر ہونگے جب آپ خود اپنے دل کی کیفیت میں بہتری لانا چاہیں، اور اگر آپ بہتری چاہتے ہی نہیں، یا ضرورت ہی نہیں سمجھتے تو پھر کوئی نسخہ، کوئی علاج، کوئی چیز بھی آپکے لیے مفید نہیں۔

۱۳- اس علاج کا افضل اور مضبوط ترین طریقہ مجاہدہ ہے، مجاہدے کا معنی یہ ہے کہ آپ ایسا وقت منتخب کریں جو آپ پر کچھ بھاری پڑے اور اس وقت کو اللہ کیلئے فارغ کر دیں، اس میں اللہ کو یاد کریں اور غور وفکر کی عادت ڈالیں مثلاً سحری کے اوقات، نماز فجر اور عصر کے بعد کا وقت اسکے لیے مفید رہے گا۔

یا پھر ایک یا دو دنوں کیلئے ویران علاقے کی طرف نکل جائیں جیسا آپ ﷺ بلند چشموں کی طرف نکل جایا کرتے تھے۔

(امام بخاری نے "الادب المفرد" میں صحیح سند کیساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔)

جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴾۔ (العنکبوت/۶۹)

(جو لوگ ہمارے رستے میں مجاہدہ (انتہائی کوشش) کریں گے، ہم ضرور اپنے راستوں کی جانب انکی رہنمائی کریں گے، اور بیشک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے)

مجاہدہ تمام بھلائی کے کاموں میں ہو سکتا ہے، صرف قتال کیساتھ مختص نہیں ہے۔

(یہ گذشتہ فائدہ آپ کسی اور کتاب میں نہیں پائیں گے، والحمد للہ علی توفیقہ)

❁❁❁❁❁❁❁❁
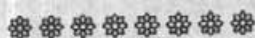
۷- ساتواں فائدہ

مؤمن کو اللہ کی خفیہ تدبیر سے کس طرح ڈرنا چاہیے؟

اسکی مختلف صورتوں اور اقسام کا بیان

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوفی کبیرہ گناہ ہے، کافر اور فاجر لوگ ایسا کرتے ہیں جو بھی اس بے خوفی کا مظاہرہ کرے وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

﴿ افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون ﴾۔

(کیا یہ لوگ اللہ کے مکر (خفیہ تدبیر) سے بے خوف ہو چکے ہیں، پس نہیں بے خوف ہوتی اللہ کے مکر سے مگر وہ قوم جو خسارہ پانے والی ہو)

اللہ کی خفیہ تدابیر اور اُن سے خوف کی کچھ اقسام ہیں:

۱- مؤمن اپنی غلطیوں اور گناہوں سے ڈرے کہ کہیں انکی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے اور یہ بد بخت ہو جائے۔

۲- یا یہ کہ کہیں مؤمن برے اعمال کرے اور اللہ اسے ڈھیل دیتا جائے حتی کہ جب وہ گناہوں سے مانوس ہو جائے تو اچانک ہی اللہ کی پکڑ آ جائے۔

۳- اسی مکر میں سے یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ اور اسکے ذکر سے غافل ہو اور اللہ بھی اُسے بھلا دے، اللہ کا اسے فراموش کر دینا ہی مکر ہے۔

۴- اس بات سے بھی آگاہی رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے اُن گناہوں اور عیوب سے بھی واقف ہے جن سے خود بندہ واقف نہیں لہٰذا اگر بندہ بے توجہی اختیار کرے گا تو ممکن ہے کہ لاشعوری طور پر وہ اللہ کی خفیہ تدبیر کی لپیٹ میں آ جائے۔

۵-لوگ ایسی آزمائشوں میں ڈالے جائیں کہ جن پر صبر کرنا ممکن ہی نہ ہو یہ بھی مکر کی ایک صورت ہے۔ دیکھیے (الفوائد للامام ابن القیم رحمہ اللہ ص:۲۸۵)

۶-اسکی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بندے پر نعمتوں کے دروازے کھل جائے حالانکہ وہ شکر گذار بھی نہ ہو اور گناہوں سے اجتناب بھی نہ کرے تو یہ بھی مکر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **اذا رأيتم الله يعطي العبد ما يحب وهو مقيم على معصيته فانما ذلك منه استدراج، ثم تلا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾** انعام (۴۴)

(جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اسکے گناہوں پر قائم ہونے کے باوجود نواز رہا ہے اور اسکی ہر پسندیدہ چیز اسے مہیا کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ استدراج ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''پس جب انہوں نے اس چیز کو فراموش کر دیا جسکی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہانتک کہ جب وہ اس پر جو انہیں دیا گیا تھا اترانے لگے تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا، تو اسوقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے'')۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **ومن وسع الله عليه فلم ير انه مكر فلا عقل له**''

(جس پر اللہ تعالیٰ نے وسعت کی ہو اور پھر وہ اس بات کو نہ سمجھے کہ اُس کے ساتھ خفیہ تدبیر کا معاملہ ہوا ہے، تو اُس شخص کے پاس عقل ہی نہیں)

ایک اثر میں آتا ہے کہ جب ابلیس کے ساتھ مکر ہوا تو جبرئیل و میکائیل رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ روتے کیوں ہو؟ کہنے لگے: اے ہمارے رب! ہم تیرے مکر (خفیہ تدبیر) سے بے خوف نہیں رہ سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہمیشہ ایسے ہی رہو، میرے مکر سے کبھی بے خوف مت ہونا۔

اسی وجہ سے تو آپ ﷺ کثرت کیساتھ '' **يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ** ......الخ والی دعا پڑھا کرتے تھے۔

اگر آپ رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان کو ذہن میں رکھیں تو یہی آپکو بے خوفی

سے بچانے کیلئے کافی ہے:

ان احدکم لیعمل بعمل اهل الجنة حتی ما یبقی بینه وبینها الا ذراع فیسبق علیه الکتاب فیعمل بعمل اهل النار فیدخلها" (متفق علیه)

(بے شک تم میں سے ایک شخص جنتیوں والا عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اُسکے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے لیکن تقدیر اُس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ جہنمیوں والا کوئی عمل کر بیٹھتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔)

اُس بنی اسرائیل کے بَلْعام نامی عالم کے واقعے پر بھی غور کریں جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، جس نے فانی کو باقی پر ترجیح دے دی تھی، اسی طرح بعض زاہد اور عبادت گذار بعض اوقات ایک عورت یا معمولی چیزوں کے عوض عیسائیت اختیار کر بیٹھے۔ (والعیاذ باللہ)

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جب ہدایت پھیر دی جانے والی ہے، اور استقامت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اور عافیت پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے، اور اللہ کا ارادہ کیا ہے؟ یہ نہ تو کسی کو معلوم ہے اور نہ ہی اس پر کوئی غالب آ سکتا ہے، تو پھر آپ اپنے ایمان اور تمام نیکیوں پر تکیہ کر کے خود پسندی کا شکار کیوں ہیں؟ یہ تو محض اللہ کا فضل اور اُسی کی سخاوت ہے کہ اُس نے تمہیں ان نعمتوں سے مالا مال کیا ہے اور عین ممکن ہے کہ وہ انہیں آپ سے سلب کر لے اور آپ ندامت وشرمندگی کے گہرے گڑھے میں جا گریں جبکہ ندامت آپکو کوئی فائدہ بھی نہ دے پائے۔۔۔۔۔دیکھیے (الزواجر عن الکبائر : ۸۷/۱، ۸۹)

۷- اسی طرح مؤمن عمل صالح کے بارے میں بھی خوف رکھتا ہے کہ کہیں وہ عملِ صالح کی شروط وآداب کے حوالے سے کوتاہی کا شکار تو نہیں ہو رہا کہ اسکا عمل برباد ہو جائے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴾۔ (المؤمنون/۶۰)

(اور وہ لوگ جو نیک اعمال بھی کرتے ہیں اور اسکے باوجود انکے دل ڈرتے ہیں کیونکہ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے)

۸- آٹھواں فائدہ

جو سابقہ فائدے سے متعلق ہے۔

وہ لوگ جو اللہ اور اسکے اسماء وصفات سے جاہل اور انکے حقائق کو معطل کرنے والے ہیں، یہ لوگ مخلوق کے دلوں میں اللہ کا بغض اور نفرت پیدا کرتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کے ذریعے اسکی محبت اور خوشنودی کے حصول کا راستہ کاٹنے کے درپے ہیں، اس طرح کہ خود بھی نہیں جانتے کہ کیا کرتے جارہے ہیں؟۔

یہ لوگ بے چارے کمزور مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ کی اطاعت کا کوئی فائدہ نہیں ۔ بندہ جتنی زیادہ کوشش کرلے، ظاہری وباطنی اعمال بجالائے، مدت دراز تک اطاعت میں مشغول رہے لیکن اسے کوئی اعتماد حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے مکر سے بچ سکے، اور یہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالی مطیع اور متقی انسان کو محراب سے پکڑ کر شراب خانے میں لے جاتا ہے، اور توحید وسنت سے ہٹا کر شرک وموسیقی میں پھینک دیتا ہے اور اسکے دل کو ایمانِ خالص سے پھیر کر کفر میں مبتلا کردیتا ہے۔

ان لوگوں کا مستدل یا تو صحیح احادیث ہوتی ہیں جنہیں یہ سمجھ نہیں پائے یہ پھر وہ باطل روایا ت جو آپ ﷺ نے فرمائی ہی نہیں، اور ان لوگوں کا زعم ہے کہ یہی توحید کی حقیقت ہے، اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی بطور دلیل پڑھتے ہیں:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ﴾ ۔(الانبیاء:۲۳) (وہ (اللہ) اپنے کاموں کیلئے کسی کے سامنے جوابدہ نہیں اور وہ (لوگ) اُس کے آگے جوابدہ ہیں)

اور یہ قول:﴿ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (الاعراف/۹۹)

(کیا یہ لوگ اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں، پس نہیں بے خوف ہوتی اللہ کی

خفیہ تدبیر سے مگر خسارہ پانے والی قوم)

اسی طرح یہ فرمان: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ﴾۔(الانفال/۲۴)

(اور جان لو! کہ بے شک اللہ تعالیٰ آدمی اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے)

اور ابلیس کے واقعے سے بھی حجت پکڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں کے جھرمٹ میں مور کی مانند تھا، فرشتوں میں سب سے زیادہ عبادت گذار تھا لیکن تقدیر نے اس پر ظلم کیا اور حکم الٰہی اُس پر مسلط ہو گیا اور اُس کے پاکیزہ نفس کو خبیث ترین بنا ڈالا۔ حتی کہ غزالی وغیرہ نے یہانتک کہا ہے:

اللہ سے اسطرح ڈرو جیسے تم شیر سے ڈرتے ہو جو بغیر کسی جرم اور گناہ کے آپ پر حملہ آور ہو جاتا ہے۔

اور یہ لوگ آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال پکڑتے ہیں کہ: (بے شک تم میں سے ایک شخص جنتیوں والا عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اُسکے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے لیکن تقدیر اُس پر غالب آجاتی ہے اور وہ جہنمیوں والا کوئی عمل کر بیٹھتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے) (متفق علیہ)

اور ان لوگوں کی یہ سب باتیں انکے باطل اصول پر مبنی ہیں اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے افعال کی حکمتوں، علتوں اور اسباب کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ کا کوئی فعل کسی حکمت یا سبب کی بناء پر نہیں بلکہ محض انکی مشیت کیمطابق ہوتا ہے، اسکے لیے جائز ہے کہ اپنی اطاعت کرنیوالوں کو عذاب اور اپنے دشمنوں اور نافرمانوں کو انعامات دے۔

لہٰذا اگر کوئی عمل کرنیوالا شخص انکی یہ باتیں سنے گا تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اُس سے نفرت اور بغض کرنے لگے گا۔

ایسی باتیں کرنے والے بے وقوف دوست ہیں جو عقلمند دشمن سے زیادہ نقصان دِہ ثابت ہوتے ہیں اپنے خیال میں یہ اللہ کی معرفت اور اسکا خوف دلانا چاہتے ہیں لیکن حقیقتاً لوگوں کو اللہ سے نفرت پر اُبھار رہے ہیں۔

انکی مثال یوں ہے جیسے کوئی اپنے بیٹے سے کہے کہ بیٹا!! اگر آپ اپنا سبق لکھو، اپنا رویہ بہتر رکھو اور استاد کیساتھ ادب کا معاملہ کرو تب بھی ممکن ہے کہ تمہارا استاد تمہیں سزا دے، اور اگر آپ برا رویہ اختیار کرو اور کوئی کام نہ کرو تب بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارا استاد تمہاری تکریم کرے۔

اب ایسا بچہ اپنے معلم کی کہاں تک عزت کریگا اور اس سے کیا ڈرے گا؟ اسی طرح اگر آپ کسی انسان سے کہیں کہ ہمارے ملک کا بادشاہ چور کو جیل سے نکال کر وزیر بنالیتا ہے اور شریف آدمی کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیتا ہے۔

اس بات کو سن کر وہ شخص بادشاہ سے متنفر ہو جائے گا اور اسکے دل سے بادشاہ کی محبت نکل جائے گی اور اسکے وعدوں اور وعیدوں پر اعتماد ختم ہو جائیگا۔

اللہ رب العزت کی تمام نازل شدہ کتابیں اور تمام پیغمبر اس طریقِ کار کے مخالف ہیں خصوصاً قرآن مجید۔

اگر آپ اپنی دعوتِ دین میں قرآنی انداز اختیار کریں تو اسی میں بگاڑ کے بجائے اصلاح کا سامان ہے۔

اللہ رب العزت جو اپنے وعدوں میں سچا اور صاحبِ وفا ہے اُسی نے یہ خبر دی ہے کہ یقیناً وہ لوگوں کیساتھ انکے اعمال کیمطابق ہی جزا و سزا کا معاملہ کرتا ہے، اور نیکو کار کو اسکی جناب میں کسی ظلم، حق تلفی، کمی یا زیادتی کا کوئی خطرہ نہیں، اور وہ مہربان مالک کسی محسن کا عمل کبھی ضائع نہیں کرتا، اور بندے کا ذرّے جتنا عمل بھی نہ ضائع کرتا ہے اور نہ ہی اُس پر ذرّے جتنا ظلم کرتا ہے، اگر نیکی ہو تو کئی گنا بڑھا کر نوازتا ہے اگر چہ وہ رائی کے دانے کے برابر کیوں نہ ہو، جبکہ برائی کا بدلہ اسکے برابر ہی ہوتا ہے اس میں زیادتی نہیں ہوتی اور یہ بھی ندامت، توبہ، استغفار، مصائب اور نیکیوں کی بناء پر مٹ جاتی ہے۔ جبکہ نیکی کم از کم دس گنا، پھر سات سو گنا اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہی قرآنی طرزِ دعوت ہے جس نے بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کی، اعراض کرنے والوں کو اپنی جانب متوجہ کیا، گناہ گاروں کو توبہ کی توفیق بخشی، گمراہوں کو ہدایت عطا فرمائی،

تباہی کے دہانے پر کھڑی انسان کو نوید نجات دی، مجاہدین کو علم دیا، حیران و پریشان لوگوں کو بصیرت سے نوازا، غافلوں کو بیدار کیا اور بھٹکے ہوؤں کو پناہ دی۔

اگر کہیں سزا اور عقاب کا ذکر بھی کیا تو انتہائی سرکشی اور بغاوت کے بعد۔ اور اسکے ساتھ ہی بندے کو توبہ و استغفار کی دعوت بھی دی کہ وہ سزا سے بچ جائے اور اللہ کی توحید اور اسکے تقاضوں کو ادا کرنے لگے، البتہ اگر بندہ توبہ و انابت کو اختیار نہیں کرتا اور سرکشی پر جما رہتا ہے تو پھر اس پر اللہ کی پکڑ آتی ہے لیکن اس صورت میں خود بندہ اس بات کو یقینی طور پر سمجھ رہا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجھ پر کوئی ظلم یا زیادتی نہیں کی ہے بلکہ میں خود ہی اپنے نفس پر ظلم کرنیوالا ہوں۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (الملک:۱۱)

(پس وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے (لیکن اس وقت اعتراف کا فائدہ نہیں بلکہ دھتکار ہے بھڑکتی ہوئے جہنم والوں کیلئے)

ہلاک ہو جانے والی قوموں نے بھی اللہ کے عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس بات کا اقرار کیا تھا: ﴿يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ (سورۃ الانبیاء)۔

(ہائے ہماری ہلاکت! بے شک ہم ہی ظالم تھے)

اسی طرح اُن لوگوں کا قول اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے جنکا باغ تباہ ہو گیا تھا:

﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ (القلم:۲۹)

(کہنے لگے) ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہم ہی ظالم تھے)

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہنمی لوگ جہنم کی آگ میں داخل ہوئے لیکن اس کے باوجود انکے دلوں میں اللہ کی حمد اور تعریف موجود تھی اور انہوں نے اللہ پر اعتراض کا کوئی راستہ یا دلیل نہ پائی۔

اسی لیے تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ط وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانعام/۴۵)

(پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جبکہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں۔)

اس ''الحمدللہ'' والے جملے میں حقیقتِ حال بیان کی گئی ہے، اسکا ظالموں کی جڑ کاٹ دینا اسکی تعریف کی منافی نہیں بلکہ اسے مستلزم ہے کیونکہ یہ اسکی حکمت اور انصاف کا تقاضا ہے۔

جو شخص حقیقتِ حال سے واقف ہے وہ یہی کہے گا کہ یہ ظالم لوگ اسی انجام کے مستحق تھے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قیامت کی منظر کشی، اور اہل جنت واہل جہنم کے اپنے اپنے انجام کو پہنچنے کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورة الزمر:۷۵)

(انکے درمیان حق اور انصاف کیساتھ فیصلہ ہوگا اور کہا جائے گا کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں)

یہاں اللہ تعالیٰ نے کہنے والے کا نام نہیں لیا بلکہ ''قیــــل'' سے تعبیر کیا ہے کیونکہ پوری کائنات جب اللہ کی حکمت، انصاف اور اسکے فضل کا مشاہدہ کرے گی تو پکار اُٹھے گی ''الحمد للہ رب العالمین''۔

اسی طرح جہنمیوں کے بارے میں فرمایا: ﴿قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ﴾ (الزمر:۷۲)۔ (کہا جائیگا: داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں سے)

اس میں بھی کہنے والا مجہول ہے تو یہاں بھی گویا کہ تمام کائنات یہ کہہ رہی ہے حتیٰ کہ انکے اپنے اعضاء وجوارح، انکی زمین، انکا آسمان غرض ہر چیز ہی انکے اس انجام کو درست قرار دے رہی ہے۔

اللہ رب العزت نے جابجا اس بات کی خبر دی ہے کہ اُسکا اپنے دشمنوں کو ہلاک کر کے اپنے دوستوں کو نجات دینا محض اسکی مشیت کے تابع نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں کوشش کرنے والوں کو ہدایت میں اضافے کی ضمانت دی ہے، اسی طرح متقین جو اللہ کی رضا کے متلاشی ہیں انہیں بھی ہدایت میں زیادتی کی ضمانت سے نوازا گیا ہے جبکہ فاسقین جو کہ اپنے عہد وپیمان کی پاسداری نہیں کرتے انہی کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت تو صرف اسی کو گمراہ کرتا ہے جو خود گمراہی کو ترجیح دے اور ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی اسے رد کرتے ہوئے گمراہی کو اختیار کرے تو ایسے لوگوں کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ کی طرف سے مہر لگا دی جاتی ہے کیونکہ یہ لوگ خود ہی ہدایت پر راضی نہیں اور اسے ٹھکرا رہے ہیں تو ایسے ناشکروں کو اللہ کی طرف سے بھی دھتکار دیا جاتا ہے۔ اگر ان کے دلوں میں کوئی خیر ہوتی تو اللہ رب العزت انکی طرف ضرور انکی رہنمائی فرما دیتا، مگر یہ لوگ کسی کرامت اور شرف کے قابل ہی نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے راہِ ہدایت کی تمام رکاوٹیں دور کر کے حجت قائم کر دی ہے اور تمام اسبابِ ہدایت میسر کر دیئے ہیں، اور بے شک وہ ظالموں اور فاسقوں کو ہی گمراہ کرتا ہے، سرکشوں کے دلوں پر ہی مہر لگاتا، اور منافقین کو ہی فتنے کا شکار کرتا ہے، اور بے شک جو زنگ اور میل کفار کے دلوں پر چڑھتا ہے وہ عین انکے اعمال اور کسب کا نتیجہ ہے۔ فرمایا: ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾۔ (المطففین : ۱۴)

(ہرگز نہیں! بلکہ انکے دلوں پر انکے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن یہودیوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ، بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ﴾ (المائدۃ:۵۵)

(اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر (نورانی) پردے ہیں، (حالانکہ ایسا نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے انکے کفر کی وجہ سے انکے دلوں پر مہر لگا دی ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلا دیا ہے کہ وہ کسی کو اس وقت تک گمراہ نہیں کرتا جب تک انسان کی اُن باتوں کی طرف رہنمائی نہ کرے جن سے انسان نے بچنا ہے، اور پھر اس بیان کے بعد انسان خود ہی اپنی بدبختی اور بُری طبیعت کی بناء پر گمراہی کو ہدایت پر اور کج روی کو درست رویے پر ترجیح دیتا اور اختیار کرتا ہے اور رحمان کے راستے سے بغاوت کر کے شیطان اور نفس امّارۃ کا ساتھی بن جاتا ہے البتہ وہ مکر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور پیغمبروں کے خلاف مکر (خفیہ منصوبے)

کرنے والوں کو بدلہ دیتا ہے یعنی انکی بری تدبیروں اور منصوبوں کا جواب اپنی بہترین تدبیروں کے ذریعے دیتا ہے۔

اور وہ حدیث جس میں یہ آیا ہے کہ ایک آدمی جنتیوں والے عمل کرتا ہے حتی کہ جب اسکے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے تو......الخ

اس حدیث کی ایک روایت میں "فِيمَا يَبْدُوْ لِلنَّاسِ" کے الفاظ بھی آتے ہیں جسکا معنی یہ ہے کہ بظاہر دیکھنے میں اُسکا عمل نیک تھا یعنی اسکے نیک عمل میں کوئی آفت یا چکر ضرور پوشیدہ تھا اگر یہ کھوٹ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُس کے ایمان کو کبھی نہ بدلتا، اگر اسکا عمل مقبول اور محبوب ہوتا تو کبھی ضائع نہ ہوتا، لیکن باطنی طور پر اس شخص کے عمل میں فساد تھا جو اللہ کو معلوم اور بندوں پر مخفی تھا۔

اور جہاں تک ابلیس کا معاملہ ہے تو وہ کفر، حسد اور تکبر کو دل میں چھپائے بیٹھا تھا، جبکہ فرشتے ان پوشیدہ خباثتوں سے واقف تک نہ تھے، لہٰذا جب فرشتوں کو سجدے کا حکم ہوا تو انکے دلوں میں موجود اطاعت اور خشیت ظاہر ہوگئی اور وہ فوراً سجدے میں گر پڑے جبکہ ابلیس کے دل میں جو کفر، تکبر اور حسد تھا وہ بھی ظاہر ہو گیا اور اس نے سجدے سے انکار کر دیا، بھلا اس میں اللہ رب العزت کا کیا قصور؟

اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ اولیاء اللہ تعالیٰ کے خوف میں ضرور مبتلا ہوتے ہیں لیکن انکے خوف کی نوعیت یہ ہے کہ یہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ انہیں انکے گناہوں کی بناء پر بے یار و مددگار نہ چھوڑے اور وہ بدبخت ہو جائیں۔ البتہ اسکے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار بھی ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر بندے پر واجب ہے کہ اپنے رب کے متعلق حسن ظن رکھے۔

سیدنا علی ﷛ فرماتے ہیں: "لا یخافن احد الا ذنبه، ولا یرجون الا ربه" (کسی کو اپنے گناہوں کے علاوہ کسی چیز کا خوف نہ ہونا چاہیے، اور اپنے رب کے علاوہ کسی پر امید ہرگز نہیں رکھنی چاہیے)۔

۹- نواں فائدہ

عالم دین کی گمراہی کے اسباب

عالم کی گمراہی کے تین اسباب ہیں :

۱- فاسقوں اور بے دین و بے حیا لوگوں کیساتھ مشابہت اختیار کرنا، مثلاً عام عوام جو کہ اپنے چال، کھانے پینے، چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں اللہ کی مقررہ حدود کا لحاظ نہیں کرتے اور عالم دین بھی انکی مشابہت اختیار کرتے ہوئے علم اور تقویٰ کے لباس کے بجائے انکی عادات واطوار اپنا لے، یہ رویہ بالکل غیر مناسب ہے حالانکہ اسکے لیے بہتر تھا کہ تقویٰ کا لباس پہنتا کیونکہ اس سے بہتر کوئی لباس نہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لباس التقویٰ'' سے مراد ''السمت الحسن'' ظاہری ہیئت وعادات کا اسلام کے مطابق ہونا ہے۔

سیدنا عمر ﷛ فرماتے ہی: " تعلموا العلم وتعلموا للعلم السكينة والوقار" (اخلاق الراوی للخطیب ۱/۹۳)۔

(علم سیکھواور علم کیلئے طبیعت کا ٹھہراؤ اور وقار بھی سیکھو)

اور سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں: ''حاملِ قرآن کی شان کے لائق یہ بات ہے کہ جب لوگ رات کو گہری نیند کے مزے لے رہے ہوں تو یہ اپنے رب کے سامنے ہاتھ باندھے قیام کر رہا ہو، اور جب لوگ دن کو کھا پی رہے ہوں تو یہ روزے سے ہو، لوگ فالتو بحثوں میں پڑے ہوں اور یہ خاموش ہو، لوگ اترا رہے ہوں اور اس پر خشیت طاری ہو، لوگ جب خوش ہوں تو یہ غمگین ہو، لوگ جب ہنس رہے ہوں تو یہ رو رہا ہو، اسی طرح حامل قرآن کو یہ بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ بداخلاق، غافل، شور کرنے والا یا انتہائی سخت رویہ اختیار کرنے والا ہو۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن حکیم کا حامل (عالم) اسلام کے جھنڈے کو اٹھانے والا ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ اللہ رب العزت کی تعظیم کے پیشِ نظر فضول گو، اور غفلت کے شکار لوگوں کیساتھ ملکر اُن جیسے کام نہ کرے اور اسکی شان کو یہ بھی زیبا نہیں دیتا کہ وہ اپنی حاجتیں لوگوں کے سامنے رکھے بلکہ لوگوں کو اسکا محتاج ہونا چاہیے۔

حدیث میں آتا ہے: " خصلتان لا تجتمعان فی منافق : حسن سمتٍ ولا فقه فی الدین " (رواہ الترمذی وھو فی المشکاۃ ۱/۳۴، والحدیث صحیح)

(دو خصلتیں ایسی ہیں کسی منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں، ظاہری حالت کا اچھا ہونا اور دین کی فقاہت) (ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم دین کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان دو صفات کیساتھ متصف ہو تا کہ نفاق اس سے زائل ہو سکے اور اگر عالمِ دین ان صفات کو نہیں اپناتا تو نفاق اسکے دل میں گھر کر کے اسے اللہ کے راستے سے روک دیتا ہے۔ (واللہ المستعان)

عالم کو چاہیے کہ " علماء الآخرۃ " کی صفات اختیار کرے جنہیں ہم نے فائدہ (۳۳) میں بیان کر دیا ہے تاکہ وہ گمراہ نہ ہو سکے۔

سفیان بن عُیَیْنَہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" اذا کان نهاری نهار سفیه، ولیلي لیل الجاهل فما اصنع بالعلم الذي کتبت " (رواہ ابو نعیم فی الحلیة، والآجری في أخلاق العلماء ص : ۷۲)

(اگر میرا دن بے وقوفوں اور رات جاہلوں جیسی ہو تو مجھے اس علم کا کیا فائدہ جو میں نے لکھا ہے)

ایک عالمِ دین کو باوقار اور خاموش ہونا چاہیے نہ کہ عیب جو، برا بھلا کہنے والا اور بازاروں میں اونچی آوازیں نکالنے والا - اللہ کی خشیت اسکا شعار ہو اور سنتِ نبوی اسکا لباس، کافروں اور فاسقوں کی شکل وصورت اور لباس میں انکی مشابہت نہ کرے،

اسی طرح عالم کو حاسد، بغض رکھنے والا، دوسروں کی کاٹ اور تہمت تراشی کرنے والا اور بے ہودہ گو بھی نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ تمام اہل اسلام پر حسن ظن رکھے اور

انکی خیر خواہی چاہے۔

عالم کو چاہیے کہ اسے اپنے ایمان ویقین کی درستی کا غم اور تزکیۂ اعمال ومجاہدۂ نفس کی فکر ہونی چاہیے۔ بے شک یہ علم بیشتر لوگوں سے اوجھل ہو چکا ہے، نہ تو لوگ اسکی طلب رکھتے ہیں اور نہ کوئی فکر۔

حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص صحیح معنیٰ میں علم طلب کرتا ہے تو اسکا اثر جلد ہی اپنے دل کی خشیت، نگاہوں، زبان اور ہاتھوں کی حفاظت اور زہد وتقویٰ کی صورت میں دیکھ لیتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما علماء کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کیا آپکو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ کی خشیت نے خاموش کر دیا ہے حالانکہ وہ انتہائی ذہین وفطین اور فصاحت وبلاغت کے مالک ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اسکی آیات کا علم رکھتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ اللہ عزوجل کی عظمت کا احساس دل میں لاتے ہیں تو انکے دل کٹ کر رہ جاتے ہیں، زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور اللہ کی ہیبت کے پیشِ نظر انکی عقلیں اور اخلاق انکی نظروں میں بے وقعت سی چیز بن جاتے ہیں، جب کچھ افاقہ ہو تو تزکیۂ نفس والے اعمال کے ذریعے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کم پر راضی نہیں ہوتے اور زیادہ اعمال کو بھی زیادہ نہیں سمجھتے، خود کو ظالم وخطاکار شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ پاکباز ونیکوکار ہیں، اپنے آپ کو زیاں کار اور کوتاہ خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ ہوش مند اور پختہ کار ہیں، شرافت، عاجزی اور خشیت کی چال چلتے ہیں کہ جاہل اگر انہیں دیکھے تو کہے: بیمار ہیں! حالانکہ یہ بیمار نہیں بلکہ کسی اور ہی حالت کا شکار ہیں اور لوگ بھی انکے معاملے میں عظیم مغالطے میں مبتلا ہیں۔

(ابن المبارك كتاب الزهد ص : ٥٢٦) آجری اخلاق العلماء ص :٧٥)

اسی طرح عالم دین کو دین کے معاملے میں جدال اور مناظرے بازی سے بچنا چاہیے اور حق کی پیروی کرنی چاہیے خواہ وہ حق مخالف کے پاس ہی کیوں نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث وارد ہے:

(ماضل قوم بعد هدى كانوا عليه الا اوتوا الجدل) (رواه الآجرى: ٦٩ وهو فى الشريعة له ايضاً، والمشكاة ١/ ٣١ باب الاعتصام)

(کوئی قوم بھی ہدایت کی حامل جانے کے بعد گمراہ نہیں ہوتی الا یہ کہ انہیں بحث بازی اور جدال میں مبتلا کر دیا جائے) (آجری، مشکاۃ)

عالمِ دین کا اخلاق بھی اچھا ہونا چاہیے، اسے مسکراتے چہرے کیساتھ لوگوں سے ملنا اور تواضع کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، تکبر، جبر اور اپنے آپ کو سر بلند کرنے اور بڑا بننے کی خواہش نہیں رکھنی چاہیے۔

ایوب سِختِیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ينبغى للعالم أن يضع الرماد على رأسه تواضعاً لله عزوجل" (ذكره الآجرى فى اخلاق العلماء / ٧١)

عالم کو چاہیے کہ اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتے ہوئے اپنے سر پر خاک ڈالے (اخلاق العلماء ص:۷۱)۔

اسی طرح عالِم کو چاہیے کہ بری مجلسوں سے بچے، مزاح کی کثرت، لطیفہ گوئی، کثرتِ کلام، بے فائدہ باتوں اور ان جیسی تمام چیزوں سے اجتناب کرے۔

۲- عالم کی گمراہی کا دوسرا سبب دنیا کی جانب مائل اور اس پر مطمئن ہو جانا ہے یقیناً دنیا کی محبت ہر برائی کا سرا ہے، جب کوئی عالمِ دین دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی خواہشات کو اللہ کی چاہتوں پر مقدم کرتا ہے تو اسے لذتِ مناجات سے محروم کر دیا جاتا ہے اور پھر درجہ بدرجہ تنزل کا شکار رہتا ہے یہانتک کہ کتے اور گدھے کے درجے پر آ جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ!

سفیان ثَوْرِی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "العالم طبيب هذه الأمة والمال دائها، فاذا كان الطبيب يجر الداء الى نفسه فكيف يعالج غيره"

(عالم اس امت کا طبیب ہے اور مال اس امت کی بیماری، اگر طبیب ہی مرض کو اپنی

جانب کھینچنے لگے گا تو دوسروں کا علاج کیا کرے گا؟)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ (۱۱/۲) میں فرماتے ہیں:

" اکل الحلال والزهد في الدنيا من أعظم الأشياء في تثبيت العلم والانتفاع به"۔

(حلال کھانا اور دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا علم کی پختگی اور نفع مندی کیلئے تمام اشیاء سے زیادہ سود مند ہے)

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے علماء کے اقوال بھی اس حوالے سے ذکر کئے ہیں۔

اگر چہ حلال ذریعے سے مال حاصل کرنا مذموم نہیں۔ قابلِ مذمت یہ ہے کہ غلط طریقوں سے مال کمایا جائے، یا بندہ اس مال کی وجہ سے اللہ عز وجل، اسکے حقوق اور اسکی عبادت سے غافل ہو جائے، یا پھر مال کا حریص اور لالچی بن جائے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" ما ذئبان جائعان أرسلا في غنم بأفسد لها من حرص المرأ على المال والشرف، لدينه" (رواه احمد ۳/ ۴۶۰، وهو في صحيح الجامع (۵۴۹۶)

(دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا کہ کسی شخص کی مال اور عہدے کی حرص اسکے دین کیلئے نقصان دہ ہے)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: [لكل امة فتنة، وفتنة امتي المال"۔

(رواه الترمذي باسناد صحيح)

(ہر امت کا ایک (مخصوص) فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے)۔

لہٰذا ایک عالم پر واجب ہے کہ دنیا سے بے رغبت ہو، لوگوں کے مال میں طمع نہ رکھے، مال جمع کر کر کے نہ رکھے، مال کو حقداروں سے نہ روکے اور حکومتی عہدوں کی حرص نہ کرے کیونکہ یقیناً یہ بہت بڑی آفت اور مصیبت ہیں۔

حدیث میں آتا ہے: نجى أول هذه الامة بالزهادة واليقين، وهلاك آخرها

بالبخل والأمل] (رواہ فی الجامع الصغیر باسناد حسن)

(اس امت کے اول لوگوں نے زہد اور یقین کی وجہ سے نجات پائی اور اس امت کے آخری لوگوں کی تباہی کا سبب بخل اور لمبی امیدیں ہیں) (الجامع الصغیر)

۳- خواہشات کی پیروی کرنا بھی حق سے روک دیتا ہے جیسا کہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں آتا ہے: [اخاف علیکم اثنین : اتباع الھویٰ، وطول الأمل، فان اتباع الھویٰ یصد عن الحق، وطول الامل ینسي الآخرة]

(ذکره صاحب المشکاة : ۲/٤٤٤)

(میں تم پر دو چیزوں کا خوف رکھتا ہوں، خواہشات کی پیروی اور لمبی امیدیں۔ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں)(مشکاۃ)

بعض حکماء کا قول ہے کہ جس شخص نے اپنی خواہش کی پیروی کی، اُس کے دشمنوں کے ارادے کامیاب ہو گئے۔

اسی طرح کسی حکیم کا ہی قول ہے کہ : عقل بہترین دوست ہے لیکن اس سے قطع تعلقی کی جاتی ہے اور خواہش بدترین دشمن ہے لیکن اسکی پیروی ہوتی ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: خواہش نفس ایک معبود ہے جسکی اللہ کے ماسوا عبادت کی جاتی ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:" افرایت من اتخذ الھه ھواه]۔

(کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو ہی معبود بنالیا ہے)

عکرمہ رحمہ اللہ "وَلٰکِنَّکُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَکُمْ" (لیکن تم نے اپنے نفسوں کو فتنے میں ڈال دیا) اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں: انکے فتنوں میں مبتلا ہونے کی وجہ خواہشات کی پیروی تھی۔

شاعر نے کہا :

اِنَّ الْهَوَانَ هُوَ الْهَوٰی قُلِبَ اسْمُهٗ فَاِذَا هَوِیْتَ فَقَدْ لَقِیْتَ هَوَانَا

(بے شک (ھوان) ذلت و پستی اور (ھویٰ) خواہشات ایک ہی چیز ہیں صرف نام میں کچھ تبدیلی ہوگئی ہے کیونکہ جب آپ خواہش کرتے ہیں تو پستی کی طرف ہی جا رہے ہوتے ہیں)

ہشام بن عبد الملک کہتے ہیں:

إِذَا أَنْتَ لَمْ تَعْصِ الْهَوٰى قَادَكَ الْهَوٰى إِلَى كُلِّ مَا فِيهِ عَلَيْكَ مَقَال

(جب آپ خواہشات سے منہ نہیں پھیرتے تو یہ خواہشات آپکو ہر قابلِ اعتراض بات کی طرف کھینچ کر لی جاتی ہیں)

خواهشات کی دوقسمیں هیں :

۱- ایک تو وہ جنکا تعلق عقل اور رائے کیساتھ ہو، اور یہ خواہشات اہلِ بدعت کا مرض ہیں۔

۲- دوسری شہوات کی خواہش کرنا یعنی لذات کے حصول کی تگ ودو کرنا شہوت بھی ھَویٰ (خواہش) کے نتائج میں سے ہے۔ (ادب الدنیا والدین للماوردی ص : ۹)

لہٰذا ہر عاقل پر واجب ہے کہ خواہشات کو اپنے اوپر غالب نہ کرے ورنہ وہ گہرے گڑھے میں جا گرے گا۔ والعیاذ باللہ۔

گذشتہ تین باتیں جو ہم نے علماء کیلئے گمراہ کن قرار دی ہیں انکی مشترکہ دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے: ﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِىْ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا ﴾

(الاعراف:۱۷۵) (اُس شخص کی خبر ان لوگوں کو پڑھ سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات کا علم دیا اور وہ اُن آیات سے نکل بھاگا)

یعنی اُن آیات کی اتباع نہ کی۔ انسلاخ کا معنی کچلی سے باہر آ جانا، کھال اتار دینا وغیرہ ہوتا ہے گویا کہ یہ آیات بھی ایک لباس تھیں لیکن اس شخص نے اس بہترین لباس کو جسے لباس التقویٰ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اسے اتار پھینکا۔

آگے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ ﴾۔ (الاعراف:۱۷۶)

(لیکن وہ دنیا کی طرف جھک گیا)

﴿ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾۔ (الاعراف:۱۷۶)

اور پیروی کی اپنی خواہشات کی، تو اسکی مثال اس کتے کی طرح ہے کہ اگر آپ اس پر حملہ

کریں تب بھی زبان نکال کر ہانپتا ہے اور چھوڑ دیں تب بھی زبان باہر نکال کر ہانپتا ہے۔)

یعنی ایسے شخص کو نصیحت کی جائے یا نہ کی جائے، دعوت دی جائے یا نہ دی جائے، مالدار ہو یا فقیر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ اپنی ان مکروہ صفات کے نتیجے میں برائی کے راستے پر بھاگے چلا جاتا ہے، لہٰذا اگر اللہ نے آپکو علم سے نوازا ہے تو اپنی تمام صلاحیتیں ان تین صفات سے بچاؤ کیلئے لگا دیجئے اور ہر ممکن طریقے سے ان صفات سے دور رہیئے ہم اللہ تعالیٰ سے تمام برائیوں سے بچنے کی توفیق مانگتے ہیں۔
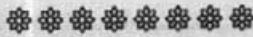
۱۰- دسواں فائدہ

قرآن وحدیث میں یہ بات تکرار کیساتھ آئی ہے کہ شرعی اذکار میں زبردست تاثیر موجود ہے جس سے حاجات پوری ہوتی، اور پریشانیاں رفع ہوتی ہیں، دل نرم ہوتے ہیں اور انسان علام الغیوب کا مقرب بن جاتا ہے۔ شرعی اذکار کے سو سے زیادہ فوائد ہیں جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الوابل الصیب" میں تحریر کیا ہے۔

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات ان اذکار کا مقصود حاصل نہیں ہوتا، اسکا کیا راز ہے؟۔

ہمارے خیال کیمطابق اسکا سبب تین چیزیں ہوسکتی ہیں۔

۱- پرہیز نہ کرنا، کیونکہ بہترین دوا استعمال کی جائے لیکن پرہیز نہ ہو تو وہ بھی اثر نہیں کرتی لہٰذا اُن اسباب سے پرہیز کرنا ضروری ہے جو اذکار کو بے اثر کردیتے ہیں۔

۲- اذکار پر ہمیشگی اختیار نہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین عمل تو وہ ہے کہ جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اگر چہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص اپنے اذکار اور وظیفوں پر دوام اختیار نہیں کرتا اسکا دل بھی فاسد ہوجاتا ہے بالکل اُس شخص کی طرح جو ایک وقت تو بہت زیادہ کھالیتا ہے اور پھر مسلسل بھوکا رہتا ہے، ایسے شخص کی صحت درست نہیں رہ سکتی بلکہ بگڑ جاتی ہے لہٰذا دل کو بھی اگر مناسب اوقات میں مناسب خوراک مسلسل مہیا کی جائے تو درست رہتا ہے اور وہ غذا اللہ کا ذکر اور اسکی کتاب کی تلاوت ہے۔

۳- اذکار کو صحیح اور اچھے طریقے سے ادا نہ کرنا، جلدی جلدی پڑھنا اور انکے معانی ومفاہیم پر غور کرنے اور دل پر انکی ہیبت طاری کرنے کی بجائے بس انہیں مکمل کرنے اور ختم کرنے کی ہی فکر کرنا۔ (واللہ المستعان)

لہٰذا ان تمام باتوں اور ان جیسی دیگر باتوں کی وجہ سے ذکرِ شرعی بے اثر ہوجاتا ہے۔

۱۱- گیارھواں فائدہ

اللہ کے دین پر ثابت قدمی کے وسائل کے بارے میں

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین.

اما بعد: اللہ کے دین پر ثابت قدمی ہر سچے مسلمان کا جو صراط مستقیم پر عزیمت کیساتھ چلنا چاہتا ہے، بنیادی مطلوب اور دلی آرزو ہے اس موضوع کی اہمیت مندرجہ ذیل باتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

موجودہ حالات جن سے آجکل تمام مسلمان گزر رہے ہیں، نت نئے دھوکہ دینے والے فتنے ہر طرف پھیل چکے ہیں جنکی آگ مسلسل سلگائی جارہی ہے، مختلف اقسام کی شہوات اور شبہات جنکی بناء پر دین اجنبی ہو چکا ہے ایسا اجنبی کہ اسے تھامنے والوں پر یہ عجیب مثال صادق آچکی ہے: (القابض علی دینه کالقابض علی الجمر)

(دین پر عمل پیرا ہونے والا انگارے کو ہاتھ میں پکڑنے والے کے مترادف ہے)

اور کسی عقلمند کو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ گذشتہ زمانوں کے مقابلے میں آجکل ثابت قدمی کے وسائل کی اہمیت بیشتر ہے کیونکہ حالات انتہائی بگڑ چکے ہیں اور اصلاح کرنے والے بھائی ملتے ہی نہیں، تقویٰ کے کاموں پر تعاون کرنے والے قلیل بھی ہیں اور کمزور بھی۔

مرتدین کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور لوگ اپنی ایڑیوں کے بل کفر کی طرف پلٹ رہے ہیں، عروۃ الوثقیٰ کو تھامنے کی بجائے گمراہی کی پستیوں میں اوندھے منہ گرتے چلے جارہے ہیں حتی کہ بعض اسلام کے نام لیوا اور اسکے لیے کام کرنے والے بھی اس حالت کا شکار ہیں تو ایسے خطرناک حالات میں ہر مسلمان کو ایسے انجام سے خوف کھانا اور وسائل الثبات کو اختیار کرنا از حد ضروری ہو جاتا ہے۔

ہمارے اس موضوع یعنی ثابت قدمی کا تعلق دل کے ساتھ ہے جسکے بارے میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:" لقلب ابن آدم أشد انقلاباً من القدر اذا اجتمعت غلياً

(رواه احمد (٦/٤) والحاكم (٢/٢٨٩) وهو في السلسلة الصحيحة (١٧٧٢)

(جس طرح ہانڈی کی کیفیت خوب جوش مارنے اور کھولنے کے بعد بدل جاتی ہے تو ابن آدم کے دل کا بدلنا اور پلٹنا اس سے بھی زیادہ شدید تر ہے)

(احمد، حاکم، السلسلۃ الصحیحۃ)

آپ ﷺ دل کی ایک اور مثال بھی بیان فرماتے ہیں:

[وانما سمي القلب من تقلبه، انما مثل القلب كمثل ريشة في أصل شجرة يقلبها الريح ظهراً لبطن]

(رواه احمد: ٤/٤٠٨) وهو في صحيح الجامع (٢٣٦١)

(قلب (دل) کا نام اسکے تقلب (بدلنے) کی وجہ سے ہی قلب ہے، دل کی مثال اس پتے کی طرح ہے جو کسی درخت تلے پڑا ہے اور ہوائیں اسے الٹ پلٹ کر رہی ہیں)

(احمد، صحیح الجامع)

اسی حدیث کی بازگشت شاعر کی زبانی کچھ یوں ہے:

وَمَا سُمِّيَ الْاِنْسَانُ اِلَّا لِاُنْسِهٖ وَلَا الْقَلْبُ اِلَّا اَنَّهٗ يَتَقَلَّبُ

(انسان کو اس کے اُنس (ہمدردی و غمخواری) کی بناء پر ہی انسان کا نام دیا گیا، اسی طرح قلب (دل) کو اسکے تقلب (بدلتے رہنے) کی وجہ سے ہی قلب کہا جاتا ہے)

تو اس بدلتے رہنے والی چیز کو شہوات و شبہات کی آندھیوں سے بچانا انتہائی خطرناک اور اہم ترین معاملہ ہے، اس سے نبٹنے کیلئے مضبوط ترین وسائل کی ضرورت ہے جنکے ذریعے اس بڑے اور مشکل معرکے کو سر کیا جا سکے۔

گذشتہ سطور میں صرف اس موضوع کی اہمیت کا بیان ہوا ہے آئندہ صفحات پر آپکو وسائل الثبات سے آگاہ کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دین پر ثابت قدمی کے وسائل واسباب

یہ اللہ رب العزت کی ہم پر بے پایاں رحمت ہے کہ اس مہربان مالک نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی ﷺ کی زبان وسیرت کے ذریعے ثابت قدمی کے بہت سے ذرائع بیان فرمادیئے ہیں جن میں سے بعض پیشِ خدمت ہیں:

اولاً : قرآن کریم کی طرف پوری توجہ کیساتھ یکسو ہو جانا

قرآن عظیم ثابت قدمی کا پہلا وسیلہ ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی، اور نور مبین ہے، جس نے اسے تھام لیا اور اسکی اتباع کی اس نے نجات پائی اور جس نے اسکی طرف دعوت دی اسے صراطِ مستقیم کی ہدایت مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو قسط وار تفصیل کیساتھ نازل کرنے کی غرض وغایت ثابت قدمی ہی تھی، اللہ تعالیٰ کفار کے شبہات رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا، وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ (الفرقان:۳۲،۳۳)۔

(اور کافروں نے کہا کہ یہ قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوتا؟ ہم نے اسے اسی طرح تھوڑا تھوڑا نازل کیا تا کہ آپکے دل کو قوی کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سنایا، اور یہ آپکے پاس جو بھی مثال (اعتراض) لائیں گے تو ہم اسکا درست جواب اور بہترین توجیہ آپکو بتلا دیں گے)

قرآن مجید ثابت قدمی کا بنیادی مصدر ہے، آخر کیوں؟

○- اس لیے کہ یہ ایمان کی کھیتی کو دلوں میں اگاتا، اور نفس کا تعلق اللہ رب العزت کیساتھ جوڑ کر اسکا تزکیہ کرتا ہے۔

○- اور اس لیے کہ قرآن مجید کی آیات ٹھنڈک اور سلامتی بن کر مؤمن کے دل پر اترتی

ہیں اور اسے فتنوں کی باد سموم سے نجات دلا دیتی ہیں۔

o- اور اس لیے کہ قرآن مجید مسلمان کو حالات جانچنے کیلئے صحیح تصورات اور معیارات عطا کرتا ہے جنکی روشنی میں حالات کا درست تجزیہ، اور معاملات پر صحیح حکم لگانے میں مدد ملتی ہے اور انسان درست نتیجے پر پہنچ جاتا ہے، اضطراب کا شکار نہیں ہوتا، واقعات یا اشخاص کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

o- اور اس لیے بھی کہ قرآن مجید دشمنانِ اسلام خواہ کفار ہوں یا منافقین، انکی طرف سے پھیلائے گئے شبہات اور اعتراضات کا بھی رد کرتا ہے جیسا کہ زمانہ نزولِ قرآن میں اسکی کئی زندہ مثالیں ملتی ہیں، بطورِ نمونہ چند مثالیں ہم آپکے سامنے رکھتے ہیں۔

o- جب مشرکین نے یہ کہا کہ محمد (ﷺ) اب چھوڑ دیئے گئے ہیں اب ان پر وحی وغیرہ نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴾۔ (الضحیٰ: ۳)

(نہ تو آپکے رب نے آپکو چھوڑا ہے اور نہ ہی ناراض ہوا ہے)

جب آپ ﷺ کی تسلی کیلئے یہ آیت نازل ہوئی تو آپ پر کیسا اثر ہوا ہوگا؟۔

o- اسی طرح جب ایک منافق نے جہاد سے فرار کی اجازت چاہی اور کہا:

﴿ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ﴾۔

(مجھے اجازت دیجئے اور فتنے میں نہ ڈالیئے)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ﴾ (التوبۃ: ۴۹)

(سن لو! فتنے میں تو یہ لوگ گر ہی چکے ہیں)

جب یہ آیت اتری ہوگی تو ایمان والوں کو کیسی ثابت قدمی ملی ہوگی؟ انکے دل جہاد پر مزید مضبوط اور ارادے پختہ ہو گئے، شبہات کی تردید ہو گئی اور اہل باطل کو خاموش ہونا پڑا۔

o- اور یہ بات بھی بڑی انوکھی ہے کہ جب مسلمان حدیبیہ سے لوٹ رہے تھے اور اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار مال غنیمت دینے کی خوشخبری سنائی (یعنی غنائم خیبر) اور یہ بھی بتلایا کہ جلد ہی وہ اسے لینے کیلئے جائیں گے تو ساتھ ہی یہ خبر بھی دی کہ منافقین بھی

اس سفر میں مؤمنین کی ہمراہی چاہیں گے اور مسلمان اُن سے کہیں گے کہ تم ہمارے ساتھ نہیں جاسکتے اور منافقین جانے پر اصرار کریں گے اور اللہ کے کلام کو بدلنے کی خواہش کریں گے اور جب انکی یہ آرزو پوری نہیں ہوگی تو ایمان والوں سے کہیں گے کہ بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، تو اس بات کا بھی جواب اللہ نے دے دیا:

﴿ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ (الفتح/۱۵)۔ (بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے مگر کم)

اور پھر یہ سب باتیں اسی ترتیب کیساتھ مرحلہ بمرحلہ، قدم بقدم اور کلمہ در کلمہ وقوع پذیر ہوتی چلی گئیں۔

ایسی مثالوں سے ہم اس فرق کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو پہلے اور بعد والے لوگوں کے درمیان واقع ہو چکا ہے۔ اُن لوگوں کی پوری زندگی قرآنِ حکیم کیساتھ مربوط تھی وہ لوگ مکمل توجہ کیساتھ اسکی تلاوت، حفظ، تفسیر اور اسی پر تدبر اور غور وفکر کرتے تھے، قرآن ہی انہیں چلاتا تھا اور اسکی طرف وہ لوٹتے تھے اور آجکل کے لوگ کلام البشر یعنی بندوں کے کلام کو ہی پکڑ کر بیٹھے ہیں اور اسی کو اپنا مشغلہ اور مقصد بنا چکے ہیں۔

ہائے کاش! کہ طالبین علم قرآن مجید اور اسکی تفسیر کی طرف متوجہ ہو جائیں اور تمام کتابوں سے زیادہ توجہ، زیادہ وقت، زیادہ محنت اللہ کی کتاب پر صرف کریں۔

ثانیاً: اللہ رب العزت کی شریعت اور اعمالِ صالحہ پر التزام کرنا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴾۔ (ابراہیم/۲۷)

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو درست اور پختہ بات پر ثابت قدم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اور گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو، اور اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے)

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیا میں خیر اور عمل صالح پر ثابت رکھتا ہے اور آخرت سے

مراد قبر میں ثابت قدم رکھتا ہے۔

(ایک سے زیادہ سلف صالحین سے یہ قول منقول ہے دیکھئے تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر: ۴/۴۲۱)۔

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴾ (النساء/٦٦)

(اور اگر یہ لوگ وہ کام کر لیتے جسکا انہیں وعظ کیا جاتا ہے تو یہ انکے لیے زیادہ بہتر اور ثابت قدمی کا موجب ہوتا)

یعنی نصیحت کو مان لینے اور عمل کی وجہ سے حق پر ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔

کیا ہم سستی اور غفلت کا شکار رہنے والے لوگوں سے اس بات کی توقع کر سکتے ہیں کہ وہ فتنوں کا مقابلہ کر سکیں گے، جو نماز روزہ ہی نہیں کر سکتے وہ خطرناک فتنوں سے معرکہ آراء کیونکر ہو سکیں گے۔؟

البتہ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ انکے ایمان کی بدولت صراط مستقیم پر چلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اعمال صالحہ پر ہمیشگی اختیار فرماتے تھے، اور آپکا محبوب ترین عمل وہ تھا جو اگرچہ کم ہو لیکن اُس پر ہمیشگی اختیار کی جائے، اسی طرح صحابہ کرام کی بھی یہی عادت تھی، عائشہ رضی اللہ عنہا بھی جب کوئی نیک عمل کرتیں تو اس پر لزوم اختیار فرماتیں۔

اسی طرح آپ ﷺ فرماتے ہیں: "من ثابر على اثنتي عشرة ركعة وجبت له الجنة"۔ (صحیح الترمذی ۱/۱۳۱) صحیح النسائی ۱/۳۸۸)

(جس نے بارہ رکعتوں (سنن رواتب) پر مواظبت اختیار کی اسکے لیے جنت واجب ہو گئی) (ترمذی، نسائی)

اور حدیثِ قدسی میں ہے:" لا يزال عبدي يتقرب الي بالنوافل حتى أحبه "

(رواہ البخاری، انظر فتح الباری ۱۱/۳۴۰)
(میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرے قریب ہوتا رہتا ہے، یہانتک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں)

ثالثاً: انبیاء کرام کے واقعات پر تدبر کرنا اور عملی زندگی میں ان سے رہنمائی کے طور پر انہیں پڑھنا:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:
﴿ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ج وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾۔ (ہود/۱۲۰)
(رسولوں کے واقعات میں سے وہ واقعات ہم آپکو سناتے ہیں جنکے ذریعے آپکے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور اس میں آپکے پاس حق اور ایمان والوں کیلئے وعظ ونصیحت آچکی ہے)
انبیاء کرام کے واقعات پر مشتمل یہ آیات بطورِ قصہ گوئی یا بذلہ سنجی کے نازل نہیں ہوئیں بلکہ انکا ایک عظیم مقصد تھا اور وہ ہے نبی کریم ﷺ اور ایمان والوں کے دلوں کو مضبوط کرنا۔
اے بھائی! اگر آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کریں:
﴿ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ، قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ، وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴾ (الانبیاء/۶۸/۷۰)
(وہ کہنے لگے کہ اس (ابراہیم علیہ السلام) کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر تم ایسا کرنے والے ہو، تو ہم نے کہا: اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا، اور انہوں نے اُس کیساتھ مکر کا ارادہ کیا تو بنا دیا ہم نے انہیں خسارہ پانے والے)
ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انکا آخری کلمہ یہ تھا: ﴿ حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴾۔
(مجھے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے)

کیا اس واقعے پر غور کرنے سے آپکو سرکشی اور عذاب کے مقابلے میں ثابت قدمی کا احساس ہوتا ہے؟۔

☆-اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعے پر غور کریں جب آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو پڑھتے ہیں: ﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (٦١) قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (الشعراء/٦١،٦٢)

(جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا: بے شک ہم تو پکڑے گئے، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں! بے شک میرے ساتھ میرا رب ہے عنقریب وہ مجھے راہ دکھلائے گا)

کیا اس واقعے پر غور کرنے سے آپکو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ جب ظالم سر پر پہنچ جائیں، حالات سخت ہو جائیں اور مصیبت زدہ لوگوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں تو اس دوران بھی اللہ کی مدد پر کامل یقین ہونا چاہیے۔

☆-اسی طرح اگر آپ فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں، وہاں بھی آپ حق واضح ہو جانے کے بعد اس پر استقامت اختیار کرنے والے گروہ کی ایک نادر مثال پائیں گے۔

جب ظالم دھمکیاں دے رہا تھا: ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی﴾ (طہٰ/۷۱)

(فرعون نے کہا: تم اس (موسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا، یقیناً یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے (اگر تم ایمان سے نہیں پھرتے) تو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے ضرور کاٹ ڈالوں گا، اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دونگا، اور پھر تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے)

لیکن ایمان والوں کی اقلیت نے استقامت کا مظاہرہ کیا اور حق سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے سے انکار کردیا اور کہا: ﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾۔ (طٰہٰ/٧٢)

(ہم ہرگز ترجیح نہ دیں گے تجھے ان دلیلوں پر جو ہمارے پاس آچکیں اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا، تجھے جو فیصلہ کرنا ہے کرلے، تو اس دنیاوی زندگی کا ہی فیصلہ کرسکتا ہے)

☆- اسی طرح سورۃ یٰس میں ایک مؤمن کا قصہ، آل فرعون کے مؤمن کا واقعہ اور أصحاب الأخدود کی سرگذشت اور انکے علاوہ دیگر واقعات بھی ثابت قدمی کا درس دیتے ہیں، شاید کہ ان واقعات کے دیگر فوائد کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہی استقامت فی الدین ہو۔

رابعاً : دعاء

اللہ پر ایمان رکھنے والے بندوں کی خاص صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ دُعاؤں کے ذریعے اللہ کی طرف متوجہ رہتے اور ثابت قدمی مانگتے ہیں:

﴿ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا﴾۔

(اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا مت کرنا)

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ البقرة/٢٥٠)

(اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ)

مسلم اور مسند احمد کی روایت کے مطابق تمام بنی آدم کے دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ جس طرف چاہتا ہے ان دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ جب یہ معاملہ ہے تو اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کثرت کیساتھ یہ دُعا پڑھا کرتے تھے: "يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ" (رواه الترمذی عن انس مرفوعاً، تحفة الاحوذی (٦/٣٤٩) وهو فی صحيح الجامع (٧٨٦٤)۔

(اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا) (ترمذی، صحیح الجامع الصغیر)

خامساً : اللہ کا ذکر

اللہ کا ذکر بھی ثابت قدمی کے عظیم ترین اسباب میں سے ایک ہے، اللہ تعالیٰ نے ذکر اور ثبات کو اپنے اس فرمان میں جمع کر دیا ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الانفال/۴۵)

(اے ایمان والو! جب دشمن کے کسی گروہ سے تمہاری مدبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت کیساتھ کرو تاکہ تم کامیاب ہو سکو)

اللہ رب العزت کے اس فرمان پر غور کیجئے جہاد کے میدان میں اللہ کے ذکر کو ثابت قدمی کا سب سے بڑا سبب قرار دیا گیا ہے۔

ایرانیوں اور رومیوں کے قوی و توانا جسموں نے انہیں حالت محتاجی میں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور اللہ کا ذکر کرنے والے صحابہ اپنی قلیل تعداد اور تھوڑی تیاری کیساتھ اُن پر غالب آ گئے۔ دیکھئے (الداء والدواء لابن القیم)۔

حسب و نسب اور جمال والی ایک عورت نے جب یوسف علیہ السلام کو گناہ کی طرف بلایا تو یوسف علیہ السلام اس عظیم فتنے سے بچنے کیلئے کس چیز سے مدد لی؟ کیا وہ ((معاذ اللہ)) کے قلعے میں داخل نہ ہو گئے تھے۔ پس شہوات کے لشکروں کی موجیں مضبوط قلعے کی دیوار پر ٹوٹ گئیں۔

مؤمنین کی تثبت میں اذکار کا اثر اسی طرح ہوتا ہے۔

سادساً: مسلک اور منہج کا درست ہونا

ایک ہی درست راستہ ہے جس پر چلنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور وہ ہے اہل السنۃ والجماعۃ کا راستہ۔ یہی جماعت طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ ہے، یہی وہ جماعت ہے جو صاف و شفاف عقیدے، درست منہج اور اتباع سنت کی حامل ہے، اللہ کے دشمنوں سے الگ، اہل باطل سے جدا ایک ممتاز شناخت رکھتی ہے۔ اگر آپ ثابت قدمی کے حوالے

سے اسکی قدر و قیمت جاننا چاہتے ہیں تو اپنی غور و فکر کی صلاحیتوں کو استعمال کریں اور بتلائیں کہ گذشتہ اور موجودہ دور میں اکثر لوگوں کی گمراہ کن زندگی اور اسی گمراہی پر افسوس ناک موت کا سبب کیا چیز تھی؟ یا بعض اوقات اپنی پوری عمر کا اکثر حصہ اور قیمتی اوقات باطل فرقوں کی ترویج و اشاعت میں گذار کر پھر پلٹتے ہیں۔

اسی طرح آپ ان کو دیکھیں گے کہ بدعت اور گمراہی میں بھی انکی منزلیں بدلتی رہتی ہیں کبھی فلسفے سے علم کلام کی طرف جاتے ہیں، کبھی اعتزال سے تحریف وتاویل کی طرف گامزن، کبھی تفویض وارجاء کے راہ رو، انکے تصوف کے طرق بھی بدلتے رہتے ہیں کبھی چشتی، کبھی نقشبندی تو کبھی قادری؟

اہل بدعت اسی طرح حیران اور مضطرب رہتے ہیں۔

سلف صالحین فرماتے ہیں:" اکثر الناس شکاً عند الموت أهل الكلام ".

(لوگوں میں سب سے زیادہ شک وشبہے پر مرنے والے اہل کلام ہیں)

دیکھئے کہ اہل کلام کس طرح موت کے وقت ثابت قدمی سے محروم رہ گئے۔

غور اور تدبر کیجئے! کیا کبھی اہل السنۃ والجماعۃ میں سے بھی کوئی اس راستے کو پہچاننے، سمجھنے اور اس پر چلنے کے بعد باطل کی طرف لوٹا ہے؟

ہاں البتہ یہ ضرور ممکن ہے کہ کبھی کسی نے اپنی ذاتی خواہشات اور مفادات کیلئے اس راستے کو ترک کیا ہو، یا اپنی کم عقلی کی بناء پر اس عظیم جماعت کے عظیم منہج کو سمجھ ہی نہ سکا ہو، لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی صرف اس وجہ سے اس راستے کو چھوڑ دے کہ اُسے اس سے زیادہ صحیح راستہ مل گیا یا اس صحیح منہج کا بطلان اُس پر واضح ہو گیا ہو۔ ایسا ممکن ہی نہیں۔

یہ انسانوں کا بنایا ہوا منہج یا طریقہ نہیں۔ یہ تو اللہ کا نازل کردہ دین ہے جسکا مصداق ابوسفیان ﷛ کا وہ جواب ہے جو ہرقل کے اس سوال پر دیا گیا: کیا کوئی شخص محمد ﷺ کے دین میں داخل ہونے کے بعد اُسے ناپسند کرتے ہوئے مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے جواب دیا: نہیں۔ تو ہرقل نے کہا: ایمان کی

بشاشت جب دلوں میں داخل ہو جائے تو پھر وہ دلوں سے نہیں نکلتا۔

کتنے ہی بڑے بڑے لوگ ہیں جو بدعت اور ضلالت سے ہدایت کی طرف آئے، اللہ نے انہیں ہدایت عطا فرمائی اور وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک پر کاربند ہو گئے لیکن کیا کبھی اسکے برعکس بھی ہوا ہے؟ اگر آپ ثابت قدمی چاہتے ہیں تو ایمان والوں کے اس راستے پر چلیئے۔

سابعاً: تربیت:

ایمانی، علمی، واعی اور متدرج تربیت ثبات کے وسائل میں سے بنیادی عامل ہے۔

ایمانی تربیت وہ ہے کہ جو دلوں کو اللہ کے خوف، اس پر امید اور اسکی محبت سے بھر دے، دلوں اور ضمیر کو زندگی عطا کرے، غیر اللہ اور انکی باتوں سے بے نیاز کر دے۔

علمی تربیت وہ ہے جو صحیح دلیل پر قائم ہو اور انسان کو تقلیدی روش سے نجات دلائے۔

واعی (پختہ اور گہری) تربیت وہ ہے جس میں مجرمین کا طریق کار واضح کیا جائے، اسلام دشمنوں کی سازشوں اور چالوں کا مطالعہ اور اس پر بحث ہو، علمی طور پر موجود حالات کا وسیع تناظر میں جائزہ لیا جائے اور واقعات کو درست طور پر سمجھا جائے، ذہن کو وسیع کیا جائے اور مخصوص ومحدود چیزوں کے خول میں بند رہ کر کسی چیز پر حکم نہ لگائیں۔

متدرج (درجہ بدرجہ) تربیت یہ ہے کہ مسلمان کو آہستہ آہستہ نہایت موزوں اور موقع محل کے مطابق کمال کے زینے طے کروائے جائیں اور اس کیلئے مناسب وقت اور موزوں تربیت مقرر کی جائے، ایسی فکری اور عملی تربیت جس میں جلد بازی اور جذباتی اچھل کود نہ ہو۔

ثابت قدمی کے عناصر میں سے تربیت کے اہم ترین عنصر کی اہمیت جاننے کیلئے ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کی طرف لوٹتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں!

اسلام کے ابتدائی دور مکہ میں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید ترین آزمائشوں اور تکالیف کا سامنا پڑا تو انکی ثابت قدمی کی اساس کیا چیز تھی؟ بلال، خباب، مصعب بن عمیر، اور آل یاسر (رضی اللہ عنہم) ودیگر مظلوم اور کمزور مسلمان ظلم اور جبر کے سامنے استقامت کی چٹان

بن گئے حتی کہ بڑے بڑے صحابہ کو بھی شعب ابی طالب میں محصور ہونا پڑا لیکن انہوں نے پامردی سے مقابلہ کیا آخر کیوں؟

نبوت کے چراغ نے اگر اپنی گرم لو سے انکی شخصیات کو چمکا نہ دیا ہوتا اور انکی زبردست تربیت نہ کی ہوتی تو کیا یہ جرأت اور یہ استقامت ممکن ہوتی؟

مثلاً ایک صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو ہم لیتے ہیں۔ یہ غلام تھے اور انکی مشرکہ مالکن لوہے کی سلاخوں کو اس حد تک گرم کرتی کہ وہ سرخ انگارہ ہو جاتیں اور پھر انکی پیٹھ ننگی کر کے اس پر رکھتی یہانتک کہ انکی چربی پگھل کر اُن سلاخوں کو ٹھنڈا کرتی، کس چیز نے خباب رضی اللہ عنہ کو صبر کا حوصلہ عطا کیا؟

بلال رضی اللہ عنہ گرم تپتی ہوئی ریت پر چٹان نما پتھر کے نیچے پڑے ہیں اور سمیہ رضی اللہ عنہا طوقوں اور رسیوں میں جکڑی گئیں مگر زبان پر توحید کے کلمات ہیں وجہ کیا ہے؟

مدنی دور میں پھر ایک سوال اٹھتا ہے کہ حنین کے موقع پر جب میدان خالی ہو چکا، مسلمان تتر بتر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ثابت قدم کون رہا؟ کیا نئے مسلمان ہونے والے اور فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والے کہ جنکی مکمل تربیت ابھی مدرسہ نبوت میں نہیں ہوئی تھی یا پھر وہ لوگ جو غنائم کی طلب میں نکلے تھے؟ ہرگز نہیں۔ اس وقت ثابت قدم کے رہنے والوں کی اکثریت ان برگزیدہ اور چنیدہ صحابہ کرام کی تھی جنکی تربیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ہو چکی تھی۔ اگر یہ پختہ اور زبردست تربیت نہ ہوتی تو کیا ان لوگوں سے ایسی ثابت قدمی ممکن تھی؟

ثامناً: راستے پر پختہ اعتماد اور یقین:

یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جسقدر مسلمان کا اپنے درست اور بہترین راستے پر اعتماد پختہ ہوگا اسی قدر اسکی ثابت قدمی بڑھتی چلی جائے گی، اور اسکے بھی کچھ وسائل ہیں۔

اس بات کا شعور پیدا کرنا کہ اللہ تعالی نے جو صراط مستقیم ہمیں عطا فرمایا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں، یہ کسی زمان ومکان یا دور کی پیداوار نہیں، یہ تو قدیم، پیارا اور خوبصورت راستہ ہے

جس پر آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین چلتے رہے، یہ احساس پیدا کرنے سے آپکو اجنبیت کا احساس نہیں ہوگا، آپکی وحشت اُنس میں، اور پریشانی خوشی میں بدل جائے گی اس لیے کہ آپکا شعور آپکو بتلا رہا ہوگا کہ آپ اس رستے پر اکیلے نہیں ہیں بلکہ یہ سب لوگ بھی اس منہج میں آپکے بھائی اور پیشرو ہیں۔

۵- اسی طرح اس بات کو محسوس کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں چن لیا ہے اللہ کا فرمان ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى﴾۔(النمل/۵۹)

(تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اور سلامتی ہو اللہ کے اُن بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا ہے۔)

﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾(فاطر/۳۲)

(پھر ہم نے اپنی کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنہیں اپنے بندوں میں سے چنا)

﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾(یوسف/۶)

(اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیر سکھلا دے گا)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو چنا تو صالحین کیلئے بھی اس اصطفاء کا ایک خاص درجہ ضرور ہے کیونکہ یہ انبیاء کی سیرت و کردار اور علوم کے وارث ہیں۔

آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ آپکو جمادات میں پیدا فرما دیتا، یا جانور بنا دیتا، کافر، ملحد، بدعت کا داعی، فاسق یا مختلف غلط راستوں کی طرف بلانے والا بنا دیتا تو آپکا کیا حال ہوتا؟ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ کی طرف سے چنیدہ ہونے کا احساس اور اس بات کا شعور کہ آپ اہل السنۃ والجماعۃ کے داعین میں سے ہیں، یہ احساس اور شعور آپکی اس صحیح منہج پر ثابت قدمی کا ایک زبردست عامل ہے۔

تاسعاً: دعوت الیٰ اللہ میں مصروف رہنا

کوئی بھی نفس جب متحرک نہ ہو تو بدبودار اور بوسیدہ ہو جاتا ہے، اور سب سے بہترین تحرک ''دعوت الی اللہ'' کا ہے، یہ انبیاء کا فرضِ منصبی ہے، نفس کو عذاب سے چھڑانے والا

فریضہ جسکے لیے تمام صلاحیتیں اور طاقتیں کھپا دینی چاہئیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾۔ (الشوریٰ/۱۵)

(پس اسی کیلئے دعوت دیجئے اور مستقیم رہیئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا)

کسی کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ (فلاں نہ آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے) اس لیے کہ اگر آپ اپنے نفس کو اطاعت میں مشغول نہیں کریں گے تو وہ آپکو معصیت میں مصروف کر دے گا، اور ایمان بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

صحیح منہج پر دعوت دینا اور اس میں اپنا وقت، اپنی فکری، جسمانی صلاحیتیں اس طرح صرف کرنا کہ یہی ہر مسلمان کی اہم ترین فکر اور مصروفیت بن جائے، یہ ایسا اہم عامل ہے کہ جو تمام شیطانی کوششوں اور سازشوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ داعی کے دل میں تمام شیطانی رکاوٹوں، دشمنوں اور اہل باطل کی طرف سے ایک چیلنج کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اسکی وجہ سے اسکا ایمان اور عمل مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ طرح دعوت کا کام جیسا کہ بے پناہ اجر وثواب کا باعث ہے اس کے ساتھ ہی یہ ثابت قدمی کا وسیلہ بھی ہے جو داعی کو الٹے قدموں واپس پلٹنے سے بچاتا ہے کیونکہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے والا اپنے دفاع کا محتاج نہیں ہوتا، (حملہ بہترین دفاع ہے)۔

اللہ رب العزت کی مدد اور نصرت داعین کو حاصل رہتی ہے، دعوت دینے والا اس طبیب کی طرح ہے جو مرض سے مقابلہ کرتا ہے، اپنے علم اور تجربے کیساتھ علاج اور دوا کے ذریعے دوسروں کو مرض سے بچاتا ہے لہٰذا وہ خود بھی زیادہ بہتر انداز میں مرض سے بچ سکتا ہے۔

عاشراً: ثابت قدمی کا باعث بننے والے عناصر کی طرف متوجہ ہونا

ان عناصر کی صفات کے متعلق آپ ﷺ نے خبر دی ہے:

(ان من احسن الناس ناساً مفاتیح للخیر، مغالیق للشر)

(حسن: رواہ ابن ماجه عن أنس مرفوعاً: ۲۳۷، وابن ابی عاصم في كتاب

السنة ۱/۱۲۷، وانظر السلسلة الصحیحة /۱۳۳۲)

بے شک لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو خیر کیلئے چابیاں اور شر کیلئے تالے ہیں (یعنی انکے ذریعے خیر اور بھلائی کھلتی اور پھیلتی ہے جبکہ شر محدود ومسدود ہو جاتا ہے)۔)

لہٰذا ایسے علماء، صالحین اور داعین کو تلاش کرنا اور انکے گرد جمع ہونا بھی ثابت قدمی میں بہت مددگار ہوتا ہے، اسلامی تاریخ میں ایسے کئی فتنے نمودار ہوئے ہیں کہ چند افراد کی استقامت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو ثابت قدم رکھا۔ جیسا کہ علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اعز اللہ الدین بالصدیق یوم الردۃ، وباحمد یوم المحنۃ" (سیر اعلام النبلاء: ۱/۱۹۶)

(اللہ تعالیٰ نے اس دین کو فتنہ ارتداد کے موقع پر ابوبکر صدیق کے ذریعے، اور فتنہ خلق قرآن کے دور ابتلاء میں احمد بن حنبل کے ذریعے عزت دی)

اس حوالے سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کیا کردار تھا اسکا اندازہ آپ انکے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ کے اس قول سے لگا سکتے ہیں، ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہم سخت خوفزدہ ہوتے، بدگمانیاں پھیلنے لگتیں اور زمین ہم پر تنگ ہو جاتی تو ہم شیخ کے پاس جاتے، انہیں دیکھ کر اور انکی باتوں کو سن کر سب کچھ ختم ہو جاتا اور اسکی جگہ انشراح صدر، قوتِ یقین اور اطمینانِ قلب نصیب ہو جاتا، سبحان اسکی قدرت کہ جس نے اپنے بعض بندوں کو مرنے سے پہلی ہی جنت کا نظارہ کروادیا، دار العمل میں ہی انکے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جنکے ذریعے جنت کی بادِ نسیم پاکیزہ خوشبوؤں کیساتھ انکے پاس آتی ہے جسکی وجہ سے یہ لوگ تمام فکروں اور دھندوں سے فارغ القلب ہو کر اس پاکیزہ اور خوش کن جنت کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ (الوابل الصیب، ط بشیر عیون، ص: ۹۷)

یہاں ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اخوت اسلامی ثابت قدمی کا بنیادی مصدر ہے، آپکے نیک بھائی جو بھلائی کا نمونہ ہیں، جو آپکی تربیت کرتے ہیں، یہی اس راستے پر آپکے مددگار اور مضبوط ستون ہیں جنکے ذریعے آپ اللہ کی آیات اور علم وحکمت کے راستے پر

ثابت قدم رہ سکتے ہیں - انہیں تھام لیجئے، انکے قرب وجوار میں زندگی بسر کیجئے، اپنے بھائیوں سے کٹ کر علیحدہ مت ہونا کیونکہ بھیڑیا ریوڑ سے الگ ہوجانے والی بکری کو کھاجاتا ہے۔

حادی عشر:

اللہ کی مدد پر بھروسہ اور اس بات پر کامل یقین کہ مستقبل اسلام کا ہے

جب مدد میں کچھ تاخیر ہوجاتی ہے تو اس وقت ثابت قدمی کی ضرورت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ، وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ، فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ﴾ (آل عمران/ ۱۴۷، ۱۴۸)

(کتنے ہی انبیاء ہیں جنکے ہمراہ اللہ والوں نے قتال کیا، پھر وہ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیفوں پر بے ہمت نہ ہوئے، نہ ہی (دشمن کے سامنے) کمزوری دکھائی اور نہ شکست خوردہ ہوکر (دشمن کے آگے) گڑگڑائے، اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ان (مجاہد اللہ والوں) کی زبان پر تو بس یہی دعا تھی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمارے معاملات میں ہونے والی ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی بدلہ دیا اور آخرت کے بہترین اجر سے بھی نوازا)

رسول اللہ ﷺ نے شدید ترین حالات اور کٹھن آزمائشوں کا شکار ہونے والے صحابہ کرام کی ثابت قدمی کیلئے انہیں خوشخبری سنائی کہ مستقبل اسلام کا ہے اس موقع پر آپ ﷺ نے کیا فرمایا ؟ یہ خباب بن ارت ﷺ کی مرفوع حدیث میں آتا ہے:[ولیتمن اللہ ھذا الأمر حتی یسیر الراکب من صنعاء الی حضرموت، ما یخاف الا اللہ

والذئب علی غنمه] (رواه البخاری، انظر فتح الباری ۷/۱٦٥)۔

(اور البتہ ضرور مکمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس دین کو، یہانتک کہ ایک سوار شہر صنعاء سے حضرموت تک سفر کریگا جبکہ اسے اللہ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا، البتہ اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف تو ہوگا)(۱)(بخاری)۔

ثانی عشر:

باطل کی اصل حقیقت کو پہچاننا اور اسکی ظاہری چمک سے دھوکہ نہ کھانا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ﴾:

(آل عمران/۱۹٦)

(کفار کا شہروں میں گھومنا پھرنا آپکو ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے)

اس آیت میں ایمان والوں کو ثابت قدمی کا درس اور دنیا پر ملال نہ کرنے کی نصیحت ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً﴾ (الرعد/۱۷)

(تو جو جھاگ ہے وہ تو رائیگاں چلی جاتی ہے)

اس میں عقل والوں کیلئے نصیحت ہے کہ وہ باطل کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں اور نہ اس سے مرعوب ہوں کیونکہ وہ تو عنقریب مٹ جانے والا ہے، قرآن مجید کا طریق کار یہ ہے کہ اہل باطل کو نمایاں کیا جائے اور انکے ہداف و وسائل کو منکشف کیا جائے:

﴿وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ﴾۔(الانعام/۵۵)

(اسی طرح ہم آیات کو تفصیل کیساتھ بیان کرتے ہیں (تاکہ حق واضح ہو جائے) اور مجرمین کا راستہ بھی واضح ہو جائے)

(۱) یہ ترجمہ اور تشریح ایک قول کے مطابق ہے جبکہ بقول ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کرمانی رحمہ اللہ نے شرح بخاری میں بالجزم "الذئب علی غنمه" میں "الذئب" کو مستثنٰی کے بجائے مستثنٰی منہ پر عطف کیا ہے اس صورت میں معنی یوں ہوگا (اللہ کے علاوہ - کسی کا خوف نہ ہوگا حتی کہ اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف بھی نہ ہوگا) حافظ صاحب نے دونوں معانی ذکر کئے ہیں اور دونوں کو جائز کہا ہے۔ (مترجم)

اسکی وجہ یہ ہے کہ کہیں مسلمان غفلت میں مارے نہ جائیں بلکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ کہاں کہاں سے اسلام پر حملے ہو رہے ہیں کئی تحریکوں کو ہم نے دیکھا اور سنا ہے جو ناکام ہو گئیں، اور کئی داعی راہِ حق سے پھسل گئے، اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے دشمنوں سے غافل رہے اور دشمنوں نے انہیں وہاں سے پکڑا جہاں سے انکے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

ثالث عشر: ایسے اخلاق کو اختیار کرنا جو ثابت قدمی پر مددگار ہوں اور ان اخلاق واوصاف میں سب سے نمایاں صبر

صحیحین کی حدیث میں ہے: [وما اعطی احد عطاءً خیراً واوسع لہ من الصبر] (رواہ البخاری فی کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسألة ومسلم فی کتاب الزکاۃ، باب فضل التعفف والصبر)

(کسی شخص کو بھی صبر سے بہتر اور وسیع عطیہ نہیں دیا گیا)

عین صدمے کے موقع پر صبر کرنا ہی اصل صبر ہے، جب غیر متوقع طور پر اچانک صدمہ پہنچے تو بعض اوقات انسان صراطِ مستقیم پر چلتے چلتے منہ کے بل گر پڑتا ہے اور ساری ثابت قدمی ڈھیر ہو جاتی ہے، ایسے موقع پر صبر کرنا انتہائی مشکل ہے۔

ابن الجوزی رحمہ اللہ کے فرمان پر غور کیجئے، فرماتے ہیں: میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا جسکی عمر اسی سال کے قریب تھی اور وہ باجماعت نمازوں کی حفاظت بھی کرتا تھا، اسکا نواسہ فوت ہو گیا تو اس نے کہا کہ کسی کو بھی اللہ سے دعا نہیں مانگنی چاہیے، کیونکہ وہ دعائیں قبول ہی نہیں کرتا، پھر کہنے لگا کہ اللہ ہم سے ضد رکھتا ہے اور ہمارا کوئی بچہ بھی نہیں چھوڑتا۔

(الثبات عند الممات لابن الجوزی ط دار الکتب العلمیة ص : ۳٤)

(اللہ تعالیٰ اس بوڑھے کی اس بے سروپا بات سے بہت بلند ہے)

اُحد کے موقع پر جب مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی جبکہ انہیں اسکی توقع بھی نہ تھی کیونکہ

اللہ تعالیٰ اُن سے مدد کا وعدہ کر چکا تھا دراصل اللہ تعالیٰ نے انہیں ستر شہداء کے خون سے ایک سخت سبق سکھایا تھا جسکا نقشہ قرآن مجید کچھ یوں کھینچتا ہے ﴿ اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ﴾

(آل عمران/۱۶۵)

(کیا جب تمہیں مصیبت پہنچی جبکہ تم اسے دگنی مصیبت پہنچا چکے تھے تو تم کہنے لگے: یہ کیسے ہوا؟ آپ فرما دیجئے! یہ تو تمہارے اپنے ہی نفسوں کا کیا دھرا ہے)

وہ کیا کر بیٹھے تھے؟

﴿فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا﴾ (آل عمران/۱۵۱)

(تم نے کمزوری دکھائی اور حکم (نبوی) کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو گئے اور جب اس نے تمہیں وہ چیز (مال غنیمت) دکھلا دی جو تم پسند کرتے ہو تو اسکے بعد تم نے نافرمانی کی، تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو دنیا کا ارادہ رکھتے ہیں)

رابع عشر: نیک آدمی کی نصیحت:

جب کوئی مسلمان کسی آزمائش سے دوچار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے آزمائشوں سے گذار کر کندن بنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا نیک آدمی مہیا کر دیتا ہے جو اسے نصیحت کرے اور ثابت قدم رکھے، کچھ کلمات کہے اور اسے استقامت پر جماوے، ایسے کلمات جو اللہ، اسکی ملاقات، اسکی جنت اور اسکی جہنم کی یاددہانی سے پُر ہوں۔

لیجئے اے بھائی! یہ چند مثالیں ہیں جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سیرت سے متعلق ہیں، وہ امام احمد رحمہ اللہ جو آزمائشوں کی بھٹیوں میں ڈالے گئے تا کہ کندن بنکر باہر نکلیں۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو زنجیروں میں جکڑ کر مامون کے دربار کی طرف لے جایا جا رہا ہے، سخت ترین دھمکیاں دی جا چکی ہیں، آپ رحمہ اللہ کو لانے والے ایک خادم نے یہاں تک کہا کہ اے ابوعبداللہ! مجھ پر یہ بات بہت گراں گذری کہ مامون نے ایک ایسی تلوار

سونتی جو آج سے پہلے نہیں سونتی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے اپنی قرابت کی قسم کھائی اور کہا کہ اگر آپ خلق قرآن کو تسلیم نہیں کرتے تو اس تلوار کیساتھ آپکو قتل کر دیگا۔

(البداية والنهاية ۱/۳۳۲)

تو استقامت کی اس گھڑی میں اہل بصیرت جو معاملے کی حساسیت سے آگاہ تھے، وہ کھڑے ہوئے اور ثابت قدمی کے حوالے سے اس عظیم امام کو ایسی پیاری نصیحتیں کیں جو تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب سیر اعلام النبلاء (۱۱/ ۲۳۸) میں لکھا ہے، ابو جعفر الأنباری بیان کرتے ہیں" جب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مامون کی طرف لے جایا جارہا تھا تو مجھے یہ خبر ملی، میں نے دریائے فرات پار کیا اور انکے پاس پہنچا۔امام صاحب" ایک سرائے میں بیٹھے تھے، میں نے آپکو سلام کیا، امام صاحب نے فرمایا: اے ابو جعفر! تم بہت سختی جھیل کر آئے ہو، میں نے کہا: اے عظیم ہستی! آج آپ امامت کے مقام پر فائز ہیں، لوگ آپکی اقتداء کرتے ہیں، اللہ کی قسم! اگر آپ نے بھی خلق قرآن (یعنی قرآن کے مخلوق ہونے) کو تسلیم کرلیا تو لوگ بھی مان لیں گے، اور اگر آپ نے بادشاہ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور خلق قرآن کو تسلیم نہ کیا تو لوگ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اگر یہ شخص (بادشاہ) آپکو قتل نہ بھی کردے تو بھی یقیناً آپ نے بالآخر مرنا تو ہے، کیونکہ موت ایک اٹل حقیقت ہے، لہٰذا اللہ سے ڈریئے اور بادشاہ کی بات ہرگز نہ مانیئے۔ یہ نصیحت سنکر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ رونے لگے اور کہنے لگے: ماشاء اللہ۔ جو اللہ کی مرضی، پھر فرمایا: اپنی بات کو دہراؤ۔ ابو جعفر نے بات دہرائی، امام صاحب نے پھر فرمایا: ماشاء اللہ۔ جو اللہ کی مرضی ......آھ۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسی دوران کا واقعہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم رحبہ مقام پر پہنچے، پھر آدھی رات کو وہاں سے بھی کوچ کیا، اچانک ایک شخص سامنے آ گیا اور اُس نے سوال کیا: تم میں احمد بن حنبل کون ہیں؟ جواب دیا گیا کہ" یہ ہیں" تو اس نے مجھے لے جانے والے حکومتی کارندے سے کہا: ٹھہر جاؤ! پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

اے شخص! اگر تم قتل ہو کر جنت میں چلے جاؤ تو کیا حرج ہے، پھر کہا: میں تمہیں اللہ کے حوالے کرتا ہوں اور پھر اپنی راہ لے کر چل پڑا۔ امام صاحب کہتے ہیں: میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص عرب میں ربیعہ قبیلے سے تعلق رکھتا ہے، دیہات میں اون کا کام کرتا ہے، اسے جابر بن عامر کے نام سے لوگ جانتے ہیں اور اسکا اچھے الفاظ کیساتھ تذکرہ کرتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۱/۲٤۱)

البدایہ و النہایہ میں آتا ہے کہ ایک دیہاتی نے امام احمد سے اس موقع پر کہا: (اے شخص! تم تمام لوگوں کے نمائندے ہو، لہٰذا لوگوں پر نحوست کا باعث مت بننا، یقیناً آج تم تمام لوگوں کے امام ہو لہٰذا ہرگز ان لوگوں (بادشاہ وغیرہ) کی بات نہ ماننا، اگر تم نے مان لی تو باقی لوگ بھی مان لیں گے اور انکے گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن تم پر لادا جائے گا، اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر اسی انکار پر جم جاؤ کیونکہ آپکے اور جنت کے درمیان صرف آپکا قتل ہی حائل ہے جوں ہی قتل ہوئے فوراً جنت میں جا پہنچو گے)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے اس کلام کی بدولت میرا عزم مزید پختہ ہو گیا اور میں انکار پر ڈٹ گیا۔ البدایۃ والنہایۃ (۱۱/۳۳۲)

ایک اور روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سے میں اس آزمائش کا شکار ہوا ہوں تب سے ایک دیہاتی شخص کے کلمے سے بڑھ کر ثابت قدم رکھنے والا کلمہ نہیں سنا جو اس نے مجھے بمقام رحبہ طوق (یہ ایک شہر کا نام ہے جو رقہ اور بغداد کے درمیان فرات کے کنارے پر آباد ہے) پر مجھے کہا۔

اس نے کہا تھا: یا أحمد ان یقتلك الحق، مُتَّ شهيداً، وان عِشْتَ عِشْتَ حَمِيْداً ...... فقوي قلبي" (سیر اعلام النبلاء ۱۱/۲۴۱)

(اے احمد! اگر حق پر ڈٹ جانے کی وجہ سے آپ قتل کر دیئے گئے تو شہید ہو کر مریں گے اور زندہ رہے تو "حمید" تعریف کی ہوئی زندگی جئیں گے۔ امام صاحب فرماتے ہیں: اسکی بات پر میرا دل مضبوط ہو گیا)۔

اسی طرح امام احمد نے ایک نوجوان محمد بن نوح جو اس آزمائش میں انکے ہمراہ ثابت قدم رہے، انکے بارے میں فرمایا: میں نے ایسی چھوٹی عمر اور محدود علم کے باوجود اللہ کے دین پر محمد بن نوح سے بڑھ کر قائم اور ثابت قدم ہونے والا نہیں دیکھا، مجھے امید ہے کہ اس نوجوان کا خاتمہ بالخیر ہوا ہوگا۔ اس نے ایک دن مجھ سے کہا: اے ابوعبداللہ! اللہ کیلئے اس بات کو سمجھ لیجئے، کہ بے شک آپ میری طرح عام آدمی نہیں ہیں، لوگ آپکی اقتداء کرتے ہیں، اور اس آزمائش کی گھڑی میں گردنیں اُٹھا کر آپکا طرزِ عمل دیکھ رہے ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں، لہٰذا آپ اللہ سے ڈریئے اور اللہ کے دین پر ثابت قدم رہیں، امام صاحب کہتے ہیں کہ پھر وہ نوجوان فوت ہو گیا، میں نے اسکا جنازہ پڑھا اور اسے دفن کر دیا۔

(سير أعلام النبلاء ١١/٢٤٢)

حتی کہ جیل کے قیدیوں نے بھی امام صاحب کی ثابت قدمی میں اپنا کردار ادا کیا۔ ایک مرتبہ امام صاحب جیل میں یہ کہہ رہے تھے کہ نہ تو مجھے قید کی پرواہ اور نہ ہی تلوار کیساتھ قتل کئے جانے کی، کیونکہ میرا گھر اور جیل خانہ میرے لیے برابر ہے اور قتل کا کوئی مسئلہ نہیں، اصل مسئلہ تو کوڑوں کی مار کا ہے۔ کسی قیدی نے یہ بات سنی تو کہنے لگا:

"لا عليك يا أبا عبد الله، فما هو الا سوطان، ثم لا تدري أين يقع الباقي، فكأنه سرّى عنه" (سير أعلام النبلاء ١١/٢٤٠)

(اے ابوعبداللہ! کوڑوں کا بھی کوئی مسئلہ نہیں، بس دو کوڑے محسوس ہونگے اور پھر پتہ بھی نہیں چلے گا کہ باقی کہاں لگ رہے ہیں، اس قیدی کی اس بات سے امام صاحب کا تمام خوف جاتا رہا)

لہٰذا اے میرے پیارے بھائی! نیک لوگوں سے نصیحت حاصل کرنے کی حرص رکھیں اور جب آپکو نصیحت کی جائے تو اسے اچھی طرح سمجھیں۔

سفر سے پہلے بھی نصیحت طلب کیجئے جبکہ آپکو دورانِ سفر کسی ناخوشگوار واقعے کا خطرہ ہو۔

آزمائش کی دوران اور کسی متوقع مصیبت سے پہلے بھی نصیحت طلب کیجئے۔

جب آپکو کوئی منصب سونپا جائے یا آپ مال ومنال کے وارث بنیں اس وقت بھی نصیحت ضرور طلب کریں اور خود بھی ثابت قدمی رہیں دوسروں کو بھی ثابت قدم رکھیں۔

واللہ ولي المؤمنين (اللہ بھی مؤمنین کا مددگار ہے)

خامس عشر:

جنت کی نعمتوں، جہنم کے عذاب پر غور وفکر اور موت کی یاد

جنت خوشیوں کا گھر ہے، غموں کی تسلی اور مؤمنین کی منزل۔

جبکہ نفس کی یہ فطرت ہے کہ اِن معمولی چیزوں کیلئے کوئی قربانی دینے پر تیار نہیں ہوتا جنکی کوئی حیثیت نہ ہو بلکہ عظیم الشان چیزوں کیلئے ہی عظیم الشان اعمال، ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے، جب زبردست اجر کی توقع ہو تو عمل کی مشقت ہلکی محسوس ہوتی ہے، مؤمن راہِ استقامت پر چلتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اگر اس نے ثابت قدمی کا مظاہرہ نہ کیا تو اس عظیم جنت سے محروم ہو جائے گا جسکی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جنت کے حصول کی تڑپ وہ جذبہ ہے جو انسان کو زمین اور مٹی کی پستیوں سے اٹھا کر عالمِ علوی کی سیر کرواتا ہے۔

نبی کریم ﷺ بھی اپنے صحابہ کرام ﷡ کو مصائب کے بالمقابل ثابت قدم رکھنے کیلئے جنت کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یاسر، عمار اور عمار کی والدہ کے پاس سے گذرے جنہیں اللہ کی راہ میں تکلیفیں دی جارہی تھیں تو آپ نے فرمایا:

"صبراً آل یاسر، صبراً آل یاسر، فان موعدکم الجنة"۔ (رواہ الحاکم ۳/۳۸۳، وہو حدیث حسن صحیح، انظر تحقیقہ فی فقہ السیرة، تحقیق الالبانی ص:۱۰۳)

(اے آلِ یاسر صبر کرو، اے آلِ یاسر صبر کرو، یقیناً تم سے جنت کا وعدہ ہے) (حاکم)

اسی طرح آپ ﷺ انصار سے فرمایا کرتے تھے: " انكم ستلقون بعدي اثرة، فاصبروا حتى تلقوني على الحوض (متفق عليه)

(بے شک میرے بعد دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، تو تم صبر کرتے رہنا، یہانتک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آملو) (متفق علیہ)

جو شخص بھی اہل سعادت اور اہل شقاوت کو قبر، حشر، حساب، میزان، پل صراط اور باقی آخرت کی منازل پر پیش آنے والے حالات کا جائزہ لے اور اسکے ساتھ ساتھ موت کو یاد رکھے تو وہ کبھی گمراہی کی پستیوں میں نہیں گرے گا، اللہ کی حدود سے تجاوز نہیں کرے گا، کیونکہ جب اسے معلوم ہوگا کہ موت اسکے جوتے کے تسمے بھی زیادہ نزدیک ہے اور اسکی قیامت چند لمحوں بعد ہی شروع ہونے والی ہے تو وہ بھلا کیسے پھسلے گا اور انحراف کا شکار کیونکر ہوگا؟

اسی لیے آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''اکثروا ذکر ھاذم اللذات''

(رواہ الترمذی ۲/۵۰، وصححہ الالبانی فی ارواء الغلیل ۳/۱۴۵)

(لذتوں کو توڑ دینے والی چیز (موت) کو کثرت سے یاد کرو) (ترمذی)

ثابت قدمی کے مواقع

کن کن جگہوں پر ثابت قدمی مطلوب ہے؟ اس بات کے بیان کیلئے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے، ہم اس مقام پر اجمالاً کچھ چیزوں کا بیان کرتے ہیں۔

اولاً: الثبات فی الفتن (فتنوں میں ثابت قدمی)

دلوں کی الٹ پھیر کا سبب عموماً فتنے ہی ہوا کرتے ہیں، پھر جن لوگوں کے دل نورِ ایمان سے آباد ہوں وہی ثابت قدم رہ پاتے ہیں۔

اور ان فتنوں کی کئی انواع ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

مال کا فتنہ - اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ (التوبة /۷۵، ۷۶)

(اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اُس نے انہیں

اپنے فضل سے نوازا تو ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے، لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل (مال و دولت) سے نواز دیا تو بخل کرنے لگے اور دین سے منہ پھیر کر اعراض کرنے والے ہو گئے)

دنیاوی شان و شوکت کا فتنہ

اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ج تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (الکھف :/۲۸)

(اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کیساتھ روک کر رکھیئے جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں، صرف اللہ کی رضا کے متلاشی ہیں، آپکی نگاہیں ان لوگوں سے آگے نہ بڑھیں، کیا آپ دنیاوی زندگی کی زینت چاہتے ہیں؟ اور ہر گز مت پیروی کریں اُس شخص کی جسکے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلا اور اسکے معاملات کوتاہی کا شکار ہو گئے)

سابقہ دونوں فتنوں کی خطرناکی بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم بأفسد لها من حرص المرء علی المال والشرف لدينه " (رواہ الامام احمد فی المسند ۳/۴۶۰، وھو فی صحیح الجامع (۵۴۹۶)

(دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیئے جائیں تو وہ ان بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا کہ کسی شخص کی مال اور عہدے کی حرص اسکے دین کیلئے نقصان دہ ہے)

بیوی کا فتنہ : اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ ان من ازواجكم واولادكم عدواً لكم فاحذروهم ﴾ ۔(التغابن/۱۴)

(یقیناً تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے بچ کر رہو)

اولاد کا فتنہ: حدیث میں آتا ہے:" الولد مجبنة مبخلة محزنة"

(رواہ ابو یعلیٰ ۲/۳۰۵، ولہ شاہد وہو فی صحیح الجامع (۷۰۳۷)

(اولاد انسان کو بزدل کرنے والی، بخیل بنانے والی اور غم میں ڈالنے والی ہے)

ظلم، سرکشی اور زیادتی کا فتنہ :

اسکی بہترین مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿٤﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿٥﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿٦﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿٧﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿٨﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (البروج / ۴، ۹)۔

(ہلاک اور برباد ہو گئے خندقوں والے، ایندھن والی آگ کی خندقیں، جبکہ وہ لوگ ان خندقوں پر بیٹھے تھے، اور وہ جو کچھ ایمان والوں کیساتھ کر رہے تھے اس پر حاضر تھے، اور نہیں انتقام لے رہے تھے ان (مظلوموں) سے مگر اس بات کا کہ یہ اللہ غالب حمید پر ایمان لائے، وہ اللہ جسکے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، اور اللہ ہر چیز پر حاضر اور گواہ ہے)

بخاری نے خباب رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کا شکوہ کیا جبکہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کے سائے میں ایک چادر کے ذریعے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" قد كان من قبلكم يؤخذ الرجل فيحفر له في الارض فيجعل فيها فيجاء بالمنشار، فيوضع على رأسه فيجعل نصفين ويمشط بامشاط الحديد مادون لحمه وعظمه، فما يصده ذالك عن دينه"

(رواہ البخاری، انظر فتح الباری ۱۲/۳۱۵)

(تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان میں سے ایک شخص کو پکڑا جاتا، پھر زمین میں اسکے لیے گڑھا کھودکر اسے (آدھا) زمین میں گاڑ دیا جاتا، پھر آری لائی جاتی اور اسکے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا، اسی طرح لوہے کی کنگھیوں سے اسکی کھال کو ادھیڑا جاتا تھا لیکن یہ

سب اسے اسکے دین سے نہیں روک پاتا تھا۔) (بخاری)

دجال کا فتنہ : یہ زندگی کا سب سے عظیم فتنہ ہے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمان ہے: ﴿یا ایھا الناس ! انھا لم تکن فتنة علی وجه الأرض منذ ذرأ الله آدم أعظم من فتنة الدجال ...... یا عباد الله، ایھا الناس : فاثبتوا فانی ساصفه لکم صفة لم یصفھا ایاہ قبلی نبی ......"

(رواہ ابن ماجہ ۲/۱۳۰۹) انظر صحیح الجامع (۷۸۷۵)

(اے لوگو! جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اس وقت سے اب تک زمین کی پشت پر دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں آیا...... اے اللہ کے بندو! اے لوگو! ثابت قدم رہو، میں عنقریب تمہیں اس دجال کی کچھ ایسی صفات بتلاؤں گا جو اس سے پہلے کسی نبی نے بھی اپنی قوم کو نہیں بتائیں) (ابن ماجہ، صحیح الجامع)

فتنوں کے مقابلے میں دلوں کی ثابت قدمی اور ٹیڑھ کے مراحل کے حوالے سے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: "تعرض الفتن علی القلوب کالحصیر عوداً عوداً، فأي قلب أشربھا نکت فیه نکتة سوداء وأي قلب أنکرھا نکت فیه نکتة بیضاء، حتی تصیر علی قلبین علی أبیض مثل الصفا، فلا تضرہ فتنة مادامت السموات والارض والآخر مربداً کالکوز مجخیا لا یعرف معروفاً، ولا ینکر منکراً الا ما أشرب من ھواہ"۔

(رواہ الامام احمد ۵/۳۸۶، ومسلم ۱/۱۲۸، واللفظ لہ)

لوگوں کے دلوں پر اس طرح پے در پے فتنے وارد ہونگے جس طرح چٹائی کے تنکے ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں اور جو دل ان فتنوں میں سے کسی کو قبول کریگا اس پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جائے گا اور جو دل اسے قبول نہیں کریگا اس میں ایک سفید نشان پڑ جائیگا بہر حال اس دور میں دو قسم کے دل ہونگے ایک سفید جسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی جب تک آسمان وزمین قائم رہیں گے اور ایک سیاہ اوندھے لوٹے کی طرح ہوگا نیکی پر عمل کریگا نہ

برائی کا انکار کریگا صرف اپنی خواہشات پر عمل کریگا۔

جہاد کے میدان میں ثابت قدمی

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا﴾ (الانفال/۴۵)

(اے ایمان والو! جب تم میدانِ جہاد میں دشمنوں کے کسی گروہ سے ٹکراؤ تو ثابت قدم رہو)

لڑائی کے موقع پر میدان سے فرار ہونا کبیرہ گناہ ہے، آپ ﷺ جنگ خندق کے موقع پر خندق سے مٹی اپنی پیٹھ پر لادے اسے منتقل کررہے تھے اور صحابہ کے ساتھ ملکر یہ الفاظ دہرارہے تھے: "وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا"۔

(اے اللہ! جب دشمنوں سے ٹکراؤ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا)

(رواہ البخاری فی کتاب الغزوات، باب غزوۃ الخندق، انظر فتح الباری ۷/ ۳۹۹)

صحیح منہج پر ثابت قدمی

اللہ کا فرمان ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ (الأحزاب/۲۳)

(ایمان والوں میں سے بعض ایسے اشخاص بھی ہیں جنہوں نے اس معاہدے کو پورا کردکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا، تو کچھ تو اپنا وعدہ پورا کرچکے جبکہ بعض منتظر ہیں، اور ان لوگوں نے (اس وعدے میں) کوئی تبدیلی نہیں کی)

موت کے وقت ثابت قدمی

کفار اور فجار اس سخت ترین موقع پر ثابت قدمی سے محروم ہوجاتے ہیں، موت کے وقت انہیں کلمہ نصیب نہیں ہوتا، اور یہ برے خاتمے کی علامت ہے، جیسا کہ ایک شخص کو اسکی موت کے وقت کہا گیا کہ "لا الہ الا اللہ" کہو۔ تو وہ اپنا سر دائیں اور بائیں نفی میں ہلانے لگا اور کلمہ پڑھنے سے انکار کردیا۔

ایک اور شخص موت کے وقت کہہ رہا تھا: (یہ جوڑا بہت اچھا ہے، اسکی قیمت انتہائی کم ہے)
ایک تیسرا شخص اس موقع پر شطرنج کے پانسوں کے نام لے رہا تھا۔ اور چوتھا موت کے وقت بھی گانے گا کر معشوق کو یاد کر رہا تھا۔ یہ سب اس لیے کہ ان لوگوں نے دنیا کی پوری زندگی انہی چیزوں میں مصروف رہ کر گذاردی اور اللہ کے ذکر سے غافل تھے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق بعض اوقات یہ بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ موت کے وقت انکا چہرہ سیاہ یا جسم بدبودار ہو جاتا ہے، یا انکا چہرہ روح نکلنے کے موقع پر قبلے سے ہٹ جاتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

جبکہ صراطِ مستقیم پر چلنے اور سنتوں کی پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ موت کے وقت ثابت قدمی نصیب فرماتا ہے، یہ لوگ مرتے وقت کلمہ پڑھتے ہیں، بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اِنکے چہرے خوشی سے دمک رہے ہوتے ہیں اور روح نکلتے وقت پاکیزہ خوشبوئیں بکھر جاتی ہیں بطور مثال ہم محدثین کے سرخیل ابوزرعہ رازی کی موت کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔

انکے کاتب ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں: ہم ماشہران (ری کی ایک بستی) کے مقام پر ابوزرعہ رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوئے جبکہ وہ عالمِ نزع میں تھے اور انکے پاس ابوحاتم، ابن وارہ اور منذر بن شاذان وغیرہ موجود تھے، انہوں نے عالم مرگ میں ''لا الہ الا اللہ'' کی تلقین کرنے والی حدیث کا تذکرہ کیا لیکن ابوزرعہ کو تلقین کرنے سے انہیں حیا آئی تو کہنے لگے کہ آؤ ہم حدیث کا تذکرہ کریں۔ ابن وارہ نے کہا:

حدثنا ابو عاصم حدثنا عبد الحمید بن جعفر عن صالح— یہاں پہنچ کر ابن ابی، ابن ابی، کا لفظ دہرانے لگے اور اس سے آگے نہ بڑھے۔ پھر ابوحاتم نے کہا: حدثنا بندار حدثنا ابو عاصم، عن عبد الحمید بن جعفر، عن صالح'' یہاں پہنچ کر ابوحاتم بھی رک گئے اور باقی تمام لوگ بھی خاموش ہو گئے۔ (یعنی ادھوری سند پڑھی اور حدیث بھی رہنے دی تاکہ آپ اسے مکمل کریں) یہ ہونا تھا کہ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے اسی عالمِ نزع میں آنکھیں کھولیں اور یوں گویا ہوئے: حدثنا بندار، حدثنا ابو عاصم، حدثنا

عبد الحميد عن صالح بن أبي عريب عن كثير بن مرة عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ: من كان آخر كلامه لا اله الا الله، دخل الجنة" اپنی سند بیان کی اور آپ ﷺ کا فرمان سنا دیا کہ جس شخص کا آخری کلام لا اله الا الله ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یہ حدیث مکمل ہوتے ہی انکی روح پرواز کر گئی۔ رحمہ اللہ تعالی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۶:۷،۸۵)

انہی جیسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴾ (حم السجدة/۳۰)

(بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب تو اللہ ہے اور پھر اس بات پر ڈٹ گئے تو ان پر فرشتے نازل ہوتے اور یہ کہتے ہیں کہ خوف نہ کھاؤ اور غمگین مت ہو، اور خوش ہو جاؤ اس جنت پر جسکا تم وعدہ دیئے جاتے ہو)

اے اللہ! ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل فرما، اے اللہ! ہم تجھ سے دین پر ثابت قدمی کے طلبگار ہیں اور سیدھے راستے پر عزیمت مانگتے ہیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ۔ انظر وسائل الثبات۔

❀❀❀❀❀❀❀❀
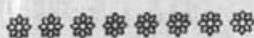
اقوالِ زریں،
بہترین نصیحتیں اور پُر حکمت کلمات

عمل صالح اور دعوت الی اللہ کیلئے یہ اقوال زریں پیش خدمت ہیں :

۱- ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ اس وقت تک متقی نہیں بن سکتے جب تک کہ عالم نہ ہوں اور آپکا علم اس وقت تک مزین نہیں ہوسکتا جب تک کہ آپ اُس پر عمل نہ کریں۔

۲- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عالم وہ ہوتا ہے جسکا عمل اسکے علم کے مطابق ہو، اور جسکا عمل اسکے علم کے مخالف ہو وہ تو بس روایت کرنے والا ہے. جس نے ایک چیز سنی اور آگے سنادی۔ (الجامع ۲/ ۷)

۳- حسن بصری رحمہ اللہ ہی سے روایت ہے: "

الذی يفوق الناس في العلم جدير أن يفوقهم في العمل"۔

(جو شخص علم میں لوگوں سے برتر ہے وہ اس بات کے لائق ہے کہ عمل میں بھی لوگوں سے برتر ہو)

٤- ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: علم کے نگہبان اور اسے اچھی طرح محفوظ کرنے والے بنو، نہ کہ صرف روایت کرنے والے، کیونکہ کبھی علم محفوظ و مأمون ہوتا ہے اور اسکی روایت نہیں ہوتی، اور کبھی روایت تو ہوتی ہے لیکن حفاظت نہیں ہوتی۔

۵- ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے:

"ليس العلم عن كثرة الحديث وانما العلم خشية الله" (الزهد/ ۱۹۸)

(بہت سی حدیثیں جمع اور روایت کرلینا علم نہیں، بلکہ علم تو اللہ کی خشیت کا نام ہے)

۶- امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

"ليس العلم بكثرة الرواية، ولكنه نور يجعله الله في القلوب"۔

(علم کثرتِ روایت کا نام نہیں، بلکہ یہ تو ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتا ہے)

۷- ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب کوئی عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسکے علم کا محتاج کر دیتے ہیں (یعنی اسکا علم مفید [illegible]

۸- جو شخص اپنے علم پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو کہ اسکے پاس نہ ہو۔ (یروی مرفوعاً وھو اثر لیس بحدیث)

۹- سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ان استطعت أن لا تحك رأسك الا بأثر فافعل"۔

(اگر تمہارے بس میں ہو کہ اپنے سر کو کسی حدیث کی روشنی میں کھجاؤ تو ایسا ہی کرو)۔

۱۰- ابو قِلَابَہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ آپکو نیا علم دے تو آپ اسکے شکرانے میں اپنی عبادت بڑھا دو، لیکن تمہیں تو بس لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی ہی فکر رہتی ہے۔

۱۱- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلے لوگوں میں سے جب کوئی علم حاصل کرتا تو یہ علم اسکے خشوع وخضوع، سیرت وکردار، زبان نگاہوں اور ہاتھوں میں نظر آتا تھا۔

٥- حصول علم میں مفید ترین کلمہ یہ ہے: "کم ترك الاول للآخر"

(پہلے لوگوں نے بعد والوں کیلئے کتنا کچھ چھوڑ دیا ہے)

اور سب سے زیادہ نقصان دہ کلمہ یہ ہے: "ما ترك الاول للآخر"

(پہلے لوگوں نے بعد والوں کیلئے کچھ نہیں چھوڑا)

یہ سب اقوال "قواعد التحدیث" نامی کتاب سے منقول ہیں۔

۱۲- سیدنا ابن عباس ﷺ، مجاہد اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

"کل أحد یؤخذ من قوله ویترك الا النبی ﷺ" ۔(جزء القراءۃ للبخاری)

(ہر شخص کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور چھوڑی بھی جا سکتی ہے سوائے نبی کریم ﷺ کے)

۱۳- امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم کے برابر کوئی چیز نہیں، لیکن اس شخص کیلئے جسکی نیت درست ہو، لوگوں نے پوچھا: نیت کیسے درست ہو سکتی ہے؟ فرمایا: علم کے حصول کا مقصد یہ ہو کہ میں اسکے ذریعے اپنی اور دوسروں کی جہالت دور کرونگا۔

(کتاب العلم للعثیمین

۱٤- سیدنا عمر ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اس بات کی مطلق کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ

میری صبح میری پسندیدہ حالت پر ہوتی ہے یا ناپسند حالت پر، کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ بھلائی میری پسندیدہ چیز میں ہے یا ناپسند چیز میں۔

۱۵- امام حاکم اپنی مرفوع سند کیساتھ روایت کرتے ہیں: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ قوی ہو، تو اسے اللہ پر توکل کرنا چاہیے، اور جسے یہ بات پسند ہو کہ سب سے زیادہ معزز بنے تو اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے، اور جو چاہتا ہے کہ سب لوگوں سے زیادہ بے پرواہ اور مستغنی ہو تو اسے اپنے ہاتھ میں چیزوں سے زیادہ ان چیزوں پر اعتماد ہونا چاہیے جو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

۱۶- ایک صحیح حدیث میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "من جعل الهموم هماً واحداً هم آخرته، كفاه الله هم دنياه، ومن تشعبت به الهموم احوال الدنيا لم يبال الله في أي أوديتها هلك"

(ابن ماجه (٤١٠٦) بسند حسن و ذكره صاحب المشكاة)

(جس نے اپنی تمام فکریں ایک ہی فکر یعنی فکر آخرت پر مرکوز کر دیں تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی پریشانیوں اور فکروں سے نجات دے دیتے ہیں اور جس شخص نے دنیا کے حوالے سے بہت سی فکریں پال لیں تو اللہ تعالیٰ کو اسکی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ دنیا کی کسی وادی میں جا مرے)

۱۷- اسی کے متعلق کسی دانا کا قول ہے: "اولیاء اللہ کی تین خصلتیں ہیں: ہر چیز میں اللہ پر اعتماد، ہر چیز میں اسکی طرف احتیاج اور ہر چیز میں اسی کی طرف رجوع۔

۱۸- سھل رحمہ اللہ کہتے ہیں: بندے کا دل کسی چیز کے ذریعے بھی اتنا مزین اور مشرف نہیں ہوتا جتنا کہ اس بات کا گہرا احساس اور علم رکھنے سے کہ بندہ جہاں کہیں بھی ہو، اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔ (احیاء)

۱۹- زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من كانت الدنيا همه فرّق الله عليه أمره، وجعل فقره بين عينيه، ولم يأته من الدنيا الا ما كتب له، ومن كانت الآخرة نيته، جمع الله له أمره،

وجعل غناه في قلبه، وأتته الدنيا وهي راغمة"

(رواه الترمذی ۲/ وابن ماجه (٤١٠٥) الصحيحة (٩٥٠)

(جس شخص کی تمام فکر دنیا ہی سے وابستہ ہو، اللہ تعالیٰ اُسکے معاملات کو بکھیر دیتا ہے، اور فقر ومحتاجی اسکی دونوں آنکھوں کے درمیان ظاہر کردیتا ہے، جبکہ دنیا بھی اسے اتنی ہی ملتی ہے جتنی کہ اسکی تقدیر میں لکھ دی گئی۔ اور جو شخص آخرت کی تمنا اور نیت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے، اور اسکے دل میں بے پرواہی ڈال دیتا ہے، جبکہ دنیا بھی اسکے پاس ذلیل ہوکر آتی ہے) (ترمذی، ابن ماجہ، الصحیحہ)

۲۰ – ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب الجواب الکافی" میں فرماتے ہیں: اللہ کی راہ پر چلنے والوں کا اتفاق ہے کہ دل اپنے مقصد تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنے مالک کیساتھ رابطہ استوار نہ کرلیں اور رب سے رابطہ اس وقت تک نہیں جڑ سکتا جب تک کہ دل صحیح سالم نہ ہوں، اور دل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتے جب تک کہ خواہشات کی مخالفت نہ کریں، خواہشات ہی دلوں کی بیماری ہیں اور انکا علاج انکی مخالفت ہے۔

۲۱ – ابن قیم رحمہ اللہ اپنی ایک دوسری کتاب (مدارج السالکین ۱/ ۱۶۵) میں فرماتے ہیں: ہروہ شخص جو حق سے منہ پھیرے اور اسکا انکار کرے تو وہ باطل کا شکار ہوجاتا ہے، جو شخص اللہ کی رضا کیلئے عمل نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اُسے مخلوق کی رضا جوئی میں مبتلا کردیتا ہے، جو شخص اللہ کی اطاعت میں مال خرچ نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے غیر اللہ کی اطاعت کیلئے انفاق پر مجبور کردیتا ہے جبکہ اس صورت میں ذلت ورسوائی بھی اسکا مقدر بنتی ہے، جو شخص اپنے نفس کو اللہ کی راہ میں نہیں تھکاتا تو ضروری ہے کہ وہ غیر اللہ کی خدمت میں تھکے، اور اسی طرح جو شخص اللہ کی وحی پر مبنی ہدایت سے بے رغبت ہوتا ہے تو اسکے حصے میں آراء الرجال کا کوڑا، مخلوق کے ذہنوں کا گند اور لوگوں کے افکار کا میل ہی آتا ہے۔

۲۲ – بعض عارفین کا قول ہے: جب آپ ایک عمل اللہ کیلئے کرتے ہیں اور آپکا نفس بھی اس پر راضی اور خوش ہے تو جان لیجئے کہ اللہ اُس پر راضی نہیں۔

۲۳- ابو مدین کہتے ہیں: جو شخص عبودیت کی حقیقت کو جا پہنچے وہ اپنے افعال کو ریاء کی آنکھ سے، احوال کو دعویٰ کی آنکھ سے، جبکہ اقوال کو افتراء و بہتان کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ (یعنی اپنے تمام حالات کا مراقبہ کرتا اور انہیں کمتر سمجھتا ہے ان پر مطمئن نہیں ہو رہتا) (المدارج ۱/۱۷۶)

۲۴- بے شک اگر آپ رات سو کر گزاریں اور صبح اس پر نادم ہوں تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ رات قیام کریں اور صبح اس پر خود پسندی اور غرور کا شکار ہو جائیں۔ (المدارج: ۱/۱۷۷)

۲۵- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سخت ناشکرا وہ ہے جو مصائب اور تکالیف کو تو شمار کرے جبکہ احسانات کو فراموش کر دے۔

۲۶- حاتم الزاھدؒ فرماتے ہیں: تین چیزیں جب کسی مجلس میں ہوں تو رحمت اس مجلس سے پھیر دی جاتی ہے:

۱- دنیا کا تذکرہ۔ ۲- ہنسی مذاق۔ ۳- لوگوں کی عیب جوئی۔ (تنبیہ الغافلین)

۲۷- ابراھیم بن ادھمؒ غیبت کرنے والی کی مذمت میں فرماتے ہیں:

((یا مکذب ! بخلت بدنیاك علی اصدقائك وسخوت بآخرتك علی أعدائك، فلا انت فیم بخلت به معذور، ولا أنت سخوت به محمود)) (التنبیه)

اے تکذیب کرنے والے! تو نے اپنی دنیا تو دوستوں سے بھی بچا کر رکھی اور اپنی آخرت اپنے دشمنوں پر لٹا دی؟ نہ تو اپنی اس سخاوت پر محمود ہے اور نہ ہی اپنے اس بخل پر معذور۔)

۲۸- ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب الفوائد (۱۶۷) میں فرماتے ہیں:

کسی بندے کو بھی دل کی سختی اور اللہ سے دوری سے بڑھ کر سزا نہیں دی گئی، سخت دلوں کو پگھلانے کیلئے ہی آگ پیدا کی گئی ہے، سخت دل اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے اور جب دل سخت ہو جائے تو آنکھ بھی قحط زدہ ہو جاتی ہے (یعنی آنسو نہیں ٹپکاتی)

اور دِل کی سختی چار چیزوں سے ہوتی ہے جبکہ وہ حد سے تجاوز کر جائیں: کھانا، نیند، کلام، میل جول۔ ☆ جو شخص اپنے دل کو پاک وصاف رکھنے کا خواہشمند ہے اُسے اپنی شہوات

پر اللہ کی ذات کو ترجیح دینی چاہیے، کیونکہ جو دل جسقدر خواہشات کا اسیر ہوگا اسی قدر اللہ سے دور اور محجوب ہوگا۔

اللہ سے بے خوفی اور غفلت کی وجہ سے دل ویران جبکہ اللہ کی خشیت اور یاد سے دل آباد ہوتے ہیں۔

جو شخص اپنے آپ میں مگن ہو تو وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور جو اللہ کی یاد میں یکسو ہو وہ اپنے نفس سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔

۲۹- زید بن اسلم کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ جو اللہ سے ڈر جائے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس سے محبت پر مجبور کر دیتا ہے اگر چہ وہ نہ چاہیں۔

۳۰- ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لو صحت محبتك لاستوحشت ممن لا يذكرك بالحبيب"۔

اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم ہر اس شخص سے وحشت محسوس کرتے جو تمہیں تمہارے محبوب کی یاد نہیں دلاتا۔

اسی طرح فرماتے ہیں: وہ گناہ جسکی بناء پر بندہ اللہ کے سامنے عاجزی اور مسکینی اختیار کرے اس نیکی سے بہتر ہے جس پر بندہ ناز کرے۔ (الفوائد)

۳۱- راقم الحروف کہتا ہے: دلوں کی مثال بھی آئینے کی طرح ہے، اگر آئینہ صاف ہو تو آپکا چہرہ ٹھیک طور پر آپکو دکھاتا ہے اور اگر میلا یا غیر درست ہو تو اس میں آپکا چہرہ بھی ٹیڑھا اور مڑا تڑا نظر آتا ہے، اسی طرح اگر دل صاف ہو تو اپنے رب اور اسکی صفات کو ٹھیک طور پر پہچانتا ہے اور اگر صاف نہ ہو تو اپنے رب کی قدر نہیں پہچانتا، اس سے منہ پھیر لیتا ہے۔

۳۲- بعض عارفین کا قول ہے: جس نے اللہ سے غیر اللہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ قبولیت کا دروازہ اس پر بند کر دیتا ہے۔ المرقاۃ ۴/۷۳)

(یہاں غیر اللہ سے مراد جو چیزیں شہوات سے متعلق ہوں ورنہ یہ بات درست نہیں)

۳۴- ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دو کلمے ایسے ہیں جنکے متعلق پہلے اور بعد والے

سب سے باز پرس ہوگی۔

پہلا: ماذا کُنتُم تَعبُدُونَ"۔تم کس کی عبادت کرتے تھے۔

اور دوسرا : "مَا ذَا اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ" تم نے رسولوں کی کس حد تک پیروی کی۔ (المدارج ۱/۳۶۴)

۳۵- تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ کی اطاعت اسکے بھیجے ہوئے نور کیمطابق کرے اور اسکے بدلے کی توقع صرف اس سے کرے، اور اللہ کی معصیت سے اسکی شریعت کی روشنی میں پرہیز کرے اور اس پر بھی صرف اللہ سے ڈرے مخلوق کے خوف سے گناہ نہ چھوڑے۔ (المدارج ۱/۳۶۴)

۳۶-کسی عارف کا قول ہے: عبودیت اور اللہ کے سامنے عاجزی وتذلل سے بڑھ کر اللہ کے قریب ہونے کا کوئی راستہ نہیں اور دعوؤں سے بڑھ کر اللہ سے دور کردینے والی اور کوئی چیز نہیں۔ جب کسی بندے میں خود پسندی اور تکبر ہوتو اسے کوئی عمل اور محنت فائدہ نہیں پہنچاسکتی اور اگر بندہ اللہ کے سامنے عاجز اور فقیر ہوتو فرائض کی ادائیگی کے بعد کیسی ہی بے کاری اور بے عملی کا شکار ہوتو اسے کوئی نقصان نہیں۔ (مدارج)

۳۷- ابوالدرداء ﷜ فرماتے ہیں:" لا يفقه الرجل كل الفقه حتى يمقت الناس في ذات الله، ثم يرجع الى نفسه فيكون لها أشد مقتاً"۔

کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں بن سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کیلئے ناراض نہ کردے اور پھر اپنے نفس کی طرف پلٹے اور اسے لوگوں سے بھی زیادہ ناراض کردے۔ (یہ کلام بہت اہم ہے، جو ابودرداء کے گہرے علم پر دلالت کرتا ہے۔

۳۸- جتنا کوئی بندہ اللہ کے قریب ہوتا ہے اتنا ہی اسکے کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ (المدارج ۱/۴۴۹)

۳۹- ابوسلیمان کہتے ہیں: جب خوف دل سے زائل ہوجائے تو دل بگڑ جاتا ہے۔

۴۰- ابراھیم بن سفیان ؒ فرماتے ہیں: جب خوف دلوں میں قرار پکڑ لے تو شہوات

کی محبت کو جلا ڈالتا اور دنیا کو مار بھگاتا ہے۔

۴۱ – خشـــوع یہ ہے کہ دل اللہ کی طرف متوجہ رہے اسکے لیے عاجزی، انکساری اور تذلل اختیار کرے، اور اسکی علامت حق کے سامنے انقیاد اور اطاعت اختیار کرنا ہے۔

۴۲ – جنیدؒ کہتے ہیں: " الخشوع تذلل القلوب لعلام الغيوب "۔
(خشوع یہ ہے کہ دل علام الغیوب کے آگے جھک جائیں)

۴۳ – فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلے یہ بات ناپسندیدہ سمجھی جاتی تھی کہ کوئی شخص اتنا خشوع ظاہر کرے جتنا کہ اسکے دل میں نہیں ہے۔

۴۴ – جبکہ کسی عارف کا قول ہے: (ظاہری ادب کا اچھا ہونا باطنی ادب کا عنوان ہے)
(المدارج ۱/۵۲۱)

۴۵ – شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " العارف لا یری له علی أحد حقا، ولا یشهد له علی غیره فضلا، ولذلك لا یعاتب ولا یطالب ولا یضارب " (المدارج: ۱/۵۲۳)
(اللہ رب العزت کی حقیقی معرفت کا حامل وہ شخص ہے جو کسی پر بھی اپنے حقوق کا دعویدار نہیں اور نہ ہی خود کو دوسروں پر برتر سمجھتا ہے، اسی بناء پر ایسا شخص نہ تو کسی پر غصہ ہوتا ہے، نہ کوئی مطالبہ کرتا ہے، نہ جھگڑتا ہے)

۴۶ – ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آپکے لیے آپکی نماز میں سے اتنا ہی ہے جتنا کہ آپ اسے سمجھ کر پڑھیں (المدارج ۱/۵۲۵)

۴۷ – جریریؒ کہتے ہیں: ہمارا دین دو چیزوں پر مبنی ہے۔ ایک تو یہ کہ آپکا نفس اللہ کی طرف متوجہ رہے اور دوسرا یہ کہ آپکا علم آپکے نفس پر قائم رہے (المدارج ۲/۶۶)۔

۴۸ – جو شخص اپنی تنہائی میں اللہ سے ڈرے گا اور اسکی شریعت کی حفاظت کریگا اللہ تعالی اسکی خلوتوں اور جلوتوں میں اسکا نگہبان رہے گا۔ (المدارج ۲/۶۶)

۴۹ – ایک شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا کہ بے شک ہمارے فقہاء فلاں بات کہتے

ہیں، تو حسن بصری نے اُس سے پوچھا: کیا تم نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کی طرف راغب، اپنے دین کی خوب سمجھ بوجھ رکھے اور اپنے رب کی عبادت پر دوام کرے۔ (التنبیہ، الشعب)

۵۰- فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی عالم دنیا میں راغب اور حریص ہو تو اسکے پاس بیٹھنے سے جاہل اپنی جہالت میں بڑھ جاتا ہے اور فاسق اپنے فسق میں بڑھ جاتا ہے، مؤمن کا دل ایسے عالم کے پاس بیٹھنے سے سخت ہو جاتا ہے۔ (حوالہ بالا)

۵۱- ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آپ اپنے عمل پر دل میں مٹھاس اور کشادگی محسوس نہ کریں تو اپنے عمل کو الزام دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو شکور ہے۔ (المدارج ۲/ ۶۸)

۵۲- اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے تمام احوال واقوال میں صرف اللہ کی رضا پر نظر رکھے لوگوں کی رؤیت کو بالکل فراموش کردے، جو شخص لوگوں کیلئے اپنے احوال واعمال کو مزین کرتا ہے جبکہ وہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے تو وہ اللہ کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

۵۳- یہ بھی کہا گیا ہے کہ اخلاص کا معنی یہ ہے کہ مخلوق کا لحاظ نہ رکھیں حتی کہ اپنے نفس کو بھی فراموش کردیں اور صدق یہ ہے کہ نفس کے شوق اور مطالبات سے اسے پاک کردے، لہٰذا مخلص وہ ہے جو ریا کار نہ ہو اور صادق وہ جو خود پسند نہ ہو۔ (المدارج ۲/ ۹۱)

۵۴- مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص صرف چالیس دن تک ہی اخلاص پر کاربند رہے تو صرف اتنی ہی مدت میں ہی حکمت کے چشمے اسکے دل سے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ (المدارج ۱/ ۹۲)

۵۵- اِبْنِ سِیْرِیْن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے شریح کو سنا وہ اللہ کی قسم اٹھا کر یہ فرما رہے تھے: جب کوئی اللہ کیلئے کسی چیز کو ترک کرتا ہے تو اس چیز کی کمی محسوس نہیں کرتا، کمی تو وہ شخص محسوس کرتا ہے جو غیر اللہ کیلئے کچھ ترک کرے، ایسے شخص پر اپنی عادتوں اور ما ٔلوفات کو چھوڑنا بہت مشکل اور پر مشقت ہو جاتا ہے۔ (الفوائد ص: ۱۸۶)

۵۶- اللہ کے قریب ہونے کا سب سے بہتر وسیلہ یہ ہے کہ انسان سنت کو تھام لے اور

اپنے ظاہر و باطن کی اسکے مطابق اصلاح کرے، ہمیشہ اللہ کے سامنے عاجز اور محتاج بنکر رہے، اپنے تمام اقوال وافعال کے ذریعے صرف اللہ کی رضا جوئی کا متلاشی ہو۔ جو شخص بھی اللہ تک پہنچا، انہی تین چیزوں کے ذریعے، اور جسکا تعلق بھی اللہ سے منقطع ہوا اسکا سبب بھی انکا انقطاع اور ترک ہے۔ (الفوائد:/۱۸۶)

۵۷- خواہشات نفس کی پیروی اور لمبی آرزوئیں ہی ہر بگاڑ کی جڑ ہیں خواہشات کی پیروی انسان کو حق کی معرفت اور قصد سے اندھا کر دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں اور امیدیں انسان کو آخرت فراموش کر کے اسکی تیاری سے روک دیتی ہیں۔ (الفوائد ص:/۱۷۱)

۵۸- عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ ہم دنیا سے بے نیاز نہیں ہو جاتے۔

۵۹- اسی طرح فرمایا: دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے اور دنیا کی کڑواہٹ آخرت کی مٹھاس ہے۔

أَرٰى رِجَالًا بِأَدْنَى الدِّيْنِ قَدْ قَنِعُوْا وَلَا أَرَاهُمْ رَضُوْا بِالْعَيْشِ الدُّوْنِ

فَاسْتَغْنِ بِالدِّيْنِ عَنْ دُنْيَا الْمُلُوْكِ كَمَا اسْتَغْنَى الْمُلُوْكُ بِدُنْيَاهُمْ عَنِ الدِّيْنِ

(میں کچھ لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ گھٹیا ترین چیز پر تو قناعت کیے بیٹھے ہیں لیکن تھوڑی کم معیار زندگی پر راضی نہیں ۝ پس تم دین کو حاصل کر کے بادشاہوں کی دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ جیسا کہ وہ اپنی دنیا کو لیکر دین سے بے نیاز ہو گئے)

۶۰- اور فرمایا: "طوبیٰ لمن بکی من ذکر خطیئته، وحفظ لسانه، ووسعه بيته" (خوشخبری ہے اس شخص کیلیے جو اپنی غلطیوں پر روئے، زبان کی حفاظت کرے، اور اسکا گھر اسکے لیے وسیع ہو (یعنی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلے)

(کذا فی البداية والنهاية : ۸۲،۸۱/۲)

فكل كسر فان الله يجبره وما لكسر قناة الدين جبران

(ہر ٹوٹی چیز کو اللہ تعالٰی جوڑ دیتا ہے، لیکن دین کا نیزہ ٹوٹ جائے تو اسکا جڑنا مشکل ہے)

۶۱- کسی عارف کا قول ہے: اللہ تعالیٰ آپکے ساتھ جو بھی معاملہ کرے آپ اس پر اللہ سے راضی رہیں، کیونکہ بے شک وہ مالک آپ سے کوئی چیز روکتا ہی اس لیے ہے کہ پھر وہ دے، آزماتا اس لیے ہے کہ پھر عافیت سے نوازے، اور بیمار اس لیے کرتا ہے کہ پھر شفایاب کرے، مارتا اس لیے ہے کہ پھر زندہ کرے، پس آپ ایک لمحے کیلئے بھی اس سے ناراض مت ہونا ورنہ اسکی نظروں سے گر جاؤ گے۔ (المدارج ۲/۲۱۶)

۶۲- ابو حمزہ سے سوال ہوا کہ اخلاص کیا ہے؟
فرمایا: یہ کہ کسی عمل پر غیر اللہ سے تعریف نہ چاہی جائے۔

۶۳- رَبِیع بن خُثَیم ؒ سے منقول ہے کہ ہر وہ عمل جسکی بنیاد اللہ کی رضا پر نہ ہو وہ مضمحل ہو جاتا ہے (شعب الایمان)

۶۴- کسی عالم کا قول ہے: جب کوئی بندہ اللہ کیلئے مخلص ہو جاتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ کسی گہرے کنویں میں جا بسے جہاں اسے کوئی نہ پہچانے۔

۶۵- فُضَیلؒ سے منقول ہے:
"لان آکل الدنیا بالطبل والمزمار أحب الی من أن آکلها بدین"۔
(اگر میں ڈھول اور ساز بجا کر دنیا کماؤں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے بنسبت اس بات کے کہ میں دین کو بیچ کر دنیا کھاؤں)

۶۶- امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گھٹیا لوگ وہ ہیں جو دین کے بدلے دنیا کمائیں اور گھٹیا ترین وہ ہیں جو دوسروں کی دنیا کیلئے اپنا دین برباد کریں۔ (شعب الایمان)

۶۷- ایک عالم کا قول ہے: ایمان والوں کو اللہ کا خوف دلاؤ، منافقین کو بادشاہ کا، اور ریاکاروں کو لوگوں کا خوف دلاؤ۔ (شعب الایمان)

۶۸- ایک صحیح حدیث میں آپکا فرمان ہے:
" لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبه ولا یستقیم قلبه حتی یستقیم لسانه، ولا یدخل الجنة حتی یأمن جاره بوائقه"(کذا فی الترغیب ۳/۳۵۳)

کسی بندے کا ایمان اُس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکا دل درست نہ ہوجائے اور کسی کا دل اُس وقت تک مستقیم نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکی زبان مستقیم (سیدھی) نہ ہوجائے، اور کوئی جنت میں داخل نہیں ہوسکتا یہانتک کہ اسکے پڑوسی اسکی تکلیفوں سے محفوظ نہ ہوں۔

۶۹- اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:" لا یؤمن العبد الایمان کله حتی یترك الکذب فی المراحة، والمراء وان کان صادقاً " (رواه احمد)۔

بندے کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ مذاق میں بھی جھوٹ، اور حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ چھوڑ دے۔ (احمد)

٥- ایک روایت میں ہے:" لا یبلغ العبد صریح الایمان حتی یدع المزاح والکذب ویدع المراء وان کان محقاً "۔ (کذافی الترغیب ۳/۵۹۴)

(کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا جب تک مذاق، جھوٹ اور حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا نہ چھوڑ دے)

۷۰- اسی طرح آپکا فرمان ہے: کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی مٹھاس محسوس نہیں کرتا جب تک کہ اس بات کو نہ جان لے کہ بیشک جو چیز اسے پہنچی وہ چوکنے والی نہ تھی اور جو چیز رہ گئی وہ ملنے والی نہ تھی۔

٥- ایک روایت میں یوں ہے: بے شک ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ یہ بات جان لے کہ جو اُسے ملا وہ چوکنے والا نہ تھا اور جو رہ گیا وہ ملنے والا نہ تھا۔ (الصحیحة ۵/۵۲۶، ۵۶۸)

۷۱- ابو عثمان سعید بن اسماعیل فرماتے ہیں:

مَا بَالُ دِيْنِكَ تَرْضٰى أَنْ تُدَنِّسَهٗ ۔۔۔ وَإِنَّ ثَوْبَكَ مَغْسُوْلٌ مِنَ الدَّنَسِ

تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا ۔۔۔ إِنَّ السَّفِيْنَةَ لَا تَجْرِيْ عَلَى الْيَبَسِ

(شعب) (آپکا دین کیسا ہے کہ آپ اسے تو میلا کرنے پر تیار ہیں لیکن لباس صاف ستھرا

دھلا ہوا پہنتے ہیں ٥ آپ نجات کے امیدوار ہیں اور اسکے راستوں پر نہیں چلتے، بے شک کشتی کبھی خشکی پر تو نہیں چلتی۔)

۷۲- حارث المحاسبیؒ فرماتے ہیں: علم سے خشیت حاصل ہوتی ہے، زہد سے راحت ملتی ہے اور معرفت سے انابت پیدا ہوتی ہے (شعب)

۷۳- عمر بن عبد العزیز سے منقول ہے: جو شخص اپنے کلام کو بھی عمل نہیں سمجھتا اسکی غلطیاں اور گناہ بہت بڑھ جاتے ہیں، اور جو شخص بغیر علم کے عمل کرے اسکا فساد، اصلاح سے زیادہ ہوتا ہے۔

۷۴- ابن سعدؒ کہتے ہیں: جو شخص علمِ روایت پر عمل کرے اسے علمِ درایت حاصل ہوتا ہے، اور جو علمِ درایت پر عمل کرے اسے علمِ رعایت سے نوازا جاتا ہے اور جو علمِ رعایت کا لحاظ رکھے اسے (سبیل الحق) راہ حق دکھلا دی جاتی ہے۔

۷۵- مالك بن دينار رحمہ اللہ سے منقول ہے: " اذا طلب العبد العلم ليعمل به كسره علمه، واذا طلبه لغير العمل زاده كبراً "

جب کوئی بندہ عمل کرنے کیلئے علم حاصل کرے تو علم اسے توڑ دیتا ہے (یعنی اُس میں تواضع وانکساری پیدا کرتا ہے)، اور جب کوئی عمل کے بجائے کسی اور مقصد کیلئے علم حاصل کرے تو یہ عمل اسکے تکبر میں اضافے کا باعث بن جاتا ہے۔

۷۶- معروف کرخی فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو بھلائی سے نوازنا چاہے تو اس پر عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جدل کا دروازہ اس پر بند کر دیتا ہے۔ اور جب اللہ رب العزت کسی سے برائی کا ارادہ کرے تو عمل کا دروازہ اس پر بند کر دیتا ہے اور جدل کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ (جدل سے مراد فضول بحث مباحثہ جھگڑے، مناظرہ بازی وغیرہ)

۷۷- مالك بن دينار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ بیشک جب کوئی عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے تو اسکی نصیحت دلوں سے اس طرح پھسل جاتی ہے جیسے بارش کے قطرے چٹیل چکنے پتھر سے۔ (الجامع ۲/ ۱۸)

۷۸- ابن داؤد رحمہ اللہ اسکے متعلق کہتے ہیں :

مَنْ غَصَّ دَاوٰى بِشُرْبِ الْمَاءِ غُصَّتَهُ فَكَيْفَ يَصْنَعُ مَنْ قَدْ غَصَّ بِالْمَاءِ

(جس کے حلق میں کچھ اٹک جائے تو وہ پانی کا گھونٹ پی کر اپنا علاج کر لیتا ہے، مگر جس کے حلق میں پانی ہی پھنس جائے وہ کیا کرے؟)

۷۹- ابو عثمان الحِیرِیؒ سے منقول ہے:

وَغَيْرُ تَقِيٍّ يَأْمُرُ النَّاسَ بِالتُّقٰى طَبِيْبٌ يُدَاوِىْ وَالطَّبِيْبُ مَرِيْضُ

(غیر متقی شخص جو لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہے، یہ ایسا طبیب ہے جو دوسروں کو دوا دیتا ہے حالانکہ یہ طبیب خود مریض ہے) (شعب)

۸۰- ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ نعمت جو بندے کو اللہ کے قریب نہ کردے وہ نعمت نہیں مصیبت ہے۔ (حلیہ ۳/۲۳۰)

۸۱- اور فرمایا: ہر وہ عمل جسکی بناء پر موت ناپسند ہو تو اس عمل کو چھوڑ دیجئے، پھر جب بھی آپ مریں گے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ (۳/۲۳۹)

۸۲- اسی طرح فرمایا: ہر وہ چیز جو دنیا میں آپکے لیے خوش کن ہے اسکے ساتھ ہی وہ چیز بھی جوڑ دی گئی ہے جو آپکو ناپسند ہے۔ (۳/۲۳۹)

۸۳- اسی طرح فرمایا: آپ اس وقت تک عالم نہیں بن سکتے جب تک تین خصلتیں آپ میں نہ ہوں (۱) اپنے سے برتر علماء پر سرکشی یا زیادتی نہ کریں (۲) اپنے سے کمتر کو حقیر مت جانیں۔ (۳) اپنے علم پر دنیا کا مطالبہ نہ کریں (۳/۲۴۳)

۸۴- اور فرمایا: جو شخص دنیا کی حقیقی معرفت رکھتا ہو وہ نہ تو دنیا کی خوشحالی پر خوش ہوتا ہے اور نہ دنیاوی مصائب پر پریشان و غمگین۔ (۳/۲۳۹)

۸۵- اور فرمایا: دنیا کی قابلِ مذمت محبت یہ ہے کہ آپ حرام ذرائع سے دنیا کمائیں یا پھر یہ محبت آپکو اللہ کی محبوب چیزوں سے روک دے۔ (۳/۲۴۴)

۸۶- ربیعہ بن عبد الرحمن فرماتے ہیں:

رأس الزهادة جمع الاشياء من حلها ووضعها فی حقها ۔(زہد کی اصل یہ ہے کہ حلال ذرائع سے چیزوں کو جمع کیا جائے اور جائز کاموں میں انہیں خرچ کیا جائے)۔

۸۷- ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:لایسود العبد حتی تکون فیه خصلتان : الیأس مما في ایدي الناس، والتغافل عما یکون منهم "۔(حلیہ ۳/۵)

اس وقت تک کوئی بندہ حقیقی سیادت اور قیادت کے مرتبے پر فائز نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس میں دو خصلتیں نہ پائی جائیں۔

(۱) لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مایوس ہونا (یعنی لالچ وطمع نہ رکھنا) (۲) لوگوں کی طرف سے جو زیادتی یا حق تلفی ہو اس سے تغافل برتنا (گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں)

۸۸- محمد بن حنفیہؒ فرماتے ہیں: جس شخص کا نفس عزت وکرامت کا مالک ہوا سکے نزدیک دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی (۳/۱۷۶)

۸۹- ایک دوسرے موقع پر فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے جنت کو تمہارے نفوس کی قیمت قرار دیا ہے لہٰذا انہیں کسی اور عوض کے بدلے مت بیچو۔

۹۰- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" الوقت سیف فان قطعته، والا قطعك ونفسك ان لم تشغلها بالحق، والا شغلتك بالباطل "۔(المدارج/۱۳۹)

وقت بھی ایک تلوار ہے اگر آپ اسے کاٹیں تو ٹھیک ورنہ وہ آپکو کاٹ ڈالتا ہے، اور اگر آپ اپنے نفس کو حق میں مصروف نہ رکھیں گے تو آپکا نفس آپکو باطل میں مشغول کردیگا۔

۹۱- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے منہ پھیر لے تو اسے بے فائدہ کاموں میں لگا دیتا ہے یہی اسکے اعراض کی علامت ہے۔ (الجامع فی طلب العلم الشریف ۱/۱۶۴)

۹۲- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:طلب فضول الدنیا عقوبة عاقب الله بها اهل التوحید "(الجامع فی طلب العلم الشریف ۱/۱۶۴)

ضرورت سے زائد دنیا کی طلب اللہ کی طرف سے سزا ہے جو اہل توحید کو (انکی بعض غلطیوں یا کوتاہیوں پر) دی جاتی ہے۔

۹۳-اسی طرح امام صاحب فرماتے ہیں:

"لا يدرك العلم الا بالصبر على الذل"۔(الجامع:۱/۱۶۳)

(علم کا حصول عاجزی، انکساری اور نفس کی تذلیل پر صبر کے بغیر ممکن نہیں ہے)

٩٤- ايوب السختياني رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمل کرنے والوں کیلئے نیتوں کو خالص کرنا تمام اعمال سے زیادہ مشکل ہے۔(الجامع ۱/۱۵۶)

۹۵- سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" كانوا يتعلمون النية للعمل كما تعلمون العمل" (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین عمل کیلئے نیت کو اسی طرح سیکھتے تھے جیسا کہ تم عمل سیکھتے ہو)

٩٦- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: " العلم اكثر من أن يحاط به فخذوا منه أحسنه"۔(الجامع ۱/۱۶۶، جامع بیان العلم ۱/۱۰۵)

(علم کا مکمل احاطہ ممکن نہیں، لہٰذا علم کی زیادہ بہتر اور مفید باتوں کو لے لو)

۹۷-ایک عالم کا کہنا ہے: سب سے بہتر وہ شخص ہے کہ شہوات اسکے دین کو بگاڑ نہ سکیں اور شبہات اسکے یقین کو زائل نہ کر سکیں۔ (ادب الدنیا والدین ص:۷۹)

۹۸- حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس شخص پر تعجب ہے جو بعض کھانوں سے تو انکے نقصان کی بناء پر پرہیز کرتا ہے مگر گناہوں سے انکے عیوب کی وجہ سے نہیں بچتا۔ (ادب الدنیا والدین ص:۷۹)

۹۹-ایک عالم کا قول ہے:" اهل المعاصي مرضى القلوب"

(گناہ کرنے والے دل کے مریض ہیں)

۱۰۰- فضيل بن عياض رحمہ اللہ سے پوچھا گیا:" ما اعجب الاشياء ؟"۔جناب سب سے زیادہ عجیب چیز کونسی ہے؟۔تو فرمایا:" قلب عرف الله ثم

عصاہ"۔(وہ دل جو اللہ کو پہچان لے اور پھر بھی اسکی نافرمانی کرے)

۱۰۱-ایک عالم کا قول ہے: نافرمان شخص اپنی اطاعت یا نیکی کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور اپنے بڑے بڑے گناہوں کو فراموش کر دیتا ہے۔(ادب الدنیا والدین ص ۷۹)

۱۰۲-ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:" الھوی الہ یعبد من دون اللہ"
(خواہشات بھی ایک معبود ہیں جنکی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے)

۱۰۳-کہا گیا ہے کہ: خواہش کی پیروی ایک بیماری ہے، جسکی دوا یہ ہے کہ اسکی نافرمانی کی جائے۔

۱۰٤- علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تم پر دو چیزوں کا خوف رکھتا ہوں، خواہشات کی پیروی اور لمبی امیدیں، خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور لمبی امیدیں انسان کو آخرت فراموش بنا دیتی ہیں۔
(وَرُوِیَ مرفوعاً کما فی المشکاۃ ۲/٤٤٤)

۱۰۵-ایک دیہاتی نے کہا:" الھوی ھو الھوان"(خواہشات انسان کو ذلیل کر دیتی ہیں)

۱۰۶-ایک شاعر نے کہا:

إِنَّ الْهَوَانَ هُوَ الْهَوٰى قُلِبَ اسْمُهٗ فَإِذَا هَوِيتَ فَقَدْ أَتَيْتَ هَوَانًا

(بے شک (ہوان) ذلت و رسوائی ہی (ہویٰ) خواہشات ہیں، بس نام ہی تھوڑا بدل گیا ہے، جب آپ خواہشات کے پیچھے پڑتے ہیں تو دراصل اپنی ذلت کا ہی سامان کرتے ہیں)

۱۰۷-کسی دانا کا قول ہے: سب سے زیادہ عزت مندی یہ ہے کہ انسان خواہشات کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دے۔

۱۰۸- قاضی عیاض کا قول ہے: جب دو معاملے آپ پر سخت ہو جائیں تو اسے چھوڑ دیجئے جو آپکے نفس کو پسند ہو، اور اسے اختیار کر لیں جو آپکے نفس پر بھاری پڑے۔

(ادب الدنیا والدین ص:۲۱)

OOOOOOOO

۱۲- بارھواں فائدہ : حیات قلب

جس شخص کا دل مردہ ہو چکا ہو، گویا کہ اسکی قیامت قائم ہو چکی، عذاب حاصل ہو گیا اور خسارہ بڑھ گیا، ایسے شخص کی جسمانی زندگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اور نہ اسکو اس بے روح زندگی کا کوئی فائدہ ہے، کیونکہ ایسی زندگی تو جانوروں کی مانند ہے، انسان کا امتیاز تو روحانی ارتقاء اور قلبی حیات ہے۔

حقیقی زندگی یہی ہے، یہی نعمت عاجلہ اور آجلہ ہے، قرآن بھی اسی شخص کو فائدہ دیتا ہے جو زندہ دل رکھتا ہو۔ ﴿لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا﴾ (یٰس: ۷۰)

(تا کہ ڈرائے ہر اس شخص کو جو (روحانی اعتبار سے) زندہ ہے)

ایمان کی مٹھاس بھی اسی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے، انسان کو درجات کی بلندی بھی اسی زندہ دلی سے حاصل ہوتی ہے، جو شخص ایک مرتبہ اِس زندگی کا مزا چکھ لے وہ موت تک اسکا طالب اور حریص رہتا ہے اور حیاتِ قلب میں اضافے کی کوشش کرتا ہے اور جو اس زندگی سے ہٹ کر کسی اَور وادی میں پڑا ہے وہ تمام حالات میں اس سے غافل ہی رہتا ہے۔

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ اس پیاری اور اصلی زندگی کو اسکے اسباب اور ذرائع اختیار کر کے حاصل کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہر منزل اور غایت کیلئے کچھ اسباب مقرر کر دیئے ہیں جنکے ذریعے اس منزل کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس زندگی کے حصول کا انحصار بہت سے اسباب پر ہے جن میں سے بعض کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

۱- قرآن کریم :

قرآنِ مجید نازل ہی اس لیے ہوا ہے کہ دلوں کو جلا بخشے اور روح کو تازگی عطا کرے، جس طرح بارش مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے اسی طرح قرآن مردہ دلوں میں زندگی کی روح

پھونکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ﴾ (الاعراف/۵۸)

(اور جو ستھری زمین ہوتی ہے اسکی پیداوار تو اللہ کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اسکی پیداوار بہت کم نکلتی ہے، اسی طرح ہم دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کیلئے جو شکر کرتے ہیں۔)

اس آیت میں دلوں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ بعض اچھے دل تو قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں جبکہ بعض دل اپنے بنجر پن کی وجہ سے اس کے فیض سے محروم رہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾۔ (الانفال/۴۲)

(اور تاکہ زندہ رہے وہ جو دلیل کی بنیاد پر زندہ رہے)

یعنی قرآن کی تلاوت، تفسیر اور تدبر کے ذریعے، اس کے علم اور اس پر عمل کرکے یہ زندگی حاصل ہوتی ہے۔

یہ انتہائی اہم ترین سبب ہے، لہٰذا آپکو چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت، تفسیر اور اس عظیم کتاب پر تدبر کریں۔

۲- ذکر اللہ کی کثرت

اللہ کا ذکر بھی دلوں کیلئے انتہائی حیات آفریں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: (مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی والمیت) (رواہ البخاری)

(اپنے رب کا ذکر کرنیوالے اور نہ کرنیوالے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے) (بخاری)

اللہ کا ذکر ہی قلبی حیات کا باعث ہے۔

ذکر الٰہی کے بہت سے فوائد ہیں شاید کہ ہم اپنے اس رسالے میں انکا تفصیلی تذکرہ کریں۔ ان شاء اللہ۔

مندرجہ بالا حدیث اس حوالے سے بالکل واضح ہے کہ اللہ کا ذکر ہی زندگی ہے، ذکر

کرنیوالا زندہ، جبکہ ذکر سے غافل شخص مردہ ہے۔

حقیقت بھی یہ ہے کہ ذکر شرعی دلوں کی زندگی اور نور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا، هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾۔ (الاحزاب/۴۳)

(اے ایمان والو! کثرتِ کیساتھ اللہ کا ذکر کرو، وہ (اللہ) تم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے اور اسکے فرشتے تمہارے حق میں دعائیں مانگتے ہیں، تا کہ اللہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے)

ذکر الٰہی مؤمن کو اندھیروں سے نکال کر ظاہر و باطن کے نور کی جانب لے جاتا ہے، یہ نور اور حیاتِ قلب ایک دوسرے کو لازم ہیں جب بندے کا دل منور اور زندگی کی حقیقی دھڑکنوں سے آباد ہو تو وہ اس دل کی بدولت اپنے رب، اپنے خالق، اپنے مولا کی طرف اڑنے لگتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں دونوں کو یکجا کیا ہے:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾۔ (الانعام/۱۲۲)

(کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور بنا دیا اسکے لیے ایسا نور جسکی روشنی میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا یہ اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو کہ (جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں پڑا ہے، ان اندھیروں سے نکلنے والا نہیں۔)

قرآن مجید اپنی بہت سی آیات میں پانی اور آگ کی مثالوں کو جمع کرتا ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ، سورۃ الرعد اور سورۃ النور میں یہ مثالیں بیان کی گئیں ان میں اشارہ ہے کہ پانی اور آگ زندگی اور روشنی کا سبب ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی دل کو زندہ اور منور کرتا ہے، اور قرآن مجید ہی اللہ کا عظیم ترین ذکر ہے، اور اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے سے زندگانی تنگ ہو جاتی ہے اور یہی دل کی موت ہے۔

٣- جهاد فی سبیل الله :

بے شک جہاد فی سبیل اللہ واضح طور پر مسلمانوں کی زندگی اور دلوں کیلئے حیات بخش ہے، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب جہاد اپنی شرعی حدود، ضابطوں اور شرائط کے مطابق ہو۔

٤- اتباع الرسول ﷺ ہر بات میں آپ ﷺ کی اتباع کرنا، ہر وہ عقیدہ، عمل یا اخلاق جسکی آپ نے دعوت دی اسے اپنا لینا، اور ہر وہ بری بات جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا اس سے اجتناب کرنا حیاتِ قلب کا عظیم سبب ہے، لہٰذا آپ اتباعِ سنت کو تھام لیجئے، تقلید اور سنت کی مخالفت سے بچیے کیونکہ یہ تاریک فتنہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ وَأَنَّهُۥٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾۔ (الانفال/٢٤)

(اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بات مانو جب بھی وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات بخش ہے، اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندے اور اسکے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بے شک اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے)

یہ آیت اس امر کی صراحت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہر معاملے میں غیر مشروط اطاعت ایک عجیب روحانی اور قلبی زندگی کو ضامن ہے اور یقیناً جو شخص آپکی اطاعت سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے دل کو مردہ کر کے اپنے دین سے پلٹ دیتا ہے۔ (والعیاذ باللہ)

٥- مجالس وعظ :

بیشک وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی دلوں میں نرمی آتی ہے اور انہیں زندگی ملتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ اپنی کتاب موطأ (١/٧٣٥) میں ایک روایت لائے ہیں: انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ اے بیٹے! علماء کی مجلس میں دوزانو ہو کر بیٹھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے نور سے دلوں کو جلا بخشتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے

مردہ زمین بارش کے ذریعے زندہ ہوتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک قول منقول ہے:

لولا السجود ومجالس العلم التي ينتقى فيها أطايب الكلام لأحببت الموت

(اگر اس زندگی میں سجدوں کی توفیق اور ایسی مجلسوں میں بیٹھنا نصیب نہ ہوتا کہ جن میں بہترین باتیں موزوں الفاظ کیساتھ بیان کی جاتی ہیں، (اگر یہ دو چیزیں نہ ہوتیں) تو میں موت کی تمنا کرتا)

۶-انہی باتوں میں سے ایک ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب طریق الہجرتین اور مدارج (۳/۶۴) میں ذکر کی ہے اور وہ یہ دعا ہے:" يا حي يا قيوم، لا اله الا انت"

امام صاحب فرماتے ہیں کہ فجر کے بعد چالیس مرتبہ اس دعا کا ورد کرنے سے بھی حیاتِ قلب نصیب ہوتی ہے، یہ بھی ایک مجرب نسخہ ہے کیونکہ یہ وقت انتہائی اہم ہے، لیکن امام صاحب نے سنتِ مطہرہ سے اس دعا کا مخرج بیان نہیں کیا، پھر میں نے کنز العمال میں یہ دُعا دیکھی لیکن وہاں بھی اس وقت کی تعیین نہیں تھی۔

۷-سب سے بہترین اور کارگر نسخہ اس حوالے سے ایمانِ صحیح، عمل صالح، اللہ کی حقیقی معرفت، عبادت اور محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:" ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾۔(النحل/۹۷)

(جو بھی نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مؤمن ہو، تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے)

یہاں پاکیزہ زندگی سے مراد دل کی زندگی، دل کی نعمت، اسکی خوشی اور اسکا سرور ہے جسکی بنیاد اللہ پر ایمان، اسکی محبت، اسکی طرف انابت اور اس پر توکل پر ہے، کیونکہ زندہ دل شخص کی حیات سے بڑھ کر پاکیزہ اور پیاری زندگی کسی کی نہیں، جنت کی نعمتوں کے بعد اس نعمت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، اور جب دل کی زندگی ہی پاکیزہ زندگی ہے تو پھر باقی اعضاء وجوارح پر بھی اسکے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ دل انکا بادشاہ ہے، بادشاہ ٹھیک ہو

تو رعایا بھی ٹھیک رہتی ہے، اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی زندگی کو تنگ قرار دیا ہے یہ حیاتِ طیبہ کے برعکس ہے۔ اس پاکیزہ زندگی کے تین دور ہیں: دنیا، عالم برزخ، آخرت۔

اسی طرح تنگ زندگی کے بھی یہی تین دور ہیں۔ (انظر المدارج ۳/۲۵۹)

لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ صحیح عمل اور صحیح ایمان کو اختیار کریں، تا کہ اس حیاتِ طیبہ کا وافر حصہ آپکے نصیب میں آئے اور آپ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔

۸- علم شرعی:

علمِ شرعی بھی حیاتِ قلب کو لازم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اومن کان میتاً فاحییناہ﴾ (الانعام/۱۲۲) (کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا) یعنی ایمان، علم اور ہدایت کے ذریعے۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قول ہے: "والعلم حیاۃ القلوب من الجهل......

الحدیث: رواہ الطبرانی وابن عبد البر وهو فی حیاۃ الصحابة ۳/)

(علم دلوں کی زندگی جبکہ جہالت دلوں کی موت ہے)

۱۰- گناهوں کا ترک

گناہوں کو ترک کرنا بھی حیاتِ قلب کا باعث ہے، کیونکہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں۔

ابن مبارک رحمہ اللہ نے خوب کہا:

رَأَيْتُ الذُّنُوْبَ تُمِيْتُ الْقُلُوْبَ وَقَدْ يُوْرِثُ الذُّلَّ إِدْمَانُهَا

(میں نے دیکھا ہے کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں اور گناہوں کی عادت اور ان پر دوام سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے)

وَتَرْكُ الذُّنُوْبِ حَيٰوةُ الْقُلُوْبِ وَخَيْرٌ لِنَفْسِكَ عِصْيَانُهَا

اور گناہوں کا ترک کرنا دلوں کی زندگی ہے لہٰذا آپکے لیے بہتر ہے کہ گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کریں

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(بادشاہوں، علماءِ سوء اور جاہل درویشوں کے علاوہ دین کو کسی نے نہیں بگاڑا)

وَبَاعُوا النُّفُوسَ وَلَمْ يَرْبَحُوا وَلَمْ يَغْلُ فِي الْبَيْعِ أَثْمَانُهَا

(ان لوگوں نے اپنے نفوس کو بیچ ڈالا اور اس سودے میں کوئی زیادہ قیمت بھی نہ لگی اور یہ لوگ سراسر گھاٹے میں رہے)

فَقَدْ رَتَعَ الْقَوْمُ فِي جِيفَةٍ يَبِينُ لِذِي اللُّبِّ خُسْرَانُهَا

(یہ قوم ایسے مردار میں منہ مار رہی ہے جسکا نقصان دہ ہونا ہر عقل والے پر عیاں ہو چکا ہے)

ہر ایک زنگ اور میل جو دلوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے، اسکا سبب یہی گناہ اور غفلتیں ہیں اور مہر لگ جانا ہی دلوں کی موت ہے۔

۱۱ – ابن مسعود ﷛ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

اتدرون من ميت القلب الذي قيل فيه : ليس من مات فاستراح بميت انما الميت ميت الأحياء"

(کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ مردہ دل شخص کون ہے جسکے بارے میں کہا گیا کہ مردہ وہ نہیں جو مر گیا اور راحت پائی بلکہ مردہ تو وہ ہے جو چلتی پھرتی لاش ہے) لوگوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "الذي لا يعرف معروفاً ولا ينكر منكراً"

(جو نیکی کو نیکی نہ سمجھے اور برائی کو برائی نہ جانے)۔

اکثر لوگ جسمانی موت سے تو ڈرتے ہیں لیکن دلوں کی موت سے نہیں ڈرتے بلکہ اسکی تو پرواہ ہی نہیں کرتے۔

اور جو لوگ اللہ کی توفیق سے اس پاکیزہ زندگی کے حصول میں کوشاں ہیں وہی عقلمند، باشعور، پاکیزہ فطرت اور عالی ہمت ہیں۔ (جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ)

۱۲–حرام اور مشتبہات سے اجتناب

یہ بھی بہت کارگر نسخہ ہے، اگر حرام سے نہ بچا جائے تو بھی دل مردہ ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي

النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (الانعام/١٢٢)

(کیا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور بنادیا اسکے لیے ایسا نور جسکی روشنی میں وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کیا یہ اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو کہ (جہالت اور گمراہی کے) اندھیروں میں پڑا ہے، ان اندھیروں سے نکلنے والا نہیں)

اس آیت سے پہلے مردار کا گوشت کھانے، اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس سے ممانعت کا حکم ہے اور اسکے بعد مذکورہ آیت ہے، اس ترتیب میں واضح اشارہ ہے کہ حرام کو ترک کردینا نور اور حیات کا باعث ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے: " الا ان فی الجسد مضغة، اذا صلحت صلح الجسد کله، واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب "

(سن لو! بے شک جسم میں ایک ایسا لوتھڑا بھی ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو پورا جسم درست ہو جاتا ہے، اور جب یہ لوتھڑا بگڑ جائے تو پھر پورا جسم بگڑ جاتا ہے، اور وہ دل ہے)

یہ بات آپ ﷺ نے حرام اور مشتبہ چیزوں سے اجتناب کی ترغیب دینے کے بعد فرمائی جیسا کہ حدیث کا پہلا حصہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے:

" الحلال بین والحرام بین وبینهما أمور مشتبهات، فمن اتقی الشبهات استبرأ لدینه وعرضه......الحدیث "

(حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح، جبکہ ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ بھی ہیں، پس جو شخص مشتبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا......الحدیث)۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
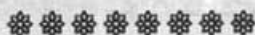
۱۳- تیرھواں فائدہ اور عظیم بشارت

جب میں اس بات پر غور کرتا ہوں کہ اس دار فانی سے کوچ کرنے کا وقت اور سکرات الموت کی سکرات اور کٹھن حالات ہم پر آنے والے ہیں، ان سے بچاؤ ممکن ہی نہیں، تو کیا ان کے پس منظر میں مؤمن کیلئے کوئی خیر بھی پوشیدہ ہے؟ تو اس غور وفکر کے نتیجے میں کچھ عظیم بشارتوں کے اسرار مجھ پر کھلتے ہیں اور وہ یہ کہ اسی ذریعے سے مؤمن کی ملاقات اپنے رب، اپنے مالک اور خالق سے ممکن ہوتی ہے اور یہ مؤمن کیلئے پسندیدہ ترین چیز ہے، ہر عزیز سے عزیز تر، ہر کریم سے نفیس تر - اللہ سے ملاقات ایسا سرور انگیز اور کرامت والا معاملہ ہے کہ مؤمن بندہ اپنے اہل خانہ اور دنیاوی خواہشات کو یکسر فراموش کر دیگا، کہاں کا غم اور کیسی وحشت؟۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْمُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ، وَلَئِنْ مُّتُّمْ أَوْقُتِلْتُمْ لَإِالَى اللهِ تُحْشَرُوْنَ﴾
(آل عمران/ ۱۵۸)

(اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کر دیئے جاؤ یا فوت ہو جاؤ تو اللہ کی طرف سے مرحمت کی جانے والی بخشش اور رحمت زیادہ بہتر ہے اس چیز سے جسے یہ لوگ جمع کر رہے ہیں، اور اگر تم فوت ہو یا قتل کیئے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے)

ان دونوں آیات میں مؤمن کیلئے بشارتیں ہیں، وہ یوں کہ یقیناً اگر مؤمن کو قتل کیا جائے، یا اللہ کی راہ میں شہید ہو، یا اپنی طبعی موت مرے تو اللہ عز وجل کی جانب سے حاصل ہونے والی مغفرت اور رحمتِ کاملہ اُس پوری دنیا سے بہتر ہے جسے جمع کرنے میں مخلوق مگن ہے۔
بے شک قتل اور موت بخشش کا باعث ہے یہ دونوں چیزیں اللہ کی رحمت کا سبب ہیں کیونکہ اس موقع پر انسان کا فقر، محتاجی اور انکسار ظاہر ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے

ضعیف ومغلوب بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ یہ شخص بھی ضعیف اور مغلوب ہے اسکے پاس بھی کچھ نہیں رہا، یہ اب کچھ بھی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، بلکہ یہ اپنے خالق ومالک کا محتاج ترین بندہ ہے تو اس موقع پر اللہ کی رحمت اور بخشش کی برکھا اس بندے پر برستی ہے۔

جبکہ دوسری آیت میں یہ عظیم بشارت ہے کہ موت کے بعد بندے نے اللہ کی طرف جانا اور اس سے ملاقات کرنی ہے یعنی مؤمن اس مرحلے پر تأسف میں کیوں مبتلا ہے؟ موت اور قتل سے کیوں ڈر رہا ہے؟ حالانکہ اس نے موت کے بعد اللہ کے پاس ہی تو جانا ہے، اپنے پیارے رب سے ہی تو ملاقات کا یہ موقع ہے، اگرچہ اپنے اہل خانہ اور بیوی سے جدا ہوا ہے لیکن اپنی محبوب ترین، عظیم اور کریم تر ذات اور عزیز ترین ہستی سے ملاقات کررہا ہے کہ دنیا میں ہمیشہ اسی کا طلبگار رہا، اس کی رضا جوئی اور ذکر وعبادت مشغول رہا، تو اس موقع پر تو اس کی مراد برآئی ہے، سعادت اور خوشی کا موقع ہے۔ اللہ کی قسم! اس سرور کا مقابلہ دنیا کی کوئی خوشی نہیں کرسکتی۔

اسی بناء پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: " اللھم اجعل یوم سروري یوم لقائك " (اے اللہ! اپنی ملاقات کے دن کو ہی میری خوشی کا دن بنادینا)

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " لیس للمؤمن راحة دون لقاء اللہ "۔

(اخرجه احمد فی الزهد)

(ایک مؤمن کیلئے اللہ کی ملاقات سے بڑھ کر راحت کا کوئی مقام نہیں)

صحیح میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[مَنْ اَحَبَّ لقاء اللہ اَحَبَّ اللہ لقاء ہ "۔

(جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرے تو اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم سب تو موت کو ناپسند کرتے ہیں؟! تو آپ نے فرمایا: یہ معاملہ نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ کہ جب مؤمن کی موت حاضر ہوتی ہے تو اُسے اللہ کی رضا اور اسکی جناب سے ملنے والی کرامت کی بشارت دی جاتی ہے، اس موقع پر اسکے سامنے اللہ

کی ملاقات سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوتی تو وہ اللہ کی ملاقات چاہتا ہے اور اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اور کافر کو موت کے وقت اللہ کی عذاب اور سزاؤں کی بشارت ملتی ہے تو اس موقع پر اسکے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ناپسند چیز نہیں ہوتی، تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ بھی اسکی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (مشکوۃ ۱/۱۳۹)

یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موت کے وقت مؤمن اپنے رب سے ملاقات کرتا ہے اور یہ ایک زبردست بشارت ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ مؤمن کی روح اسکے پیاروں اور عزیز و اقارب کی ارواح سے جاملتی ہے۔

جب بلال رضی اللہ عنہ قریب المرگ تھے تو انکی اہلیہ اُن پر غمگین تھیں، اس موقع پر بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

غداً نلقى الاحبة محمداً (ﷺ) واصحابه (رضى الله عنهم).

(کل کو ہماری ملاقات ہماری محبوب ترین ہستیوں یعنی محمد کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ہوگی)

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے انکی وفات کے قریب ارشاد فرمایا:

انك تقدمين على فرط صدق محمد ﷺ وابى بكر الصديق رضى الله عنه

(بے شک آپ تو اپنے بہترین پیشرو محمد ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس جارہی ہیں)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی مؤمن کی روح اوپر جاتی ہے تو مؤمنین کی روحیں اس سے ملاقات کرتی ہیں اور اسکو اللہ کی رضا و رحمت کی خوشخبری سناتی ہیں اور یہ بالکل ایسا ہی منظر ہوتا ہے جیسے دنیا میں کوئی دور رہنے والا آئے تو اسکا استقبال کیا جاتا ہے، پھر وہ روحیں اسکے اردگرد جمع ہوکر اُس سے سوالات کرتیں ہیں کہ فلاں کا کیا حال ہے؟ اور فلاں کا کیا بنا؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں اسے بھلائی پر چھوڑ کر آیا ہوں اور اللہ کی قسم وہ بہترین راستے پر چل رہا ہے تو وہ روحیں کہتی ہیں، اے ہمارے رب تو نے ہی اسے اس بات کی

توفیق بخشی ہے، اب موت تک اسے ثابت قدم رکھنا۔ اور اگر کسی ایسے انسان کا سوال کریں جو مر چکا ہو، تو نئی آنے والی روح کہتی ہے وہ تو مر چکا۔ تو وہ سابقہ ارواح کہتی ہیں: انا للہ وانا الیہ راجعون" اللہ کی قسم اسکا عمل ہمارے اعمال کے مطابق نہ تھا، لہٰذا راستہ مختلف ہونے کی وجہ سے منزل بھی مختلف ہوگئی، اللہ کی قسم اسکی گمراہی اسے جہنم کے گہرے گڑھے میں لے گئی ہے، وہ بہت برا ٹھکانہ اور بدترین انجام ہے۔

(ابن حبان: ۳۰۱۴) حاکم (۱۳۰۲) نسائی (۱۸۳۲) واسنادہ صحیح)

جبکہ مشکاۃ (۱/۱۴۲) میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ایک روایت ہے کہ جب مؤمن کی روح قبض ہونے لگتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لیکر آتے ہیں اور روح سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں: نکلو خوشیوں اور خوشبوؤں کی طرف، اور اپنے اس رب کی طرف جو تم پر ناراض نہیں ہے جبکہ تم اللہ پر راضی ہو اور اللہ تم پر راضی ہے۔

پھر رحمت کے فرشتے اس ریشمی کپڑے میں اسے ایک دوسرے کو تھماتے ہوئے آسمان کے دروازوں تک لے جاتے ہیں، آسمان والے کہتے ہیں کہ یہ کتنی بہترین خوشبو ہے جو تمہارے ہمراہ زمین سے آئی ہے، پھر وہ فرشتے اس روح کو مؤمنین کی ارواح کے پاس لے جاتے ہیں تو اس موقع پر اُن روحوں کو اتنی خوشی ہوتی ہے کہ جتنی دنیا میں کسی دور رہنے والے کی اچانک آمد پر بھی نہیں ہے پھر وہ جنتی روحیں اس سے سوال کرتی ہیں کہ فلاں اور فلاں کا کیا ہوا؟ تو وہ فرشتے بڑی محبت سے کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ دو، دنیا کے غموں سے ابھی چھوٹ کر آیا ہے۔ تو اگر وہ انکے جواب میں یہ کہے کہ وہ فلاں تو مر گیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ تو وہ روحیں کہتی ہیں: پھر تو وہ جہنم کے گہرے گڑھے میں جا پڑا ہے جو اسکا اصل ٹھکانہ ہے...... الحدیث۔

اس حدیث پر امام نسائی نے کچھ یوں باب باندھا ہے (یہ باب ہے اس کرامت اور عزت کے بیان میں جو مؤمن کو اسکی جان نکلتے وقت حاصل ہوتی ہے)

ایک مرسل حدیث میں ہے: "بے شک مؤمن کی مثال بھی اس بچے کی طرح ہے جو بھی

ماں کے پیٹ میں ہے، جب یہ پیٹ سے باہر آتا ہے تو روتا ہے لیکن جب ماں کی چھاتی سے لگ کر دودھ پیتا ہے تو اسے ایسا مزہ آتا ہے کہ دوبارہ لوٹنا نہیں چاہتا، اسی طرح مؤمن بھی موت کے وقت پریشان ہوتا ہے مگر جب اپنے رب کے پاس پہنچتا ہے تو دنیا میں واپس جانے کی رغبت نہیں رکھتا، جیسا کہ بچہ واپس جانے کو پسند نہیں کرتا۔

(ابن ابی الدنیا، وھو فی شرح الصدور ص : ۱۸)

ایک صحیح حدیث بھی اس روایت کی تائید کرتی ہے اور وہ کچھ یوں ہے:

"ان کل مؤمن لہ عند اللہ خیر، فانہ لا یتمنی الرجوع الی الدنیا الا الشھید" (رواہ النسائی وغیرہ)

(بے شک ہر وہ مؤمن جسکے لیے اللہ کے ہاں بھلائی ہو، وہ دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا نہیں کریگا سوائے شہید کے۔) (نسائی) (یہ روایت بالمعنی ہے)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(بے شک ایک مؤمن بندے پر جب دنیا سے انقطاع اور آخرت کی جانب کوچ کا مرحلہ آتا ہے تو آسمان سے روشن چہروں والے فرشتے اتر آتے ہیں جنکے چہرے سورج کی طرح چمکدار ہوتے ہیں، انکے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، حتی کہ تاحد نگاہ فرشتے ہی فرشتے بیٹھے ہوتے ہیں، پھر ملک الموت آتا ہے اور اسکے سر کے پاس کھڑا ہوکر کہتا ہے: اے مطمئن نفس! نکل اپنے رب کی مغفرت اور رضا کی طرف۔ تو وہ جان اس جسم سے یوں آہستگی سے بہہ کر نکلتی ہے جیسے مشکیزے سے قطرہ بہہ پڑتا ہے، پھر وہ فرشتے اسکی روح کو اس کفن اور خوشبو میں بسائے آسمانوں کی جانب چل پڑتے ہیں، ہر فرشتہ یہ خواہش کرتا ہے کہ میں اسے اٹھاؤں، ہر آسمان کے مقرب فرشتے اسکے ہمراہی ہوتے چلے جاتے ہیں حتی کہ ساتویں آسمان پر جا پہنچتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کی کتاب کو علیین میں لکھ دو۔ اور پھر اسکی روح اسکے جسم کی طرف لوٹادی جاتی ہے اور پھر اس سے سوالات ہوتے ہیں وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ، میرا دین اسلام اور میرے نبی محمد

ﷺ ہیں، اور پھر اسکا نیک عمل ایک خوبصورت چہرے والے آدمی کی شکل اختیار کر کے اسکا ساتھی بن جاتا ہے)(ملخصاً)(احمد، ابوداود، بیہقی)

اس حدیث میں بہت سی بشارتیں ہیں۔

اور یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مؤمن سے بہترین کستوری کی طرح کی خوشبو نکل کر اسکی قبر کو معطر کر دیتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب مؤمن کی روح قبض ہوتی ہے تو وہ بشارتوں کو دیکھتا ہے اور پکار اٹھتا ہے جبکہ اس کی پکار کو جن وانس کے سوا دنیا میں موجود ہر چھوٹا بڑا جانور سنتا ہے۔

مجھے ارحم الراحمین کی طرف جلدی لے چلو، جب اسے چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ تم کتنی سستی کیساتھ چل رہے ہو؟ پس جب اسے لحد میں اتارا جاتا ہے تو اس موقع پر اسے جنت میں اپنا ٹھکانہ اور اس میں موجود نازو نعمتیں دکھادی جاتی ہیں، تو وہ بول اٹھتا ہے: اے میرے رب! مجھے آگے لے چل۔ (یعنی جنت کی طرف) تو یہ کہا جاتا ہے کہ تیرے کئی بھائی اور بہنیں ہیں جو کہ ابھی تک تم سے نہیں مل پائے (یعنی ابھی زندہ ہیں یا فوت نہیں ہوئے) لہٰذا تم اپنی آنکھوں میں ٹھنڈک بھر کے سو جاؤ۔ یہ ایک اور بشارت ہے۔

صحیح میں ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک جنازے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: "مستریح او مستراح منه"۔ (یہ آرام اور راحت پانے والا ہے، یا اس سے راحت پائی گئی ہے) پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! اسکا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مؤمن دنیا کی تکلیفوں اور تھکاوٹوں سے راحت پاتا ہے اور اللہ کی رحمت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اور فاجر کی موت سے بندے، درخت، جانور اور علاقے راحت پاتے ہیں۔ (مشکاۃ ۱/۱۴۳)

مؤمن ان شاء اللہ اپنی قبر میں پہنچ کر دنیاوی مصائب، تکالیف اور تھکاوٹوں سے نجات پاکر راحت اور آرام میں ہوگا (اللهم اجعلنا منهم)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی پیاری اور مٹھاس بھری بشارت کا مصداق ہے:

﴿فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ، فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ، وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ، فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ﴾ (الواقعۃ/٨٧-٩٠)

پس اگر تو وہ روح مقربین میں سے ہوگی تو اسکے لیے راحت اور خوشبودار پھول اور نعمتوں بھری جنت ہے، اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہوئی تو کہا جائیگا: سلامتی ہو تجھ پر، تو دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے۔

یہ آیات اللہ تعالیٰ نے روح کے حلق کو پہنچ جانے کا تذکرہ کرنے کے بعد ارشاد فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے فوراً بعد یہ بشارتیں مؤمن کا استقبال کرتی ہیں۔

ابن ابی حاتم نے قتادہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ مؤمن موت کے وقت راحت چین اور خوشبودار پھولوں سے جا ملتا ہے۔

بکر بن عبید اور مجاہد فرماتے ہیں: تنزع روح المؤمن في حريرة من حرير الجنة"۔ (مؤمن کی روح قبض کرنے کے بعد اسے جنت کے ریشمی کپڑے میں رکھا جاتا ہے)

یہاں ایک اور بشارت بھی قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ اللہ اور فرشتوں کی جانب سے مؤمن پر سلام پیش کیا جاتا ہے۔

بیہقی اور حاکم نے محمد بن کعب القرظی سے نقل کیا ہے (اور حاکم نے اس روایت کو صحیح بھی کہا ہے) وہ فرماتے ہیں: جب مؤمن کی روح قبض ہونے کا وقت آتا ہے تو موت کا فرشتہ اسکے پاس آ کر کہتا ہے:" السلام عليك يا ولي الله ! الله يقرئك السلام"

اے اللہ کے ولی! تم پر سلام ہو، اللہ بھی تمہیں سلام کہتا ہے۔

پھر محمد بن کعب نے یہ آیت پڑھی: ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ﴾۔ (النحل/٣٢) (وہ لوگ جو پرہیزگار و پاک سیرت ہوتے ہیں جب فرشتے انکی روح قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں: تم پر سلام ہو)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (حم السجدۃ/٣٠)

(بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر وہ جم گئے تو اُن پر فرشتے نازل ہوتے

ہیں (اور کہتے ہیں) خوف اور نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اُس جنت پر جسکا تم وعدہ دیئے جاتے ہو)

زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں: یہ خوشخبریاں انہیں موت کے وقت، پھر قبر میں اور پھر روز محشر سنائی جائیں گی۔ ابن کثیر نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے اور یہی حق ہے۔ جبکہ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موت کے وقت فرشتے انہیں خوشخبری دیتے ہیں۔

عبداللہ بن عمرو ﷺ کے ایک اثر میں وارد ہوا ہے کہ بے شک فرشتے مؤمن کی روح کو لیکر اسکے رب کے پاس جاتے ہیں پھر پہلے فرشتے سجدہ کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں: اے ہمارے رب! یہ تیرا فلاں بندہ ہے ہم نے اسکی روح قبض کی ہے اور تو اسے زیادہ جانتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اسے سجدے کا حکم دو۔ تو وہ روح سجدہ ریز ہو جاتی ہے، پھر میکائیل کو بلا یا جاتا ہے اور اسے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ اس روح کو مؤمنین کی روحوں کیساتھ ملا دو......الحدیث (اخرجہ الطبرانی فی الکبیر مطولاً، کمافی شرح الصدورص:۲۳)

اور ایک صحیح حدیث کے الفاظ ہیں: "ان نسمة المؤمن تعلق من شجر الجنة حيث شاء ت"۔ (رواہ ابن ماجہ وغیرہ وہو فی المشکاۃ ۱/۱۴۴)

(بے شک مؤمن کی روح جنت کے درختوں سے جہاں چاہے چگتی پھرتی ہے)

یہ بہت پیاری خوشخبریاں اور بشارتیں ہیں۔

لہٰذا اے مؤمن بھائی! آپ پر کوئی خوف یا غم نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ آپ کو چاہیے کہ دنیا کی زندگی میں اپنے رب کی اطاعت اور نبی کریم ﷺ کی پیروی پر صبر کریں اور سفرِ موت کیلئے زادِ رہ تیار کریں، غفلت سے بچیں اور اس دارِ فانی کے عارضی مصائب پر مت گھبرائیں کیونکہ اللہ کی قسم یہ تو ایک زائل پذیر سائے کی طرح ہیں، یا گرمیوں کی ایک بدلی کی مانند ہیں جو عنقریب چھٹنے کو ہے، یا یہ سب دنیاوی معاملات امیدوں اور خوابوں جیسے ہیں جو انسان رات کو دیکھتا ہے اور صبح انکا اثر بھی باقی نہیں ہوتا۔ اور یقین جانئے کہ آخرت ہی جائے قرار اور حقیقی زندگی کا گھر ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
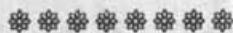
۱۴- چودھواں فائدہ

بندہ جنت میں اللہ کے پڑوس کا حقدار کیونکر ہوتا ؟

رسول اللہ ﷺ دنیا میں اسی لیے آئے کہ ہمیں دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعتوں کی طرف لے جائیں، غیر اللہ کی عبادت سے چھڑوا کر اللہ کی عبادت کا درس دیں، نفس اور ضمیر کی تاریکیوں سے یقین اور سنت کے نور کی جانب ہماری رہنمائی کریں تا کہ ہم جنت میں اللہ کے پڑوس کے اہل بن سکیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس پیارے نبی ﷺ کی جو سراپا رحمت اور ہدایت بنکر آئے، مکمل پیروی کریں اور آپکی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ایمان اور اسکے دلائل کا تذکرہ فرماتے تھے اور اس سلسلے میں اللہ کی کتاب لوگوں کو پڑھ کر سناتے تھے پھر لوگوں کو قرآن کریم کے حقائق سے روشناس کراتے، پھر قرآن کی تعلیم کیساتھ ساتھ اللہ کے بندوں کا رشتہ حکمت (حدیث) کے ساتھ بھی جوڑتے تھے، اور پھر درجہ بدرجہ کتاب اور حکمت کی تعلیم کے ذریعے انسان کا تزکیہ ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ انسان اس بات کے لائق بن جاتا ہے کہ کرامت والے گھر میں اللہ کا پڑوسی بن سکے۔ (كما قاله الراغب رحمه الله)

انسان کو چاہیے کہ پر حکمت باتوں کو سنے، کہے اور انکا مطالعہ کرے، علم، عمل اور دعوت کے میدان میں ان پر عمل پیرا ہو، حکمت کی مجالس میں شمولیت اختیار کرے، کیونکہ پر حکمت باتوں سے انسان کو نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ برائیوں سے بچاؤ اور بھلائیوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ (كما قاله ابن دريد رحمه الله - معالم)

جو ترتیب اوپر مذکور ہے اسی کے ذریعے یہ ممکن ہے کہ انسان اللہ رحمٰن کا پڑوسی بن سکے اور

وہ ترتیب کچھ یوں ہے:

آیات قرآنیہ کی تلاوت اور انکے معانی سیکھنا، انکی حکمتوں تک رسائی اور پھر اصل مقصود یعنی انکے ذریعے اپنا تزکیۂ نفس کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾.

(البقرۃ/۱۲۹)

((ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے دعا کی) اے ہمارے رب! بھیج ان لوگوں میں ایک رسول جو انہی کا ایک فرد ہو، وہ تیری آیات انہیں پڑھ سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انکا تزکیہ کرے، بے شک تو غالب، حکمت والا ہے)

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾۔(البقرۃ/۲۶۹)

(جسے اللہ چاہے حکمت سے نواز دیتا ہے، اور جو حکمت سے نوازا گیا تو تحقیق اسے خیر کثیر دیا گیا، اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے)

ان آیات میں اس بات کا اشارہ ہے کہ یقیناً حکمت بھلائی، تزکیہ اور پاکیزگی کا سبب ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
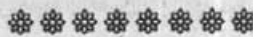
۱۵ - پندرھواں فائدہ

ایک مرتبہ مجھ سے سوال ہوا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے بعد اب کوئی یقینی طور پر یہ بات جان سکتا ہے کہ وہ جنتی ہے جبکہ وحی کا سلسلہ بھی اب منقطع ہو چکا ہے؟

جواباً میں کہونگا کہ (اللہ مجھے درست بات کہنے کی توفیق دے) جی ہاں کچھ ایسی صفات اور معاملات ہیں جنہیں قرآن وحدیث میں ذکر کیا گیا ہے انکی روشنی میں جنتی کو پہچاننا ممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ...... الآيات﴾

(المؤمنون/۱/۴) (یقیناً وہ مؤمن کامیاب ہو گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع وخشوع اختیار کرتے ہیں، اور جو فالتو باتوں سے اعراض کرتے ہیں، اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں)۔

ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ، الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾۔ (المؤمنون/۱۰)

(یہی لوگ ہیں جو جنت الفردوس کے وارث بنیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اور وہ شخص جو اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور بلوغت اور چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے رب کی مزید عبادت کرتا ہے، جسکے بارے میں فرمایا:

﴿حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِىْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِىْ فِىْ ذُرِّيَّتِىْ اِنِّىْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِىْ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِىْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ﴾ (الاحقاف/۱۶)

(حتی کہ جب یہ (انسان) اپنی قوتوں کو پہنچتا ہے اور چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے:

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی ہیں اور وہ نیک عمل کرنے کی توفیق دے جو تجھے پسند ہو، اور میرے لیے میری اولاد کو درست کر دے، بے شک میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جنکے بہترین اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں، اور انکی خطاؤں سے درگزر کرتے ہیں، یہ اہل جنت میں شامل ہیں، یہ سچا وعدہ ہے جو دنیا میں انہیں دیا جاتا تھا)

ترمذی اور بیہقی کی ایک روایت میں (جسے بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے جیسا کہ مشکوۃ (۲/۴۲۵) میں موجود ہے) ابو ہریرہ ﷛ سے منقول ہے: کچھ لوگ بیٹھے تھے کہ نبی کریم ﷺ انکے پاس آ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میں تمہیں تم میں سے بہترین اور بدترین شخص کے بارے میں خبر نہ دوں؟ صحابہ خاموش رہے آپ ﷺ نے تین دفعہ یہ بات ارشاد فرمائی حتی کہ ایک شخص بولا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! ہمیں ہمارے بہترین اور بدترین شخص سے آگاہ کیجئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:" خیر کم من یرجی خیرہ ویؤمن شرہ، وشر کم من لا یرجی خیرہ ولا یؤمن شرہ"۔

(تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس سے بھلائی کی امید کی جائے اور اسکے شر سے بچنے کا اطمینان ہو، اور تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ رکھی جائے اور جسکے شر سے بچنے کا اطمینان نہ ہو) (یہ صحیح حدیث ہے)

اے اللہ کے بندے! اس حدیث میں مذکور بہترین شخص کے اوصاف سے متصف ہو جایئے۔

ابن ماجہ نے اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:" الا انبئکم بخیارکم؟۔ کیا میں تمہیں تمہارے بہترین افراد سے آگاہ نہ کردوں؟ صحابہ ﷡ نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا:" خیارکم اذا رأوا ذکر اللہ "تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں کہ جب

انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے) (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اور یہ اس وقت ممکن ہے جب بندہ اللہ کی دوستی، اسکی محبت، اسکے ذکر اور اسکی طرف دعوت کو اپنا معمول بنالے۔

احمد اور بیہقی نے شعب الایمان (۷/۴۹۴) میں حسن سند کیساتھ عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" خیار عباد الله الذین اذا رأوا ذکر الله، وشرار عباد الله المشاؤون بالنمیمة المفرقون بین الأحبة، الباغون البراء العنت"

(اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آ جائے، اور اللہ کے بندوں میں سے بدترین وہ ہیں جو چلتے پھرتے ہر وقت چغلی کرتے ہیں، باہم محبت کرنیوالوں میں جدائی ڈالتے ہیں، نیک اور صالح لوگوں پر بہتان تراشی کرتے اور انہیں مشقت میں ڈالتے ہیں)

(احمد اور دارمی نے ابو بکرہ ﷺ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول! سب سے بہتر کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:" من طال عمره وحسن عمله" (جس شخص کی عمر لمبی اور عمل صالح ہو)

پھر سائل نے پوچھا: سب سے برا شخص کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:" من طال عمره وساء عمله"۔ (جسکی عمر لمبی اور عمل بد ہو) (اور یہ حدیث صحیح ہے)

ترمذی نے انس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اذا اراد الله بعبد خیراً استعمله، فقیل : وکیف یستعمله یارسول الله! قال : یوفقه لعمل صالح قبل الموت" (واسناده صحیح)۔

(جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرے تو اسے استعمال کرتا ہے، پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ اس طرح کہ اسے موت سے پہلے نیک عمل کی توفیق دے دیتا ہے) (اس حدیث کی سند صحیح ہے)

مسلم نے اپنی صحیح میں صہیب ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

"عجباً لامر المؤمن ان امره كله له خير، وليس لأحد الا للمؤمن، ان اصابته سراء شكر، فكان خيراً له، وان اصابته ضراء صبر فكان خيراً له"۔

(مؤمن کا معاملہ بڑا ہی عجیب ہے، وہ یوں کہ اسکے لیے ہر معاملے میں خیر ہی خیر ہے، جبکہ یہ خصوصیت مؤمن کے علاوہ کسی کی نہیں، اگر مؤمن کو خوشی پہنچے تو شکر بجالاتا ہےاور یہ اسکے لیے بہتر ہے، اگر اسے دکھ پہنچے تو صبر کرتا ہےاور یہ بھی اسکے لیے بہتر ہے)

اسی طرح مسلم نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (بے شک جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہےاور فرماتا ہے: بے شک میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، لہٰذا جبریل بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر جبریل آسمانوں میں ندا لگاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اُس سے محبت کرو، لہٰذا آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر زمین میں بھی اسکی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے نفرت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں، تو بھی اس سے نفرت کر، اور پھر جبریل بھی اس سے نفرت کرنے لگتا ہے، پھر آسمان والوں میں ندا لگاتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں سے نفرت کرتا ہے، تم بھی اس سے نفرت کرو، لہٰذا آسمان والے بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اور پھر زمین میں بھی اسکے لیے نفرت رکھ دی جاتی ہے)

اگر ایمان والے آپ سے محبت کرتے اور آپکی تعریف کرتے ہیں تو خوش ہو جائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بھی آپ سے محبت کرتا ہے، اور اس نعمتِ عظمٰی پر اللہ کا شکر ادا کیجئے، اور اگر ایمان والے آپ سے بغض رکھتے اور آپکی مذمت کرتے ہیں تو اپنے آپ کو ہی ملامت کیجئے اور اللہ کے حضور توبہ و استغفار کیجئے، گویا کہ یہ ترازو ہے جسکے ذریعے آپ اپنی قدر ومنزلت پہچان سکتے ہیں۔

ابن ماجہ نے صحیح سند کیساتھ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اهـل الـجنة من ملأ الله أذنيه من ثناء الناس خيراً، وهو يسمع، واهل النار من ملأ أذنيه من ثناء الناس شراً، وهو يسمع (الصحیحہ ۴/۳۲۰)

(اہل جنت وہ لوگ ہیں جنکے کانوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی اچھی تعریف سے بھر دیتا ہے اور وہ اس تعریف کو خود سنتے ہیں، جبکہ جہنم والے وہ ہیں جنکے کانوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی بری تعریف سے بھر دیتا ہے اور وہ اس مذمت کو خود سنتے ہیں)

یعنی جنتیوں کی ایمان والوں کے پاس قدر و منزلت اور تعریف و توصیف جبکہ جہنمیوں کی بے قدری اور مذمت و ملامت ہوتی ہے۔

ابن ماجہ نے صحیح سند کیساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کیونکر معلوم ہوگا کہ میں نے اچھا عمل کیا ہے یا بُرا؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم نے اچھا کیا، تو سمجھ کہ تم نے اچھا کیا، اور جب وہ کہیں کہ تم نے بُرا کیا تو تحقیق تم نے برا ہی کیا۔

یہ ایک اور پیمانہ ہے جسکے ذریعے آپ اپنی صحیح معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح مسلم میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اهل الجنة ثلاثة : ذو سلطان مقسط متصدق موفق، ورجل رحيم رقيق القـلـب لـكـل ذي قـربـى ومسـلـم، وعفيف متعفف ذو عيال، واهل النار خـمـسـة : الـضـعـيف الـذي لا زبـرْ لـه – لا عقل له– الذين هم فيكم تَبَعْ لا يَبْغُوْنَ اَهْلاً ولا مـالاً ، والـخـائـن الذي لا يخفى له طمع وان دَقّ اِلّا خَانَهُ، ورجـل لا يـصـبـح ولا يـمـسـي الا وهو يخادعك عن اهلك ومالك، وذكر البخل أو الكذب، والشِّنْظِيْر الفَحَّاش"

(تین قسم کے لوگ جنتی ہیں، ایک تو انصاف پسند حاکم ہے جو صدقہ خیرات کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے توفیقِ خاص کا حامل ہے، دوسرا وہ شخص جو ہر قریبی رشتہ دار اور مسلمان کیلئے مہربان اور نرم دل ہے، تیسرا وہ عزت دار شخص جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور اہل وعیال کا ذمہ اٹھانے والا ہے۔

اور پانچ قسم کے لوگ جہنمی ہیں: ایک تو وہ کمزور اور ناتواں شخص جو بے عقل ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اہل وعیال اور مال واَسباب کی طمع نہیں رکھتے، بلکہ دوسروں کے پیچھے پھرتے رہتے ہیں، دوسرا وہ خائن جسکی خیانت کسی پر مخفی نہیں رہتی، کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ ہو لیکن یہ شخص اس میں بھی خیانت کرتا ہے، تیسرا وہ شخص جو صبح شام آپکے اہل اور مال کے حوالے سے آپکو دھوکہ دیتا ہے، چوتھے شخص کی جگہ پر آپ ﷺ نے بخیل یا جھوٹے کا ذکر کیا، پانچواں بداخلاق اور فحش گوئی کرنیوالا)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند (۴/۳۰۶) میں حارثہ بن وہب الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" الا اخبركم باهل الجنة كل ضعيف متضعف، لو اقسم على الله لأبره، الا اخبركم بأهل النار، كل جواظ جعظرى مستكبر"۔

(کیا میں تمہیں جنت والوں کی خبر نہ دوں؟ وہ تمام لوگ جو کمزور سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ اگر یہ اللہ پر قسم بھی اٹھائیں تو اللہ انکی لاج رکھتا ہے، کیا میں تمہیں جہنم والوں کی خبر نہ دوں، ہر وہ شخص جو بداخلاق، پیٹو اور متکبر ہے)

جَوَّاظ کا معنی سختی کرنیوالا ترش رو، اور جَعْظَرِی کا معنی یا تو دنیا کا مال جمع کر کے دوسروں سے روکنے والا یا پھر سخت مزاج اور موٹا پیٹو ہونا۔

امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک (۱/۶۱) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" الا انبئكم باهل الجنة المغلوبون الضعفاء، وأهل النار كل جعظرى جواظ

مستكبر" (الصحيحة ٢/٦٤٠)

(کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں بتلاؤں؟ یہ وہ لوگ ہے جو دنیا میں مغلوب اور کمزور ہیں، اور کیا میں تمہیں اہل جہنم کی خبر بھی دوں؟ ہر وہ شخص جو پیٹو، ترش رو و بداخلاق اور متکبر ہے)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

" ألا انبئكم بأهل الجنة؟ الضعفاء المظلومون، ألا انبئكم بأهل النار؟ كل شديد جعظرى " (الصحيحة ٢/٦٤١)

(کیا میں تمہیں جنتیوں کے بارے میں بتلاؤں؟ یہ کمزور اور مظلوم لوگ ہیں کیا میں تمہیں جہنمیوں کی خبر دوں؟ ہر سختی کرنیوالا پیٹو)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" ألا أخبركم بمن يحرم على النار وبمن تحرم النار عليه؟ على كل هين قريب سهل " (رواہ احمد والترمذی، وقال: حدیث حسن)

کیا میں تمہیں اُس شخص کی خبر دوں جو آگ پر حرام اور آگ اس پر حرام ہے؟ ہر وہ شخص جو خود کو ایک معمولی فرد سمجھتا ہے، لوگوں کے قریب تر رہتا ہے اور لوگوں پر بوجھ نہیں بنتا (بلکہ آسانیاں مہیا کرتا ہے نرم اخلاق کا مالک ہے) تو ایسے شخص پر آگ حرام ہے) (احمد، ترمذی)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁
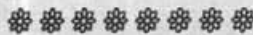
۱۶- فائدہ

نفس تین قسم کے ہوتے ہیں

۱-شریف، عالی ہمت اور خوددار نفس۔

۲-حیوانی، عصبیت رکھنے والا نفس جسکی طبیعت میں تکبر اور احساس بڑائی ہو۔

۳-خواہشات کا شکار نفس جو جانوروں کی سی صفات رکھتا ہو۔

پہلا وہ نفس ہے جسکے ارادے اور محبتیں حقائق کی معرفت اور فضائل کے اکتساب کیساتھ وابستہ ہوں، جو بڑے اور بلند عزائم کا حامل ہو اور اپنے سامنے بڑے مقاصد رکھتا ہو، پھر اس نفس کی بھی کئی انواع ہیں:

۱-بعض وہ نفوس ہیں جو علم شرعی کی طلب اور محبت میں مشغول ہیں۔

۲-بعض وہ ہیں جو خاص عبادات میں مصروف عمل ہیں۔

۳-بعض پر دعوت الی اللہ اور حق کو ڈنکے کی چوٹ پر ادا کرنیکا فریضہ غالب ہے۔

۴-بعض فکرِ آخرت اور عذاب سے نجات کی کوشش میں سرگرداں ہیں۔

۵-سب سے اعلیٰ پائے کا نفس وہ ہے جسکے ارادے اور چاہتیں اپنے خالق و مالک کی جانب متوجہ ہیں۔

یہ نفس ہمیشہ اللہ کے قرب و محبت کی تلاش میں رہتا ہے اور اس دل کا تزکیہ اور اصلاح اسکا نصب العین ہے کہ جس دل میں اللہ کی محبت اور ایمان جگہ پاتے ہیں، یہ اپنے محبوبِ اعلیٰ کی محبت کے حصول میں مضطرب رہتا ہے، اسے اللہ کے ذکر، اسکی کتاب کی تلاوت اور عبادات و ادعیہ کے سوا کہیں سکون اور قرار نہیں آتا، اسکے تڑپتے دل کو اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر ہی چین ملتا ہے، اسکا دل اپنے خالق و مالک کی محبت سے لبریز اور اسکے

نورِ جمال سے منور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾۔(النور/۳۵)

((مؤمن کے دل میں موجود) اُس (اللہ) کے نور کی مثال اس طاقچے کی طرح ہے جس میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشے میں، اور شیشہ گویا کہ روشن ستارہ، جلایا جائے وہ چراغ زیتون کے بابرکت درخت (کے تیل) سے، نہ شرقی نہ غربی، اور اسکا تیل ایسا کہ گویا خود ہی چمک پڑے اگر چہ اسے آگ نہ ہی چھوئے، نور علی نور (سراسر روشنی) ہے، رہنمائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جسکی چاہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب واقف ہے)

تدبر کیجئے! کیا آپ بھی اسی روشن نفس کے مصداق ہیں؟

اگر آپ اس نفس کے مصداق ہیں تو اپنے رب کا شکر ادا کریں اور نہیں تو پھر آپکی عقل اور وہ ایمان کہاں ہے جسکے آپ دعویدار ہیں؟ اور آپکا وہ علم کہاں گیا جس پر آپکو فخر ہے؟۔

اس نفس کی علامت یہ ہے کہ یہ خلوت باللہ کو پسند کرتا ہے اور بغیر کسی دینی یا دنیاوی ضرورت کے لوگوں سے میل جول اور اختلاط کو پسند نہیں کرتا، اور اسکی علامتوں میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اپنا وقت ضائع نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ نیک اعمال میں مصروف رہتا ہے، ایک عمل سے فارغ ہوکر دوسرے عمل کی جانب گامزن، اور اسکے باوجود اپنے اعمال پر مطمئن اور خوش نہیں ہوتا بلکہ اسکی خواہش ہوتی ہے کہ اسکا دل استقامت کے حوالے سے پہاڑ کی طرح مضبوط ہو، اسکی آنکھیں آنسوؤں سے یوں بہیں جیسے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی عبادت کیلئے اسے چٹانوں کی سی قوت حاصل ہو، تمام لوگ اسکی نظر میں اپنی کوتاہوں کی بناء پر ناپسندیدہ قرار پاتے ہیں سوائے انبیاء اور اللہ کے خاص بندوں کے اسکی نظروں میں کوئی نہیں جچتا، اور

خود اپنے اوپر اسکی ناراضگی سب سے بڑھ کر ہوتی ہے، ہمیشہ خود کو اللہ کے حقوق میں کوتاہی پر ملامت کرتا اور ذہنی انتشار رہتا ہے۔

اور اسکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اپنے آپ سے سوءِ ظن اور دوسروں کے متعلق حسنِ ظن رکھتا ہے، لیکن اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اسکے لطف و کرم سے مایوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ مہربان مالک ہے۔

اور اس نفس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ ان علوم کی تحصیل می مگن رہتا ہے جو رب العالمین تک پہنچنے کا ذریعہ، نفس کے تزکیہ اور دل کی اصلاح کا باعث ہیں، اور ہر اس چیز سے اجتناب کرتا ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی ہے انہی میں موبائل فونز، کمپیوٹرز، دنیاوی مصروفیات اور بلا فائدہ ملاقاتیں شامل ہیں۔ ان سب چیزوں سے بچنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ نفس اللہ کی یاد اور اسکی کتاب میں تدبر کرنے میں اتنا مصروف ہوتا ہے کہ اس کے پاس فالتو وقت ہی نہیں بچتا۔

تو اے پیارے مسلمان بھائی! کیا آپکی بھی یہی کیفیت ہے؟

اگر آپ کی کیفیت یہی ہے تو آپ عظیم نعمت میں ہیں اور نفس مطمئنہ کے مالک ہیں اور اگر نہیں تو پھر اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس کی فکر کیوں نہیں کرتے ہیں اور اپنے خالق کی طرف پلٹنے میں تاخیر کس بات کی؟

عصبیت اور عناد والا نفس :

اس نفس کی تمام چاہتیں دنیاوی مناصب سے متعلق ہوتی ہیں یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس سے نیچی آواز میں بات کریں، مال میں اس سے کمتر ہوں، لوگ خادم اور یہ مخدوم ہو، اسکی شہرت کا ڈنکا دنیا میں بجے، اللہ کے بندے اسکے سامنے جھک جائیں اور نتیجتاً فساد دنیا میں پھیل جائے۔

اور اس نفس کی علامت یہ ہے کہ یہ حق کو قبول کرنے کے بجائے اسے ٹھکرا دیتا ہے لوگوں کو حقیر جانتا ہے، اور تواضع اختیار نہیں کرتا ہے، اپنی تعریف میں رطب اللسان ہے، اپنے

حقوق کی جنگ تو لڑتا ہے لیکن دوسروں کے حقوق اور انکی ادائیگی کی پرواہ نہیں کرتا۔

اور انکی طبیعت میں غیبت، بہتان تراشی، مسلمانوں کی تحقیر واہانت، برے اخلاق، لوگوں کو معاف نہ کرنا، ان پر رحم نہ کھانا، سختی، جبر، تکبر، دنیاوی علو اور بڑائی کی طلب اور نشر فساد جیسی بدترین صفات پائی جاتی ہیں جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (القصص/۸۳)

(یہ آخرت کا گھر اُن لوگوں کیلئے ہے جو زمین میں بڑائی اور فساد نہیں چاہتے، اور بہترین انجام متقین کیلئے ہے)

یہ نفس اتنا سخت دل ہوتا ہے کہ اگر اسباب کی کمزوری نہ ہوتی تو اسکا طرزِ عمل بالکل فرعون جیسا ہوتا لیکن اپنی بعض کمزوریوں کی بناء پر اسکے بعض بدترین اخلاق آشکار نہیں ہوتے۔

یہ سخت دل نفوس اس لائق ہیں کہ انہیں جہنم کی آگ سے پگھلایا جائے، جہنم کی آگ ہی ایسے دلوں کو پگھلانے کیلئے ہے جو اللہ کے ذکر سے غافل اور سخت جامد ہو چکے ہیں۔

ایسے دلوں میں ایمان کا داخل ہونا ناممکن ہے ﴿ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴾ کیونکہ ﴿ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴾ (الحاقۃ/۳۴)

(یہ مسکینوں کو کھانا کھلانے پر نہیں ابھارتے)

یعنی اپنے دل کی سختی کی بناء پر دوسروں کی فکر نہیں کرتے۔

حدیث میں آتا ہے: " لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر ولا يدخل النار من كان في قلبه مثقال ذرة من ايمان " (رواه مسلم)

(جسکے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور جسکے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے وہ جہنم میں داخل نہ ہوگا)

ایسے نفوس سے پھیلنے والا شر بہت زیادہ ہے جبکہ خیر قلیل بلکہ ناپید ہے اور یہی نفس امارہ بالسوء" (برائیوں پر ابھارنے والا نفس) ہے۔ اگر آپ اسی نفس کے حامل ہیں تو اپنے رب کے حضور

توبہ کیجئے اور جلد از جلد اسکے علاج کی فکر کیجئے، اسے اسکی سرکشی سے روکئے، اور اپنے خالق کی عبادت کے ذریعے اسکے تکبر کو توڑیئے۔ اور اگر آپکا نفس ایسا نہیں تو اللہ کا شکر ادا کیجئے۔

شہوات کا غلام نفس

اسکی تمامتر چاہتیں دنیاوی لذتوں کے حصول پر مرکوز رہتی ہیں، اسکی محبت کا مرکز صرف عورتیں، کھانا پینا اور انواع واقسام کا لباس ہیں اور اسکی تمامتر فکر کا تعلق پیٹ اور شرمگاہ سے ہوتا ہے اور یہ ایسا پست ہمت ہے کہ مذکورہ چیزوں میں سے کچھ مل جائے تو سمجھتا ہے کہ خوشیوں کا خزانہ ہاتھ لگ گیا اور نہ ملے تو غضب ناک ہو جاتا ہے اور ان چیزوں کے حصول کیلئے ہر گھٹیا حرکت کرتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے: " سیکون رجال من امتی یاکلون ألوان الطعام ویشربون ألوان الشراب، ویلبسون الوان الثیاب ویتشدقون في الکلام، أولئك شرار امتي" (الصحیحة ٤/٥١٢)

(عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو انواع واقسام کے کھانے کھائیں گے، انواع واقسام کے کے مشروبات پئیں گے، انواع واقسام کے لباس پہنیں گے، اور باچھیں کھول کر باتیں کریں گے۔ یہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں) (الصحیحہ)

جبکہ کنز العمال (۳۱۱۸۶) میں ایک روایت کے الفاظ ہیں: " یأتي علی الناس زمان همتهم بطونهم وشرفهم متاعهم وقبلتهم نساؤهم ودینهم دراهمهم ودنانیرهم أولئك شرار الخلق لا خلاق لهم عند الله" (اخرجه السلمي عن علي)

(لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئیگا کہ لوگوں کی تمام فکر اور کوشش پیٹ تک محدود ہوگی، اور انکے نزدیک عزت اور شرف کا ذریعہ مال ومتاع ہوگا، انکا قبلہ انکی عورتیں ہونگی، انکا دین صرف درہم اور دینار ہی ہونگے۔ یہ بدترین مخلوق ہیں، اللہ کے پاس انکا کوئی حصہ نہیں)

بعض لوگ نیند کو عیاشی سمجھتے ہیں اور خوب نیند کے مزے لیتے ہیں، جبکہ بعض کی خواہش پارکوں اور باغات کی سیر کرنا ہے،

بعض اپنے دوستوں اور یاروں کی صحبتوں میں مگن ہیں تو بعض اپنی منکوحہ یا لونڈی کیلئے تمام تر وقت وقف کئے ہوئے ہیں جبکہ بعض کی مصروفیت کھانا اور پینا ہے۔ ان لوگوں نے دنیا کی سب سے میٹھی چیز کا مزا ہی نہیں چکھا جیسا کہ مالک بن دینار رحمہ اللہ نے فرمایا:

" خرج مفالیس الدنیا ولم یذوقوا حلاوۃ ما فیھا، قیل: وما ھو؟ قال: معرفة الله عزوجل " (تحفة العلماء).

(دنیا کے مفلس مرکھپ گئے لیکن انہوں نے دنیا کی مٹھاس کو چکھا تک نہیں، پوچھا گیا کہ دنیا کی مٹھاس کیا ہے؟ تو فرمایا: اللہ عزوجل کی حقیقی معرفت ہی دنیا کی مٹھاس ہے)

گذشتہ باتوں کا یہ معنی بھی نہیں کہ انسان اپنی خواہشات کا سرے سے گلا گھونٹ دے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ خواہشات کو کنٹرول کرے، معتدل بنائے، انکا درست استعمال کرے اور خواہشات کا غلام نہ بنے ورنہ جائز خواہشات کو اعتدال کیساتھ پورا کرنے کی کوئی ممانعت نہیں اور نہ ایسا ممکن ہے۔

آپ ﷺ کو اپنی امت کے متعلق خواہشات کے غلط استعمال کا خوف تھا آپکا فرمان ہے: " ان مما اخشى عليكم شهوات الغني في بطونكم وفروجكم ومضلات الهوى " (اخرجه احمد: ۱۹۲۷۳ عن ابی برزة الاسلمي واسناده صحيح وهو في المجمع (۱/۱۸۸) (بے شک جن چیزوں کا میں تم پر خوف رکھتا ہوں ان میں سے تمہارے پیٹوں اور شرمگاہوں کی شہوات اور گمراہ کن خواہشات بھی ہیں) (احمد)

جان لیجئے کہ انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو کنٹرول کرتا ہے جبکہ حیوان ہر طرح سے خواہشات پوری کرتا ہے اگر انسان بھی ایسا کرے تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا آپ پر لازم ہے کہ ہر اس شہوت سے بچیں جو آپکے دین کو بگاڑ دے، یا آپکی عزت کو خراب کرے، یا آپکا وقت برباد کرے یا آپکے اخلاق کو تباہ کردے، اور اگر کسی خواہش کو پورا کرنے میں یہ نقصانات نہیں تو آپکے لیے جائز ہے کہ اس کو حاصل کریں اور فائدہ اٹھائیں۔

۱۷- فائدہ

نفوس اپنی صفات کے اعتبار سے بہت سی اقسام پر مشتمل ہیں

۱-فرشتوں جیسا نفس۔
۲-درندوں جیسا نفس
۳-جانوروں اور چوپایوں جیسا نفس
۴-نفسِ متسولہ یعنی برائیوں کو مزین کرنیوالا
۵-نفس امارہ بالسوء یعنی برائیوں پر ابھارنے والا
۶-لوامہ گناہوں پر ملامت کرنے والا
۷-مُطمئنہ۔
۸-پاکیزہ نفس۔
۹-جھگڑالو نفس
۱۰-حسرتیں کرنیوالا نفس
۱۱-محاسبہ کرنیوالا نفس
۱۲-دھوکے باز نفس
۱۳-ظالم اور جاہل نفس

اور پھر ان تمام صفات کا ماحاصل تین اقسام کے نفوس ہیں:

۱- اَمَّارَہ بِالسُّوْءِ.   ۲- لَوَّامَہ.   ۳- مُطْمَئِنَّہ

نفسِ امّارہ وہ ہے جو ہر قبیح چیز کو مزین کر کے پیش کرتا ہے، سستی اور بے کاری کو پسند کرتا ہے، بے فائدہ اور فحش باتوں اور برے اخلاق کا دلدادہ ہے۔

اسکی طبیعت میں آرام طلبی، بے فائدہ مصروفیات اور اللہ کی عبادت اور ذکر سے بے رغبتی پائی جاتی ہے۔

اسکا علاج یہ ہے کہ شہوات اور خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے مثلاً:

۱- پُرفتن جگہوں سے دور رہنا ضروری ہے کیونکہ ایسی جگہ پر جانے کے بعد صبر کرنا مشکل ہو جاتا ہے

۲- بُری صحبتوں اور شریر لوگوں سے دور رہا جائے اور انکے مقابلے میں صالحین کی صحبت اختیار کی جائے یہ انتہائی مؤثر اور بہترین علاج ہے اسی لیے بہت سی نصوص اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

۳- اپنے نفس کو صبر کی تعلیم دیجئے اور اس میں درجہ بدرجہ آگے بڑھیں کیونکہ ایک ہی مرتبہ تمام خواہشات کو ترک کرنا ممکن نہیں اسی لیے حدیث میں آتا ہے:" **ومن يتصبر يصبره الله، ومن يستغنِ يغنه الله، ومن يتحر الخير يعطه، ومن يتوق الشر يوقه، والحلم بالتحلم والعلم بالتعلم**" (الصحيحة ۱/۶۰۵،رقم : ۲۴۲)

(جو شخص صبر کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے صابر بنا دیتا ہے اور جو لوگوں سے بے پرواہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے لوگوں سے بے پرواہ کر دیتا ہے، اور جو خیر کو تلاش کرتا ہے وہ خیر سے نوازا جاتا ہے، جو شر سے بچتا ہے وہ بچا لیا جاتا ہے، حلم اور بردباری برداشت کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور علم سیکھنے سے ہی آتا ہے) (الصحیحہ)

اس حدیث میں کہا گیا ہے کہ جو شخص صبر کی کوشش کرے یعنی اپنے نفس کو آہستہ آہستہ اسکا عادی بنائے تو اللہ رب العزت اسے صابر بنا دیتا ہے اور یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

۴- **نفس امارہ** کی اصلاح کیلئے اسے جنت کا وعدہ دیا جائے اور ان نعمتوں کو بیان کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے شہوات کو ترک کرنیوالے متقین کیلئے تیار کی ہیں شاید کہ اس طرح یہ کچھ فکر کرے اور درستی و نیکی کی طرف پلٹ آئے۔

۵- ان لوگوں کے انجام پر غور کیا جائے جو شہوات و خواہشات کے پیرو کار تھے، وہ لوگ

کس طرح ذلیل اور تباہ ہوئے، دنیا وآخرت کی ناکامی انکا مقدر بنی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خواہشات کی پیروی کیلئے پیدا نہیں کیا بلکہ اپنی عبادات کیلئے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ اپنی خواہشات وشہوات سے باز آجائیں۔

۶- سرکشی اور ضد پر اپنے نفس کی اصلاح کیلئے علم اور ایمان کے ذریعے نصیحت کا اہتمام کیجئے، اگر باز نہ آئے تو روزے اور قلتِ طعام کے ذریعے اسے جھکائیے ان شاء اللہ یہ نفس اس طرح سے قابو میں آجائے گا۔

اور یہ بات بھی اسکے علاج میں شامل ہے کہ موت کو یاد کیا جائے اور موت کے بعد والے مرحلوں مثلاً قبر، حشر اور حساب وکتاب وغیرہ پر تدبر کیا جائے یہ بات بھی نفوسِ شریفہ کیلئے انتہائی مفید ہے۔

۲- نفس لوامہ : یہ وہ نفس ہے جو انسان کو برے عمل پر ملامت کرتا ہے، بے فائدہ کاموں اور وقت کے ضیاع پر بھی ڈانٹتا ہے۔

حسن رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ مؤمن کا نفس ہے جو اسے ملامت کرتا ہے کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ اور ایسا کیوں کہا؟ یہ کیوں کھایا؟ فلاں جگہ کیوں گیا؟ فلاں جگہ سے کیوں نکلا؟

یہ بہترین نفس ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسکی قسم اٹھائی ہے:

﴿ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴾۔(القیامة / ۲)

(اور میں ملامت کرنیوالے نفس کی قسم اٹھاتا ہوں)

اور اس نفس کی مزید بہتری کیلئے قوتِ یقین کی ضرورت ہے یعنی اس بات کا پختہ یقین کہ اعمال کا بدلہ ملنے والا ہے، عمل خواہ ایک ذرے کے برابر ہو لیکن اگر اچھا ہے تو اچھا بدلہ اور اگر بُرا ہے تو بُرا بدلہ ملنے والا ہے اور اس بات کا یقین کہ گناہ بھی اپنے بُرے اثرات کے اعتبار سے انتہائی زہریلے اثرات رکھتے ہیں یہ بھی سانپ اور بچھو ہیں اور کیمیائی بموں کی طرح بلکہ اُن سے بھی زیادہ تباہ کن ہیں، جب یہ یقین پیدا ہو جائیگا تو یہ نفس اللہ کی طرف مزید رجوع کریگا اور گناہوں سے اور زیادہ بچنے کی کوشش کریگا۔

اور اس بات کا بھی پختہ یقین اپنے دل میں بٹھا لیجئے کہ نفس کا ہر اُس عمل پر حساب ہوگا جو اُس نے آگے بھیجا یا پیچھے چھوڑا، جو کچھ کھایا یا پیا، جو کچھ کہا یا غور کیا۔ غرض ہر عمل کا محاسبہ ہونے والا اور یہ کہ اللہ کا حساب بہت سخت ہے۔ جس شخص کے حساب میں اس نے مناقشہ کیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح ان شاء اللہ عنقریب ہی آپکا نفس نفسِ لوامہ سے ترقی پا کر مطمئنہ بن جائیگا۔

نفسِ مطمئنہ : یہ وہ نفس ہے جو اللہ عز و جل اور اسکی ملاقات پر صدقِ دل اور پختہ یقین کیساتھ ایمان لا چکا ہے اور اسکا سینہ اس ایمان کیساتھ ٹھنڈا ہو چکا ہے لہٰذا یہ نفس اللہ کے ذکر، اسکی محبت، اسکے اسماء وصفات پر مطمئن ہو چکا ہے اور اللہ کی اطاعت پر رضا مند ہو کر اپنے اوقات کو اللہ کی عبادت کیساتھ آباد کر چکا ہے، یہ نفس نہ تو سحری کے وقت اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے اور نہ فجر کے وقت، اور نہ ہی باقی اوقات میں۔

اور ہر قسم کے فساد سے اجتناب کرتا ہے، دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا، اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز پر مطمئن اور راضی نہیں ہوتا اور اللہ کے قرب کے علاوہ کسی کا قرب نہیں چاہتا۔ ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾

(سن لو! صرف اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)

﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (الرعد/ ۲۸)

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکے دل اللہ کی یاد پر مطمئن ہوتے ہیں)

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس نفس کی موت اور حساب کتاب کے دن اس سے فرمائے گا:

﴿ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ ﴾ (الفجر/ ۲۷)

(اے مطمئن نفس! پلٹ اپنے رب کی طرف)

رب تعالیٰ نے اس نفس کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے کیونکہ یہ نفس بھی اللہ کی طرف خوب متوجہ ہوتا ہے، اللہ کے قریب ترین، اسکی محبت سے سرشار، اسکے ذکر اور عبادت میں مصروف۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو اپنے نیک بندوں میں داخل کرنے اور پھر جنت اور عزت کے گھر میں داخل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

علماء کرام فرماتے ہیں: نفسِ مطمئنہ وہ مؤمن نفس ہے جو حق پر راضی اور مطمئن رہتا ہے، یقین کی ٹھنڈک سے اسکا دل شاداب رہتا ہے، کسی قسم کا کوئی شک اُس کے پاس نہیں پھٹکتا، اسکا دل کبھی حق کے متعلق اضطراب کا شکار نہیں ہوتا یہ نفس اللہ کی یاد اور آخرت کی فکر سے غافل نہیں ہوتا، برخلاف اُس شخص کے جو قیامت کے دن کہے گا:

﴿ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴾۔ (الفجر/۲۵)

(ہائے کاش کہ میں اپنی (اصل) زندگی کیلئے کچھ آگے بھی بھیج دیتا)

اسکے برعکس یہ وہ نفس ہے جو نیک اعمال، بہترین اخلاق اور اطاعت گذاری کیلئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتا ہے اور بہترین اعمال اپنی دائمی زندگی کیلئے آگے بھیجتا ہے اور اسکے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے، نفس امارہ کی طرح دنیا کی تگ ودو میں ہی مصروف نہیں رہتا۔

ہر نفس جب تک کہ اپنے رب تک نہ پہنچے قلق اور اضطراب میں مبتلا رہتا ہے جب اپنے رب تک پہنچ جائے تو مطمئن ہو جاتا ہے۔

" اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْأَلُكَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتُقْنِعُ بِعَطَائِكَ" (رواه الطبراني عن ابي امامة رضي الله عنه مرفوعاً- روح المعاني)

(اے اللہ! میں تجھ سے نفسِ مطمئنہ مانگتا ہوں جو تیری ملاقات پر یقین رکھتا ہو، تیرے فیصلوں پر راضی اور تیری عطا پر قانع ہو)

اس نفس کی عافیت اور مزید بہتری کا طریقِ کار اور دوا یہ ہے کہ ہمیشہ کتاب اللہ کے ذکر اور تدبر میں مشغول رہے، کائنات کے بھیدوں کا مطالعہ کرے، اور کائنات میں صادر ہونے والے اللہ کے افعال پر غور کرے، اللہ کی عبادت اور اطاعت پر ہیشگی اختیار کرے، مجالسِ ذکر میں حاضر ہو، جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہو، اور شہوات کے خلاف اپنے نفس سے بھی جہاد کرے۔

۱۸ - فائدہ

معزز اور ذلیل بندے کے بیان میں

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جس شخص پر دنیاوی نعمتوں کی برکھا برسے اور اسے بہترین گھر، گاڑی، مال، تندرستی اور اولاد کی کثرت حاصل ہو، تو وہ اللہ کا انعام یافتہ بندہ ہے جس پر اللہ راضی ہے، بلکہ خود وہ دھوکے میں مبتلا شخص بھی یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان نعمتوں کا اہل ہے کیونکہ اسے اللہ کی رضا اور دوسروں پر فضیلت حاصل ہے اگر اللہ کی رضا نہ ہوتی تو وہ مجھ پر انعام واکرام کی برسات نہ کرتا، بلکہ بعض تو یہاںتک کہتے ہیں:

﴿ وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾۔(الکہف/۳۶)

(اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میں دنیا سے بھی بہتر پلٹنے کی جگہ ضرور پاؤں گا)

اور ایک خبیث نے کہا تھا: ﴿ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ﴾ (القصص/۷۸)

(یہ (مال واسباب) مجھے میرے علم کی وجہ سے ہی دیا گیا ہے)

یعنی اللہ جانتا تھا کہ میں اسکا حقدار ہوں اور اللہ مجھ پر خوش اور راضی ہے جیسا کہ ابن زید نے اس آیت کی تفسیر فرمائی اور ابن کثیرؒ نے اسے پسند کیا۔

ایسے دھوکے میں مبتلا انسانوں کی خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّىْٓ اَكْرَمَنِ ﴾۔(الفجر/۱۵)

(پس جب انسان کو اسکا رب آزماتا ہے اور دنیا میں اس پر انعام واکرام فرماتا ہے تو انسان کہہ پڑتا ہے کہ میرے رب نے میری عزت کی)

اس بندے کی مراد اس نعمت کا شکر نہیں بلکہ اس بات کا اظہار ہے کہ دنیا ہی اسکا نصب العین ہے اور جسے دنیاوی نعمتیں مل گئیں وہی اللہ کا مکرم بندہ ہے۔

اور اسکے بالمقابل جس بندے کے حالات تنگ ہوں، مال وعیال کم ہو، وہ لوگوں کی نظر

میں حقیر اور ذلیل ہے، حتی کہ بعض تو یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بندہ اللہ کی نظر میں بھی حقیر ہے اگر معزز ہوتا تو اسکا یہ حال نہ ہوتا۔

حالانکہ حقیقت اسکے برعکس ہے کیونکہ دنیا تو ایک گھٹیا مال ہے جس سے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے لوگوں کو نواز دیتا ہے: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ (الاسراء/۲۰)

(آپکے رب کی بخشش اور عطا سے ہم انہیں بھی نوازتے ہیں اور انہیں بھی، اور آپکے رب کی عطا پر باڑھ نہیں لگی ہوئی)

بلکہ بہت سے انبیاء اور اولیاء دنیا کی لذتوں سے محروم رہے اور دنیا میں مختلف آزمائشوں کا شکار رہے۔ سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کرام کی ہوئیں اور انکے بعد درجہ بدرجہ وہ لوگ زیادہ آزمائشوں کا شکار رہتے ہیں جو انبیاء کے زیادہ قریب اور عمل کے اعتبار سے مشابہ ہیں۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

" امتي أمة مرحومة، ليس عليها عذاب في الآخرة، عذابها في الدنيا الفتن والزلازل والمحن" (الصحيحة : ٢/ ٦٨٤)

(میری امت پر اللہ کی رحمت ہے لہٰذا اسے آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، اسکا عذاب دنیا میں ہی فتنوں، زلزلوں اور شدائد وتکالیف کی صورت میں چکا دیا جائیگا) (الصحیحہ)

بلکہ عزت واکرام والا بندہ تو وہ ہے جسے ایمان کی توفیق ملے، جو قرآن وسنت کا مددگار اور رحمٰن کی عبادت کا طلبگار ہو، اگر آپکے رب نے آپکو اپنی عبادت، اپنی کتاب کی تلاوت، اپنے ذکر، اپنی اسماء وصفات کی محبت کی توفیق دی ہے اور موت تک آپ اس پر ثابت قدم رہتے ہیں تو یقین جانیے آپ ہی معزز اور مکرم بندے ہیں اور عزت واکرام کا معیار یہی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپکو ایمان اور اسکی مٹھاس سے نہیں نوازا، اور اپنی کتاب کی تلاوت اور اپنی عبادت کی توفیق نہیں دی بلکہ آپ کی عمر بے فائدہ چیزوں میں ضائع ہو رہی

ہے، کتاب وسنت سے ہٹ کر کفر اور گناہوں میں لتھڑی ہوئی ہے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کے بجائے لوگوں کی تقلید میں گذر رہی ہے، یا پھر آپ حلال وحرام کی تمیز کیے بغیر دنیا کی حرص اور لالچ میں پڑے ہیں بس صبح شام دنیا جمع کرنے کی فکر ہے، اگر ایسا ہے تو یقین جانیئے کہ آپ ہی اللہ کی جناب میں حقیر اور ذلیل ہیں، اگر اللہ کے ہاں آپکی کوئی عزت یا قدر وقیمت ہوتی تو وہ آپکو اپنے دین پر عمل کی توفیق دیتا، اگر آپکو ایسی صورت حال کا سامنا ہے تو فوراً اللہ کے حضور توبہ کیجئے اور اسکی طرف رغبت کریں تا کہ آپ اس حقارت اور اہانت سے باہر آسکیں۔

﴿ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴾۔(الفجر/۱۶)

(اور جب اسکا رب اسے آزماتا ہے اور اس پر رزق تنگ کردیتا ہے تو یہ کہہ پڑتا ہے کہ میرے رب نے میری اہانت کی، ہرگز نہیں)

یعنی کہ اکرام اور اہانت کا تعلق دنیاوی مال واسباب کیساتھ نہیں بلکہ عزت واکرام کا تعلق اطاعت اور اہانت کا تعلق نافرمانی سے ہے۔(پس یہ میزان ہے اگر اللہ نے آپکو یہ صورت حال دی ہو آپ باکمال شخصیت ہیں اور دوسری صورت ہو تو پھر آپ اللہ کے ہاں حقیر و ذلیل ہونگے اگرچہ آپ اپنی دنیا اور طاقتوں پر ناز اور فخر کرتے ہوں۔ پس اسی ترازو پر اپنے احوال، اوقات اور کلمات کا ہمیشہ کیلئے موازنہ کیجئے کہ آیا یہ اللہ کی اطاعت میں ہیں یا کہ نافرمانی میں ہے)۔

اسی لیے سلف صالحین سے منقول ہے کہ جب انکی باجماعت نماز فوت ہو جاتی یا قیام اللیل رہ جاتا تو وہ حسرت کرتے ہوئے کہتے کہ یہ میری کسی غفلت، شہوت یا معصیت کا نتیجہ ہے۔

محترم قارئین کرام!

غور فرمایئے! کیا آپ اللہ کی عبادت کا حق ادا کرتے ہیں؟ کیا آپ احسان کے درجے پر پہنچ چکے ہیں؟ کیا آپ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں؟ کیا آپ رات کی تاریکیوں میں اللہ کے خوف سے آنسو بہاتے ہیں؟ کیا کبھی آپ نے اپنے دل کی سختی کو پگھلانے کی

کوشش کی ہے؟

کیا ایمان کی تمام خصلتیں آپ میں پائی جاتی ہیں؟

کیا آپ دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں؟

اگر ایسا نہیں تو یہ تغافل، سستی اور بے فکری کیسی؟

ہوش میں کیوں نہیں آتے؟

کیا جب موت آئے گی تو آپکا انتظار کرے گی؟ یا آپکو کچھ وقت کیلئے مہلت دے گی؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ اپنے آپ کو معزز سمجھتے ہوں جبکہ اللہ کے نزدیک حقیر ہوں آپ اپنے نفس کو پاکیزہ سمجھیں حالانکہ وہ نفس خبیث ہو، خود کو عاقل اور سمجھدار سمجھتے ہوں جبکہ درحقیقت عقل سے پیدل ہوں۔

لہٰذا اس حقارت کا علاج کیجئے، اور اس میں ایک ساعت، ایک منٹ یا سیکنڈ کی بھی تاخیر نہ کریں۔ اللہ کے حضور توبہ تائب ہوں، صدقِ دل، اخلاص اور اپنے فقر وانکساری کو ظاہر کرتے ہوئے اسکی طرف رغبت کیجئے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپکو اس عظیم مصیبت سے نجات عطا فرمادے۔

لوگ اپنی منزلوں کو پہنچ چکے اور آپ ابھی تک گھر بیٹھے ہیں!

لوگ منزل کی جانب گامزن ہیں اور آپ گھر میں آرام فرما ہیں!

اور ایسا دشمن آپ پر حملہ آور ہے جو آپ کی جڑ اکھاڑنا چاہتا ہے، آپکے گھر کو برباد اور اہل خانہ کو قید کرنے کے درپے ہیں جبکہ آپ خواب غفلت کے مزے لے رہے ہیں۔

(یہ فائدہ سورۃ الفجر سے ماخوذ ہے)

❁❁❁❁❁❁❁❁
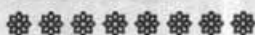
۱۹ - فائدہ

عبودیت کی اعلیٰ ترین اور میٹھی ترین نوع کے بارے میں

یہ نوع سب سے افضل ہے بلکہ تمام عبادات اس کے بغیر بے کار اور ضائع ہیں مقابلہ کرنے والوں کو اس میں مقابلہ کرنا چاہیے اور متقین کا باہمی تفاوت اسی کی بناء پر ظاہر ہوتا ہے، اسی کے حصول کی خاطر محبین اور مخلصین اپنے وجود کو فنا کئے ہوئے ہیں اور عقلمند لوگ اپنی ارواح کو اسی نوع میں لگائے ہوئے ہیں اور اس نوع کا نام ''محبتِ الٰہی اور اسکی طرف شوق'' ہے۔

اللہ کی محبت، اسکی چاہت اور اسکی جانب قلب اور روح کا جھکاؤ۔

اب اس محبت کے حوالے کچھ اہم **فوائد** کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو انکے ذریعے فائدہ پہنچائے۔

۱- مراتب محبت : محبت کے دس مراتب ہیں:

۱ – العلاقة :اسکا نام علاقہ اس لیے رکھا ہے کہ دل کا تعلق محبوب سے ہوتا ہے۔

۲ – الارادہ :اسکا معنی ہے دل کا محبوب کی طرف میلان اور محبوب کی طلب۔

۳ – الصبابہ : یعنی دل کا اس انداز میں محبوب پر مرمٹنا کہ دل پر کوئی اختیار نہ رہے۔

٤ – الغرام :یہ وہ محبت ہے جو کبھی دل سے جدا نہیں ہوتی بلکہ اسی طرح دل سے چمٹی رہتی ہے جیسے قرض خواہ قرضدار سے چمٹا رہتا ہے۔

٥ – الوداد :یہ وہ محبت ہے جو خالص اور پاکیزہ ہو اور دل کی گہرائیوں سے کی جائے۔

''ودود''، اللہ کا نام بھی ہے جو ''حبیب'' کے معنی میں ہے یا پھر ''اپنے بندوں کیساتھ محبت کرنے والا'' کے معنی میں ہے۔

۶- الشـــغف : یعنی محبت کا دل کے شغاف (اندر) تک پہنچ جانا، یا وہ محبت جو دل پر قبضہ کر لے، یا وہ محبت جو دل کے پردوں میں سما جائے۔

۷- الـعشـق : یہ وہ محبت ہے جس میں حد سے زیادہ افراط ہو یہاں تک کہ عاشق کے مرنے کا خطرہ ہو۔ عشقہ اُس زرد بوٹی کو کہتے ہیں جو درخت پر لپٹ جاتی ہے، عاشق کو اسی بوٹی کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اسی وجہ سے رب تعالیٰ کو اس صفت کے ساتھ موصوف کرنا درست نہیں اور نہ ہی بندے کو اپنے رب کی محبت میں اس صفت کیساتھ موصوف کیا جا سکتا ہے۔

۸- التتیم : یعنی مکمل عبودیت وانکساری۔ متیم وہ ہے جو صرف اور صرف اپنے محبوب کی محبت کیساتھ منفرد ہو جیسے یتیم اپنے باپ سے منفرد ہو جاتا ہے۔

تو جیسا کہ یہ یتیم ٹوٹی پھوٹی اور انکساری والی حالت میں ہوتا ہے اسی طرح متیم بھی منکسر المزاج اور پریشان حال ہوتا ہے۔

۹- التعبد : یہ تتیم سے اعلیٰ حالت ہے، عبد وہ ہوتا ہے کہ محبوب جسکا مکمل طور پر مالک بن جائے اور عبد کا کوئی اختیار نہ رہے ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے اپنے محبوب کا مطیع ومنقاد ہو، عبودیت کی حقیقت بھی یہی ہے جو شخص اس درجے کا کمال حاصل کر لے تو گویا وہ عبودت کے کمال پر پہنچ گیا۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس کمال کو حاصل کر چکے تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے شرف ومنزلت کے مقامات پر آپکی اس صفت کا خصوصی تذکرہ فرمایا ہے:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهِ ﴾۔(الاسراء/۱)

(پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کروائی) یہ اسراء ومعراج کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ﴾ (البقرۃ/۲۳)

(اور اگر تم اس وحی کے متعلق شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی)

﴿ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ ......الآية ﴾ ۔(الجن/۱۹)

(بے شک جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اُسے پکارتا ہے)

اور شفاعت والی حدیث کے الفاظ ہیں:"

اذهبوا الٰى محمد عبد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر"

(محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، جو ایسے بندے ہیں جنکے اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کردیئے ہیں۔)

عبودیت کی حقیقت یہی ہے کہ مکمل اور بھرپور محبت کیساتھ مکمل عجز اور انکساری اپنے محبوب پر نچھاور کردی جائے۔

۱۰ – الخلة : یہ محبت کا آخری مرتبہ ہے اللہ کی خلت کے اعتبار سے دو جلیل القدر انبیاء اس عظیم الشان مقام پر فائز ہوئے۔ ابراہیم اور محمد صلی اللہ علیہما وسلم جیسا کہ آپ ﷺ سے صحیح ثابت ہے:" ان الله اتخذني خليلاً كما اتخذ ابراهيم خليلاً" (رواہ الحاکم ۲/ ۵۵۰)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا)

یہ محبت کا وہ مرتبہ ہے جو محبت کرنے والے کی روح اور دل کے تمام خلالوں کو پُر کر دیتا ہے پھر محبوب کے علاوہ کسی دوسرے کی محبت کیلئے کوئی گنجائش نہیں بچتی۔ اور- واللہ اعلم- شاید یہی وہ راز ہے جسکی وجہ سے ابراہیم خلیل اللہ کو اپنا بیٹا اللہ کے راستے میں ذبح کرنے کا حکم ملا یہ وہ بیٹا تھا جو بڑھاپے میں خصوصی دُعاؤں کے بعد ملا تھا جو کہ ابراہیم علیہ السلام کا جگر گوشہ اور دل کا ٹکڑا تھا لیکن حق تعالیٰ نے جب یہ دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل کے ایک گوشے میں اولاد کی محبت بھی جگہ پکڑ چکی ہے تو اس تعلق کی آزمائش اور اُسے کھرچنے کیلئے انہیں بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ مقام خلت ایسا منصب ہے جو کسی شراکت یا حصہ داری کو قبول نہیں کرتا لہٰذا یہاں خلیل کو اپنے خلیل پر غیرت آئی اور دوسروں کی محبت کو خلیل کی خاطر ذبح کرنے اور قربان کردینے کا حکم دے دیا۔

۲-دوسرا فائدہ : محبت کی تعریف:

ظاہری طور پر یہ ایک وجدانی چیز ہے جو محسوس کی جاتی ہے، اسے دیکھنا ممکن نہیں، لہٰذا اسکی تعریف کرنا مشکل ہے، جسکے دل میں محبت ہوگی اسے ہی علم ہوگا کہ محبت کیا ہے، اور جس نے اسے چکھا ہی نہیں وہ اسکی حدود و تعریفات کو کیا سمجھے گا، محبت تو محبت ہے۔

لغوی طور پر محبت کے کئی معانی ہیں: صاف شفاف اور سفید ہونا، بلند اور ظاہر و غالب ہونا، پختہ اور لازم ہونا، خالص ہونا، حافظت کرنا اور پکڑ لینا۔

یہ پانچ چیزیں محبت کے لوازم میں سے ہیں۔

جبکہ اصطلاحی طور پر جو تعریفات بعض عارفین نے کی ہیں وہ کچھ یوں ہیں:

۱-اپنے محبوب کو باقی تمام لوگوں پر ترجیح دینا۔

۲-محبوب کی مرضی پر دل کی آمادگی

۳-اپنے محبوب کی بھرپور خدمت کے باوجود اس خوف میں مبتلا رہنا کہ کہیں محبوب کی کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔

۴-محبوب کی اطاعت کو گلے لگا لینا اور اسکی مخالفت سے بچنا۔

۵-اپنی تمام تر اور بہت زیادہ خدمتوں کو بھی حقیر اور کم سمجھنا اور محبوب کی تھوڑی سی عنایت کو بھی زیادہ سمجھنا۔

۶-اپنے وجود کو کلی طور پر اپنے محبوب کے سپرد کر دینا یہانتک کہ آپ کا کچھ نہ رہے۔

۷-اپنے محبوب کے ماسوا ہر چیز کو دل سے نکال باہر کرنا۔

۸-ہمیشہ اپنے نفس کو اپنے محبوب کا حق خدمت ادا نہ کرنے پر ملامت کرتے رہنا۔

۹-کلی طور پر کسی کی طرف میلان، اور پھر اپنے نفس، روح اور مال پر اُسے ترجیح دینا، اور پھر خلوت و جلوت میں اسکی موافقت کرنا، اور اسکے باوجود اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا ہی محبت ہے۔

۱۰-محبت ایسی آگ ہے جو دل میں دہکتی ہے اور محبوب کی چاہت کے سوا ہر چیز کو جلا ڈالتی

ہے۔

۱۱-اپنے محبوب سے ہر اعتراض دور کرنے کیلئے مقدور بھر کوشش کرنا۔

۱۲-محبت یہ ہے کہ اپنے محبوب پر کسی کو ترجیح نہ دی جائے اور اپنے معاملات محبوب کے سوا کسی کے سپرد نہ کئے جائیں۔

۱۳-ہر کس ناکس کی غلامی سے آزاد ہو کر صرف محبوب کی غلامی کرنا۔

۱۴-دل ہمیشہ محبوب کی جانب گامزن رہے اور زبان ہمیشہ محبوب کے تذکرے سے آباد وسرشار۔

۱۵-محبت یہ ہے کہ آپکا پورا وجود محبوب کیساتھ مشغول اور آپکی تمام توانائیاں اسی کیلئے خرچ ہوں۔

۱۶-جنید رحمہ اللہ نے فرمایا: سچا محب وہ ہے جو اپنے نفس کی تمام خواہشات سے دستبردار ہو جائے، ہر وقت اپنے رب کا ذکر کرے، اسکے حقوق ادا کرے، اپنے دل کی آنکھ سے اُسے دیکھے، اللہ کی ہیبت کے انوار اسکے دل کو جلا چکے ہوں، اللہ کی محبت کے صافی جام اسکا مشروب ہوں، جبار اپنے پردوں کو گرا کر اس پر منکشف ہو چکا ہو، (یعنی دل کی آنکھ سے اللہ کو دیکھ لے جو احسان کا درجہ ہے) بات کرے تو اللہ کی، زبان ہلے تو اللہ کے ذکر کیساتھ، اسکی ہر حرکت اللہ کے حکم کیمطابق، اسکا ہر سکون اللہ کے ہمراہ، بس اللہ اُس کے رگ وپے میں یوں بس چکا ہو کہ یہ ہر حالت میں اللہ کیساتھ، اُس کیلئے، اسکے ہمراہ ہو۔

جنید رحمہ اللہ نے یہ بات اُس وقت فرمائی جبکہ مکہ کے بعض شیوخ نے اُن سے محبت الٰہی کے متعلق سوال کیا اور اس حوالے سے کافی بحث مباحثہ بھی ہوا لیکن جنید رحمہ اللہ نے یہ بات فرمائی تو سب نے کہا۔ آپ نے سچ کہا، اس تعریف سے بڑھ کر کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی تعریف کو مختار یعنی بہترین قرار دیا ہے۔

۱۷-دِل کا محبوب پر فدا ہو جانا۔

۱۸-دل کا محبوب پر قرار پکڑنا۔

۱۹-محبوب کی پہچان حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش اور پھر اُسے راضی کرنے کیلئے اپنی تمام توانائیاں کھپا دینا۔

۲۰-محبت ایک پودا ہے جو دل میں اُگتا ہے اور مراقبت کے پانی سے پنپتا ہے اور محبوب کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دینے سے تنومند ہوتا ہے۔

۲۱-محبت اپنے محبوب کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کرنے کو کہتے ہیں، جو شخص محبت کا دعویٰ تو کرے مگر محبوب کے حقوق اور اسکی حدود کی پرواہ نہ کرے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ محبت ایسی چیز نہیں کہ صرف الفاظ کے ذریعے اسکی صحیح تعبیر کی جا سکے، محبت تو ایک وجدانی اور معنوی کیفیت کا نام ہے، بعض اوقات کسی بڑے اور گرانقدر معنی کیلئے الفاظ ڈھونڈنے جائیں تو بڑے بڑے لفظ چھوٹے نظر آتے ہیں جیسے رب تعالیٰ کے اسماء وصفات، اللہ کی کتاب کے نام، جنت کی نعمتیں اور انکے نام اور اسی طرح محبت بھی وسیع المعنی چیز ہے۔

اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ چیز چھوٹی ہوتی ہے اور اسکے لیے الفاظ بڑے استعمال کیے جاتے ہیں جیسا کہ کسی جزء پر کل کا اطلاق کیا جائے۔

جبکہ بعض اوقات لفظ اپنے معنی کے بالکل مطابق اور موافق ہوتا ہے۔ فتدبر۔

یوں تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ **لیکن** میرے نزدیک مُحَبَّت کی تعریف کچھ یوں ہے:

دِل کا اللہ تعالیٰ کیساتھ گہرا انس اور اسکی طرف جھکاؤ وہمیشہ اپنے دل کو اسکی یاد کیساتھ آباد رکھنا، اسکی عبادت کا شوق، اسکے قرب کی تلاش، تقویٰ کا التزام، ایمان کا دل میں رسوخ، اللہ کی ہیبت اور تعظیم دل میں بٹھا کر اُسکا مراقبہ، اسکے احکام بجالانا، اسکی منع کردہ چیزوں سے اجتناب، اللہ کیلئے اسکے اولیاء سے محبت اور اسی کیلئے اسکے دشمنوں سے نفرت اور دشمنی، اسکی حرمتوں کی پامالی پر غصہ آنا، اسکے ساتھ خلوت نشینی کی رغبت، ہر اس شخص سے نفرت جو اسکے قریب کرنے والا نہ ہو، تنگی اور آسانی دونوں حالتوں میں اللہ کی عبادت، اس پر راضی

رہنا، اسکی راہ میں خرچ کرنا، اُسی کیلئے لوگوں سے ملنا جلنا، اسکے راستے میں جہاد کرنا، اسکی راہ میں لوگوں کی ملامت سے بے نیاز ہو جانا، اسکی ملاقات کا شوق، اسکے تذکرے پر خوشی کا اظہار، اولاً اللہ کی عطا کردہ دینی نعمتوں پر دل کا شکر گذار ہونا۔

اور ثانیاً: دنیاوی نعمتوں پر بھی اسکا شکر گذار ہونا، اللہ کی محبوب چیز سے محبت اور مبغوض چیز سے نفرت اور بغض کرنا، خلوت اور جلوت میں اسکا ادب کرنا، ہر وقت دل کا اسی کیساتھ لگا رہنا، ہر حال میں اسکی موافقت کرنا، اسکی یاد میں سکون و قرار تلاش کرنا، اسکی طرف لگاؤ، اسکا خوف اور اسکے لیے تواضع وانکساری اختیار کرنا اگر ان تمام باتوں کو جمع کیا جائے تو پھر شاید اسے سچی محبت کا نام دیا جاسکتا ہے اور یہ بات بھی آپکے علم میں ہونی چاہیے کہ محبت کی تعریف کو جان لینا الگ چیز ہے اور محبت ہو جانا الگ بات۔ کیونکہ بہت سے لوگ اگرچہ تعریفات کی الف ب بھی نہیں جانتے لیکن اُن کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط اور ٹھوس محبت موجود ہوتی ہے اور بہت سے لوگ الفاظ کے چکر میں ہی گرفتار رہتے ہیں اور لفظوں کے سوا انکے پلے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ کچھ کلمات تھے جو بطور نصیحت ذکر کئے گئے، عمل کے شیدائیوں کیلئے یہ مددگار ہو سکتے ہیں۔

۳- تیسرا فائدہ: محبت پیدا کرنیوالے اسباب ووسائل

بہت سے اسباب ہیں جنہیں اختیار کر کے محبتِ الٰہی حاصل کی جاسکتی ہے:

۱- قرآن مجید کی قراءت کرنا، اس پر تدبر اور اسکے معانی کو سمجھنا، اسکے مقاصد سے آگاہی حاصل کرنا محبتِ الٰہی کے حصول کیلئے آسان، مفید ترین اور عمیق سبب ہے یہ وہ وسیلہ ہے جو بندے کا تعلق اللہ کیساتھ جوڑ دیتا ہے، اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا بندوں کے ہاتھ میں جیسا کہ صحیح حدیث میں یہ بات مذکور ہے۔

۲- فرائض کی پابندی کے ساتھ ساتھ نوافل کا کثرت سے اہتمام کرنا، کیونکہ ایسا کرنے سے بندہ محبت سے آگے بڑھ کر محبوبیت کا مقام حاصل کر لیتا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں آتا ہے: " وما تقرب الي العبد بمثل ما افترضته عليه، ولا يزال عبدي

یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبه......الحدیث"

(فرائض کی پابندی سے بڑھ کر میرے تقرب کا کوئی ذریعہ نہیں، اور بندہ جب میرے تقرب کی تلاش میں نوافل کی پابندی کا خوگر ہو جاتا ہے تو میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں......الحدیث)

۳- اپنی زبان، اپنے دل، اپنے عمل کیساتھ اور ہر حالت وکیفیت میں ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا، جتنا ذکر ہوگا اتنی ہی محبت زیادہ ہوگی۔

۴- اپنی مرضی پر اللہ کی مرضی کو ترجیح دینا، اپنی محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دینا، جب خواہشات کا غلبہ بھی ہو اور اللہ کے محبوب کام کو کرنا دشوار بھی ہو، ایک طرف دنیا کی محبتیں ہوں تو دوسری جانب رب کی رضا تو پھر محبت کا امتحان ہوتا ہے۔

۵- اللہ کے اسماء وصفات پر غور کرنا، انکی صحیح معرفت حاصل کرنا۔ کیونکہ جو اللہ کے اسماء وصفات کو پہچانتا ہے وہی اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت رکھتا ہے اور جو اللہ کی معرفت حاصل کرلے اسکے لیے ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہ کرے اسی وجہ سے جو لوگ اللہ کی صفات کے منکر ہیں یا انکی تاویل کرتے ہیں وہ اللہ اور اسکے بندوں کے دل کے درمیان رکاوٹ اور آڑ ہیں۔

۶- اللہ تعالیٰ کے احسانات، اسکی مہربانیوں اور ظاہری وباطنی نعمتوں پر غور وفکر کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ کی محبت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔

۷- دل کا اللہ کے سامنے مکمل طور پر عجز وانکسار۔ یہ ایک ایسا عجیب ترین نسخہ ہے جسکے اظہار کیلئے ہمارے پاس موزوں الفاظ ہی نہیں۔

۸- اللہ کیساتھ خلوت نشینی کرنا، خصوصاً نزولِ الٰہی کے اوقات میں ساری دنیا سے کٹ کر صرف اللہ سے مناجات، اسکی کتاب کی تلاوت، دل کے حضور کیساتھ اللہ کی جناب میں قیام کرنا اور عبودیت کے آداب بجالانا اور پھر آخر میں توبہ واستغفار بجالانا۔

۹- سچے اور مخلص محبین کیساتھ صحبت اختیار کرنا اور انکی بہترین باتوں کو بغور سنکر سمیٹ لینا جیسے پھلوں کے درخت سے بہترین پھل چُنے جاتے ہیں اور انکی مجلس میں بلا ضرورت کلام نہ کرنا۔

۱۰- ہر اُس چیز سے بچنا جو آپکے دل اور اللہ کے درمیان آڑ بن جائے۔

انہی دس اسباب کے ذریعے محبت کرنیوالے اس راہ کی اعلیٰ منازل کو عبور کرتے ہوئے اپنے محبوب تک پہنچے ہیں۔

اس معاملے کا بنیادی عنصر دو چیزیں ہیں:

۱- روح کا اس معاملے کیلئے مکمل طور پر تیار ہونا

۲- بصیرت کی آنکھ کا کھل جانا۔

یہ تمام اسباب ابن قیم رحمہ اللہ نے ذکر کیے ہیں، ہم ان میں مزید کچھ اضافہ کرتے ہیں۔

۱۱- اتباع سنت کے ذریعے بھی اللہ کی محبت حاصل ہوتی اور بڑھتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ......الآية﴾ (آل عمران/۳۱)

(اے نبی ﷺ! فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا......الآیۃ)

لہٰذا اگر آپ اپنے تمام اقوال وافعال اور تمام احوال میں سنت کی اتباع کریں گے تو یقیناً آپ بھی اللہ کے محبوب بن جائیں گے۔

۱۲- ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وجبت محبتي للمتحابين في، والمتجالسين في، والمتزاورين في، والمتباذلين في"

(رواہ احمد ۵/ ۲۳۳، وابن حبان ۵۷۵)

(میری محبت اُن لوگوں کیلئے واجب ہو چکی ہے جو میری خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں اور جو لوگ میری خاطر آپس میں بیٹھتے ہیں، اور جو میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت وملاقات کرتے ہیں، اور جو میری خاطر خرچ کرتے ہیں)۔

اس روایت کا سیاق وسباق کچھ یوں ہے: (ابوادریس خولانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چمکدار دانتوں والا نوجوان ہے جسکے

ارد گرد لوگ بیٹھے ہیں، جب بھی کسی مسئلے میں انکا اختلاف ہوتا ہے تو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسکی رائے کو قبول کرتے ہیں، تو میں نے انکے متعلق پوچھا، بتلایا گیا کہ یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ اگلے دن میں جلدی مسجد گیا تو میں نے دیکھا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مجھ سے پہلے مسجد آ چکے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے انکی نماز مکمل ہونے کا انتظار کیا، جب نماز ختم ہوئی تو انکے سامنے سے انکے پاس آیا اور سلام کہا، اور یہ بھی کہا کہ میں آپ سے اللہ کیلئے محبت کرتا ہوں، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم۔ انہوں نے پھر پوچھا: اللہ کی قسم؟ میں نے جواب دیا: اللہ کی قسم۔ پھر انہوں نے میری چادر کا پلہ پکڑ کر مجھے اپنی جانب کھینچ لیا اور کہا: خوش ہو جاؤ! بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے...... پھر یہی حدیث ذکر کی)

"وجبت محبتي" اسکا ایک معنی تو یہ ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جبکہ اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ میری محبت اسکے دل میں یقینی طور پر داخل ہو جاتی ہے اور یہ دونوں معانی ایک دوسرے کو لازم ہیں۔ فتدبر۔

۱۳- اللہ کیلئے محبت، اسی کیلئے نفرت کرنے سے بھی انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسند احمد (۴۳۰/۳) میں عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا: کہ بندہ خالص ایمان کی حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ اللہ کیلئے محبت کرے، اسی کیلئے بغض کرے، پس جب اللہ کیلئے محبت کرے، اسی کیلئے بغض کرے تو وہ اللہ کی ولایت کا مستحق ہو گیا، اور بیشک میرے بندوں میں میری اولیاء اور میرے مخلوق میں میری دوست وہ ہیں جو میرے تذکرے پر وہ یاد آتے ہیں اور میں انکے تذکرے پر یاد آتا ہوں۔ (اسکی سند حسن اور حدیث صحیح ہے)

سنن ابی داود (۳۵۲۷) اور ابن حبان (۵۷۳) وغیرہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان من عباد الله لاناساً ماهم بانبياء ولا شهداء يغبطهم الانبياء والشهداء يوم القيامة بمكانهم من الله

قالوا : یا رسول اللہ ! تخبرنا من ھم ؟ قال : ھم قوم تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحام بینھم، ولا اموال یتعاطونھا، فواللہ ان وجوھھم لنور وانھم لعلی نور، ولا یخافون اذا خاف الناس، ولا یحزنون اذا حزن الناس، وقرأ ھذہ الآیۃ : ﴿ ألا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ﴾.

(اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اگرچہ نبی یا شہید نہیں لیکن قیامت کے دن انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ! کیا آپ ہمیں ان کی خبر نہیں دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی خونی رشتے یا کاروباری تعلق کے صرف اللہ کی خوشنودی اور رضا کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اللہ کی قسم یہ نورانی چہروں والے لوگ ہیں جو نور پر چلتے اور بستے ہیں (یا وہ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہونگیں)، جب لوگ خوفزدہ ہوں تو یہ خوفزدہ نہیں ہوتے، لوگ غمگین ہوں تو انہیں غم نہیں ہوتا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔)

اس معنی میں اور بہت سی احادیث آتی ہیں۔

۱۴- کتاب اللہ کو خوبصورت اور غمزدہ آواز سے سننا، کیونکہ اس سے آپکے دل میں اپنے رب کی چاہت پیدا ہوگی، اور یہ ندا آپکو غفلتوں سے جگا کر آپکے خالق کے سچے راستے پر گامزن کردے گی، حدیث میں آتا ہے: " **زینوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید فی القرآن حسناً** "۔ (رواہ المنذری في الترغیب وسندہ صحیح)

(قرآن پڑھنے وقت اپنی آواز کو خوبصورت ومزیّن کرو، کیونکہ اچھی آواز سے قرآن کریم کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔)

۱۵- اللہ کی طرف بلانے والے کی پکار کو فقر وفاقہ اور افلاس کیساتھ قبول کرے، اسکا معنی یہ ہے کہ نیک اعمال بھی بجالائے لیکن ان پر اترانے سے گریز کرے اور خود کو تہی دست ہی جانے، گویا کہ اُس نے کوئی عمل کیا ہی نہیں، بخلاف اس شخص کے جو نیک عمل کرکے

جتلاتا ہے اور ایسا رویہ اختیار کرتا ہے کہ اُس نے احسان کیا ہو، ایسا شخص اللہ کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

۱۶- اسی طرح ہر وہ عمل جسکے بارے میں اللہ تعالیٰ خود یہ کہے کہ میں اُس عمل یا اسکے کرنیوالے سے محبت کرتا ہوں، تو اس عمل کے ذریعے بھی اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محسنین، متقین، توابین، متطہرین، مؤمنین، مجاہدین اور ذاکرین وغیرہ سے محبت کرتا ہے، اس بندے سے بھی محبت کرتا ہے جو متقی ہو اور لوگوں سے مخفی رہے (یعنی تقویٰ کو ظاہر نہ کرے) اور لوگوں سے بے پرواہ ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ دستِ سوال دراز نہ کرنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے، گناہ کے بعد توبہ کے ذریعے پلٹ آنے والے بندے کو بھی محبوب رکھتا ہے، جس شخص میں بھی یہ صفات ہیں وہ اللہ کا محبوب بندہ ہے۔

۱۷- ایک حدیث میں آتا ہے: "من سره أن يحب الله ورسوله، فليقرأ في المصحف" (رواه في الصحيحة ٥/٤٥٢)

(جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرے تو اسے مصحف میں قراءت کرنی چاہیئے (یعنی قرآن مجید کو دیکھ کر تدبر کیساتھ تلاوت کرے)

۱۸- ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کے وضوء کا بچا ہوا پانی اپنے جسموں پر مل رہے ہیں تو پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اسکے رسول کی محبت کی وجہ سے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "من سره أن يحب الله ورسوله أو يحبه الله ورسوله، فليصدق حديثه اذا حدث، وليؤد أمانته اذا اؤتمن، وليحسن جوار من جاوره"

(رواه البيهقي في الشعب، وهو في المشكاة ٢/٤٢٤) واسناده حسن ان شاء الله لانه روى بطريقين احدهما في المجمع (٨/٢٧) والثانية في الشعب كما في حياة الصحابة (٢/٣٢٥، ٣٢٦)

(جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرے، یا اللہ اور اسکا رسول اُس سے محبت کریں تو اُسے چاہیئے کہ جب بھی بات کرے سچ بولے اور جب کبھی اسکے پاس کوئی ا

رکھی جائے تو اسے ادا کرے، اور اپنے پڑوسیوں کیساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے) (بیہقی)

۱۹- دُعا بھی محبتِ الٰہی کے حصول کا اہم ترین ذریعہ ہے خصوصاً ان الفاظ کیساتھ دُعا کرنا:

" اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ"

(رواہ الترمذی)

(اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت کرنیوالے کی محبت اور تیری محبت تک پہنچادینے والے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے نزدیک میرے نفس، اہل خانہ اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنادے (ترمذی)

اسی طرح آپ ﷺ یہ دُعا بھی پڑھتے تھے:" اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ، وَحُبَّ مَنْ یَنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ، اَللّٰھُمَّ مَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّةً لِّیْ فِیْ مَا تُحِبُّ، وَمَازَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغاً فِیْمَا تُحِبُّ"۔(رواہ الترمذی ایضاً)

(اے اللہ! مجھے اپنی محبت سے نواز دے اور اُس شخص سے محبت کرنے کی بھی توفیق عطا فرمادے جسکی محبت مجھے تیری بارگاہ میں نفع دے، اے اللہ! میری پسندیدہ چیزوں میں سے جو بھی تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں انہیں اپنے محبوب کاموں میں میرے لیے قوت کا ذریعہ بنادے اور میری جو پسندیدہ چیزیں مجھے نہ مل سکیں انکے نہ ملنے کے خلا کو اپنی محبت والی باتوں سے پُر کردے)

شرعی دُعائیں بھی محبتِ الٰہی کو حاصل کرنے میں اہم ترین وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔(واللہ المستعان) اس حوالے سے اب انیس اسباب مکمل ہوئے۔

۴- چوتھا فائدہ: محبتِ اِلٰہی کے محرّکات

محرّکات سے ہماری مراد یہ ہے کہ کونسی ایسی باتیں ہیں یا محبوب کی وہ کونسی صفات ہیں جنکا ادراک کرنے سے محبت پیدا ہوجاتی ہے۔

آپکو معلوم ہونا چاہیے کہ انسان علم، شجاعت، قوت، خوبصورتی اور احسان کو پسند کرتا ہے، اسی طرح فانی کے مقابلے میں لافانی اور حقیر کے مقابلے میں عظیم سے محبت کرتا ہے۔ یہ محبت اسکی فطرت میں شامل ہے۔

جب انسان کسی عالم کو دیکھتا ہے تو اسکے علم کی بناء پر اُس سے محبت کرتا ہے اگرچہ اُس عالم کا خاندان غیر معروف ہو یا وہ قلیل المال ہو۔ بلکہ ہر علم محبوب ہے دین علم ہو یا دنیاوی۔

اسی طرح انسان طاقتور اور دلیر لوگوں کو پسند کرتا ہے، خوبصورتی کا دلدادہ ہے خواہ خوبصورتی انسان میں ہو یا حیوان و نباتات اور جمادات میں۔

اسی طرح جو شخص انسان پر احسان کرے وہ بھی اسکے نزدیک محبوب ہوتا ہے اور اسی طرح دوسروں پر احسان کرنے والے سے بھی انسان محبت کرتا ہے مثلاً کوئی کسی کے بارے میں سنے کہ فلاں شہر میں فلاں بندہ لوگوں پر بہت احسانات کرتا ہے تو فطری طور پر انسان اس شخص سے محبت کرنے لگتا ہے۔

اور اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہے کہ انسان باقی رہنے والی اور عظیم ترین چیزوں سے محبت کرتا ہے۔

اور یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ میں بدرجہ اتم موجود ہیں بلکہ مخلوقات کو ان صفات سے بہرہ ور کرنے والا مالک وخالق بھی وہی ہے تو اس پروردگار میں یہ تمام صفات کامل ترین صورت میں کیوں نہ ہونگی؟

۱- اللہ سبحانہ وتعالیٰ علیم وخبیر ہے، زمین آسمان کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں وہ دل کی دھڑکنوں سے بھی واقف ہے، کائنات کا کوئی ذرہ، سمندروں کا کوئی قطرہ اسکے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔ ﴿ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴾۔ (یونس/۶۱)

(آپکے رب سے زمین وآسمان کی کوئی ذرہ برابر چیز بھی مخفی نہیں، اور نہ ہی اس سے چھوٹی یا بڑی چیز ہے مگر کتاب مبین میں موجود ہے)

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ط وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (الانعام/۵۹)

(غیب کی چابیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اسکے علاوہ کوئی نہیں جانتا، وہ بر و بحر کی ہر چیز کو جانتا ہے، اور نہیں گرتا کوئی بھی پتہ مگر اللہ کو اُسکا علم ہوتا ہے، اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہیں ہے کوئی تر یا خشک چیز مگر وہ کتابِ مبین موجود ہے)

اللہ تعالیٰ کے وسیع علم کے حوالے سے اور بھی بہت سی آیات اور دلائل ہیں جو کہ معلوم ومعروف ہیں۔

اللہ کے علم اور بندوں کے علم کے درمیان کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی اگر اللہ کا علم سمندر ہے تو بندوں کا علم قطرے سے زیادہ نہیں اور اللہ کے علم کو آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، میدانوں اور راستوں سے تشبیہ دی جائے تو اس کے مقابلے میں بندوں کا علم ایک ذرّے سے زیادہ نہیں۔ بلکہ درحقیقت لامحدود کی محدود کیساتھ کیا نسبت ہوسکتی ہے؟

کیا انسان کو اس عظیم علم کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرنی چاہیئے؟۔

اگر آپ اللہ تعالیٰ کے علم پر تدبر کریں اور اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ آپکا احاطہ کیے ہوئے ہے، آپکے کلام کو سن رہا ہے اور آپکے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو یقیناً آپکو اس علیم وخبیر ذات سے حیا آئے گی اور آپ اس سے محبت کرنے لگیں گے۔

۲-اور اللہ تعالیٰ تمام قوتوں کا مالک ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز بھی اللہ کی قدرت سے باہر نہیں بلکہ وہ مالک تو پہلے اور پچھلے تمام لوگوں پر قادر ہے، آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق پر اسی کا حکم چلتا ہے بلکہ وہ تو رب العالمین ہے لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ اللہ کی پکڑ سے ڈرے اور اس عظیم وبے مثال قوت کی بناء پر اُس سے محبت کرے۔

۳-اور جہاں تک خوبصورتی کا معاملہ ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، بلکہ حسن وجمال اسی کا تخلیق کردہ ہے وہ تمام حسینوں سے بڑھ کر حسین

وجمیل ہے، وہ تو نور ہے، ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ۔(النور/۳۴)(اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا﴾ (الزمر/۶۹)
(اور زمین اپنے رب کے نور کی وجہ سے چمک پڑی)

اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: "حِجَابُهُ النُّوْرُ، لو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه"۔
(اور اللہ کا حجاب نور کا ہے اگر وہ اس حجاب کو ہٹالے تو اسکے چہرے کی کرنیں تاحد نگاہ اسکی مخلوق کو جلا ڈالیں)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تمہارے رب کے ہاں رات یا دن نہیں ہیں، آسمانوں اور زمین کا نور تو اُسی کے چہرے کے نور کی وجہ سے ہے۔

جب جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہونگے تو جنت کی ہر نعمت بھول جائیں گے، مخلوق کی خوبصورتی تو مستعار ہے جبکہ خالق کا جمال حقیقی ہے، وہ شخص سراسر جاہل ہے جو مخلوق میں سے کسی خوبصورت چہرے کو تو دل میں بسا لیتا ہے لیکن حقیقی خوبصورتی سے نابلد وناآشنا ہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اسکی روح، اسکا دل اور اسکے رگ وپے کیسے سرشار ہو جاتے ہیں اگر چہ اُس نے حقیقی طور پر اپنے رب کا دیدار بھی نہیں کیا، تو جب وہ اپنی دونوں آنکھوں کے ذریعے اس رب کا دیدار کرے گا تو کیا حال ہوگا ؟۔

محترم قارئین! اس جمال پر بھی غور کیجئے، ممکن ہے اسی طرح آپکو اللہ کی کچھ محبت حاصل ہو جائے اور آپ مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔

۴-اور اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا تو کوئی حد وحساب ہی نہیں: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ ۔(ابراھیم/۳۴)
(اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے)

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

فَاِلَیْهِ تَجْئَرُوْنَ﴾ (النحل/۵۳)

(اور تمہیں ملنے والی تمام نعمتیں اللہ ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو بھی تم اُسی کی طرف آہ وزاری کرتے ہو۔)

اور فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾۔ (فاطر/۳)

(اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کو یاد کرو جو اُس نے تم پر فرمائی ہیں)

آپکی جان، مال اور آپکے پاس موجود ہر نعمت اللہ ہی کی طرف سے ہے، دینی، دنیاوی، روحانی، ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں بلا وشک وشبہ اسی مالک کا احسان ہیں۔

اگر آپ کے پاس عقل وشعور موجود ہے تو آپکو لازماً اللہ تعالیٰ سے محبت کرنی چاہیے، اگر کوئی شخص آپکو دنیا کا کچھ مال دیتا ہے تو آپ اسکے احسان مند ہوتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے اس سے محبت کرتے ہیں جبکہ آپکو معلوم ہے کہ وہ دینے والا خود بھی فقیر ہے، اسکا دینا مجازی ہے لیکن پھر بھی آپ منعم حقیقی اللہ رب العزت سے غفلت کا شکار ہیں، آپ اسکے باوجود بھی اس سے محبت نہیں کرتے؟ کہاں گئی آپکی عقل؟ کہا گیا آپکا ایمان؟ کیا آپ نشے میں ہیں؟ یا پاگل؟۔

۵- اسی طرح باقی تمام لوگوں پر بھی وہی احسان واکرام فرماتا ہے، لوگوں کو ملنے والی ہر نعمت اسی کی سخاوت ہے۔ حدیث میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ"۔ (صبح کی دعاؤں میں ایک یہ دُعا بھی ہے)

(اے اللہ! آج صبح کو مجھے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی جو نعمتیں حاصل ہوئی ہیں وہ صرف اور صرف تیری طرف سے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں، لہٰذا تیری ہی تعریف ہے اور تیرا ہی شکر ہے)

لوگوں کو صحت، مال، علم، جمال، شجاعت، قوت، بادشاہت غرض تمام نعمتیں اللہ ہی دیتا ہے تو کیا بندے کو اللہ سے بے حد وحساب محبت نہیں کرنی چاہیئے؟۔

۶- اور اللہ تعالیٰ لافانی اور عظیم تر ہے یہ بات تو ظاہر اور معروف ہے کہ زمین پر بسنے والی

ہر مخلوق کو فنا ہے جبکہ اللہ عزوجل کی ذات کو فنا نہیں۔

﴿ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ﴾ (العنکبوت:۸۸)

(اللہ کے چہرے کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے)

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کو کوئی تغیر وتبدل نہیں جبکہ باقی تمام چیزوں میں تغیر وتبدل رونما ہوتا رہتا ہے، حواس یا عقل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ادراک کرنا ناممکن ہے۔

بشر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر لوگ اللہ عزوجل کی عظمت پر غور کریں تو کبھی اسکی نافرمانی نہ کریں۔

یہ اللہ کی عظمت ہی ہے کہ اسکی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے، آسمان اسکے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں، اور زمین تمام کی تمام اسکی مٹھی میں اور اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو گرنے سے تھامے ہوئے ہے، اور اگر وہ انہیں نہ تھامے تو کوئی بھی نہیں تھام سکتا، بے شک وہ بردبار، بخشش کرنے والا ہے، ایک مکمل باشعور اور حساس انسان جب ان محرکات سے آگاہی حاصل کرلے تو یقیناً اللہ رب العزت کی بے پناہ محبت سے سرشار ہو جاتا ہے۔

لیکن بہت سے لوگ ان محرکات سے بے خبر ہیں، تنبیہ کرنے کے باوجود بھی غفلت، سستی اور کاہلی چھوڑنے کیلئے تیار نہیں۔ تو ایک آرام طلب، غافل اور کاہل انسان محبتِ الٰہی جیسی عزیز ترین اور افضل ترین متاع کیونکر حاصل کر سکتا ہے؟ یہ بلند مرتبہ تو عالی ہمت، زندہ دل، بیدار مغز افراد اور اہل بصیرت کے ہی شایانِ شان ہے جو پختہ ارادے اور عمل پیہم کیساتھ ساتھ اپنے مالک سے گڑگڑا کر دعائیں بھی مانگتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کیلئے محبتِ الٰہی کے در کھلتے ہیں۔

لیکن ہم جیسے لوگ ان گہرے حقائق، سربستہ رازوں اور حقیقی نعمتوں سے محروم ہی رہتے ہیں۔ اے اللہ ! ہم تجھے تیرے اسم اعظم کا واسطہ دیکر یہ التجا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی اسقدر بھرپور محبت سے نواز دے کہ جس پر تو ہم سے راضی ہو جائے، جسکی وجہ سے ہمارا دل

ایمان کی لذت چکھ لے اور خوش ہو جائے، جس محبت سے ہمارے معاملات کو قوت حاصل ہو، جو ہماری عبادات میں زندگی کی روح پھونک دے۔ آمین۔

۵- پانچواں فائدہ : محبت کی مثال

محبت کی مثال اس درخت کی طرح ہے جو دل میں اُگتا ہے، اسکی جڑیں محبوب کیلئے عاجزی وانکساری پر مشتمل ہیں، اسکا تنا محبوب کی معرفت، اسکی شاخیں محبوب کی خشیت، اسکے پتے محبوب سے حیا، اسکا پھل محبوب کی فرمانبرداری اور اسکی سیرابی محبوب کی یاد کے ذریعے ہوتی ہے۔ جب کوئی محبت ان میں سے کسی چیز سے خالی ہو تو وہ ناقص محبت کہلائے گی۔

یہ بات بھی اپنے دل میں بٹھا لیجئے کہ بندے کی اللہ کیساتھ محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی بندے کیساتھ کی جانے والی دو محبتوں سے لپٹی ہوتی ہے، وہ اسطرح کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے اپنی محبت کا اہل بناتا ہے اور اسکے دل میں اپنی محبت ڈالتا ہے اور جب بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اسکے ثواب اور بدلے کیلئے اللہ تعالیٰ اسے مزید محبتوں سے نواز دیتا ہے، تمام اعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی بہترین اور احسان پر مبنی طریق کار ہے کہ پہلے تو وہ بندے کو عمل کی توفیق دیتا ہے اور عمل کے بعد اس پر اجر اور ثواب سے بھی نوازتا ہے۔ ہمارا رب کتنا مہربان ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت "الودود" (بہت محبت کرنیوالا) بتلائی ہے، وہ اپنے مؤمن بندوں سے بہت محبت کرتا ہے، اور مؤمنین اس کیساتھ بہت محبت کرتے ہیں۔

اے اللہ! اے میرے مولا! ہمیں بھی اپنی محبت کا اہل بنا دے۔ آمین!۔

۶- چھٹا فائدہ :

جو چیزیں محبت کو زائل کرنے والی اور محبت کے منافی ہیں:

محبوب اعلیٰ یعنی اللہ رب العزت کی محبت اور اسکے ساتھ ساتھ دنیا کے پری چہروں کی محبت اور عشق کبھی جمع نہیں ہو سکتے، یہ دونوں ایکدوسرے کی ضد ہیں ...... کو اصلی کرنے

کیلئے پہلے کی قربانی اور پہلے کے حصول کیلئے دوسرے سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں سچی محبت توحید کا تقاضا کرتی ہے، یہ کسی شراکت کی متحمل نہیں ہوتی، یہ عاجز مخلوق بھی محبت کے حوالے سے بڑی غیرت مند ہوتی ہے اور جو شخص دورنگی چال چلے اسے بے وفائی کا طعنہ دیتی ہے، ناراض ہوتی ہے، قریب نہیں پھٹکنے دیتی اور دعوی محبت میں جھوٹا قرار دیتی ہے تو پھر محبوب اعلیٰ جو تمام جہاں کا خالق ہے وہ اپنی محبت میں شراکت کیسے برداشت کر سکتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ شرک کے سوا تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، اور مشرکین کا اکثر شرک اسی محبت سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا عقلمند انسان کو ایک ہی محبت اختیار کرنی چاہیئے، وہ محبت جو انسان کی سعادت و کامیابی کی ضامن ہے، جس محبت میں اسکا سکون، اسکا قرار اور چین ہے، وہ صرف اللہ رب العزت کی محبت ہے۔ باقی سب محبتیں وبال اور عذاب ہیں اور جو شخص اللہ کی محبت سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عورتوں، خوبصورت بچوں، اور عام قسم کے لوگوں کی محبت میں گرفتار کر دیتا ہے، یا پھر ان سے بھی کمتر اور حقیر چیزوں کی محبت اس پر سوار ہو جاتی ہے اور اسکی زندگی ایک مسلسل عذاب بن جاتی ہے اسی وجہ سے کلمہ طیبہ کی اصل روح یہ ہے کہ صرف رب تعالیٰ کو ہی محبت، تعظیم، خوف، امید، توکل، انابت اور رغبت و رہبت کا مرکز مانا جائے، اسکے سوا نہ کسی سے محبت ہو نہ کسی پر توکل، نہ کسی کی طرف رغبت اور نہ کسی کا ڈر، نہ کسی کے آگے جھکا جائے اور نہ کسی کی طرف رجوع ہو، نہ کسی کیلئے نذر و نیاز اور نہ کسی کے نام کی قسم، سختیوں اور مشکلات میں اُس کے سوا کس کو پکارا جائے اور نہ ہی کسی اور کی بارگاہ میں التجا و آہ و زاری کی جائے۔ یہ تمام چیزیں ایک جملے میں جمع ہوتی ہیں وہ یہ کہ عبادات کی تمام اقسام صرف اللہ رب العزت کیساتھ خاص کر دی جائیں۔

یہی لا الـــہ الا اللہ کی حقیقت ہے، اسے قبول کرنیوالوں پر ہی جہنم کی آگ حرام ہوتی ہے بعض لوگ تو اس کلمے کی گواہی دل و جان اور ظاہر و باطن کیساتھ دیتے ہیں، جبکہ بعض کی گواہی بے جان ہوتی ہے اور بعض کی نیم جان۔ جب انہیں جگایا جائے تو جاگ پڑتے ہیں۔

جسطرح بدن کیلئے روح کی اہمیت ہے اسی طرح دل کیلئے یہ گواہی اہم ہے، بعض روحیں

مردہ ہیں، بعض بیمار، بعض صحت کے قریب اور بعض بالکل صحت یاب۔

حدیث میں آتا ہے: " انی لأعلم کلمة لا یقولها عبد عند الموت الا وجدت روحه لها روحاً "

(رواہ احمد ۱/ ۳۷، وابن ماجه (۳۷۹۵) والحلیة (۲/ ۲۹۶)

(مجھے ایک ایسے کلمے کا علم ہے کہ جب بھی کوئی شخص موت کے وقت اسے پڑھتا ہے تو اسکی روح کو روح مل جاتی ہے) (مسند احمد، ابن ماجہ)

روح کی زندگی اسی کلمے کے مرہونِ منت ہے جیسا کہ بدن کی حیات، روح کی حیات کیساتھ وابستہ ہے۔

لہٰذا ہر عقلمند شخص کو اس کلمے کو اپنے دل اور روح میں زندہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہمیشہ والی جنتوں سے پہلے ہی اُسے دنیا میں محبت الٰہی اور اُنس وشوق کی جنت مل سکے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾۔ (النحل/ ۹۷)

(جو بھی نیک عمل کرے، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، ہم اسے بہترین اور پاکیزہ زندگی سے نوازتے ہیں)

اور فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾۔ (الانعام/ ۱۲۵)

(جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہیے اسکا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

اور فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ، لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾۔ (یونس/ ۶۴)

(سن لو! بے شک اولیاء اللہ پر نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں، انکے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی، اللہ کے فیصلوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہ

عظیم کامیابی ہے)

ہر مخلص مؤمن سب لوگوں سے زیادہ پرسکون اور نعمت والی زندگی بسر کرتا ہے، اسکا سینہ کشادہ اور دل مسرتوں سے لبریز ہوتا ہے اور یہی جلدی ملنے والی جنت ہے حدیث میں آتا ہے: "اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا"

(جب تم جنت کے باغیچوں میں سے گذروتو کچھ کھاپی لیا کرو)

لہذا اللہ رب العزت کی محبت سے غفلت اور کوتاہی مت کیجئے ورنہ دنیا وآخرت کی حسرت اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اور یاد رکھیئے کہ دنیا کی کسی بھی چیز کے ضیاع کے بعد اسکا نعم البدل یا عوض مل سکتا ہے لیکن اللہ رب العزت کی محبت ضائع کر بیٹھے تو دنیا کی کوئی چیز اسکا عوض نہ بن سکے گی۔

ایک اثر میں آتا ہے: اے ابن آدم! میں نے تجھے عبادت کیلئے پیدا کیا ہے لہذا تو کھیل کود میں مت لگ، میں نے تیری کفالت کا ذمہ لیا ہے لہذا تو رزق کیلئے مت تھک، اے ابن آدم! مجھے ڈھونڈ، اگر مجھے ڈھونڈے گا تو پالے گا، اور اگر تو نے مجھے حاصل کر لیا تو سب کچھ پالیا، اور اگر مجھے کھودیا تو گویا سب کچھ کھودیا، اور مجھے پانا اسطرح ممکن ہوسکتا ہے کہ میں سب سے بڑھ کر تجھے محبوب ہو جاؤں (تفسیر ابن کثیر/سورۃ الذاریات)

بہر حال یہ بات تو طے ہے کہ جب غیر اللہ کی محبت دل میں سما جائے تو اللہ کی محبت دل سے رخصت ہو جاتی ہے، اسی لیے جب کوئی شخص اللہ سے محبت کرتا ہے اور پھر اپنی نگاہوں کو آزاد چھوڑ دیتا ہے اور پھر ان کے راستے پرائے چہروں کی محبت اسکے دل میں اتر جاتی ہے تو اللہ کی محبت اس دل سے نکل جاتی ہے اور انسان حیران و پریشان رہ جاتا ہے، میدانِ عشق کے شہسواروں کے تجربات اس بات کے گواہ ہیں۔

۷۔ساتواں فائدہ : سچی محبت کی علامات وآثار

سچی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندے کا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی جانب سفر کرتا رہے اور جب بظاہر کسی اور کام میں مصروف ہو تب بھی دل کی گہرائیوں سے اللہ کی یاد میں مگن ہو، اور جب

مصروفیت ختم ہو جائے تو خیالات مجتمع ہو جائیں اور محبوب کی جانب سفر تیز تر ہو جائے۔

اس علامت کا اظہار چار جگہوں پر ہوتا ہے۔

١- جب انسان دنیا کے کاموں سے تھک ہار کر اپنے بستر پر دراز ہوتا ہے تو سونے سے پہلے اپنے محبوب کو ضرور یاد کرتا ہے۔

٢- جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو سب سے پہلی بات جو اُسکے دل و دماغ میں پیدا ہوتی ہے وہ محبوب کا ذکر ہے، کیونکہ نیند کی غفلتوں میں محبوب کھو گیا تھا اب روح واپس لوٹی تو محبوب کی یاد چونکہ روح میں رچ بس چکی ہے لہٰذا روح کے لوٹتے ہی محبوب بھی یاد آجاتا ہے۔

٣- جب انسان نماز میں داخل ہوتا ہے تب بھی محبوب اعلیٰ اللہ رب العزت کی یاد اسکے دل کو جھر دیتی ہے، کیونکہ نماز ہی تمام اعمال کا ترازو ہے بلکہ ایمان بھی اسی ترازو میں تولا جاتا ہے، نماز بندے اور اسکے رب کے درمیان بہترین وسیلہ ہے یہ مناجات اور قرب کا مقام ہے، یہ لذت اور عیش کی چیز ہے، یہ راحت اور قرار کی جگہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ بلال ؓ کو فرماتے کہ "اذان دیجئے اور ہمیں راحت پہنچایئے" کیونکہ غیروں کیساتھ میل جول اور مخلوق کیساتھ تعلق پر طبیعت گھبرا جاتی ہے اور جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو انسان ماسوی اللہ سے بھاگ کر اللہ کے دامنِ رحمت کی طرف لپکتا ہے، اسکے ذکر پر مطمئن ہوتا ہے، اسکے سامنے کھڑا ہو کر آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے، گویا کہ پہلے قید میں تھا اور اب رہائی پائی ہے۔

بعض سلف صالحین کا قول ہے: "ليس بمستكمل الايمان من لم يزل في غم وهم حتى تحضر الصلاة فتزول همه وغمه"

(کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکی یہ کیفیت نہ ہو کہ نماز سے پہلے فکروں کا شکار اور غمگین ہو، اور نماز پڑھتے ہی اسکا غم اور فکر زائل ہو جائے)

نماز تو محبین کے دلوں کی لذت، روحوں کا سرور، نفوس کی سرشاری اور آنکھوں کی ٹھنڈک

ہے، انہیں نماز پڑھتے ہوتے اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ اسے ختم کرنا ہے بلکہ اس بات کا غم ہوتا ہے کہ ختم کیوں کرنا ہے، جبکہ محبت سے عاری لوگوں کو اسی بات کا غم ہوتا ہے کہ جلدی نماز ختم ہو جائے، محبین کا معاملہ الگ ہے اور ٹھونگیں مارنے والے نمازیوں کا معاملہ الگ ہے۔ اول الذکر کو اگر ثانی الذکر کے پیچھے نماز پڑھنی پڑ جائے تو یہ اللہ سے انکے برے طرزِ عمل کی شکایت کرتے ہیں اور ثانی الذکر کو اگر اول الذکر کے پیچھے نماز پڑھنی پڑ جائے تو طوالت کا رونا روتے ہیں بالجملہ یہ کہ نماز ہی ایمان اور محبت کی میزان ہے تو کیا آپ اس میزان پر پورے اترتے ہیں؟

۴- سختیوں اور مصیبتوں کے وقت بھی دل اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے، اسی کی طرف بھاگتا ہے، اسی وجہ سے لوگ جنگ کی حالت میں بھی محبوب کی یاد پر فخر کرتے تھے ایک حماسی شاعر کہتا ہے:

ذكرتك والخطي يخطر بيننا وقد نهلت منا المثقفة السمر

(میں اُس وقت بھی تجھے یاد کر رہا تھا جبکہ ہم نیزوں میں گھر چکے تھے اور نیزے ہمارے لہو سے سیراب ہو چکے تھے)

اور ترمذی (۳۸۳۳) ایک حدیث میں آتا ہے: میرا حقیقی بندہ تو وہ ہے جو اُس وقت بھی میری یاد میں مصروف ہو جبکہ اُسکا ٹکراؤ اپنے مدمقابل سے ہو رہا ہو۔

(اس حدیث میں کلام ہے البتہ اسکا معنیٰ صحیح ہے)

اور اسکا راز شاید یہ ہے کہ جب سخت خطرات لاحق ہوں اور جان پر بن آئے تو انسان کو زندگی کے خاتمے کیساتھ ہی محبوب کیساتھ تعلق بھی ختم ہوتا نظر آتا ہے لہٰذا وہ شدت کیساتھ محبوب کو یاد کرتا ہے یہانتک کہ بہت سے لوگوں کی موت پر انکی زبان انکے محبوب کا نام جاتی ہے۔

تو جس شخص کی زندگی اللہ کی محبت اور اسکے ذکر سے آباد ہو وہ موت کی پُرفتن گھڑی میں بھی اللہ ہی کا نام لیتا ہے۔

اور جو پوری زندگی غفلت کا شکار رہا وہ موت کے وقت بھلا اللہ کا نام کیسے لے سکتا ہے۔ (واللہ المستعان)

اگر آپ ان چار جگہوں پر اللہ کو یاد کرنیوالوں میں سے ہیں تو یہ سچی محبت کی علامت ہے اور اگر نہیں تو محبت کے جھوٹے دعویدار ہیں اور بس!۔

۸-آٹھواں فائدہ : محبت کی اقسام

۱-وہ محبت جسکا تعلق شہوت کیساتھ ہو، جیسے انسان کا اپنی بیوی یا لونڈی سے محبت کرنا۔

۲-وہ محبت جسکا تعلق شفقت کیساتھ ہو، جیسے والد کا اپنی اولاد سے محبت کرنا، یا بڑوں کا چھوٹوں کیساتھ محبت کرنا۔

۳-باہمی الفت اور میل جول والی محبت، جیسے ہمسفر ساتھیوں کی ایک دوسرے سے محبت وغمخواری۔

۴-وہ محبت جسکا تعلق دین کیساتھ ہو، جیسے ایمان والوں کی باہمی محبت۔

پہلی تین اقسام والی محبت طبعی کہلاتی ہے، یہ جائز اور فطری محبت ہے جب تک اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردے اُس وقت تک اس میں کوئی حرج نہیں۔

جبکہ چوتھی قسم کی محبت واجب ہے۔ اس کے علاوہ ایک پانچویں قسم بھی ہے اور وہ یہ کہ :

۵-وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی محبوب چیزوں سے محبت کرنا۔ یہ بھی واجب ہے۔

۶-اللہ کی محبت، یہ سب سے الگ اور جدا محبت ہے اس محبت میں عبودیت، خضوع، انکساری اور غیر مشروط اطاعت، جیسے لوازم بھی شامل ہیں اور یہ اللہ کے علاوہ کسی کیلئے جائز نہیں، جو شخص بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کسی کے ساتھ اس انداز کی محبت کرتا ہے وہ شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

۷-غیر اللہ کیساتھ اللہ والی محبت کرنا، یہ شرک ہے، جو شخص بھی اللہ کیساتھ اسکی محبت میں کسی کو شریک کرتا ہے جبکہ یہ محبت نہ تو اللہ کیلئے ہے، نہ اسکی وجہ سے ہے اور نہ ہی اسکی رضا کی

خاطر۔ تو ایسا شخص اپنے محبوب کو اللہ کا شریک بنا رہا ہے، یہی وہ محبت ہے جو مشرکین اپنے معبودوں اور مقلدین اپنے اماموں کیساتھ کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے امام کی غیر مشروط اطاعت بجالاتے ہیں۔

لہٰذا حقیقی مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی محبتوں کا مرکز صرف اللہ کو بنائے تا کہ اسکی توحید اور ایمان مکمل ہو سکے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو سراسر گھاٹے کا سودا کرتا ہے، وہ تو خود کو مؤمن سمجھ رہا ہے حالانکہ وہ دوسروں کو اللہ کا شریک بنا چکا ہے، یہی وہ محبت ہے کہ جو بہت سے اسلام کا دعویٰ کرنیوالے قبر والوں کیساتھ اور نیک لوگوں کے آثار و مشاہد کیساتھ بجالاتے ہیں۔ اسلام کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں لیکن قبر والوں کیساتھ انکی محبت اللہ جیسی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ ایسی واضح بات ہے جو کسی پر مخفی نہیں ہے۔

اسی طرح اہل تقلید کی اپنے امام کیساتھ محبت بھی اس درجے پر ہے۔

مختلف گروہوں اور تنظیموں کے افراد کی اپنے لیڈروں اور امراء کیساتھ محبت بھی اسی انداز کی ہوتی ہے۔ اسی طرح مریدوں کی محبت اپنے پیر کیساتھ۔

جبکہ بعض طلبہ تو اپنے اساتذہ کی محبت و تعظیم میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ انہیں انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی بڑھ کر درجہ دیتے ہیں۔

یہ تمام بگاڑ صوفیوں، متاخرین اور مختلف تنظیموں، پارٹیوں اور گروہوں کے متعصب افراد میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

باشعور اور ذہین و فطین لوگ ان باتوں کو جانتے ہیں، لیکن غافل اور بد عقل لوگ ایمان کے ان حقائق سے کوسوں دور ہیں، ایسے لوگوں سے ہماری کوئی بحث نہیں۔

۹-نواں فائدہ : محبت کے درجات :

۱- وہ محبت جو وسوسوں کو کاٹ پھینکے، کیونکہ وسوسے اور محبت ایک دوسرے کی ضد ہیں، وسوسے اسی دل میں جگہ بناتے ہیں جو محبوب کے ذکر سے خالی ہو، محبّ کا دل تو محبوب کے

ذکر سے پر رہتا ہے، وسوسے تو اہل غفلت اور اللہ عزوجل سے اعراض کرنے والوں کا نصیب ہیں۔

یہ وہ محبت ہے جس میں محبوب کی خدمت کر کے سکون ملتا ہے اور تھکاوٹ کا احساس تک نہیں ہوتا، یہ محبت مصائب و تکالیف میں بھی تسلی اور مرہم بن جاتی ہے کیونکہ محبت کی لذت اور سرشاری دیگر تمام چیزوں کو بھلا دیتی ہے جبکہ محبت سے عاری لوگ ان تمام باتوں سے بھی عاری ہوتے ہیں۔

محبوب کی طرف سے ملنے والے دکھ بھی سچے محب کیلئے اسقدر لذت کا باعث ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ اپنی خواہشات کو پورا کر کے بھی اتنی تسکین نہیں پاتے۔

یہ محبت اللہ عزوجل کی نعمتوں کا مطالعہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اتباع سنت کے ذریعے توانا ہوتی ہے، اور اللہ عزوجل کے تمام احکام کی بلاچوں و چرا نہایت عجز و انکسار کیساتھ تعمیل کرنے سے مزید بڑھ جاتی ہے۔

۲- وہ محبت جو اسقدر شدید ہو کہ انسان حق تعالیٰ کو باقی تمام مخلوق پر ترجیح دے اللہ کیلئے باقی سب کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو لیکن کسی اور کی خاطر اللہ عزوجل کو نہ چھوڑے ہر وقت اللہ کا ذکر کرے کیونکہ جس کیساتھ محبت ہو ہمیشہ اسکی یاد انسان کیساتھ رہتی ہے، اور دل میں یہ محبت یوں جاگزیں ہو کہ کسی اور کا خیال تک نہ آئے گویا محبوب کے خیال میں اسقدر مگن ہے کہ غیر سے بالکل بے نیاز و لاتعلق ہو چکا ہے۔

یہ محبت اللہ تعالیٰ کی پیاری صفات کا مطالعہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے، اسی طرح کائنات کے بھیدوں پر غور کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں دیکھنے سے مضبوط ہوتی ہے اور ایمان و احسان کے درجات پر استقامت اختیار کرنے سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔

۳- تیسرے درجے پر وہ محبت ہے کہ عبارت اسکے بیان سے قاصر اور قلم اسکے اظہار سے عاجز ہے، یہ وہ خاص الخاص محبت جو اللہ عزوجل کی جانب سے اپنے خاص الخاص بندوں کے دلوں میں اتار دی جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

۱۰-دسواں فائدہ: محبت کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ/۵۴)

(اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور یہ اللہ سے محبت کرتے ہیں)

اور فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ...... الآية﴾۔ (التوبہ/۲۴)

(اگر تمہارے آباء و اجداد اور تمہارے بیٹے ...... الآیۃ)

بہت سی چیزیں اور رشتے ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر یہ سب تمہیں اللہ اور اسکے رسول اور اسکے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔

اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرۃ/۱۶۵)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ کی محبت میں شدید ترین ہیں)

حدیث میں آتا ہے: "تین صفات جس شخص میں ہوں وہ ایمان کی مٹھاس کو پالیتا ہے ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ اور اسکا رسول اسے باقی تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: " احبوا الله لما يغذوكم من نعمه، أحبوني لحب الله"۔ (رواه الترمذی و حسنه، وضعفه بعضهم)

(اللہ سے محبت کرو ان نعمتوں کی بناء پر جو اُس نے تمہیں عطا کی ہیں اور مجھ سے محبت کرو، اللہ کی محبت کی خاطر۔) (ترمذی)

نبی کریم ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو خستہ حال دیکھ کر صحابہ سے فرمایا: اس شخص کو دیکھو، اس کے دل میں اللہ کا نور ہے، میں نے اسے اس حال میں بھی دیکھا ہے جب یہ اپنے ماں باپ کے پاس تھا، وہ اسے بہترین خوراک اور مشروبات دیتے تھے، لیکن اللہ اور اسکے رسول کی محبت اسے اس حال تک لے آئی ہے۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ: " اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ"

(ہر شخص قیامت کو اسی کیساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)

رسول سے محبت کرتا ہوں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "من ذاق من خالص محبة الله تعالیٰ شغله ذلك عن طلب الدنیا واوحشه عن جمیع البشر"

(جو شخص اللہ تعالیٰ کی خالص محبت کا مزا چکھ لے وہ دنیا کی طلب سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور پھر اسے تمام لوگوں سے وحشت آتی ہے)

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے اپنے رب کو پہچان لیا وہ ضرور اس سے محبت بھی کریگا، اور جس نے دنیا کو پہچان لیا وہ اس سے بے رغبت ہو جائیگا اور کبھی غافل نہیں ہوتا، جب بھی غور و فکر کرتا ہے تو غمگین ہو جاتا ہے۔

ابو سلیمان کہتے ہیں: اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جنہیں جنت کے باغات اور انکے نعمتیں مشغول نہیں کرتی، بھلا ایسے لوگ اللہ سے دنیا میں کس طرح مشغول ہو سکتے ہیں؟۔

ھرم بن حیانؒ کہتے ہیں: مؤمن جب اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو اس سے محبت کرنے لگتا ہے، اور جب رب تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، اور جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اسے ایسی مٹھاس حاصل ہوتی ہے کہ پھر وہ دنیا کو شہوت کی نظر سے نہیں دیکھتا اور آخرت کو غفلت کی نظر سے نہیں دیکھتا یہ مٹھاس اسے اس بات پر مجبور کر دیتی ہے کہ دنیا پر تُف بھیج کر آخرت کی جانب گامزن ہو جائے۔

بعض کتبِ الٰہیہ میں آتا ہے: (اے میرے بندے! تیرا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں تجھ سے محبت کروں، اور تجھ پر بھی یہ میرا حق ہے کہ تو مجھ سے محبت کر)

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک رائی کے دانے برابر محبت بھی مجھے ستر سال کی اس عبادت سے زیادہ محبوب ہے جو عبادت بغیر محبت کے ہو۔

سحنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محبت کرنیوالے تو دنیا و آخرت کا شرف سمیٹ گئے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "المرء مع من أحب"۔

(ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے)

تو یہ لوگ دنیا وآخرت میں اللہ عزوجل کے ساتھ ہیں۔

ذوالنون رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہر شخص کی ایک سزا ہوتی ہے، عارف کی سزا یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے ذکر سے منقطع ہو جائے۔

ابو سلیمان : کہتے ہیں: عارف پر بعض اوقات بستر پر لیٹے ہوئے ہی رحمت الٰہی کے ایسے دریچے کھلتے ہیں جو نماز پڑھتے وقت بھی نہیں کھلتے۔

یحیی بن معاذ کہتے ہیں: عارف جب دنیا سے جاتا ہے تو دو چیزوں کی حسرت ابھی اسکے دل میں باقی ہوتی ہے۔ اپنی خطاؤں پر آنسو بہانا اور اپنے رب کی طرف اشتیاق۔

بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ کوئی عارف اس وقت تک سچا عارف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس حد تک پختہ نہ ہو کہ اگر اسے سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت بھی دے دی جائے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ سے پلک جھپکنے کے برابر بھی مشغول نہ کر پائے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عارف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے مانوس اور غیروں سے نامانوس ہوتا ہے، اللہ کے در کا ہی فقیر ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اُسے مخلوق سے بے پرواہ کر دیتا ہے، اللہ کے آگے ذلیل ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اُسے مخلوق کیلئے معزز بنا دیتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی طرف رغبت کرنا، اسکی ملاقات کا شوق اور اسکی محبت بندے کا رأس المال، سعادت کی بنیاد اور اسکی پاکیزہ زندگی کا ماحصل ہے اسی میں اسکی کامیابی، اسکی نعمتیں اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسی چیز کا اللہ نے حکم دیا ہے، اسی کیلئے رسول بھیجے، اور کتابیں نازل کی گئیں، دلوں کی اصلاح اور نعمت صرف اور صرف اللہ عزوجل کی جانب رغبت وشوق میں پنہاں ہے :

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴾

(جب بھی آپ فارغ ہوں تو خود کو رب کی عبادت میں تھکایئے اور صرف اپنے رب کی طرف رغبت کیجئے)

رغبت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں:

اللہ میں رغبت کرنیوالا، جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس میں رغبت رکھنے والا اور اللہ سے ہٹ کر دوسری چیزوں میں رغبت کرنیوالا۔

محب وہ ہے کہ اللہ میں رغبت رکھتا ہے۔

عامل وہ ہے جو "ماعند اللہ" میں رغبت رکھتا ہے۔

دنیا پر راضی ہو کر آخرت کو فراموش کر دینے والا، اللہ تعالیٰ اور اسکی اخروی نعمتوں کو چھوڑ کر دوسری چیزوں میں رغبت رکھتا ہے۔

جو شخص اللہ میں رغبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر پریشانی سے نجات عطا فرماتا ہے تمام کاموں میں اسکا کارساز بن جاتا ہے، تمام آفات سے اُسے بچاتا ہے بالکل اسی طرح جیسے بچے کو بچایا جاتا ہے، جو اللہ کو غیر پر ترجیح دے تو اللہ بھی اسے غیروں پر ترجیح دیتا ہے، جو اللہ کا ہو جائے، اللہ اُس کا ہو جاتا ہے، جو شخص اللہ کو پہچان لے تو اس کی نظر میں اللہ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہیں رہتا، اسکا التفات ماسوا سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف مڑ جاتا ہے۔

معرفتِ الٰہی کی ایک علامت ہیبت بھی ہے، جسقدر معرفت بڑھتی ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور خشیت بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾ (فاطر/۲۸)

(اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والے صرف علماء ہی ہیں)

یعنی وہ لوگ جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں۔

اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: "أنا أعرفكم بالله وأشدكم له خشيةً"

(میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتا ہوں اور سب سے بڑھ کر اس سے ڈرتا بھی ہوں)۔

جو شخص اللہ کو پہچان لے اسکی زندگی سنور جاتی ہے، ہر کوئی اس سے ڈرتا ہے، مخلوق کا خوف ختم ہو جاتا ہے، اللہ کا اُنس حاصل ہو جاتا ہے، مخلوق کیساتھ پھر دل ہی نہیں لگتا، اور یہ معرفت انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ سے حیا، اسکی تعظیم واجلال، مراقبہ، محبت، اس پر توکل، اسکی جانب انابت، اس پر رضا اور اسکے احکامات کی تعمیل کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔

(انظر الاحیاء للغزالی، ومحبة اللہ عزوجل لابن القیمؒ)

۱۱- گیارہواں فائدہ: محبت کے متعلقات:

اللہ کی ملاقات کا شوق، غیرت اور رضا یہ سب باتیں محبت کے متعلقات ہیں ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ یہ دُعا مانگا کرتے تھے:

" اَسْئَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَائِكَ "

(اے اللہ! میں تجھ سے تیرے چہرے کی لذت زیارت، اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں)

ایک اثر میں آتا ہے:" طال شوق الأبرار الی لقائي وأنا الی لقائهم أشوق"

(وهذا كان في التوراة، كما فی الاحیاء ۵/۹۱)

(نیک لوگوں کو مجھ سے ملاقات کا بہت شوق ہے، جبکہ میں اُن سے بھی زیادہ انکی ملاقات کا شوق رکھتا ہوں) (یہ تورات میں لکھا ہے)

اس میں یہ بھی ہے:" من طلبني وجدني، ومن طلب غيري لم يجدني"

اَخبارداؤد میں آتا ہے: میرے اُن بندوں سے کہہ جو میری محبت کے طلبگار ہیں: میں باقی مخلوق سے حجاب میں ہوں لیکن تم مجھے دل کی آنکھ سے دیکھ چکے ہو اب تمہیں کیسا کھٹکا؟ اور تم پر کیا حرج یا نقصان ہے کہ میں نے اپنا دین تمہارے لیے بچھا دیا ہے لیکن دنیا تم سے لپیٹ لی ہے؟ اور تمہیں مخلوق کی ناراضگی کیا نقصان پہنچا سکتی ہے جبکہ تم میری رضا کے متلاشی ہو۔

اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی طرف وحی فرمائی کہ تم میری محبت کا زعم رکھتے ہو، اگر اس محبت میں سچے ہو تو دنیا کی محبت کو دل سے نکال پھینکو، کیونکہ میری محبت اور دنیا کی محبت کا ایک جگہ پر اجتماع ناممکن ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد! مجھ سے پیٹھ پھیر کر چلے جانے والوں کو اگر علم ہو جائے کہ میں کس طرح انکا انتظار کرتا ہوں، اور کتنا مہربان ہوں، اور مجھے انکے گناہوں کو ترک کر دینے کی کتنی چاہت ہے، تو یہ لوگ میرے شوقِ ملاقات سے مر جائیں، اور میری محبت میں اُنکے جوڑ جوڑ الگ ہو جائیں۔

اے داؤد! میرا یہ رویہ پیٹھ پھیرنے والوں کیساتھ ہے تو میری طرف آنے والوں سے کیسا ہوگا؟ اے داؤد : بندہ سب سے زیادہ محتاج اُس وقت ہوتا ہے جب مجھ سے بے پرواہ ہوجائے، اور مجھے اس وقت اس پر بہت رحم آتا ہے جب وہ مجھ سے پیٹھ پھیر لے، اور میرے نزدیک اسکا مقام اس وقت بہت بڑھ جاتا ہے جب وہ میری طرف پلٹ آتا ہے۔ (انظر الاحیاء ۵/۹۳،۹۵)

یہ آثار "حَدِّثُوا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ" کے تحت آتے ہیں۔(۱)

پھر شوق کی دو قسمیں ہیں :۱-ایک تو اللہ کی جنت اور اس میں ملنے والی نعمتوں، اللہ کی رضا، اسکے فضل وغیرہ کا شوق جسکے بارے میں فرمایا:﴿ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾۔(اس میں شوق کرنے والوں کو شوق رکھنا چاہیئے)

اس حوالے سے بہت سی احادیث اور آیات وارد ہوئی ہیں۔

۲-دوسرا اللہ رب العزت کے دیدار، اسکی ملاقات اور لذتِ مناجات کا شوق جو کہ سب سے اعلیٰ نعمت اور علی الاطلاق سب سے بڑی لذت اور دلوں کا سرور ہے جو شخص اللہ کی ملاقات چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴾ (الکھف/۱۱۰)

(جو شخص اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے

---

(۱) یہ حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ اسرائیلی روایات کو بغیر تصدیق وتکذیب کے بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اصل قاعدہ یوں ہے کہ اسرائیلی روایات کی تین اقسام ہیں ۱/ وہ روایات جنکی تائید ہماری شریعت بھی کرتی ہیں انکی تصدیق کرنا واجب ہے ۲-وہ روایات کہ ہماری شریعت اُنکی تردید کرتی ہے وہ باطل ہیں اور یہود ونصاریٰ کی تحریفات میں سے ہیں لہٰذا انکی تکذیب کرنا واجب ہے۔ ۳-وہ روایات کہ ہماری شریعت میں جنکی نہ تو تصدیق کی گئی ہے اور نہ ہی ہماری شریعت میں انکی تکذیب کی گئی ہے، انہی کے متعلق یہ حدیث ہے۔ اب ہر روایت کو قرآن وحدیث پر پیش کیا جائیگا اور اسکے بعد یہ فیصلہ ہوگا کہ اسے بیان کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ مترجم)

رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔)

اور فرمایا: ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا﴾۔ (الانعام/۳۱)

(یقیناً خسارے میں ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یہانتک کہ جب اچانک ہی قیامت انکے پاس آ پہنچے گی تو کہیں گے: ہائے افسوس اُس کوتاہی پر جو اس بارے میں ہم نے روا رکھی)

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات پر تدبر کیجئے۔ اس سے آپکو شوق کی قدر و منزلت کا اندازہ ہوگا۔

شوق کی تیسری کوئی قسم نہیں۔ صاحب المنازل نے جو اقسام ذکر کیں ہیں في الواقع انکا کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ مؤمن یا تو جنت کا مشتاق ہوتا ہے یا پھر اللہ کے دیدار اور اسکی رضا کا۔ (اے اللہ! ہمارے رب! ہمیں بھی انہی لوگوں میں شامل کردے)

غیرت بھی اللہ کی ایک صفت ہے، اسی طرح بندوں کی بھی صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس بات پر غیرت آتی ہے کہ اسکا بندہ کوئی حرام کاری کرے، اور اس بات پر بھی غیرت آتی ہے کہ غیر اہل لوگ اسکی بات کو سمجھیں یا اسکا ذکر کریں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ (الاسراء/۴۵)

(اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپکے اور ان کے درمیان ایک پردے کی آڑ بنادیتے ہیں جو کہ ایمان نہیں لاتے)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کو اس بات پر غیرت آتی ہے کہ غیر اہل لوگ اسکے کلام کو سمجھیں۔

اور فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا﴾ (الکھف/۲۸)

(اور اُس شخص کی اطاعت مت کیجئے جسکے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے)

اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اللہ عزوجل کو اس بات پر غیرت آتی ہے کہ اسکا ذکر

ایسی زبان پر جاری ہو جو اسکے لائق نہیں، اسی طرح اپنے مؤمن بندے پر بھی غیرت آتی ہے کہ وہ غیروں کی غلامی کرے۔

اور مؤمن کی غیرت یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کو حاصل کرنے کا شدید حریص ہوتا ہے مؤمن کا دل جب پراگندہ خیال ہوتا ہے تو بھی اسے غیرت آتی ہے کہ صرف محبوب کے خیال پر جمعیتِ خاطر کیوں نہیں؟ اس طرح جب اللہ سے اعراض کرے تو مؤمن کی غیرت پھر اُسے اللہ کے راستے پر لے آتی ہے۔

بُری صفات پر بھی اسے غیرت آتی ہے جو اُسے اچھی صفات کی طرف لے جاتی ہے۔

یہ وہ غیرت ہے جو صرف پاکیزہ اور شریف نفوس میں پائی جاتی ہے، جسقدر پاک نفس ہوگا اسی قدر غیرت مند ہوگا، جبکہ گھٹیا اور ذلیل نفوس پر اس غیرت کا کوئی گذر نہیں۔

ایسا مؤمن اس بات پر بھی غیرت کرتا ہے کہ اپنے اقوال، اعمال، احوال، اوقات اور سانسیں حتیٰ کہ کوئی بھی چیز غیر اللہ کیلئے وقف کرے۔

اسی طرح جب کوئی اللہ کی حرمتوں کو پامال کرتا ہے تو مؤمن کو غیرت آتی ہے اور غصے کی وجہ سے بعض اوقات اسکا ہاتھ بھی اُٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ حقوق اللہ کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں، مؤمن کو اُن پر بھی غصہ آتا ہے۔ یہ غیرت اپنے اعلیٰ مراتب کیساتھ نبی کریم ﷺ میں موجود تھی۔

اور یہ غیرت بندے کی اپنے رب کیساتھ محبت اور معرفت کی دلیل ہے۔

محبتِ الٰہی کے متعلقات میں سے ایک اللہ عزوجل کیساتھ اُنس بھی ہے، اسکا بیان آئندہ فائدے میں کیا جائے گا۔ اسی طرح رضا کا بیان بھی عنقریب آرہا ہے ان شاءاللہ۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

۲۰- فائدہ

کیا آپ اللہ عزوجل کیساتھ انس سے واقف ہیں؟

کیا آپ نے اسکی مٹھاس چکھی ہے؟ اور اسکے اسباب سے آگاہ ہیں؟

اس زمانے میں یہ ایک نادر چیز ہے، صرف اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی اس سے واقف ہیں؟ اللہ کا اُنس کئی چیزوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱- غمگین آواز کیساتھ قرآن کریم کی تلاوت سننا۔

۲- اطاعت کے ذریعے بھی اُنس پیدا ہوتا ہے جبکہ معصیت وحشت کی علامت ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب تمہیں گناہوں سے وحشت ہونے لگے تو انہیں چھوڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کرو اس میں تمہیں اُنس حاصل ہوگا۔

۳- اللہ کا قرب بھی انسان کے دل میں اللہ سے مانوسیت، محبت اور ہیبت پیدا کرتا ہے عنقریب، ہم قرب کے اسباب بھی ذکر کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴- ذکر اذکار، تسبیح وتہلیل وغیرہ سے بھی اُنسِ الٰہی پیدا ہوتا ہے، اس حوالے سے یہ بہترین نسخہ ہے جبکہ قوالی وغیرہ جیسے شیطانی سماع جنکا تذکرہ صوفیوں کی کتب میں ملتا ہے وہ تو وحشت کا باعث ہیں۔

۵- لوگوں کے کلام کے بعض اشارات یا بعض چیزوں کا مشاہدہ بھی انسان کی توجہ اللہ کی جانب موڑنے کا سبب ہوجاتا ہے۔

۶- اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنٰی کا معنی جاننے سے بھی اللہ کیساتھ اُنس پیدا ہوتا ہے جیسے " الجَمِیْلُ، الْوَدُوْدُ، الْبَرُّ، اللَّطِیْفُ، الْحَلِیْمُ، الرَّحِیْمُ" اور ایسے دیگر نام۔

۷- سلف صالحین کا اللہ کیساتھ اُنس تو دیکھئے کہ انہیں تکالیف کا احساس تک نہیں ہوتا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے معلقاً اور ابوداؤد رحمہ اللہ نے موصولاً ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی کو مشرک نے تین تیر مارے، جن سے وہ زخمی ہوگئے اور خون بہتا رہا، وہ حالت نماز میں تھے، نماز مکمل کی

اور پھر اپنے ساتھی کو جگایا، اور کہا کہ اگر پہرے کا خوف نہ ہوتا تو میں سورۃ الکہف مکمل کرنے سے پہلے نماز ختم نہ کرتا، میں اس سورت میں ایسا مگن تھا کہ مجھے تین تیروں کے لگنے کا احساس تک نہ ہوا

ابو الحجّاج المِزّیؒ نے ''تحفة الاشراف '' کے مقدمے میں عروہ رحمہ اللہ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے انکے پاؤں میں کچھ مرض لاحق ہوگیا جسکے نتیجے میں طبیبوں کو انکی ٹانگ کاٹنی پڑی اور حالت نماز میں ہی یہ ممکن ہوسکا جب نماز مکمل کی تو انہیں شعور تک نہ ہوا کہ انکی ٹانگ کٹ چکی ہے۔

ہم جیسے لوگ ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ ہم نے اس مزے کو چکھا ہی نہیں، لوگ اس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جس سے خود جاہل ہوں۔

اے اللہ کے بندے! آپ اپنے دوستوں، بیوی، اولاد وغیرہ کیساتھ زیادہ مانوس ہیں یا اللہ رحمٰن ورحیم کیساتھ؟ وہ اللہ جسکے اُنس سے دلوں کو فرحت ملتی ہے خلوت دل کو بھاتی ہے اور لوگوں سے زیادہ میل جول ناپسندیدہ ہوجاتا ہے۔

غور کیجئے! کہیں آپ خسارے کا شکار تو نہیں؟۔

﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَـٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُو لَـٰٓئِكَ هُمُ الْخَـٰسِرُونَ﴾۔(المنافقون/۹)

(اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خسارہ پانے والے ہیں)

اس آیت پر غور کیجئے اور خالی خولی امیدوں کا دامن پکڑ کر مت بیٹھے۔ انس اطاعت ومحبت کا پھل ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ بعض اوقات بندہ اُنس کے ایسے درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ پھر اسے تلوار سے دو ٹکڑے کردیا جائے تو بھی احساس نہیں ہوتا۔ آ کام المرجان ص(۲۴۸)

انس قربت کی روح ہے اور صرف اُس ذکر سے پیدا ہوتا ہے جس میں حلاوت ہو، اور اللہ کی آیات کے سماع سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۱- قیمتی فائدہ : علم القلوب

ہر عقلمند شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے دل کی معرفت اور اصلاح پر خصوصی توجہ دے کیونکہ بدن کی اصلاح کا دارومدار دل کی اصلاح پر ہے اگر دل درست ہو جائے تو جسم بھی درست ہو جاتا ہے اور دل بگڑ جائے تو جسم بھی بگڑ جاتا ہے الحدیث۔

آجکل کے زمانے میں دلوں کا علم بھی بہت کم رہ گیا ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی اسکی طرف متوجہ ہوتا ہے حالانکہ یہ اہم ترین علم ہے۔

ہر عاقل کو جاننا چاہیئے کہ دلوں کی دو قسمیں ہیں:

۱-مؤمنین کے دل۔ ۲-کافروں کے دل۔

ایک تیسری قسم بھی بنائی جا سکتی ہے اور وہ ہے: گناہ گاروں اور نافرمانوں کے دل۔آپ غور کیجئے کہ آپ کا دل پہلی قسم سے تعلق رکھتا ہے یا دوسری، تیسری قسم سے؟ دلوں کی کچھ صفات ہیں جنکے ذریعے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کس قسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔آپ ان صفات کو پہچانیئے اور خوب کوشش کیجئے کہ قلوب المؤمنین والی صفات آپکو حاصل ہوں اور نافرمانوں اور کفار کی صفات سے توبہ کیجئے اور بھاگیئے!۔

مؤمن کا دل تو نور سے بھرا ہوتا ہے، اس میں روشن چراغ جگمگا رہا ہوتا ہے قرآن مجید نے اس حوالے سے کافی وشافی صفات کو جمع کر دیا ہے، جنکا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱-مؤمن کا دل شہوات، شبہات، حسد، کینے، شرک اور دھوکے وغیرہ سے پاک ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ (الشعراء/۸۹)
(مگر جو اللہ کے پاس صحیح سالم دل لیکر آیا)

اور فرمایا: ﴿ اِذْ جَاۗءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ ۔(الصافات:۸۴)
(جب وہ اپنے رب کے پاس صحیح سالم دل لیکر آیا)

۲- اللہ عزوجل کی طرف انابت کرنا، اسکا معنی یہ ہے کہ دل کا گریہ وآہ وزاری کیساتھ اللہ کی طرف جھکاؤ، اور اسی طرح دل کا سخت نہ ہونا بلکہ نرم ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ﴾۔(ق/۳۳) (جو شخص بنا دیکھے رحمان سے ڈر گیا اور انابت والا دل لیکر آیا)

اور فرمایا: ﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ﴾ (الروم/۳۱)

(اسی کی طرف انابت کرو، اور اسی سے ڈرو)

اور فرمایا: ﴿وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ﴾۔(الروم/۳۳)

(اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کی طرف انابت کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں)

۳- مؤمن کا دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾۔(البقرۃ/۲۶۰)

(لیکن اس لیے کہ میرا دل (مزید) مطمئن ہو جائے)

اور فرمایا: ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ﴾ (النحل/۱۰۶)

(مگر وہ شخص جو مجبور کیا گیا حالانکہ اسکا دل ایمان پر مطمئن تھا)

اور فرمایا: ﴿وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا﴾۔(المائدۃ/۱۱۳)

٤- مؤمن کے دل کو اسکے ایمان کی وجہ سے رہنمائی ملتی ہے:

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ (التغابن/۱۱)

(جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے تو اللہ تعالیٰ اسکے دل کو ہدایت سے نوازتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر خوب واقف ہے)

۵- مؤمن کے دل کو اللہ تعالیٰ مربوط و مضبوط کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَا اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا﴾۔(القصص/۱۰)

(اگر ہم اس کے دل کو تسلی نہ دیتے تو وہ اس واقعہ کو ظاہر کر دیتی۔)

اور فرمایا: ﴿ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ ﴾ (الانفال/۱۱)

(تا کہ (اللہ) تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے)

۶- اللہ کے ذکر پر مطمئن ہونا: ﴿ أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾۔ (الرعد/۲۸)

(سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون اور اطمینان ملتا ہے)

اور جسے اللہ کے ذکر پر سکون واطمینان حاصل نہ ہو اسکا دل مؤمن کا نہیں بلکہ منافق کا دل ہے، کیونکہ منافقین اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

﴿ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ﴾ (التوبہ/۶۷)

(انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں بھلا دیا)

۷- مؤمن کے دل میں تقویٰ ہوتا ہے اور اسکی علامت یہ ہے کہ وہ شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾۔ (الحج/۳۲)

(اور جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے)

۸- مؤمن کے دل پر سکینت نازل ہوتی ہے، اور اسکا ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا إِيْمَانًا مَّعَ إِيْمَانِهِمْ ﴾ (الفتح/۴)

(اللہ وہ ذات ہے جس نے مؤمنین کے دلوں پر سکینت نازل فرمائی تا کہ وہ اپنے ایمان میں مزید بڑھ جائیں)

۹- مؤمنین کے دلوں پر رأفت ورحمت کا نزول ہوتا ہے:

﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً ﴾۔ (الحدید/۲۷)

(اور پیدا کر دی ہم نے ان (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام) کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں رأفت اور رحمت)

۱۰- ایمان والوں کے دل باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں: "المؤمن مألف"

(مؤمن جڑا رہتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ ﴾۔

(آل عمران/۱۰۳)

(اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو باہم جوڑ دیا)

اور حدیث میں آتا ہے:" أو أملك ان نزع الله من قلبك الرحمة "

(اگر اللہ نے تیرے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں)

۱۱- مؤمنین کے دلوں کو اللہ تعالیٰ مختلف آزمائشوں کے ذریعے پاک کر دیتا ہے:

﴿وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾۔

(تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کو پاک وصاف کرے)

۱۲- مؤمن کا دل شہوات سے پاک ہوتا ہے۔

﴿ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ (الاحزاب/۵۳)

(یہ بات (پردہ) تمہارے اور ان (یعنی خواتین) کے دلوں کیلئے مزید پاکیزگی کا باعث ہے)

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾۔(المائدۃ/۴۱)

(یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کو اللہ تعالیٰ پاک نہیں کرنا چاہتا)

۱۳- مؤمن کے دل میں ایمان کی شدید محبت ہوتی ہے، کیونکہ ایمان اسکے دل میں مزین ہوتا ہے، لہٰذا وہ پلک جھپکنے جتنی مدت بھی ایمان کی جدائی کو گوارا نہیں کر سکتا، اور ایمان کے مقابلے میں ہر چیز قربان کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَلٰكِنَّ اللهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات/۷)

(لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا، اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا، اور کفر، فسق اور نافرمانی کو تمہارے لیے ناپسندیدہ بنا دیا)

۱۴- ایمان انکے دلوں میں داخل ہو چکا ہوتا ہے:﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾۔(الحجرات/۱۴)(ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا)

۱۵- مؤمن کا دل اللہ کے ذکر سے کانپ اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾ (الانفال/۲)

(مؤمن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو انکے دل کانپ اٹھتے ہیں، اور جب اسکی آیات ان پر پڑھی جائیں تو انہیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں، اور جو صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

۱۶- اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی بناء پر سخت آزمائشوں اور تکالیف کے وقت مؤمنین کے دلوں کو مضبوط کر دیتا ہے۔

فرمایا: ﴿ وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا ﴾۔ (الکہف/۱۴)

اور جب وہ (اصحاب کہف) ہمارے دین کیلئے) کھڑے ہو گئے تو ہم نے انکے دلوں کو مضبوط کر دیا۔

۱۷- مؤمن کے دل میں اِخبات اِلی اللہ سما جاتا ہے، اِخبات کا معنی یہ ہے کہ دل کی بھر پور توجہ اللہ کی طرف مڑ جائے، دل میں سکون وقرار اور خشیت ونرمی پیدا ہو جائے، یہ صفت آپ کم ہی لوگوں میں پائیں گے خصوصاً ہمارے اس زمانے میں تو شاذ ہی کوئی اس سے متصف ہوگا، اسی طرح خود پر بھی نظر ڈالیئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَأَخْبَتُوا إِلٰى رَبِّهِمْ ﴾۔ (ہود/۲۳)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، اور نیک عمل کئے اور اپنے رب کی طرف اِخبات اختیار کیا)

اور فرمایا: ﴿ فَيُؤْمِنُوا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوبُهُمْ ﴾ (الحج/۵۴)

(پس اس پر ایمان لائے، اور اسکے لیے انکے دل جھک گئے)

اور فرمایا: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴾۔ (الحج/۳۴) (اور مخبتین کو خوشخبری سنا دیجئے)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ذکر پر کانپ جاتے ہیں، اور جو نماز قائم کرتے ہیں، تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں، اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں

سے خرچ کرتے ہیں۔

۱۸- مؤمن کے دل کو اس بات کا کھٹکا بھی رہتا ہے کہ کہیں اسکے نیک عمل اپنی کثرت کے باوجود مسترد نہ کردیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَآ اٰتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ، اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴾ (المؤمنون/٦١)

(اور وہ لوگ جو بہت سے اعمال بجالاتے ہیں لیکن اسکے باوجود انکے دل کانپتے رہتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرتے ہیں)

عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو چوریاں اور زنا کرتے، اور شراب پیتے ہیں؟۔

آپ علیہ السلام نے جواب دیا: نہیں! اے صدیق کے بیٹی! بلکہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو روزے بھی رکھتے ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں لیکن اسکے باوجود ڈرتے ہیں کہ کہیں انکے اعمال اللہ کی بارگاہ میں غیر مقبول نہ ہوں۔

آپ بتایئے کہ آیا آپ اپنے اعمال پر فخر کرتے ہیں یا پھر اپنے بہت سے اعمال کو رب العالمین کی جناب میں حقیر سا نذرانہ سمجھتے ہیں؟

۱۹- مؤمن کا دل کتاب اللہ کی تلاوت سننے کے بعد اللہ کے ذکر کی طرف نرم پڑ کر جھک جاتا ہے۔ ﴿ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴾۔ (الزمر/۲۳)

پھر انکی جلدیں اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم پڑ جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جسے چاہتا ہے اس ہدایت سے نوازتا ہے، اور جسے اللہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دل کی نرمی کو ہدایت اور سختی کو گمراہی قرار دیا ہے۔

۲۰- مؤمن کا دل اللہ اور اسکے رسول کا باادب ہوتا ہے، اور اسی ادب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسکے دل کو کفر اور ہر قسم کے بگاڑ سے پاک صاف کر کے تقویٰ کا مسکن بنا دیتا ہے۔
فرمان الٰہی ہے: ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ﴾۔(الحجرات/۳)
(انہی لوگوں (یعنی اللہ اور رسول کا ادب کرنیوالوں) کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے پاک صاف اور خالص کر دیا ہے)

۲۱- مؤمن کا دل اللہ کے ذکر اور کتاب اللہ سے خشیت و انابت حاصل کرتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾۔(الحدید/۱۶)
(کیا ایمان والوں کیلئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ انکے دل اللہ کے ذکر اور اسکے نازل کردہ حق کیلئے خشوع اختیار کریں)

۲۲- ایمان والوں کے دل اللہ کے دشمنوں کے شدید دشمن ہوتے ہیں، اور یہی دشمنی انکے ایمان کا سبب اور دلیل وعلامت بھی ہے۔
﴿ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ﴾ (المجادلۃ/۲۲)
(ایسے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثابت کر دیا ہے اور روح القدس کے ذریعے کی مدد فرماتا ہے)

۲۳- مؤمنین کا دل اور سینہ اسلام کیلئے فراخ ہو جاتا ہے:
﴿ فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ﴾۔(الانعام/۱۲۵)
(جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرے اسکے سینے کو اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے)
یہ مؤمنین کے دلوں کی وہ صفات تھیں جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔
جبکہ **حدیث نبوی** میں بھی بہت سی صفات ملتی ہیں، جن میں سے چند بطورِ نصیحت آئندہ سطور میں پیشِ خدمت ہیں:
۱- دل کا شاکر ہونا، جیسا کہ: "**افضل المال لسان ذاکر وقلب شاکر**" (رواہ

الترمذی)۔(افضل ترین مال ذکر کرنیوالی زبان اور شکر گزار دل ہے)۔

۲-حدیثِ حذیفہ ﷺ میں ہے کہ دلوں کی چار اقسام ہیں اُن میں ایک وہ دل بھی ہے جو ہر باطل سے خالی اور اُس میں ایک چمکدار چراغ روشن ہے۔

۳-خیر کو سمیٹ لینے والا دل، حدیث میں آتا ہے :" والعين فمقرة لما يوعى القلب وقد أفلح من جعل قلبه واعياً "۔(رواہ احمد ۵/ ۱۴۷)

(جس بھلائی کو دل سمیٹ کر محفوظ کرلے اسی پر آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے، یقیناً کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے دل کو واعی (خیر یعنی دین کو خوب اچھی طرح سمجھنے، یاد کرنے اور اسکی حفاظت کرنیوالا) بنالیا) (مسند احمد)

۴-دل کا مساجد کیساتھ معلق ہونا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا، اُن میں سے ایک وہ شخص بھی ہے جسکا دل مسجد کیساتھ اٹکا رہتا ہے۔ (بخاری)

۵-دل کا اللہ کیلئے جھک جانا۔حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے کہا: اسلام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: " أن يسلم قلبك لله عزوجل، وأن يسلم المسلمون من لسانك ويدك "(رواہ احمد ۴/ ۱۱۴)

(اسلام یہ ہے کہ تمہارا دل اللہ کیلئے جھک جائے اور مسلمان تمہاری زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں) (مسند احمد)

۶-مؤمن کا دل فتنوں کا انکار کرتا ہے اور کسی قیمت پر انہیں قبول نہیں کرتا بلکہ الحمدللہ انہیں تھوک دیتا ہے۔حدیث میں آتا ہے:

" تعرض الفتن على القلوب فأي قلب أنكرها نكتت فيه نكتة بيضاء، وأي قلب أشربها نكتت فيه نكتة سوداء ...... الحديث (رواه مسلم)

(فتنے دلوں پر پیش کئے جائیں گے،تو جو دل بھی انکا انکار کریگا اس پر سفید نکتہ لگایا جائے اور جو دل انہیں قبول کریگا اس پر سیاہ نکتہ لگ جائے گا)

۷- مؤمن سادہ دل صاف وشفاف ہوتا ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ خیانت دھوکہ، حسد (وغیرہ سے پاک ہوتا ہے)۔

۸-دل کا جہاد: " ومن جاهد بقلبه فهو مؤمن مسلم"
(جو شخص اپنے دل کیساتھ جہاد کرے وہ بھی مؤمن مسلمان ہے)

۹- مؤمن کے دل میں اللہ کی طرف سے نصیحت کا ایک داعیہ ہوتا ہے، جس کے دل میں یہ داعیہ نہ ہو، وہ مؤمن ہی نہیں۔ (رواہ احمد ۴/۱۸۳، وھو فی المشکاۃ ۱/۳۱)

۱۰- مؤمن کا دل حاسد بھی نہیں ہوتا، حدیث میں آتا ہے کہ ایمان اور حسد کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (نسائی باب الجہاد: ۸)

۱۱- مؤمن کے دل میں اللہ کا خوف بھی ہوتا ہے اور امید بھی۔ حدیث میں آتا ہے:" لا يجتمعان في قلب عبد في مثل هذا الموطن - يعني الموت- الا اعطاه ما يرجو وأمنه مما يخاف"۔ (رواہ ابن ماجہ والترمذی)
(ایسے (یعنی موت کے) کسی موقع پر اگر خوف اور امید کسی بندے کے دل میں جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا کر دیتا ہے جسکی وہ امید کر رہا ہے اور اس چیز سے امن دے دیتا ہے جس سے ڈر رہا ہے) (ابن ماجہ، ترمذی)

۱۲- دنیا کی شدید حرص وبخل اور ایمان بھی کسی مسلمان کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے (کما رواہ احمد ۲/۲۵۶)

۱۳- حدیث میں آتا ہے:" يا بني! إن قدرت أن تصبح وتمسي وليس في قلبك غش لأحد فافعل، وذلك من سنتي، ومن أحب سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة" (رواہ الترمذی)
(اے بیٹے! اگر تمہارے بس میں ہو تو اس حال میں صبح وشام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کیلئے کوئی میل نہ ہو، یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی، اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا)۔

۱۴-دِل کا اخلاص۔" من شهد أن لا إله الا الله خالصاً من قلبه الا حرمه الله على النار "(رواه البخاری)

(جس شخص نے خلوصِ دل کیساتھ" لا الـه الا الله " کی گواہی دی، اُسے اللہ تعالیٰ آگ پرحرام کردیتا ہے) (بخاری)

۱۵- دل کی سچائی:" من سأل الله الشهادة بصدق من قلبه بلغه الله منازل الشهداء، وان مات على فراشه " (رواه مسلم)

(جس نے سچے دل کیساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت مانگی، اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے درجے پر پہنچادیتا ہے، اگرچہ اسکی موت اپنے بستر پر ہی کیوں نہ ہو)

۱٦- مؤمن کا دل دغاباز نہیں ہوتا۔حدیث میں آتا ہے:" ثلاث لا يغل عليهن قلب مسلم : إخلاص العمل لله، والنصيحة للمسلمين، ولزوم جماعتهم......الحديث، رواه الشافعي، المشكوة ۱/ ۳۵)

(تین چیزوں پر مؤمن کا دل دغانہیں کرتا: اللہ تعالیٰ کیلئے اخلاصِ عمل، مسلمانوں کی خیر خواہی، اورانکی جماعت کا لزوم......الحدیث)

۱۷- نبی کریم ﷺ کے اہل بیت کی محبت۔حدیث میں آتا ہے:

" والله لا يدخل قلب رجل الإيمان حتى يحبكم لله عزوجل ولرسوله - يعني اهل البيت"(رواہ احمد ۴/۱۶۵)

(اللہ کی قسم! کسی شخص کے دل میں اُس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اللہ اوراسکے رسول کی خاطرتم (اہل البیت) سے محبت نہ کرے)

۱۸-حدیث میں ہے:" قد افلح من أخلص قلبه للإيمان وجعل قلبه سليماً "

(رواه احمد ۱٤۷/۵)

(یقیناً کامیاب ہوگیاوہ شخص جس نے اپنے دل کواللہ کیلئے خالص اورسالم کرلیا۔(احمد)

۱۹-رحم کرنا۔حدیث میں آتا ہے:" هذه رحمة وانما يرحم الله من عباده

الرحماء" رواہ البخاری واحمد (۲۰۴/۵)

(یہ رحمت ہے، (یعنی مسلمان کی موت پر آنکھوں سے آنسو بہنا) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنیوالے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے)

۲۰- دل کی زندگی علم وحکمت کے ذریعے ممکن ہے۔ موطأ (۷۳۶) میں روایت ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! علماء کی مجلس میں دوزانو وباادب ہوکر بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو نورِ حکمت کے ذریعے اسی طرح زندگی دیتا ہے جیسے مردہ زمین کو موسلادھار بارش کے ذریعے حیات افروز کرتا ہے۔

اس فائدے میں جن اموراور صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے انہیں ایمان کی استعداد یا ایمان کی اہلیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، انکی مثال اُس زمین کی طرح ہے جسے پہلے ہل چلا کر ہموار کیا جائے اور پھر اس میں کاشت کاری ہو، یا اُس آئینے کی طرح جو آپکی شکل وصورت ٹھیک ٹھیک دکھا دیتا ہے، یا پھر اُس برتن کی طرح جسے صاف کر کے اور پھر سیدھا رکھ کر اُس میں پانی بھرا جائے، اگر ایسا نہ ہوتو پھر کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ان تینوں مثالوں پر غور کیجئے، تدبر کرنیوالوں کیلئے ان میں عجیب اسرار پنہاں ہیں۔

استعداد کی دو قسمیں ہیں:

۱- استعداد من اللہ ۔ اللہ کی جانب سے استعداد۔

۲- استعداد من جانب العبد ۔ بندے کی طرف سے استعداد۔

دل کو مضبوط کرنا، اس پر سکینت نازل کرنا، اسکی تمحیص وتخلیص کرنا یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور باقی کا انسان خود مکلف ہے۔ (لیکن بندے کا عمل بھی محض اللہ کے فضل اور توفیق کا نتیجہ ہے)

" إن اللہ لا ینظر الی صورکم وأموالکم، ولکن ینظر الی قلوبکم وأعمالکم " (بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور مال نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے) لہٰذا دل کی استعداد اور اصلاح آپکے ذمے ہے۔

۲۲- فائدہ

غور کیجئے کہ آپ مؤمن ہیں یا منافق؟

اگر مؤمن ہیں تو اللہ کی تعریف اور شکر کیجئے تا کہ آپ کے ایمان میں مزید اضافہ ہو، اور اگر منافق ہیں جیسا کہ عموماً یہ مرض پھیل چکا ہے تو جلد از جلد اسکے علاج کی فکر اور توبہ واستغفار کیجئے ورنہ نجات ممکن نہیں۔

آپ ایمان کو کیسے پہچان سکتے ہیں؟۔ اسکے کئی طرق ہیں :

۱- اگر آپ گناہ کی کڑواہٹ اور نیکی کی مٹھاس محسوس کرتے ہیں تو آپ مؤمن ہیں، اس احساس کے بھی ایمان کی کمزوری اور قوت کے لحاظ سے کئی درجات ہیں اس کا بیان بھی حدیث میں ہوا ہے۔

ابو رزین العُقَیلی رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے کیونکر معلوم ہوسکتا ہے کہ میں مؤمن ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کا جو بندہ بھی نیکی کرتا ہے اور پھر اس بات کا علم رکھتا ہے کہ یہ نیکی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اسکا بہترین بدلہ اسے دینے والا ہے، اور پھر جب کوئی برائی کرتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ بُرا کام ہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہے اور یہ بات بھی جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس گناہ کو معاف نہیں کرسکتا، تو اس صفت کا حامل شخص مؤمن ہے۔(رواہ احمد)

ایک اور حدیث میں آتا ہے:" اذا سرتك حسنتك وساء تك سیئتك فأنت مؤمن"۔(رواه احمد وهو فی المشكوٰة)

(جب تیری نیکی تجھے خوش کردے اور تیرا گناہ تجھے بُرا لگے تو پھر سمجھ لے کہ تو مؤمن ہے)

۲- جلوت وخلوت میں اللہ ہی اسکا رب ہو۔ یعنی خلوت میں اللہ عز وجل کی ربوبیت کا

احساس کرے۔

حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ ؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول (ﷺ) ! جب ہم آپکے پاس ہوتے ہیں تو ہماری الگ حالت ہوتی ہے اور جب آپ سے جدا ہوتے ہیں تو مختلف کیفیت ہوتی ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارا اپنے پروردگار کیساتھ کیسا معاملہ ہے؟ صحابہ ؓ نے کہا: "الله ربنا في السر والعلانية"۔

(اللہ ہی جلوت وخلوت میں ہمارا رب ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ليس ذلكم النفاق" (پھر یہ نفاق نہیں ہے)

اخرجہ البزار فی مسندہ وابن کثیر فی تفسیرہ (۳۹۷/۴) وہو فی حیاۃ الصحابۃ (۳۹/۳)

۳-خلوت میں بھی ایسی ہی اچھی نماز پڑھے جیسے اچھی نماز لوگوں کے سامنے پڑھتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن العبد إذا صلي فى العلانية فأحسن وصلي فى السر فأحسن قال الله تعالى : هذا عبدي حقاً"

رواه ابن ماجه، وهو في المشكوة ٤٥٥/٢، وهو حديث صحيح)

(جب کوئی بندہ لوگوں کے سامنے بھی اچھی نماز پڑھے اور خلوت میں بھی اچھی نماز پڑھے تو اللہ تعالی فرماتا ہے: یہ میرا حقیقی بندہ ہے) (ابن ماجہ)

۴- جو بندہ نفاق کا خوف رکھے وہ مؤمن ہے۔ ورنہ نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ مؤمن کو اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ کہیں اسکے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور اسے پتہ بھی نہ چلے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ما خافه الا مؤمن ولا أمنه الا منافق"

(مؤمن کو ہی اسکا خوف ہوتا ہے اور منافق ہی اس (اعمال کی بربادی ونفاق) سے بے فکر ہوتا ہے)

۵-اگر اللہ عزوجل نے بندے کو دو چیزوں سے نوازا ہے تو اُسے خوش ہو جانا چاہیئے:

۱ — فقه في الدين دین کی فقاہت اور سمجھ

۲- حُسنِ سَمت : اچھا کردار اور با اخلاق رویہ

ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " خصلتان لا یجتمعان فی منافق حسن سمت و لا فقه في الدين " (دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی منافق میں جمع نہیں ہو سکتیں، اچھا کردار اور نہ ہی دین کی سمجھ بوجھ) (یہ حدیث حسن ہے)

السمت " کا معنی سیرت و کردار ہے، یعنی بہترین کردار جس میں حسنِ خلق، سکینت اور وقار ہو۔ جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" تعلموا العلم وتعلموا للعلم السكينة والوقار، وتواضعوا لمن تعلمون وتواضعوا لمن تعلمون منهم " اخرجه الخطيب في اخلاق الراوی (۱/۹۵)

(علم حاصل کرو اور علم کیلئے سکینت و وقار بھی سیکھو، جنہیں تعلیم دیتے ہو انکے لیے بھی تواضع اور انکساری اختیار کرو، اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو انکے سامنے بھی تواضع اور انکساری اختیار کرو) (اخلاق الراوی)

۶- شعب الایمان پر غور کیجئے کہ وہ مکمل طور پہ یا جزوی طور پر آپ میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟۔

اسی طرح منافقین کی صفات مثلاً جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، اللہ کے ذکر سے غفلت، ریاکاری اور سستی وغیرہ، کیا یہ صفات آپ میں موجود ہیں؟

اس میزان پر خود کو پرکھنے سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم مؤمن ہیں یا صرف ایمان کے دعویدار؟

۷- خصوصاً اگر آپکا دل اللہ کے ذکر سے غافل ہے تو جان لیجئے کہ وہ نفاق میں مبتلا ہے، کیونکہ اللہ کی یاد سے غفلت منافقین کی خاص علامت ہے۔

﴿ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (المجادلۃ/۱۹)

(شیطان ان پر غالب آچکا ہے اور اُس نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کردیا ہے، یہ شیطان کا گروہ ہیں، سن لو! یقیناً شیطان کا گروہ ہی خسارہ پانے والا ہے)

یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان اور کرم سے بعید ہے کہ وہ اُس دل میں نفاق پیدا کردے جو اسکی یاد سے معمور اور اسکی محبت سے لبریز ہے، اللہ کا ذکر ہی وہ پیمانہ ہے جسکے ذریعے مؤمن اور منافق ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں (واللہ المستعان)

اور اللہ کا ذکر دل، زبان، اعضاء اور اعمال واَحوال کے ذریعے ہوتا ہے، جیسا کہ اس کا بیان عنقریب اپنی جگہ پر ہوگا (ان شاء اللہ)

۸- اگر آپ میں جھوٹ کی صفت موجود ہے تو جان لیجئے کہ نفاق کا بیج اور جڑ آپکے دل میں سرایت کرچکے ہیں، کیونکہ نفاق کی اساس ہی جھوٹ پر ہے جو شخص جھوٹ سے نہیں بچتا نفاق اس پر چھا جاتا ہے، اور یہ قبیح صفت نفاق کی علامتِ ظاہرہ ہے۔ (واللہ المعین)

۹- اگر آپکا دل اللہ سے پھیر دیا گیا ہے تو یہ نفاق کی ابتدا ہے، لہٰذا اس بات سے بھی ہوشیار رہیئے۔ اس کا بیان بھی عنقریب آنے والا ہے۔ ان شاء اللہ العزیز۔
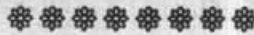
۲۳- فائدہ : امامت فی الدین

یہ بندے کو اللہ کی جانب سے دیا جانے والا اعلیٰ ترین اعزاز ہے، اور وہ نعمت ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو عطا کی گئی، اور پھر انکے بعد اللہ کے نیک بندوں اور ربانی علماء کو اس سے نوازا گیا۔

ایمان کے بعد اس نعمت کے بالمقابل اور کوئی نعمت نہیں، یہ نعمت اللہ رب العزت کے محبوب ترین بندوں کو ہی ملتی ہے۔ کیونکہ دین سے تو محبوب لوگوں کو ہی نوازا جاتا ہے۔
﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً﴾۔ (الم السجدة/۲۴) (اور ہم نے اُن میں سے ائمہ بنائے)
اور فرمایا: ﴿قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ (البقرة/۱۲۴)
(اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں)

یہ اہم ترین نعمت حاصل کرنے کے ذرائع اور اسباب بھی انتہائی اہم ہیں۔
بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تقویٰ کا تعلق، باہمی طور پر لوگوں کیساتھ تواضع کا رویہ، دنیا کیساتھ بے رغبتی اور زہد کا معاملہ اور اپنے نفس کیساتھ مسلسل مجاہدہ کرنا۔ یہ راسخین کی صفات ہیں جیسا کہ "تفسیر خازن" میں مذکور ہے۔
صبر اور یقین دو ایسی صفات ہیں جنکے ذریعے امامت فی الدین کا بلند رتبہ حاصل ہوتا ہے:
﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ﴾۔ (السجدة/۲۴)

(اور ہم نے اُن میں سے بعض ائمہ بنائے جو ہمارے دین کے مطابق انکی رہنمائی کرتے تھے (یہ اس وقت ممکن ہوا) جبکہ انہوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیات کا یقین رکھتے تھے)
اسی طرح ایمان اور عمل صالح بھی امامت فی الدین کی بنیادی صفات ہیں:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (النور/۵۵)

(وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے کہ ضرور بالضرور وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا)

استخلاف سے یہاں خلافت اور افتاء، تدریس و امامت وغیرہ جیسی دینی ذمہ داریاں بھی ہیں۔

انہی اسباب میں سے ایک دعوت الیٰ اللہ بھی ہے۔ کیونکہ داعی امام فی الدین ہوتا ہے۔

جبکہ امام کی بقاء اور حفاظت کا سبب "عبادت اور شرک نہ کرنا" ہے:

﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ﴾۔ (النور/۵۵)

(وہ میری عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے)

اسی طرح گذشتہ اسباب میں ترقی کے درجات طے کرنے سے امامت فی الدین کے درجات بھی ترقی پاتے اور مستحکم و مضبوط ہوتے ہیں۔

جبکہ اسکے زوال کے اسباب میں سے گناہ، غفلت، عدم شکر اور ظلم کی تمام اقسام اہم ترین ہیں۔ ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ ﴾ (البقرۃ/۱۲۴)

(میرا (امامت دینے کا) عہد ظالموں کو حاصل نہیں ہوگا)

ظلم حاصل شدہ نعمتوں کو زائل کر دیتا ہے، اسی طرح گناہوں کی بناء پر بھی نعمتیں زوال پذیر ہو جاتی ہیں، جیسا کہ "الجواب الکافی" میں بتفصیل یہ بات مذکور ہے، تفصیل کیلئے اسکی طرف مراجعت کیجئے۔

اس عظیم ترین نعمت کے زوال کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انسان دینی امامت کو کمتر اور حقیر سمجھتے ہوئے دنیا اور دنیا داروں کی تعظیم کرے اور انکے پیچھے بھاگے۔ (واللہ المستعان)

یہ ایک لیکچر کا خلاصہ ہے جو میں نے جامعہ اُثریہ میں ایک تربیتی دورے کے دوران علماء کے سامنے پیش کیا۔ وہاں میں نے تقویٰ کے فوائد کا تذکرہ بھی کیا تھا، عنقریب یہاں بھی اسکا تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

اور میں نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا کہ بے شک انسان کو کمال صرف بہترین صفات کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے، اور بہترین اوصاف کیلئے علم، انتھک محنت اور صالحین کی صحبت ضروری عوامل ہیں۔ اور صحبتِ صالحین کی بھی دو قسمیں ہیں:

ایک تو ذاتی طور پر انکی صحبت اختیار کرنا، **دوسرا** یہ کہ انکی سیرت کا مطالعہ کرنا مثلاً سیر اعلام النبلاء، حلیۃ الاولیاء اور صفوۃ الصفوۃ وغیرہ جیسی کتابوں کا مطالعہ کرنا، یہ یوں ہی ہے جیسے آپ انکے ساتھی ہیں۔

۲۵- فائدہ

جو شخص اللہ عزوجل کا تقویٰ اپنے تمام معاملات میں اختیار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے ایسے فوائد سے نوازتا ہے جو کہ اُس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے، تقویٰ کے بہت زیادہ فوائد ہیں اور اُن میں سے ایک فائدہ بھی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے تو مجموعی طور پر اس کے فوائد کس قدر ہونگے؟

لہٰذا آپ تقویٰ کو مضبوطی کیساتھ تھام لیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کتابوں اپنے تمام بندوں کو تقویٰ کی وصیت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مبین میں (۲۶۰) سے زیادہ مرتبہ تقویٰ کا ذکر فرمایا ہے۔

ذیل میں تقویٰ کے کچھ فوائد بیان کیئے جاتے ہیں:

۱- ہدایت۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴾۔ (البقرۃ/۲)

(یہ کتاب متقین کیلئے ہدایت ہے)

ہدایت اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے، دوسری کوئی نعمت اسکا مقابلہ نہیں کرسکتی ہدایت کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے احکام کی معرفت، اور انہیں انکے مقرر ومناسب وقت میں ادا کیا جائے، اہم ترین احکام کو مقدم کیا جائے اور اس ترتیب سے تمام احکام کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے، اور انکی ادائیگی میں احسان کو اپنایا جائے۔ ہر انسان حتی کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس ہدایت کے محتاج ہیں۔

۲-اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴾ (التوبہ/۴)

(بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے محبت کرتا ہے)

۳-اللہ تعالیٰ متقین کیساتھ ہے:

﴿ إِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴾۔(النحل/۱۲۸)

(یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو محسنین ہیں)

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ (التوبۃ/۳۶:)

(اور جان لیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ متقین کیساتھ ہے)

۴-تقویٰ کی بدولت ہی نیک اعمال قبول ہوتے ہیں:

﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾۔(المائدۃ/۲۷)

(اللہ تعالیٰ تو صرف متقین کے اعمال قبول فرماتا ہے)

عامر رحمہ اللہ اپنی وفات کے موقع پر رو پڑے۔ پوچھا گیا کہ آپکو کس بات نے رُلایا؟ فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سنا ہے:﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾

۵-تقویٰ دنیا وآخرت کی ہر تنگی سے نکلنے کا ذریعہ ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴾۔(الطلاق/۲)

(اور جو شخص اللہ سے ڈر گیا، اللہ تعالیٰ اسکے لیے (ہر تنگی سے) نکلنے کا راستہ بنا دے گا)

آپ ﷺ فرماتے ہیں:" إني لأعلم آية لو أخذ الناس بها لكفتهم ثم قرأ

هذه الآية"

(بے شک مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اسے لے لیں تو یہی آیت اُنکے لیے کافی ہو جائے، اور پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی)

۶-تقویٰ کے ذریعے تمام معاملات آسان ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾۔(الطلاق/۴)

(اور جو شخص اللہ سے ڈر گیا، اللہ تعالیٰ اسکے معاملات اسکے لیے آسان کر دیگا)

۷-تقویٰ گناہوں کی بخشش اور اجر و ثواب کی زیادتی کا باعث ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهُ اَجْرًا﴾۔(الطلاق/۵)

(اور جو اللہ سے ڈر گیا، اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں کو مٹا دیگا اور اسکے اجر کو بڑھا دیگا)

۸- تقویٰ علم شرعی کا سبب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾ (البقرة/۲۸۲) (اور اللہ سے ڈرو، اور اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے)

بعض مفسرین نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے علم سکھا دیتا ہے۔

ایک اثر میں آتا ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔

۹- تقویٰ عقلمند لوگوں کا فعل ہے۔﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا﴾ (الطلاق/۱۰)

(پس اللہ سے ڈرو، اے عقلمندو! جو ایمان لائے ہو، بتحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر نازل کر دیا ہے)

اور تقویٰ انسان کی عقل اور اسکے فہم میں اضافہ کرتا ہے، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ جو جتنا عقلمند ہے اتنا ہی تقویٰ اختیار کرتا ہے" ﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس/۱۰۰)

(اللہ تعالیٰ (کفر ونفاق کی) پلیدی اُن لوگوں پر ڈالتا ہے جو بے عقل ہیں)

۱۰۔ تقویٰ ہی حقیقی نیکی ہے۔﴿ ولکن البر من اتقی ﴾۔
(حقیقی نیکی تو متقی کی ہی ہے)

۱۱۔ تقویٰ کی وجہ سے صراطِ مستقیم پر چلنا آسان ہوجاتا ہے:﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ﴾۔(اللیل/۷)
(جو شخص مال خرچ کرے اور تقویٰ اختیار کرے، اور ''حسنیٰ'' کی تصدیق کرے، تو عنقریب ہم آسان راستہ (صراطِ مستقیم) اسکے لیے مزید آسان کردینگے)

۱۳۔ متقی قیامت کے دن باقی تمام لوگوں سے بلند ہوگا:
﴿ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ﴾ (البقرہ/۲۱۲)(اور وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا قیامت کے دن اِن (دنیاداروں) سے بلند ہونگے)

۱۴۔ جنت میں متقین ہی داخل ہونگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿ تِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ کَانَ تَقِیًّا ﴾۔(مریم/۶۳)
(ہم اس جنت کا وارث اپنے بندوں میں سے انہی کو بنائیں گے جو متقی ہیں)

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ ﴾ (آل عمران/۱۵)
(تقویٰ اختیار کرنیوالوں کیلئے انکے رب کے پاس باغات ہیں جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہیں)

۱۵۔ ایمان اور تقویٰ کی بدولت برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں:﴿ وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾۔ (الاعراف/۹۶)
(اور یقیناً بستیوں والے لوگ اگر ایمان اور تقویٰ اختیار کرلیں تو ہم آسمان وزمین سے برکتوں کے دروازے اُن پر کھول دیں)

۱۶۔ تقویٰ شیطان کے وسوسوں کو فوری طور پر بھگا دیتا ہے:﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا

مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ ٱلشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا۟ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴾(الاعراف/۲۰۱)
(بے شک وہ لوگ جو متقی ہیں، جب انہیں کوئی شیطانی خیال چھوتا ہے تو وہ متنبہ ہوجاتے ہیں اور فوری طور شیطانی ہتھکنڈوں کو سمجھنے لگتے ہیں)

۱۷-تقویٰ جہنم کی آگ سے نجات کا سبب ہے:
﴿ ثُمَّ نُنَجِّى ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوا۟ وَّنَذَرُ ٱلظَّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴾(مریم/۷۲)
(پھر ہم تقویٰ اختیار کرنے والوں کو (جہنم کی آگ) سے نجات دے دینگے، اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے)

۱۸-اور بے شک تقویٰ بصیرت کا بھی سبب ہے، اسکے ذریعے حق اور باطل کی پہچان ہوتی ہے: ﴿ وَقِيلَ لِلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ مَاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا۟ خَيْرًا ﴾۔(النحل/۳۰)
(اور جب متقین سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہمارے رب نے بھلائی نازل فرمائی ہے)

۱۹-تقویٰ قیامت کے کرب سے نجات کا بھی سبب ہے:﴿ وَيُنَجِّى ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوْا۟ بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ ٱلسُّوٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾ (الزمر/۶۱)
(اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، اللہ تعالیٰ انکی سعادت وکامیابی کی وجہ سے انہیں نجات عطا فرمائے گا، انہیں نہ تو کوئی دکھ چھو سکے گا اور نہ ہی غمگین ہونگے)

۲۰-صبر اور تقویٰ ایک ڈھال ہے جو کفار کی سازشوں سے بچا لیتی ہے:
﴿ وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ﴾ (آل عمران/۱۲۰)
(اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیا تو ان (کفار) کی سازشیں تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی)۔

۲۱-اور یہی دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت کا بھی سبب ہیں:
﴿ بَلَىٰٓ ۚ إِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ ءَالَٰفٍ مِّنَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴾(آل عمران/۱۲۵)

(جی ہاں! اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، اور یہ کفار بھی اسی غیظ وغضب کیساتھ آئیں، تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کے ذریعے سے تمہاری امداد کریگا)

۲۲- یہ دونوں چیزیں پختہ عزم کی بھی علامت ہیں:

﴿ وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ﴾ ۔ (آل عمران/۱۸۶)

(اور اگر تم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، تو یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے)

۲۳- تقویٰ فرقان کا سبب ہے، فرقان ایک قلبی نور ہے، جو فہم وفراست اور فتح پر منتج ہوتا ہے:﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ ۔ (الانفال/۲۹)

(اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان بنا دے گا اور تمہاری خطاؤں کو مٹا دیگا)

۲۴- تقویٰ تمام اعمال کی غرض وغایت ہے: ﴿ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرۃ/۲۱)

(اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تاکہ تم متقی بن جاؤ)

روزوں کی غرض وغایت بھی یہی بتلائی گئی ہے۔ لعلکم تتقون ۔

اور ذکر واذکار بھی تقویٰ کیلیے ہیں:

﴿ وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ ۔ (البقرہ/۶۳)

اور قصاص وغیرہ جیسے احکام بھی اسی لیے ہیں:﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرۃ/۱۷۹)

(اے عقلمند لوگو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن سکو)

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴾ ۔ (البقرۃ/۱۸۷)

(اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات لوگوں کیلیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں)

۲۵- اور بے شک تمام انبیاء علیہم السلام نے بھی لوگوں کو تقویٰ کی دعوت دی ہے۔ انبیاء

علیہم السلام کی دعوت میں کہیں ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (تا کہ تم متقی بن جاؤ) اور کہیں: ﴿ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴾۔ (الشعراء/۱۰۶) (کیا تم متقی نہیں بنتے؟)

۲۶- یقیناً اللہ تعالیٰ متقین کا اجر ضائع نہیں کرتا:

﴿ إِنَّهُ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (یوسف/۹۰)

(بے شک جو تقویٰ اور صبر اختیار کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کریگا)

۲۷- کامیابی کا انحصار تقویٰ پر ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾۔ (النور/۵۲)

(اور جس نے اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کی، اللہ سے ڈر گیا اور اسکا تقویٰ اختیار کیا، تو یہی کامیاب لوگ ہیں)

۲۸- اللہ کی رحمت متقین کیلئے لکھ دی گئی ہے:

﴿ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ......الآية ﴾ (الاعراف/۱۵۶)

(عنقریب میں اس (رحمت) کو اُن لوگوں کیلئے لکھ دونگا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور زکاۃ ادا کرتے ہیں......الآیۃ)

اور فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (انعام/۱۵۵)

(اور اللہ سے ڈرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔)

اور فرمایا: ﴿ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾۔ (یٰس/۴۵)

(اور جب انہیں کہا جائے کہ اپنے اگلے پچھلے (گناہوں) سے ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

۲۹- جو لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ بدترین مخلوق ہیں، جنکے بارے میں فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴾ (الانفال/۵۶)

(یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے عہد کیا اور پھر یہ ہر مرتبہ اپنے عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ

پرہیز نہیں کرتے)

۳۰-اللہ تعالیٰ کی کونی اور قرآنی آیات سے مستفید صرف متقین ہوتے ہیں:

﴿ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴾ (یونس/۶)

(بے شک دن اور رات کے اختلاف، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں تقویٰ اختیار کرنے والی قوم کیلئے نشانیاں ہیں)۔

اور فرمایا: ﴿ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ﴾ ((یہ کتاب) متقین کیلئے ہدایت ہے)

۳۱-تقویٰ کی وجہ سے دنیاوی عذاب سے بھی نجات حاصل ہوتی ہے:

﴿ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴾۔ (النمل/۵۳)

(اور ہم نے اُن لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے، اور تقویٰ اختیار کیا)

۳۲-تقویٰ کامیابی کا سبب ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

(آلعمران/۱۳۰) (اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ)

۳۳-تقویٰ ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی شکر ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾۔ (آل عمران/۱۲۳)

(اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم اسکے شکر گذار بن سکو)

۳۴-اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں کو اسی بات کی وصیت فرمائی ہے: ﴿ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنْ تَكْفُرُوا ...... ﴾

(النساء/۱۳۱)

(اور البتہ تحقیق ہم نے وصیت کی اُن لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی، اور تمہیں بھی اسی بات کی وصیت کی گئی کہ تم اللہ سے ڈرو، اور اگر تم نے کفر کیا...... ﴾

(یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ کفر کو تقویٰ کے بالمقابل ذکر کیا ہے)

۳۵-تقویٰ پر دوسروں کی مدد کرنا اسکی اہمیت کے پیشِ نظر واجب ہے: ﴿ وَتَعَاوَنُوا

عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾۔ (المائدۃ/۲)

(اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا تعاون کرو)

۳۶-تقویٰ ایمان کی شروط میں سے ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾

(المائدۃ/۵۷) (اور اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان والے ہو)

جسقدر تقویٰ ہوگا اسی قدر ایمان ہوگا، اور جتنا تقویٰ کمزور ہوگا اتنا ہی ایمان بھی کمزور ہوگا۔

۳۷-تقویٰ قیامت کے دن کے زلزلوں سے نجات کا سبب ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴾۔ (الحج/۱)

(اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے)

۳۸-جسقدر ممکن اور استطاعت ہو اتنا ہی اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن/۱۶)

(جسقدر تمہیں استطاعت ہو، اللہ سے ڈرو)

اس آیت میں تقویٰ کا نہایت تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔

۳۹-تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ﴾۔ (البقرۃ/۱۹۷)

(اور (سفر میں) زادِ راہ بھی لے لیا کرو، بے شک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے)

۴۰-جو بڑا پرہیزگار اور متقی ہوگا وہ جہنم کی آگ سے بچ جائیگا:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهُ يَتَزَكّٰى ﴾ (اللیل/۱۸)

(اور عنقریب جو بڑا پرہیزگار ہے اُس (آگ) سے بچا لیا جائیگا، یہ وہ ہے جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے تاکہ پاکیزہ ہو جائے)

۴۱-اللہ کے ہاں عزت اور کرامت کا معیار تقویٰ ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ﴾ (الحجرات/۱۳) (بے شک اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ معزز وہی ہے، جو تم میں یادہ متقی ہے)

۴۲-تقویٰ شعائر اللہ کی تعظیم کا سبب ہے:

﴿ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ﴾ (الحج/۳۲)

(اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے، تو بے شک یہ دلوں کے تقویٰ میں سے ہے)

۴۳-تقویٰ ایک عظیم شرف ہے جسکے ساتھ کوئی موصوف کیا جائے: ﴿ وَكَانَ تَقِيًّا ﴾ (مریم/۱۳)۔

۴۴-تقویٰ انسان کو گناہوں سے دور رکھتا ہے، اور متقی عقلمند ہوتا ہے:

﴿ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴾ (مریم/۱۸)

(بے شک میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو متقی ہے)

۴۵-قرآن متقین کو ہی خوشخبری سناتا ہے:

﴿ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴾۔ (مریم/۹۷)

(تاکہ آپ اس (قرآن) کے ذریعے متقین کو خوشخبری دیں، اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں)

۴۶-بے شک اللہ تعالیٰ متقین کو فساق و فجار کی طرح نہیں بناتا۔

﴿ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴾ (ص/۲۸)

(کیا ہم متقین کو فجار کی طرح بنادیں گے؟)

۴۷-یقیناً متقین کیلئے بہترین انجام ہے۔

﴿ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴾ (ص/۴۹)

۴۸-متقین کے علاوہ قیامت کے دن کسی کا کوئی دوست نہیں ہوگا:

﴿ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴾۔ (الزخرف/۶۷)

(سوائے متقین کے گہرے دوست بھی اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے)

۴۹-﴿ وَاللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴾ (الجاثیۃ/۱۹)

(اللہ تعالیٰ متقین کا دوست، محبّ اور مددگار ہے)

۵۰-قرآن مجید سے متقین کو ہی نصیحت حاصل ہوتی ہے: ﴿ وَإِنَّهُ لَتَذْكِرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴾

(الحاقۃ/۵۰) (اور بے شک یہ (کتاب) متقین کیلئے نصیحت ہے)

۵۱- اللہ تک صرف تقویٰ ہی پہنچتا ہے:

﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾۔ (الحج/۳۷)

اللہ تعالیٰ کو ہرگز اِن (جانوروں) کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی خون، لیکن اُسے تمہاری طرف سے تقویٰ ہی پہنچتا ہے)

۵۲- اللہ کے اولیاء بھی صرف متقین ہی ہیں: ﴿إِنْ أَوْلِيَاۤؤُهٗۤ إِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الانفال/۳۴) (اسکے دوست صرف متقین ہی ہیں)

﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَاۤءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾۔ (یونس/۶۳)

(سن لو! بے شک اللہ کے اولیاء پر نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا)

۵۳- متقین ہی ایام اللہ (وہ دن جن میں کسی قوم پر عذاب یا انعام ونجات حاصل ہو) سے نصیحت وعبرت پکڑتے ہیں: ﴿وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرۃ/۶۶)

(اور متقین کیلئے باعثِ عبرت ہے)

۵۴- قیامت والے دن متقین رحمٰن کے مہمان ہونگے:

﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا﴾۔ (مریم/۸۵)

(اس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف ایک وفد کی صورت میں جمع کریں گے)

۵۵- تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الاعراف/۲۶) (اور تقویٰ کا لباس ہی بہترین لباس ہے)

اور بالجملہ دنیا وآخرت کے تمام منافع اور عزت وشرف تقویٰ کے ذریعے ہی ممکن ہیں، تقویٰ کے بغیر کوئی سیادت، کمال یا جمال حاصل نہیں ہوسکتا، تقویٰ کے بغیر ہر چیز کا خراب انجام ہے، جبکہ تقویٰ کا انجام رب الأرباب کی ملاقات پر منتج ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص بھی

نجات، عزت، شرف اور سیادت کا طلبگار ہے اسے تقویٰ کو لازم پکڑنا چاہیئے۔

تقویٰ ایسی چیز ہے جو بلند کو سر بلند کرتا ہے، سرنگوں کو رفعتوں سے ہمکنار کرتا ہے، ساقط النسب کو شان عطا کرتا ہے، فقیر کو بڑائی سے نوازتا ہے، اور انسان کو اسقدر تعظیم کے لائق بنا دیتا ہے کہ وہ فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم اور اشرف ہو جاتا ہے۔

جو شخص کسی سے حسد کرنا چاہتا ہے تو حسد کے بجائے تقویٰ اختیار کرے، کیونکہ اسکے ذریعے یہ بہت بڑا مقام حاصل کر سکتا ہے۔

اے اللہ! ہم تیرے پیارے چہرے کا واسطہ دیکر تجھ سے تقویٰ مانگتے ہیں۔

اے اللہ! ہم تجھ سے ہدایت، تقویٰ، عفت اور غناء مانگتے ہیں۔
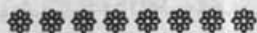
۲٦- فائدہ : مراتب التقویٰ

تقویٰ کے پانچ مراتب ہیں۔

۱-کفر اور شرک سے بچے، یہ مقام اسلام ہے، اور یہ تقویٰ ہر ایک کیلئے ضروری ہے۔

۲- گناہوں اور محرمات سے بچے، یہ مقام توبہ ہے۔ یہ بھی ہر مسلمان پر واجب ہے۔

۳-شبہات سے بچے، یہ مقام ورع ہے جو کہ خاص بندوں کا مقام ہے۔

۴- کثرتِ مباحات سے بچے، یہ مقام زہد ہے۔

۵- اپنے دل کے حاشیہ خیال میں غیر اللہ کا داخلہ بند کر دے، یہ مشاہدہ اور احسان کا مقام ہے، یہ ایک کم یاب درجہ ہے جسے عقلمند، بلند ہمت، پاکیزہ دل اور روشن ضمیر والے افراد ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
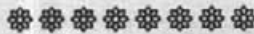
۲۷- فائدہ : تقویٰ کے محرکات

۱-اخروی عذاب کا خوف۔

۲-دنیوی سزا کا ڈر۔

۳-آخرت کے ثواب کی امید۔

۴-دنیا کے اچھے بدلے کی توقع۔

۵-حساب کتاب کا خوف۔

۶-اس بات کی حیا کہ اللہ عزوجل آپکی طرف دیکھ رہا ہے، یہ انتہائی مؤثر چیز ہے۔

۷-اللہ کی نعمتوں اور احسانات کے شکریے کے طور پر اسکی اطاعت، یہ محض تقویٰ ہے۔

۸-علم شرعی، یعنی کتاب وسنت کا علم، یہ بھی انسان کو اللہ عزوجل کے تقویٰ کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے: " **طلبنا العلم لغير الله، فأبى الا أن يجرنا الى الله تعالى**" ۔ (آداب الراوی والسامع للخطیب)

(ہم نے اولاً غیر اللہ کیلئے علم طلب کیا تھا، لیکن علم نے اس بات سے انکار کردیا اور ہمیں اللہ تعالی کی طرف کھینچ لایا)

۹-اللہ کی بزرگی اور جلال کا احساس، کیونکہ جسکے دل میں یہ احساس ہوگا تو وہ گناہوں سے بچے گا اور اطاعت وفرمانبرداری کی راہ چلے گا۔

۱۰-سچی محبت، یقیناً اطاعت اور تقویٰ سچی محبت کا ہی پھل ہے۔ محبِ صادق اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے، اسکے سوا کوئی چارہ ہی نہیں، اور اپنے محبوب کی نافرمانی سے بچنے کی بھی انتہائی تسلسل کیساتھ کوشش کرتا ہے، اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس نے محبت کی ہی نہیں۔

اگر آپ ان دس امور پر تدبر کریں گے تو اللہ کے فضل اور توفیق سے یہ آپکو آپکے مالک ومولا کے تقویٰ تک پہنچادیں گے۔(واللہ المستعان ۔ (تفسیر التسہیل : ۳٦/۱)

۲۸- فائدہ

اللہ کا ذکر اگر خشوع، غم اور آنسوؤں کیساتھ ہو تو پھر دل کو اسقدر زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ خوشی سے اُڑ ہی پڑے، لیکن دل کی باگیں طغیان وسرکشی سے بچانے کیلئے اللہ کے خوف اور جلال کا احساس بھی ضروری ہے ورنہ دل میں سرکشی پیدا ہو جائیگی اسی لیے اللہ تعالی نے اپنے ذکر کیساتھ خوف کا تذکرہ بھی کیا ہے، فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴾ (الاعراف/۲۰۵)

(اپنے رب کا ذکر تضرع اور خوف کیساتھ اپنے دل میں کیجئے، اور قدرے پست آواز میں صبح وشام اپنے رب کو یاد کریں، اور غافلین میں شامل مت ہوں)

اگر ذکر کیساتھ خوف نہ ہو تو پھر ذکر فائدہ نہیں دیتا بلکہ سرکشی کی جانب مائل ہو جاتا ہے، اس بات کا احساس اسی کو ہو سکتا ہے جسے اسکا تجربہ ہو چکا ہو، یہ میرا اپنا ہی تجربہ ہے جو یہاں لکھ رہا ہوں، بعض اوقات ذکر کے نتیجے میں مجھے انتہائی خوشی حاصل ہوتی اور پھر میں کثرتِ کلام یا کثرتِ مزاح میں مبتلا ہو جاتا، پھر الحمد للہ مجھے اس بات کا احساس ہو گیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی ''الوابل الصیب'' میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا ہے۔
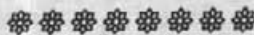
۲۹- جلیل القدر فائدہ

عقیدہ اور ایمان میں فرق اور اسکی مثال

اس فائدے کی قدر وہی جان سکتا ہے جس نے اسے چکھا ہو، یقیناً جس شخص نے کھجور یا نکاح کا مزا نہیں چکھا اسے کیا معلوم کہ کھجور یا نکاح کی قدر و قیمت کیا ہے؟

دو چیزیں جنہیں ہم "توحید اور ایمان" یا "عقیدہ اور ایمان" سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

عقیدہ، عقد سے مأخوذ ہے جسکا معنی ہے بندھن، گرہ لگ جانا، تو عقیدہ وہ گرہ ہے جو مضبوطی کیساتھ دل پر لگی ہو، اور اسلامی عقیدے کا معنی یہ ہے کہ دل سے اس بات کی تصدیق کی جائے کہ بیشک اللہ ہی رب العالمین، الٰہ برحق اور معبودِ برحق ہے، ہر چیز کی بادشاہت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی پیدا کرنے والا عظیم خالق ہے، جو وہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، اور بات کی تصدیق کرنا کہ تمام رسول برحق ہیں، فرشتے بھی حق ہیں، جنت اور جہنم بھی حق ہیں، اللہ عزوجل کی کتابیں جو لوگوں کی ہدایت کیلئے نازل ہوئیں وہ بھی برحق ہیں، قیامت بھی شک وشبہے سے بالاتر حقیقت ہے۔

یہی اسلامی عقیدہ ہے، اسی کے ذریعے آدمی مسلمان ہوتا ہے، اور جب بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو باقی گناہوں پر ہمیشہ کیلئے جہنم کا حقدار نہیں بنتا۔

یہ عقیدہ عموماً تغیر وتبدل سے پاک رہتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "ان الشیطان أیس من أن یعبده المصلون فی جزیرة العرب ولکن في التحریش بینهم"۔

(بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی (مسلمان) جزیرۃ العرب میں اسکی عبادت کریں، لیکن وہ آپس میں لڑائی کے الاؤ ضرور بھڑکا کر رہے گا)

اور فرمایا کہ (بے شک شیطان تمہارے ان شہروں میں اپنی عبادت کئے جانے سے

مایوس ہو چکا ہے لیکن اسکی اطاعت حقیر سمجھ جانے والے اعمال میں ضرور کی جائے گی اور وہ اس پر راضی ہو جائیگا)۔

ان احادیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توحید کو قبول کرنے کے بعد انسان شرک کی طرف نہیں پلٹتا۔

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس عقیدے کو حاصل کرنے کے بعد وہ ایمان کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہو چکے ہیں، خود کو موحد کہتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، جبکہ ان مسکینوں کو علم نہیں کہ ایمان تو ایک نادر چیز ہے، جس تک پہنچنا اللہ کی رحمت کے بغیر ناممکنات میں سے ہے۔﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس/١٠٠)

(اور کسی نفس کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ تعالیٰ عقل سے کام نہ لینے والوں پر پلیدی (کفر ونفاق) ڈال دیتا ہے)

ایمان تو اس بات کا نام ہے کہ انسان دل اللہ کی عظمت، اسکی محبت، اسکے لیے عجز وانکسار، اسکے جلال و جمال سے بھر جائے، اور اسکے دل میں خشوع، توجہ، انابت اور اللہ کا ذکر جڑ پکڑ لے، اسکا دل کمال فقر کیساتھ اللہ کی چوکھٹ پر سر رکھ دے، صرف اللہ کا خوف اور اسی پر توکل ہو۔

﴿وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران/١٧٥)

(اور مجھ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو)

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾۔(المائدۃ/٢٣)

(اور اگر تم مؤمن ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو)

لہٰذا توکل اور خوف ایمان کے لوازم میں سے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے ذکر سے دل کانپ اٹھنا اور فوری اطاعت کرنا بھی ایمان میں شامل ہے۔

اسی طرح ایسی بہت سی صفات جمیلہ کے مجموعہ کو ایمان کہا جاتا ہے، یہ کم بھی ہوتا ہے اور

زیادہ بھی۔ اعمال صالحہ کے ذریعے بڑھتا ہے، نکھرتا اور باقی رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی عمل دل میں یہ کیفیت پیدا نہ کرے تو اس عمل کی اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ہے جیسے کوئی شخص بغیر خشوع وخضوع کے نماز پڑھے تو اسے یہ کیفیت حاصل نہیں ہوگی لہٰذا نماز مقبول ہونا تو درکنار، یہ نماز اسکے لیے وبال بن جائے گی۔ والعیاذ باللہ۔

اور اس کیفیت کے پھر بہت سارے درجات ہیں، بہرحال ہر وہ عمل یا علم جو اس ایمان کی قوت میں اضافہ نہ کرے، بے کار ہے، اور ہر وہ ایمان جو عمل پر نہ ابھارے، بے کار ہے۔ (الفوائد ص: ۱۴۷)

میں مذکورہ بات کی وضاحت کیلئے ایک مثال آپکے سامنے رکھتا ہوں۔

مثلاً لوگوں کے سامنے ایک بڑا زبردست اور خوبصورت ہیرا اور اسکے بالمقابل جانور کی لید کا ٹکڑا رکھ دیا جائے جسکی کوئی قدر و قیمت یا حیثیت نہیں۔

اب لوگوں کی چار اقسام ہو سکتی ہیں :

۱- جو نہ اس جوہر کو طلب کریں اور نہ لید کا مطالبہ کریں، بلکہ اپنی ہی نجاست اور اندھیروں میں مگن رہیں۔

۲- جو اس جوہر اور لید کا مشاہدہ کریں لیکن لید کو بھی جوہر سمجھیں اور دونوں کا مطالبہ کر بیٹھیں، بلکہ بعض بے بصیرت تو صرف لید کو ہی کافی سمجھیں۔

۳- جو جوہر کو دور سے دیکھیں، جبکہ انکی سماعت وبصارت بھی کمزور ہو، تو وہ اس جوہر کے جمال کو ہی نہ سمجھ پائیں اور اسکے مطالبے سے دستکش ہو جائیں، اور حیران و پریشان رہیں۔

۴- جو لید کو پہچان کر اس سے نفرت اور دوری اختیار کریں اور جوہر کی قدر و قیمت جانتے ہوئے انتہائی رغبت، شوق کیساتھ اسکے حصول کی سعی کریں۔

یہ توحید اور شرک کی مثال ہے، پہلی قسم کے لوگ ملحد کافر ہیں، دوسری قسم مشرکین کی ہے، تیسری منافقین، اور چوتھی موحدین و مؤمنین کی۔

لید غیر اللہ کی عبادت ہے اور جوہر اللہ کی محبت اور توحید۔ پھر اس جوہر کے وجود کا عقیدہ، اور

ایک ہونے کی تصدیق توحید ربوبیت ہے، اسکی طلب اور عمل توحیدِ الوہیت ہے، اسکے جمال وکمال کی معرفت توحیدِ اسماء وصفات ہے، اسکا شوق، رغبت اور محبت ایمان کی مثال ہے۔

پھر ایمان والے اس جوہر کی خوبصورتی کی معرفت، اسکی طلب، اسکے حصول کی کوشش اور اسکے لیے قربانی اور ایثار کے حوالے سے مختلف درجات پر ہیں بعض کے دل میں تو یہ ایمان بڑے پہاڑ کی طرح بلند اور مضبوط، جبکہ بعض کے دل میں پہاڑی، گھر، جو کے دانے، ذرے اور رائی کے دانے برابر بھی ہوتا ہے۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے جو ایمان کی تفہیم اور اسکی کمی بیشی کے اظہار کیلئے دی گئی ورنہ کسی بڑے سے بڑے جوہر کا توحید اور ایمان اور اللہ کی ذات سے کیا مقابلہ؟ بلکہ پوری مخلوقات کا خالق سے کیا جوڑ؟

اس مثال پر غور کیجئے ان شاء اللہ علوم ومعرفت کے دریچے آپ پر کھل جائیں گے، اس کیفیت میں تغیر وتبدل اور کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيٰتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ (الانفال/۲)

(اور جب ان پر اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو انہیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں)

یہاں ایمان میں زیادتی سے مراد اس کیفیت میں زیادتی ہے، نہ کہ معتقدات میں زیادتی، اکثر بدعتی لوگ اس بات کو نہیں جانتے لہٰذا ایمان کی کمی بیشی پر اعتراضات کرتے ہیں۔

ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مثل الإيمان مثل القميص بينما لبسته فخلعته وبينما خلعته فَلَبِسْتَهٗ ﴾۔ (ذکرہ فی کتاب الایمان لابن ابی شیبہ)

(ایمان کی مثال اس قمیص کی طرح ہے کہ جسے آپ پہنتے ہیں، پھر اتار دیتے ہیں، اور اتارنے کے بعد پھر پہن لیتے ہیں) (کتاب الایمان لابن ابی شیبہ)

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ہم نشین سے کہا: "تعال نؤمن بربنا ساعةً" (حیاۃ الصحابہ ۳/۲) (آیئے! ہم کچھ گھڑی اپنے رب پر ایمان لائیں) (حیاۃ الصحابہ)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کبھی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جنکی آواز انتہائی خوبصورت تھی)

فرماتے: ہمیں اللہ کی یاد دلایئے۔ پھر ابو موسیٰ اشعری قرآن حکیم کی تلاوت کرتے اور باقی صحابہ انکی تلاوت کو توجہ کیساتھ سنتے تھے۔

حبیب بن عمیر ﷺ سے ایمان کی کمی بیشی کا سوال ہوا تو فرمانے لگے:

"إذا ذكرنا الله وسبحناه فتلك زيادته، وإذا غفلنا ونسينا فذلك نقصانه"

(جب ہم اللہ کا ذکر اور اسکی تسبیح بیان کریں تو یہ ایمان کی زیادتی ہے، اور جب ہم اللہ کے ذکر سے غافل ہوں اور اسے فراموش کریں تو یہ ایمان کی کمی ہے)

حدیث میں آتا ہے:" **ما من القلوب قلب الا وله سحابة كسحابة القمر بينما القمر مضيء اذ علته سحابة فأظلم إذ تجلت عنه فأضاء** »۔

(ذكره في الصحيحة رقم : ٢٢٦٨)

(کوئی دل بھی ایسا نہیں کہ جسکے لیے اسی طرح کی ایک بدلی نہ ہو جیسے چاند کیلئے ہوتی ہے جبکہ چاند چمکدار ہوتا ہے، یہ بدلی جب اُس پر چھائے تو چاند تاریک ہو جاتا ہے، اور جب بدلی چھٹ جائے تو پھر روشن ہو جاتا ہے)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: (ہانڈی جب جوش مارنے کے بعد تیزی سے اپنا رنگ بدلتی ہے تو اس سے زیادہ تیزی کیساتھ دل پلٹتا ہے) (حیاۃ الصحابہ ۳ر)

یہ **تمام دلائل** اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ایمان کیفیت کا نام ہے جو اللہ کی عظمت اسکی محبت، اسکی طرف توجہ اور اسکے خوف وخشیت پر مشتمل ہے اور یہ کیفیت بہت زیادہ تغیر پذیر ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ اس کیفیت کو محسوس کرتے تھے، اور جب اس میں کچھ کمی ہوتی تو نفاق کا خدشہ ظاہر کرتے تھے، کیونکہ نفاق دل کی غفلت اور اللہ سے اعراض کا نام ہے۔

اس کا معنی یہ نہیں کہ اُنہیں اس بات پر شک ہو کہ وہ اللہ اور اسکے رسول اور قیامت وغیرہ پر ایمان ویقین رکھتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ہر شخص اس بات کو جان سکتا ہے، بلکہ وہ تو اسی غفلت اور تھوڑی سی عدم توجہ کو نفاق سے تعبیر کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آتا ہے کہ

ایک مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات حنظلہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو حنظلہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: حنظلہ منافق ہوگیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استفسار پر فرمایا: جب ہم رسول اللہ ﷺ کی محفل میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جنت وجہنم کی یاد دلاتے ہیں تو ہماری یہ حالت ہوتی ہے گویا ہم اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہے ہیں، لیکن جب آپکی محفل سے نکل کر اپنے بیوی، بچوں اور جائیداد میں آتے ہیں تو بہت سی باتیں فراموش کر بیٹھتے ہیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ انکی بات سن کر کہنے لگے کہ ہماری بھی یہی کیفیت ہے پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

" لو تدومون على ما أنتم عليه عندي لصافحتكم الملائكة على فرشكم وفي طرقكم ولكن يا حنظلة ! ساعة وساعةً ! ثلاث مرات"

(اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو، جس حالت میں میری محفل میں ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں اور رستوں پر تم سے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن اے حنظلہ! یہ کیفیت تو گھڑی درگھڑی ہوتی ہے) (یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی۔

(رواہ مسلم ، وھو فی المشکوۃ ۱۹۷/۱)

اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر ہمیشہ یہ کیفیت رہے تو کیا بات ہے! اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو گاہے بگاہے اس کیفیت کو پیدا کیا جائے۔

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" أدركت ثلاثين من أصحاب النبي ﷺ كلهم يخاف النفاق على نفسه "۔ (البخاری)

(میں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تیس صحابہ کو پایا ہے، اُن میں سے ہر ایک اپنے نفس پر نفاق کا خدشہ رکھتا تھا) (بخاری)

اس بات کی طرف ایک اور حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جسکے الفاظ کچھ یوں ہیں:

" الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء الزرع "

(المشكوة باسناد فيه مقال، ولكن نذكره تمثيلاً)۔

(گانا اسی طرح دل میں نفاق اُگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے) (مشکوۃ)

اس کی سند میں کچھ کلام ہے لیکن ہم نے اس روایت کو صرف بطورِ تمثیل ذکر کیا ہے۔

اور وہ تمثیل کچھ یوں ہے کہ گانا دل میں کفر نہیں اُگاتا بلکہ نفاق اُگاتا ہے جو کہ اللہ سے غفلت واعراض، غیر اللہ کیساتھ مشغولیت اور گناہوں پر تلذذ کا نام ہے۔

حدیث میں آتا ہے: "من لم يكثر ذكر الله فهو منافق"۔ (الترغيب)

(جو شخص کثرت کیساتھ اللہ کا ذکر نہ کرے، وہ منافق ہے)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴾۔ (الحشر/۱۹)

(اور اُن لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، تو اللہ تعالیٰ نے انکے اپنے نفس بھی انہیں بھلا دیئے (یعنی وہ اپنا نفع ونقصان بھی فراموش کر بیٹھے) یہی لوگ فاسق ہیں)

اللہ کو بھول جانا عظیم فسق ہے۔

اور حدیث میں آتا ہے: "لا يزني الزاني حين يزني وهو مؤمن"

(رواه الشيخان) (کوئی زانی حالتِ زنا میں مؤمن نہیں ہوتا) (بخاری، مسلم)

اس سے مراد یہ نہیں کہ اس حدیث میں مذکور امور کی وجہ سے کوئی کافر ہو جاتا ہے، بلکہ اسکا معنی یہ ہے کہ زنا، چوری، ڈاکے وغیرہ کی وجہ سے یہ نورانی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے محققین اہل علم نے اسکا معنی یوں کیا ہے کہ نورِ ایمان اسکے سینے سے نکل جاتا ہے جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں فرمایا: اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محدثین کرام احادیث کے معانی کی کمال درجے کی معرفت رکھتے تھے، کیونکہ وہ خود ان احادیث کا عملی تجربہ رکھتے تھے۔

کئی چیزیں اس کیفیت کے بگاڑ کا باعث ہیں اور کئی چیزیں اسے تقویت دیتی ہیں اسکو بگاڑنے والی بہت سی چیزیں ہیں جن میں سے بعض کا بیان درج ذیل ہے۔

۱-بُرا اخلاق ایمان کے بگاڑ، جبکہ اچھا اخلاق ایمان کی تکمیل کا باعث ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:"إن سوء الخلق ليفسد الإيمان كما يفسد الصَّبِرُ العسل" ۔(المشکوۃ ۱ر۴۴۳)

(برا اخلاق ایمان کو اسطرح خراب کر دیتا ہے جسطرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:"أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم خلقاً، وألطفهم بأهله"

(ایمان والوں میں کامل ترین ایمان اُنکا ہے جنکا اخلاق اچھا ہے، اور جو اپنے اہل خانہ کیساتھ لطف وملائمت کا مظاہرہ کرتے ہیں)

اس معنی میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، ایمان اور اخلاق کے باہمی تعلق کی علت یہ نظر آتی ہے کہ بُرا اخلاق دل کی تنگی کا سبب ہے اور جب دل تنگ ہو جاتا ہے تو پھر یہ ایمانی کیفیت اس میں قرار نہیں پکڑ پاتی، اور کوئی بندہ خوش اخلاق ہو تو یہ پاکیزہ کیفیت اُس کے دل میں سما جاتی ہے کیونکہ خوش اخلاق انسان کا دل کھلا اور کشادہ ہوتا ہے، اگر بات سمجھ نہیں آتی تو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔

۲-تکبر اور خود پسندی بھی دل کے بہت زیادہ بگاڑ کا باعث ہے، ایمانی خشوع اور تکبر کبھی کسی دل میں جمع نہیں ہو سکتے، اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:" لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر، ولا يدخل النار من كان في قلبه مثقال ذرة من إيمان" (رواه مسلم)

(وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جسکے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہے، اور وہ شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جسکے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے) (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے یہاں تکبر کی وجہ سے دخول جنت اور ایمان کی وجہ سے دخول جہنم کی نفی کی ہے۔

۳-کثرتِ مزاح

۴- کثرتِ کلام

۵- غیر ضروری طور پر لوگوں سے زیادہ میل جول

۶- عورتوں کیساتھ میل جول اور بات چیت

۷- زیادہ کھانا

۸- زیادہ نیند کرنا۔

۹- اللہ تعالی سے غفلت۔

۱۰- بعض شدید بیماریاں

۱۱- فتنے

۱۲- اختلافات اور جھگڑے

۱۳- خوبرو چہروں کی محبت

۱۴- رسائل وجرائد کا بہت زیادہ مطالعہ اور ریڈیو نشریات کا سننا

۱۵- اور ان میں خطرناک چیز بدعت ہے۔

۱۶- تمام گناہ

۱۷- کاہلی اور سستی۔

۱۸- مہمانوں کی زیادہ آمد ورفت۔

۱۹- صبح سے عشاء تک مکمل وقت صرف دنیا کا مال سمیٹنے میں لگا دینا

۲۰- ہم عمر دوستوں کے ہمراہ سیر وسیاحت کے پروگرام

۲۱- بورڈوں پر لکھی عبارتوں اور تصاویر کو بار بار دیکھنا

۲۲- گانے اور موسیقی سننا

۲۳- لغویات میں مشغول ہونا

اسی وجہ سے ایک جامع ترین صحیح حدیث میں آتا ہے:

من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه ۔(رواہ الترمذی)

(کسی شخص کے بہترین اسلام کی علامت یہ ہے کہ وہ لا یعنی باتوں کو چھوڑ دے) (ترمذی)

قرآن مجید میں بھی کثرت کیساتھ لغو، لہو اور ہر اس بات سے روکا گیا ہے جو انسان کو اللہ سے غافل کردے۔

۲۴- جب کوئی مؤمن مذکورہ ایمانی کیفیت کا لحاظ نہ رکھے تو یہ کیفیت دل سے رخصت ہو جاتی ہے اور اسکا نور بُجھ جاتا ہے۔

اس کیفیت کی حفاظت کا بہترین طریقہ کتاب اللہ کی تلاوت کو اچھی آواز کیساتھ بغور سننا، یا خشوع وخضوع کیساتھ اسکی قراءت کرنا، اور بھی بہت سے اسباب ہیں جنکا تذکرہ گذشتہ صفحات پر کیا جاچکا ہے، اُن اسباب کی تعداد بیس ہے۔

بعض صوفی لوگ دل پر آنے والی میل کا علاج اشعار سننے کیساتھ کرتے ہیں لیکن یہ درست طریق کار نہیں ہے، اگر چہ بعض مفید اشعار بھی جب خوبصورت آواز کیساتھ پڑھے جائیں تو زہد وورع اور تقوئی میں مددگار ہوتے ہیں لیکن اشعار کی زیادتی بھی درست نہیں کیونکہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر اشعار کو اختیار کر لینا بھی دل میں چھپے ہوئے مخفی نفاق کی دلیل ہے، دل جب فاسد ہو جاتا ہے تو غیر مناسب چیزوں کو پسند کرتا ہے، جبکہ دل کی دوا تو قرآنِ کریم ہے۔

۳۰- فائدہ : ایمان کے فوائد

جب کسی بندے کا ایمان کامل ہو جائے تو پھر اسے ایمان کے نور، بشاشت، حلاوت اور سرور کا احساس ہوتا ہے اور اُس پر ایمان کے عجیب فوائد اور نادر منافع کے بھید کھلتے چلے جاتے ہیں، گویا کہ وہ فردوس اعلیٰ میں پہنچ گیا ہے۔

قرآن وحدیث میں ان فوائد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱-ہدایت۔﴿ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ، الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ ﴾(البقرہ/۲)

((یہ کتاب) متقین کیلئے ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں)

﴿ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ﴾(یونس/۹)

(انکا رب انکے ایمان کی بناء پر انکی رہنمائی کرتا ہے)

اور فرمایا:﴿ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴾۔(محمد/۱۷)

(اور جو لوگ ہدایت پر چلیں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور انہیں انکا تقویٰ عطا فرماتا ہے)

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾۔(البقرہ/۱۳۷)

(پس اگر یہ لوگ بھی تمہارے مثل ایمان لائے تو یقیناً ہدایت پا جائیں گے)

۲-ایمان اہل ایمان کیلئے وسیلہ بن جاتا ہے:﴿ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ﴾۔(آل عمران/۱۹۳)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف ندا لگا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، تو ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے۔

۳-قیامت کے دن اہل ایمان اور اہل علم گواہ ہونگے:﴿ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللهِ ......الآية ﴾(الروم/۵۶)

(اور وہ لوگ کہیں گے جو علم اور ایمان دیئے گئے: تحقیق تم اللہ کی کتاب کے مطابق رہے

ہو......الآیۃ)

۴-دعوت ایمان کی طرف ہوتی ہے: ﴿ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴾ (المؤمن/۱۰) (جب تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے، پس تم کفر کرتے تھے)

۵-ایمان دلوں کی زینت اور محبت ہے:

﴿ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ ﴾-(الحجرات/۷)

(لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے نزدیک محبوب بنادیا، اور اُسے تمہارے دلوں میں مزین کردیا)

۶-ایمان بندوں پر اللہ کا عظیم احسان ہے:

﴿ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ ﴾ (الحجرات/۱۷)

(بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اُس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی)

۷-صاحب ایمان کیلئے دُعائیں کی جاتیں ہیں:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ ﴾-(الحشر/۱۰)

(اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے، اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی بخش دے جو ایمان کیساتھ ہم سے پہلے گذر گئے)

۸-ایمان کی وجہ سے ہی جنت میں اولاد اپنے والدین سے جا ملے گی:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ (الطور/۲۱)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکی اولاد ایمان کیساتھ انکی پیروی کی، تو ہم انکی اولاد کو اُنکے ساتھ ملادیں گے)

۹-کفار کی دھمکیوں اور ڈراوے پر ایمان مزید بڑھ جاتا ہے:

﴿ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ﴾-(آل عمران/۱۷۳)

((جب انہیں کہا جائے کہ) بے شک لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے جمع ہو چکے ہیں، تو یہ بات انہیں انکے ایمان میں مزید بڑھا دیتی ہے)

۱۰-آخرت کا اجر صرف اہل ایمان کیلئے ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا - الى قوله - فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ ﴾ ـ (البقرة/۶۲)

(بے شک جو لوگ ایمان لائے ...... پھر فرمایا کہ انکے لیے انکا اجر ہے)

۱۱-سب سے بڑی نیکی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانا ہے:

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ...... الآية ﴾ (البقرہ/۱۷۷)

(لیکن حقیقی نیکی تو اُس شخص کی ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا...... الآیۃ)

۱۲-ایمان سب سے بہترین صفت ہے جسکے ساتھ کسی کو موصوف کیا جائے:

﴿ آمَنَ الرَّسُوْلُ ...... ﴾ ـ (البقرہ/۲۸۵) (رسول اللہ (ﷺ) ایمان لائے)

﴿ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الصافات:۸۱)

(بے شک وہ میرے مؤمن بندوں میں سے تھے)

۱۳-ایمان میں عظیم بھلائیاں پنہاں ہیں: ﴿ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴾ ـ (آل عمران/۱۱۰)

(اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو انکے لیے بہت بہتر تھا)

۱۴-خوف اور غم ایمان کی بدولت زائل ہو جاتے ہیں: ﴿ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (الانعام/۴۸)

(پس جو شخص ایمان لایا اور اپنی اصلاح کی تو ایسے لوگوں پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی یہ غمگین ہونگے)

۱۵-اللہ کی مساجد کو آباد کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۱۶-ایمان تمام اعمال سے افضل ہے:

﴿ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَوُوْنَ عِنْدَ اللهِ ﴾ ـ (التوبۃ/۱۹)

(کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کو آباد کرنا اُس شخص کی نیکی کے برابر جان لیا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، اللہ کے ہاں یہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے)

۱۷-ایمان والوں کیلئے بہترین بدلے کی بشارت ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً ن الْحُسْنٰى﴾ (الکھف/۸۸)

(اور وہ شخص جو ایمان لایا، اور نیک عمل کیا، تو اُسکے لیے بہترین بدلہ ہے)

۱۸-ایمان کا صلہ جنت ہے: ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾۔(طٰہٰ/۶۰)

(مگر جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور نیک عمل کیا، تو یہی لوگ جنت میں داخل ہونگے)۔

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ...... الآية﴾ (البقرة/۲۵)

(اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے ......الآیۃ)۔

۱۹-کامیابی انکا مقدر ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾۔(المؤمنون/۱)

(یقیناً مؤمن کامیاب ہو گئے)

۲۰-عذاب سے نجات:

﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾۔(النساء/۱۴۷)

(اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیکر کیا کریگا؟)

﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ (حم السجدۃ/۱۸)

(اور ہم نے ایمان والوں کو نجات دی)

۲۱-ایمان قبولیتِ دعا کا وسیلہ ہے: ﴿رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا﴾۔ (آل عمران/۱۶)

(اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے، پس تو ہمارے گناہوں کو بخش دے)

۲۲-ایمان اللہ کی محبت کا سبب ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ﴾ (البقرہ/۱۶۵)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں)۔

۲۳-اہل ایمان آزمائش کی گھڑیوں کو کامیابی کیساتھ عبور کر جاتے ہیں:

﴿ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهُ ﴾۔(البقرۃ/۲۴۹)

(پس جب وہ (طالوت) اور ایمان والے جو انکے ہمراہ تھے، اس (نہر) کو پار کر گئے)

۲۴- ایمان کے ذریعے اللہ کی ولایت حاصل ہوتی ہے:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ ﴾ (البقرۃ/۲۵۷)

(اللہ ایمان والوں کا ولی ہے، انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے)

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾۔(یونس/۶۳)

(سن لو! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا)

﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران/۶۸) (اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کا ولی ہے)

۲۵-انکے لیے اللہ کی رحمت ہے: ﴿ فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ﴾۔(النساء/۱۷۵)

(وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اور نیک عمل کئے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت میں داخل کر لے گا)

۲۶-انکے لیے مغفرت ہے: ﴿ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ (الحج/۵۰)

((بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے انکے لیے مغفرت ہے)

۲۷-مؤمن اللہ کا محبوب ہوتا ہے: ﴿ فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ ﴾

(المائدہ/۵۴)

(پس عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو اللہ سے محبت کرتے ہونگے اور اللہ اُن سے محبت کرتا ہوگا)

۲۸-اُمن بھی انکے لیے ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام/۸۲)

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ظلم (شرک) کی آمیزش نہ کی، انہی لوگوں کیلئے امن ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں)

۲۹-دنیا وآخرت کی پاکیزہ چیزیں مؤمنین کیلئے ہی ہیں: ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (الاعراف/۳۲)

(آپ فرمایئے: یہ (پاکیزہ رزق اور زیب وزینت) تو ایمان والوں کیلئے ہے دنیا کی زندگی میں، جبکہ قیامت کے دن تو صرف انہی کیلئے خاص ہوجائیگا)

۳۰-ایمان کی بدولت زمین وآسمان سے برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾۔(الاعراف/۹۶)

(اور یقیناً بستیوں والے اگر ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم آسمان وزمین سے برکتوں کے دہانے ان پر کھول دیں گے)

۳۱-ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے کیلئے فرشتے نازل ہوتے ہیں:

﴿فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾۔(الانفال/۱۲)

(پس ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو)

۳۲-رسول اللہ ﷺ حقیقی طور پر صرف مؤمنین کیلئے ہی رحمت ہیں:

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ﴾(التوبۃ/۶۱)

(اور رحمت ہیں اُن لوگوں کیلئے جو تم میں سے ایمان لائے)

۳۳-قرآن انکے ایمان کو مزید بڑھاتا ہے: ﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾۔(التوبۃ/۱۲۴)

(پس وہ لوگ جو ایمان لائے، تو (قرآن مجید کی آیات) انہیں ایمان میں بڑھادیتی ہیں، اور یہ ان پر خوش ہو جاتے ہیں)

۳۴-انکے رب کے پاس انکا بہترین مقام ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ الآية﴾۔(یونس/۲)

اور جو لوگ ایمان لائے انہیں اس بات کی خوشخبری دیجئے کہ انکے لیے انکے رب کے پاس بہترین مقام (سچا گھر، سنہرا مستقبل) ہے۔

۳۵-اللہ کے ذکر پر اطمینان پانا: ﴿ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الرعد/۲۸)

(وہ لوگ جو ایمان لائے اور انکے دل اللہ کے ذکر پر اطمینان پاتے ہیں)

۳۶-ایمان اور عمل صالح والوں کیلئے کامیابی اور بہترین ٹھکانہ ہے۔

۳۷-ثابت قدمی: ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (ابراھیم/۲۷)

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پختہ بات (لا الہ الا اللہ) کیساتھ دنیا وآخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے)۔

﴿ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾۔(النحل/۱۰۲) (تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے)

۳۸-ان پر شیطان کا کوئی زور نہیں چلتا: ﴿ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (النحل/۱۰۰)

(بے شک اُس (شیطان) کا کوئی زور اور تسلط اُن لوگوں پر نہیں چل سکتا جو ایمان لائے، اور صرف اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

۳۹-﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾۔(الکھف/۱۰۷)

(یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے انکے لیے بطور مہمانی فردوس بریں کے باغات ہیں)

۴۰۔انکے لیے محبت ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴾ (مریم/۹۶)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو عنقریب رحمٰن انکے لیے محبت پیدا فرمادے گا)

۴۱۔ایمان والوں کا دفاع کیا جاتا ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ (الحج/۳۸) (یقیناً اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کا دفاع کرتا ہے جو ایمان لائے)

۴۲۔انکے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے: ﴿ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴾۔(الحج/۵۰)

(یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے انکے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے)

۴۳۔انہیں دینی معاملات کی خلافت ملتی ہے: ﴿ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ الآية ﴾۔(النور/۵۵)

(وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے، کہ وہ ضرور انہیں خلافت سے نوازے گا)

۴۴۔انکی خطائیں مٹادی جاتی ہیں، اور انہیں نیک بندوں میں شامل کرلیا جاتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴾ (العنکبوت/۹)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے، ہم ضرور انہیں صالحین میں داخل کردیں گے)

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ﴾۔ (العنکبوت/۷)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے، ہم ضرور انکی خطاؤں کو مٹادیں گے)

۴۵۔اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور فرشتے انکے لیے دُعا گو رہتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا، هُوَ

الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ﴾ (الاحزاب/۴۳)

(اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت کیساتھ کرو، اور اس کی تسبیحات صبح وشام کرو، وہ تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے۔ اور اسکے فرشتے تمہارے لیے دعا گو رہتے ہیں)

۴۶- اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مفسدین کی طرح نہیں بناتا: ﴿اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِي الْاَرْضِ﴾۔ (ص/۲۸)

(کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیئے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح بنادیں گے؟)

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ (الجاثیۃ/۲۱)

(کیا برے کام کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اُن لوگوں کی طرح بنادیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، انکا جینا اور مرنا برابر ہوگا؟ بہت غلط دعوے کرتے ہیں)

۴۷- فرشتے مؤمنین کیلئے استغفار کرتے ہیں: ﴿وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا﴾ (المؤمن/۷) (اور (فرشتے) اُن لوگوں کیلئے استغفار کرتے ہیں جو ایمان لائے)

۴۸- اللہ کی مدد اور نصرت انکے شاملِ حال ہوتی ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا فِي الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ﴾ (المؤمن/۵۱)

(یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہونگے (یعنی قیامت کے دن) بھی انکی مدد کریں گے)

۴۹- ایمان سے قیامت کا ڈر پیدا ہوتا ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا﴾ (الشوریٰ/۱۸) (اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اس (قیامت) سے ڈرتے ہیں)

۵۰- اللہ تعالیٰ انکی دعائیں قبول کرتا ہے:

﴿وَیَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ (الشوریٰ/۲۶)

(اور اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی دُعائیں قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے)

۵۱- قیامت کے دن اخوتِ ایمانی باقی رہے گی : ﴿ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ...... اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ﴾۔(الزخرف/ ۶۷)

(سوائے متقین کے قریبی دوست بھی اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے ، یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور فرمانبرداری اختیار کی)

۵۲- انکے احوال کی اصلاح کردی جاتی ہے:

﴿وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَهُمۡ ﴾ (محمد/ ۲)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ، اور اس (کتاب) پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی ، جبکہ وہ حق ہے انکے رب کی طرف سے ، اللہ تعالیٰ نے انکی خطاؤں کو مٹادیا اور انکی حالت سنوار دی)

۵۳- اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انکا مولیٰ ومددگار ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ﴾۔(محمد/ ۱۱)

۵۴- اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لانا ہی دراصل درجہ صدیقیت ہے: ﴿ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ﴾(الحدید/ ۱۹)

(اور وہ لوگ جو اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے ، وہی لوگ صدیقین ہیں)

۵۵- ایمان کی بدولت اللہ تعالیٰ کی دُگنی رحمت اور عظیم نور حاصل ہوتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ یُؤۡتِكُمۡ كِفۡلَیۡنِ مِنۡ رَّحۡمَتِهٖ وَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِهٖ ﴾۔(الحدید/ ۲۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکے رسول پر ایمان لے آؤ ، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی دگنی رحمت سے نوازے گا اور تمہارے لیے نور بنادے گا جسکی روشنی میں تم چلو گے)

﴿ یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُهُمۡ ﴾(الحدید/ ۱۲)

(اُس دن آپ مؤمن مردوں اور عورتوں کو دیکھیں گے کہ انکا نور (انکے سامنے) دوڑ

رہا ہوگا)

۵۶-رفعت وسربلندی: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ﴾۔(المجادلۃ/۱۱)
(بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے)

۵۷-اللہ کی تائید: ﴿فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾۔(الصف/۱۴)
(پس ہم نے اُن لوگوں کی تائید کی جو ایمان لائے)

۵۸-ایمان ایک عظیم تجارت ہے، جو انسان کو دردناک عذاب سے بچالیتی ہے:
﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾۔(الصف/۱۱)
((وہ تجارت یہ ہے کہ) تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ، اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو)

۵۹-ایمان والے ہی عقلمند ہیں: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا اُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾
(الطلاق/۱۰) (پس اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو، یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے)

۶۰-اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانا: ﴿لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾۔(الطلاق/۱۱)
(تا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے)

۶۱-اہل ایمان کا رسوائی سے بچ جانا: ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ﴾ (التحریم/۸) (اُس دن اللہ تعالیٰ نبی (ﷺ) اور اُن لوگوں کو رسوا نہیں کریگا جو اُن کے ہمراہ ایمان لائے)

۶۲-انکے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔

۶۳-ایمان بلند گھاٹی پر چڑھنے کے مترادف ہے: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾۔
(البلد/۱۷) ((بلند گھاٹی پر چڑھنے والا) پھر وہ ایمان والوں میں سے بھی ہو)

۶۴-گھاٹے اور خسارے سے نجات:
﴿والعصر ان الانسان لفي خسر...... الآية﴾۔

(زمانے کی قسم ! یقیناً پوری انسانیت خسارے میں ہے......الآیۃ)

۶۵-رسول اللہ ﷺ کی دعوت بھی ایمان کی طرف تھی:

﴿ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ ﴾ (الحدید/۸)

(اور رسول (ﷺ) تمہیں دعوت دیتے ہیں تا کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ)

۶۶-تمام مخلوق سے بہترین: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴾۔(البینہ/۷)

(بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں)

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران/۱۰۹)

(تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کیلئے نکالی گئی الآیۃ)

۶۷-عُروہ وُثقٰی پر تمسک :﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾۔(البقرۃ/۲۵۶)

(جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، تو تحقیق اُس نے مضبوط کڑے کو پکڑلیا)

۶۸- رسول اللہ ﷺ کی بات حقیقتاً صرف ایمان والے ہی سُن سکتے ہیں: ﴿ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (النمل/۸۱)

(آپ نہیں سنا سکتے مگر اُن لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان لائے ہیں اور وہ مطیع وفرمانبردار ہو جاتے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور فرامین کی تاثیر انہی لوگوں پر ہوتی ہے:

۶۹-ایمان ہدایتِ قلب کا باعث ہے: ﴿ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ﴾۔ (التغابن/۱۱) (اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے، اللہ تعالیٰ اسکے دل کو ہدایت دے دیتا ہے)

۷۰-ایمان ہی رشد وہدایت اور اجابتِ دعا کا سبب ہے:

﴿ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴾ (البقرۃ/۱۸۷)

(انہیں چاہیئے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ یہ رشد وہدایت پاسکیں)

۷۲-ایمان دل کے اللہ کی طرف جھک جانے کا باعث ہے:

﴿ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ﴾۔(الحج/۵۴)

(پس اس پر ایمان لائے تو انکے دل اسکے لیے جھک گئے)

۷۳-رسول اللہ ﷺ اہل ایمان کو مرحبا کہتے تھے:

﴿ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ﴾(الانعام/۵۴)

(اور جب آپکے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ کہیے: تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو)

۷۴-آیات سے صرف ایمان والے فائدہ اٹھاتے ہیں: ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴾۔(النحل/۷۹)

(بے شک اس میں ایمان رکھنے والی قوم کیلئے نشانیاں ہیں)۔

۷۵- نزولِ سکینت: ﴿ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الفتح/۴)

(اللہ وہ ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی)

۷۶-ایمان پاکیزہ زندگی کا ضامن ہے: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ﴾(النحل/۹۷)

(جس نے بھی نیک عمل کیا، خواہ مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مؤمن بھی ہے تو ہم اُسے پاکیزہ زندگی عطا کرتے ہیں)

۷۷-مؤمن کو ظلم اور حق تلفی کا اندیشہ نہیں ہوتا: ﴿ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴾۔(طٰہٰ/۱۱۲)

(جو بھی نیک اعمال کرتا ہے جبکہ وہ مؤمن بھی ہے تو اسے کسی قسم کے ظلم اور حق تلفی کا خوف نہ ہوگا)

۷۸-اسکی کوششوں اور محبت کی بے قدری نہ ہوگی: ﴿ فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴾۔(الانبیاء/۹۴)

(جس نے بھی نیک عمل کئے جبکہ وہ مؤمن بھی ہے، تو اسکی محنتوں کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور بے شک ہم اسکو لکھنے والے ہیں)

۷۹- بلند درجات: ﴿ وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴾ (طٰہٰ/۷۵)

(اور جو بھی اسکے پاس حالتِ ایمان میں آیا، جبکہ اُس نے نیک عمل بھی کر رکھے تھے، تو ایسے لوگوں کیلئے بلند درجات ہیں)

۸۰- ہر مؤمن کو نوح اور ابراہیم علیہما السلام کی دُعا حاصل ہوتی ہے: ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾ (نوح/۲۸)

(اے میرے رب! مجھے، میرے والدین کو اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو، اور تمام مؤمنین اور مؤمنات کو بخش دے)

۸۱- مؤمن کا ایمان آزمائش کے وقت بڑھ جاتا ہے: ﴿ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ...... الآية ﴾ (الاحزاب/۲۲)

(اور جب ایمان والوں نے لشکروں کو دیکھا تو کہا: یہ وہ بات ہے جسکا ہمیں اللہ اور اسکے رسول نے وعدہ دیا تھا الآیۃ)

۸۲- ایمان والوں کو علو حاصل ہوتا ہے: ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴾ - (آل عمران/ ۱۳۹) (اور تم ہی غالب آنے والے ہو، اگر تم مؤمن ہو)

۸۳- رسول اللہ ﷺ کو بھیج کر اللہ تعالی نے مؤمنین پر احسان جتلایا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا ﴾ - (آل عمران/۱۶۴)

(تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر، جبکہ ان میں ایک عظیم رسول (ﷺ) کو مبعوث فرمایا)

۸۵- بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کریگا۔

۸۶- ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (النساء/۱۴۱)

(اور اللہ تعالیٰ کفار کیلئے ایمان والوں کے خلاف کوئی سبیل پیدا نہیں کریگا)

۸۷-اچھی آزمائش: ﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ﴾۔(الانفال/۱۷)

(تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اپنے احسانوں کیساتھ آزمالے)

۸۸-یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنین کیساتھ ہے۔

۸۹-﴿ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴾(التوبہ/۱۴)

(اور اللہ تعالیٰ ایمان والی قوم کے سینوں کو ٹھنڈا کریگا)

۹۰-﴿ إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ ﴾۔(التوبہ/۱۱۱)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے انکی جانیں اور مال خرید لیے ہیں)

۹۱-﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الحجر/۸۸)۔

((اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ) اپنے پہلو ایمان والوں کیلئے جھکائیے (یعنی تواضع اختیار کیجئے))

۹۲-غم سے نجات: ﴿ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴾(الانبیاء/۸۸)

(اور ہم نے اسے غم سے نجات دی، اور اسی طرح ہم مؤمنین کو نجات دیتے ہیں)

۹۳-دل کی مضبوطی: ﴿ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ﴾۔(الکھف/۱۴)

(اور ہم نے انکے دلوں کو مضبوط کردیا)

۹۴-﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴾(الاحزاب/۴۳)

(اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر نہایت مہربان ہے)

۹۵-﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴾۔(الاحزاب/۴۷)

(اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ یقیناً انکے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے)

۹۶-اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

۹۷-رسول اللہ ﷺ انکے لیے استغفار کرتے ہیں:

﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾(محمد/۱۹)

(اور آپ اپنے گناہوں سے استغفار کیجئے اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کیلئے بھی استغفار کیجئے)

۹۸-جسقدر ایمان مضبوط ہو اتنی ہی نصیحت اثر کرتی ہے: ﴿ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الذاریات/۵۵)

(اور نصیحت کیجئے، کیونکہ یقیناً نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے)

۹۹-ایمان والوں کیلئے عزت ہے،: ﴿ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ ۔(المنافقون/۸)

(اور اللہ، اسکے رسول اور ایمان والوں کیلئے ہی عزت ہے، لیکن منافقین نہیں جانتے)

۱۰۰-ایمان کی وجہ سے مؤمنین کے دلوں میں اللہ رب العزت کی محبت مزید بڑھ جاتی ہے: ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ﴾ ۔(البقرۃ/۱۶۵)

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ کی محبت میں بہت شدید ہیں)

یہ ایمان کے کچھ فوائد ہیں جو قرآن مجید سے بظاہر معلوم ہوتے ہیں، اور اگر مزید گہرائی میں جا کر تدبر کریں تو اور بھی لاتعداد فوائد سامنے آتے ہیں کہ جنہیں شمار کرنا ناممکن ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ دنیا و آخرت کی بنیاد ہی ایمان پر رکھی گئی ہے، اور کسی کیلئے ممکن ہی نہیں کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے بغیر کامیابی حاصل کر سکے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ عظیم دولت وافر مقدار میں عطا فرمائے اور قیامت تک کیلئے اس پر استقامت سے نوازے۔ آمین۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

۳۱- اهم ترین فائده

یہ فائدہ اس شخص کیلئے ہے جو برے انجام کا خوف رکھتا ہے، العیاذ باللہ۔

حسن خاتمہ کے اسباب وعلامات کے متعلق سوال کیا گیا ہے، جسکا جواب پیشِ خدمت ہے:

الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وأصحابه أجمعين،

اما بعد : اچھے انجام کی فکر کرنا اور اسلام وایمان پر موت کی تمنا وکوشش کرنا اہم اور افضل ترین عمل ہے جو ہمیشہ سے صالحین اور متقین کا وطیرہ رہا ہے سید المرسلین ﷺ نے اس بات کی اہمیت بتلاتے ہوئے فرمایا:

انما الاعمال بالخواتیم (اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے)

اور فرمایا:" إن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها إلا ذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل النار فيدخلها "۔

(بے شک ایک شخص جنتیوں والا عمل کرتا رہتا ہے، حتی کہ اسکے اور جنت کے درمیان فقط ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہتا ہے تو کتاب اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ جہنمیوں والا کوئی عمل کر بیٹھتا ہے اور جہنم میں داخل ہو جاتا ہے) العیاذ باللہ۔

ذیل میں ہم اُن اعمال کا تذکرہ کر رہے ہیں جنہیں اختیار کرنا حسنِ خاتمہ کا سبب بنتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مقصد ومنزل کیلئے کچھ راہیں اور اسباب متعین کر دیے ہیں:

۱- ایک سبب تو یہ ہے کہ وضوء کے بعد مندرجہ ذیل دعا پڑھی جائے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

اس دعا کو وضو کے بعد پڑھنے کی فضیلت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وضو کے بعد یہ دُعا پڑھتا ہے، تو اسے ایک چمڑے میں لکھ کر مہر لگا دی جاتی ہے جو قیامت تک نہیں ٹوٹ سکتی۔ ایک روایت کے الفاظ میں " اس پر مہر

لگا کر اُسے عرشِ الٰہی کے نیچے رکھا جاتا ہے"۔

رواہ الحاکم (۱/۵٦٤) والنسائی فی عمل الیوم واللیلة ص (۴۳) وھو فی الصحیحة (۵/۴۳۸ رقم (۲۳۳۳) واسنادہ علی شرط مسلم)

اس حدیث میں عظیم خوشخبری دی گئی ہے کہ یہ دعا مقبول ہے اور یقینی طور پر انسان کو قیامت کے دن اسکے اجر سے نوازا جائیگا، اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسے شخص کی موت ایمان پر آئے گی۔ الحمدللہ۔

۲- اور یہ کہ اذان کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ.

(اے اللہ! اے اس مکمل دعوت، اور اسکے نتیجے میں کھڑی ہونے والی نماز کے رب! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما۔ اور وہ انہیں وہ مقامِ محمود عطا فرما جسکا تو نے انکے ساتھ وعدہ کیا)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: "فمن قال ذلك بعد الأذان حلت له شفاعتي يوم القيامة "۔ (رواہ البخاری وأصحاب الکتب الستۃ وغیرہم)

(جس شخص نے اذان کے بعد اس دُعا کو پڑھا، قیامت کے دن اسکے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی)

"حلت" کا معنی واجب اور نازل ہونے کا ہے۔ (کما فی المرعاۃ ۳/۳٦٤)

جبکہ یہ بھی ممکن ہے کہ "حلت" کا معنی حلال ہونے کا ہو، پھر اسکا معنی یہ ہوگا کہ بعض لوگوں پر انکے گناہوں کی وجہ سے شفاعت حرام ہو جاتی ہے اور پھر اس دُعا کی برکت سے حلال ہو جاتی ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ اس میں بھی حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔ کمافی حواشی المشکوۃ ۱/٦۴)

۳- مؤذن کو جواب دے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے، اور اسکے بعد آپکے لیے وسیلے کا سوال کرے۔ اسی طرح بھی شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ (رواہ مسلم، وھو فی

المشکوۃ (٦٤/١)۔ اس میں بھی حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔

۴-یہ دُعا پڑھے: " اَللّٰهُمَّ أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ "

(اے اللہ! تمام معاملات میں ہمارے انجام کو بہتر بنا، اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ عطا فرما)

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: " من كان ذلك دعاءه مات قبل أن يصيبه البلاء "۔جس شخص نے اس دُعا کو اپنا لیا اُسے فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی موت آجائی گی)۔ (رواه احمد كما فى الفتح الربانى ٢٨٣/١٢، والطبرانى وقال الهيثمى رجال احمد واحد أسانيد الطبرانى ثقات) وذكره صاحب كنز العمال رقم (٣٠٩٦٢٤) و (٣٧٥١) و (٥١٠٩) (١٧٨/٢) وقال : رواه احمد (١٨١/٤) وابونعيم وابن حبان رقم (٢٤٢٤) و (٢٤٢٥) ورواه الطبرانى فى الكبير (٣٣/٢) رقم (١١٩٧) و (١١٩٨) باسناد صحيح ۔

لہٰذا اس دُعا کا اہتمام اور اس پر دوام ضروری ہے جیسا کہ آپکے فرمان: " من كان ذلك دعاءه " میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۵-انہی اسباب میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ "لا الــه الا الله و الله اكبــر" کہتا ہے، تو بندے کا رب اسکی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے: " لا اله الا انا، وأنا اكبر" (میرے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں سب سے بڑا ہوں) اور جب بندہ کہتا ہے: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ"

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، میں اکیلا ہوں اور میرا کوئی شریک نہیں۔

اور جب بندہ کہتا ہے: " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ "

(اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، اس کیلئے ہی تمام بادشاہت اور اسی کی تمام تعریف ہے)

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، میرے لیے ہی تمام بادشاہات اور میرے لیے ہی تمام تعریفات ہیں۔

اور جب بندہ کہتا ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

(اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، اور اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کسی میں گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت)

تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، میری توفیق کے بغیر کسی کو گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں۔

اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "من قالها في مرضه ثم مات لم تطعمه النار"۔ (جس نے اپنی بیماری میں یہ اذکار پڑھے اور پھر مر گیا تو اسے جہنم کی آگ نہیں کھائے گی)

یہ صحیح حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مرض سے پہلے اور حالتِ مرض میں ان اذکار کا پڑھنا آگ سے نجات اور حسنِ خاتمہ کا سبب ہے۔

۶- اور انہی اسباب میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام ابوداود رحمہ اللہ (۱۵۲۹) نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص نے کہا: رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ" (میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہوں، اسکے لیے جنت واجب ہوگئی)

(اخرجه احمد نحوه ۱۴/۳، وهو في الصحيحة (۵۸۹/۱) رقم (۳۳۴) بلدون قيد)

علامہ البانی نے مذکورہ بالا روایت اپنی کتاب الصحیحہ (۲۶۸۶) کی چھٹی جلد میں ان الفاظ کیساتھ نقل کی ہے: "من قال إذا أصبح : رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد نبيا، فأنا الزعيم لآخذن بيده حتى أدخله الجنة" (رواه الطبراني باسناد حسن وهو في المجمع ۱۱۶/۱۰)۔

(جو شخص صبح کے وقت یہ کہے کہ میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں، تو میں اس شخص کی ضمانت لیتا ہوں کہ ضرور بالضرور اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں لے جاؤں گا)

اس حدیث پر تدبر کیجئے۔ اس میں بھی حسنِ خاتمہ کی عظیم بشارت موجود ہے۔

یہی حدیث امام ترمذی (۳۴۰۰) اور امام احمد نے ثوبان رضی اللہ عنہ ان الفاظ کیساتھ روایت کی ہے:

ما من عبد مسلم يقول اذا امسى واذا اصبح ثلاثاً : رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا الا كان حقاً على الله أن يرضيه يوم القيامة.

(کوئی مسلمان بندہ جب صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ "رضیت باللہ ربا......" کہے تو اللہ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن اُس بندے کو راضی کرے)

حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے (۵۱۸/۱) اور امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۱۶/۱۰) میں کہا ہے کہ احمد اور طبرانی کے رُواۃ ثقہ ہیں، اور امام بوصیریؒ فرماتے ہیں: اسکی سند صحیح ہے، حاکم اور ذہبی نے انکی موافقت کی ہے۔

لیکن اُلبانی نے اس روایت کو "تین مرتبہ" اور "شام" کی قید کیساتھ ضعیف قرار دیا ہے۔

(انظر عمل اليوم والليلة رقم (٦٨))

(یعنی البانی رحمہ اللہ پہلی دو روایتوں کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے جن میں تین مرتبہ کہنے اور شام کو کہنے کا ذکر نہیں ہے۔ صرف صبح کا ذکر ہے اور ایک مرتبہ ہی کہنے کا تذکرہ ہے)

۷- حسنِ خاتمہ کیلئے انسان کو سید الاستغفار پر دوام اختیار کرنا چاہیے اور دل کے یقین کیساتھ اسے پڑھنا چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے شداد بن اوس ﷺ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص دل کے یقین کیساتھ سید الاستغفار دن میں پڑھے اور اسی دن شام سے پہلے پہلے فوت ہو جائے تو جنتی ہے، اور جو شخص پورے یقین کیساتھ رات کو سید الاستغفار پڑھتا ہے اور صبح ہونے سے

پہلے فوت ہو جاتا ہے، تو وہ بھی جنتی ہے۔ (انظر المشکوۃ ۲۰۴/۱)

سید الاستغفار کے الفاظ معروف ہیں:

" اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ "۔

(اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے، اور میں تیرا بندہ ہوں، اور میں تیرے ساتھ کیے گئے اپنے عہد اور وعدے پر بقدر استطاعت قائم ہوں، میں اپنے اعمال کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تیری نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتا ہوں، پس مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا اور کوئی نہیں)

یہ استغفار دخولِ جنت کا سبب ہے، اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ الحمد للہ۔

۸- انہی اسباب میں سے ایک سوتے وقت پڑھنے کی معروف دُعا بھی ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ.

(اے اللہ ! بے شک میں اپنا نفس تیرے سپرد کرتا ہوں، اور اپنا چہرہ تیری جانب پھیرتا ہوں، اپنے معاملات تیرے حوالے کرتا ہوں، اور میں اپنی پشت تیرے سپرد کرتا، تیری طرف رغبت کرتے ہوئے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے، نہ کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ بھاگنے کی جگہ، مگر تیری ہی طرف، میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے نازل کی: اور تیرے نبی پر جسے تو نے بھیجا)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جس نے یہ دُعا پڑھی اور پھر اسی رات فوت ہو گیا تو اسکی موت فطرت (اسلام) پر ہوگی۔

ایک اور روایت کے مطابق فرمایا: اگر تم اسی رات فوت ہو گئے تو فطرت پر فوت ہوگے،

اور اگر زندہ رہے تو بھلائی اور خیر پاؤ گے۔

(رواہ البخاری ومسلم، کما فی المشکوۃ ۲۰۹/۱)

نوٹ: اس دُعا کو پڑھنے سے پہلے باوضو ہونا اور دائیں کروٹ لیٹنا چاہیے۔

۹- ہمیشہ مندرجہ ذیل دُعا پڑھی جائے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ، رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ.

(اے ہمارے رب! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا مت کیجئے، اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت عطا فرما، یقیناً تو بہت نوازنے والا ہے، اے ہمارے رب! بیشک تو لوگوں کو اُس دن کیلئے جمع کرنے والا ہے جس دن میں کوئی شک نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا)

اس بات کی طرف قرآنِ حکیم میں اشارہ ملتا ہے، اور اس دعا کو اللہ تعالیٰ نے راسخین فی العلم کی علامات میں شمار کیا ہے، جنہیں معلوم ہے کہ بندوں کے دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔

۱۰- انہی اسباب میں سے یہ دُعا بھی ہے جسے نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ، اَللّٰهُمَّ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰى دِيْنِكَ "

(اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے، اے اللہ! اے دلوں کو پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے اپنے دین پر ثابت رکھ)

۱۱- غالب القطان کہتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے کوفہ گیا، میرا پڑاؤ اعمش رحمہ اللہ کے قریب تھا، جس رات کے بعد میں نے پلٹنے کا ارادہ کیا، اس رات میں تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے وہ اس آیت پر پہنچے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا ۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾۔ (آل عمران/۱۸)

(گواہی دی اللہ رب العزت نے اس بات کی کہ اُس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں جبکہ وہ (ذات یگانہ) عدل وانصاف کو قائم رکھے ہوئے ہے، اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی گواہی دی، اُس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ غالب، حکمت والا ہے، بے شک دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے)

اعمش رحمہ اللہ نے یہ آیت پڑھنے کے بعد کہا: میں بھی اس بات کی گواہی دیتا ہوں جسکی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی، اور میں اپنی یہ گواہی بطور امانت اللہ تعالیٰ کے پاس رکھتا ہوں، "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَام" کئی مرتبہ اس جملے کو دہرایا۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یقیناً اس حوالے سے انہوں نے کوئی بات سن رکھی ہے صبح کو میں انکے پاس گیا، واپسی کیلئے الوداع کہا اور پھر اُن سے کہا: اے ابو محمد! میں نے آپکو یہ آیت بار بار دہراتے ہوئے سنا ہے اسکی کیا وجہ ہے؟

انہوں نے کہا: کیا آپکو معلوم نہیں؟

میں نے کہا: ایک ماہ سے میں آپکے پاس ہوں مگر آپ نے مجھ سے یہ بیان نہیں کیا۔

اُعمش رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں ایک سال تک آپکو اسکی وجہ نہیں بتلاؤں گا۔

تو میں نے ایک سال تک انکے دروازے کے قریب قیام کیا، جب ایک سال گذر گیا تو میں نے کہا: اے ابو محمد! سال گذر چکا ہے۔

تو انہوں نے فرمایا: مجھ سے ابووائل نے بیان کیا ہے، وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يجاء صاحبها يوم القيامة فيقول الله عزوجل : عبدي عهد اليَّ وأنا أحق من وفى بالعهد أدخلوا عبدي الجنة.

(یہ گواہی دینے والا شخص قیامت کو اللہ کے پاس لایا جائے گا، تو اللہ عزوجل فرمائیں گے: میرے بندے نے مجھ سے ایک عہد کیا تھا، اور میں عہد کی سب سے زیادہ پاسداری کرنے والا ہوں، میرے بندے کو جنت میں داخل کردو)

(اسے طبرانی رحمہ اللہ (۱۰۴۵۳) نے روایت کیا ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس

میں عمر بن مختار ہے جو ضعیف ہے (المجمع ۶/۳۲۶) اور ابن عبد البر نے بھی اپنی کتاب "جامع بیان العلم" میں اسکی تخریج کی ہے)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: **إذا استودع الله شيئاً حفظه** " (الصحيحة تحت رقم : ۱٤) (جب اللہ کے پاس کوئی چیز بطور امانت رکھوائی جائے تو اللہ اسکی حفاظت کرتا ہے)

ان دونوں احادیث میں بھی حسن خاتمہ کی بشارت اور اس بات کا بیان ہے کہ جو شخص اپنی گواہی اللہ کے پاس بطور امانت رکھے گا تو اللہ اسے ضائع نہیں کریگا۔

یہ ایک نادر فائدہ ہے، لیکن پہلی حدیث کو بعض علماء موضوع قرار دیتے ہیں۔

مگر ہم نے اس سے استدلال کیا اس لیے کہ مسلم میں اس کی تائید موجود ہے: کہ رسول اللہ ﷺ ہر اس آیت پر ٹھہر کر پناہ مانگتے تھے جس میں پناہ مانگنا مناسب ہوتا، عنقریب وہ حدیث آجائیگی۔

۱۲- انہی اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ مجلس سے اٹھنے کی دُعا پر دوام اختیار کرے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات ادا کرتے تھے، میں نے انکے بارے میں استفسار کیا تو فرمایا: اگر بندے نے مجلس میں بھلائی کی بات کی ہے تو قیامت تک کیلئے اس پر مہر لگ جاتی ہے، اور اگر بری بات کی ہے تو یہ کلمات اسکا کفارہ بن جاتے ہیں:

" سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ ".(اخرجه النسائي وهو في المشكوة (۱/۲۱٦) وذكره ابن حجر في الفتح مفصلاً (۱۳/) والحديث صحيح)

اس حدیث میں بھی اس بات کی بشارت ہے کہ یہ کلمات قیامت تک ضائع نہیں ہونگے اور انکے قائل کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳- حُسنِ خاتمہ کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بے

خوف نہ ہو، اور ڈرتا رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسکے گناہوں، کوتاہیوں اور عدم شکر کے نتیجے میں ایمان جیسی عظیم نعمت اس سے چھین نہ لے، لیکن اسکے ساتھ ساتھ اللہ کیساتھ سوءِ ظن کا معاملہ بھی نہ ہو کیونکہ وہ کسی کا عمل بے جا طور پر ضائع نہیں کرتا، وہ ارحم الراحمین ہے، بہت معاف کرنے والا پروردگار ہے، بلکہ اپنے اعمال واخلاق کے حوالے سے سوء ظن ہو، کیونکہ انسان کا اپنا عمل ہی ایمان کے سلب ہونے کا سبب بنتا ہے، العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ج فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (الاعراف/۹۹) (کیا یہ لوگ اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو گئے ہیں، اللہ کی خفیہ تدبیروں سے تو صرف خسارہ پانے والی قوم ہی بے خوف ہوتی ہے)

اسی لیے ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ایک اثر میں وارد ہوا ہے:

ما أمِنَ أحد على إيمانه الا سلبه

(رواه ابن عساكر وهو في موسوعة آثار الصحابة ۳/ ۳۱۰)

(جو بھی اپنے ایمان کے حوالے سے بے خوف ہو جائے اسکا ایمان سلب کر لیا جاتا ہے) (ابن عساکر)۔ لہٰذا آپکو چاہیئے کہ ہمیشہ اپنے ایمان کی فکر کریں۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " **لقد قطع خوف الخاتمة ظهور المتقين** " (الجواب الکافی)

(تحقیق بُرے خاتمے کے خوف نے متقین کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے)

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا يَا رَبِّ بِمَنِّكَ وَفَضْلِكَ.

۱۴ — بدعتوں سے مکمل اجتناب بھی ضروری ہے، کیونکہ بدعت بھی انسان کے برے خاتمے کا باعث ہے، بلکہ بعض اوقات تو زوالِ ایمان کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

۱۵ — دنیا اور اسکی چکا چوند کی طرف جھکاؤ اور اسکی شدید محبت بھی ایمان کو فاسد کر دینے والی چیز ہے۔

علامہ قزوینی اپنی کتاب (مفيدُ الهُمُوْم ومُبِيْدُ الغُمُوْم ص (۱۷۳) میں فرماتے ہیں:

جان لیجئے کہ سوء خاتمہ ایسی خوفناک چیز ہے کہ صدیقین کے جگر بھی اسکے خوف سے پھٹ چکے ہیں، کیونکہ موت کی ایک عظیم تأثیر ہے، دنیا کو الوداع کرنا بڑا دردناک، اسکی آسائشوں کا ترک انتہائی شدید چیز ہے، موت کے بعد ہر نیک و بد کے سامنے بڑی مشکل گھاٹیاں درپیش ہونے والی ہیں، لہٰذا اس وقت ایمان کے سلب ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے اس خطرے کے کئی اسباب ہیں لیکن سب سے زیادہ خوفناک اور مشکل ترین دو چیزیں ہیں۔

۱- ایسی بدعت جو دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہو، اور بندہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ حق ہے حالانکہ وہ باطل ہو۔ جب موت کے وقت حقیقت اپنا نقاب الٹ دیگی تو واضح ہوجائیگا کہ حقیقتاً رونے والا کون ہے، اور دکھلاوے کے آنسو کون بہاتا ہے، اور اس بدعتی کیلئے یہ ظاہر ہوجائیگا کہ اسکی اختیار کردہ چیز باطل، اور اسکی ترک کردہ چیز ہی حق تھی، تو یہ ایسے اضطراب و بے یقینی کا عالم ہوگا کہ اس شخص پر زوالِ ایمان کا خطرہ لاحق ہوجائیگا۔

۲- دوسری چیز یہ کہ اسکا ایمان کمزور ہو، دنیا کی محبت اسکے دل پر غالب اور اللہ اور اسکے رسول کی محبت ضعیف ہو، ایسا شخص جب دیکھے گا کہ اب اُسے ان تمام شہوات اور لذات سے جبری طور پر سبکدوش کیا جارہا ہے، اور ایسے جہان میں لے جایا جارہا ہے جسکی کوئی رغبت اسکے دل میں نہیں، موت کا جام پلایا جارہا ہے جسکا مزہ آج تک نہ چکھا تھا لہٰذا وہ ان تمام چیزوں کو ناپسند کریگا، موت سے نفرت کرنے لگے گا، اللہ اور اسکے رسول کا حکم بھی اسے مکروہ لگے گا، دنیا کی جدائی اسکے نفس پر شاق گذرے گی، تو ایسی حالت میں بھی سلب ایمان کا شدید خطرہ موجود ہے۔ اے اشعری! تو اُس وقت کمزور ایمان والے شخص کی کیا حالت ہوگی؟" الخ

اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه" (رواہ البخاری و مسلم)

(جو شخص اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے)

۱۶-ابن حجر ہیثمی کی کتاب الزواجر (۱/۱) میں لکھا ہے کہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے فرمایا:

" أكل مال اليتيم مجرّبٌ لسوء الخاتمة "

(یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ یتیم کا مال کھانا برے انجام کا باعث ہے)

۱۷-اللہ تعالیٰ کی شدید محبت بھی حسنِ خاتمہ کا سبب ہے۔

۱۸- مؤمنین کے سامنے تواضع اختیار کرنا، ان سے دوستی رکھنا اور انکے ساتھ نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرنا بھی ایک بہترین سبب ہے۔

۱۹-کفار سے دشمنی، نفرت اور سخت بغض رکھنا۔

۲۰- جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔

۲۱-اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لانا

ان سب باتوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ لا اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ز يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ - (المائدۃ/۵۴)

(اے ایمان والو! تم میں سے جو اپنے دین سے مرتد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم کو لائے گا جن سے اللہ محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہونگے ایمان والوں کیلئے نرم خو اور کفار پر انتہائی سخت ہونگے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں رکھیں گے، یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس شخص میں یہ جلیل القدر صفات ہونگی وہ کبھی اپنے دین سے مرتد نہیں ہوگا، مرتدین انہی صفات کو ترک کر کے دین الٰہی سے مرتد ہوئے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ

إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾ (البقرہ/۲۱۷)

(اور یہ (کفار) ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہانتک کہ اگر ان کے بس میں ہو تو تمہیں اپنے دین سے پھیر دیں)

اس آیت میں اشارہ ہے کہ جہاد کو چھوڑ دینا بہت سے لوگوں کے ارتداد کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾۔ (البقرۃ/۲۵۶)

(جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، تو تحقیق اُس نے (دین کی) مضبوط کڑی کو پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی)

۲۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خلق كل انسان من بني آدم على ستين وثلاثمائة مفصل فمن كبر الله وحمد الله وهلل الله وسبح الله واستغفر الله وعزل حجراً عن طريق الناس أو شوكة أو عظماً او امر بمعروف، او نهى عن منكر عدد تلك الستين وثلاثمائة فإنه يمشي يومئذ وقد زحزح نفسه عن النار.

(بنی آدم میں ہر انسان کی تخلیق تین سو ساٹھ جوڑوں پر کی گئی ہے، تو جو شخص اللہ اکبر، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ وسبحان اللہ کہے اور استغفار کرے، اور لوگوں کے راستے سے پتھر، کانٹا یا ہڈی ہٹا دے، یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرے، یہ تمام کام اس تعداد یعنی تین سو ساٹھ کی تعداد میں کرے تو اس دن وہ زمین پر اس حال میں چلے گا کہ اپنے نفس کو جہنم کی آگ سے آزاد کروا چکا ہوگا)

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں کہ ضحی کی دو رکعتیں ان تمام چیزوں سے کفایت کر جاتی ہیں۔ (رواہ مسلم وھو فی المشکوۃ ۱۶۸/۱)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ اعمال اس مقدار میں کرنے سے بندے کو یہ توفیق مل جاتی ہے کہ اگر اسی دن وہ مر جائے تو جنت میں جائیگا۔

۲۳- انہی اسباب میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد اور ابوداود رحمہما اللہ نے عبادہ بن صامت ﷺ سے صحیح سند کیساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خمس صلوات افترضهن الله تعالىٰ من أحسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على الله عهد أن يغفر له، الحديث (كما فى المشكوة)

(اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو شخص اچھی طرح وضو کرے، ان نمازوں کو وقت پر ادا کرے اور انکے رکوع وخشوع کو اچھی طرح بجالائے تو اللہ پر یہ عہد ہے کہ اسے بخش دے......الحدیث)

اس میں بھی حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے، اور اس سے بھی زیادہ صراحت دارمی اور ترمذی کی ایک روایت میں ملتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ سے استفسار کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے محمد (ﷺ)! ملأ الاعلیٰ کس بات پر بحث کر رہے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: یہ لوگ کفارات پر بحث کر رہے ہیں۔

جو چیزیں گناہوں کا کفارہ بنتی ہیں اُن میں نمازوں کے بعد مسجد میں ٹھہرنا، باجماعت نماز کیلئے پیدل چل کر جانا، سخت سردی میں اچھی طرح وضو کرنا۔

جو شخص یہ کام کرے اگر زندہ رہا تو بھلائی پر رہیگا، فوت ہوا تو بھلائی پر فوت ہوگا۔

(وهو فى المشكوة ۱/ ۷۰) باب المساجد)

۲۴- کثرت کیساتھ صدقہ کرنا:

حدیث میں آتا ہے: "إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع ميتة السوء"

(بے شک صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے، اور بری موت کو دفع کر دیتا ہے)

امام ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے، اور شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفة (۶۶۵) ارواء الغلیل (۳/ ۳۹۰) لیکن اس حدیث کے کچھ شواہد موجود ہیں دیکھئے مجمع الزوائد (۳/ ۱۱۵) الصحیحة (۱۹۰۸) صحیح الجامع الصغیر (۳۷۹۷)

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾۔ (اللیل/۱۷)

(پس جس شخص نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور حسنیٰ کی تصدیق کی، تو عنقریب ہم آسان راستے کو اس کیلئے مزید آسان کردیں گے) فتفکر!۔

۲۵- امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''شعب الایمان'' میں أسماء بنت یزید سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''من ذب عن لحم أخيه بالمغيبة كان حقاً على الله أن يعتقه من النار''

(جس شخص نے پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کے گوشت (عزت) کا دفاع کیا، تو اللہ پر یہ حق ہے کہ اسے جہنم کی آگ سے آزاد کردے)

ایک اور روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں: ''كان حقاً على الله أن يرد عنه نار جهنم يوم القيامة، ثم تلا هذه الآية ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔

(اللہ پر یہ حق ہوجاتا ہے کہ اس (اپنے بھائی کا دفاع کرنیوالے) سے قیامت کے دن جہنم کی آگ کو ہٹادے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: اللہ پر حق ہے کہ مؤمنین کی مدد کرے) (انظر المشكوة ۲/٤٢٤ ۔ والحديث صحيح)

اس حدیث میں بھی حسن خاتمہ کا اشارہ ہے۔

۲۶- اور ان تمام اسباب سے زیادہ قوی سبب قرآن حکیم کیساتھ علمی، عملی اور فکری تعلق ہے، کہ انسان اس کتاب کی تلاوت، اسکے مقاصد ومعانی پر تدبر اور اسکے مطالبات کی ادائیگی کو اپنا نصب العین بنالے، دائیں بائیں نکلنے والی پگڈنڈیاں جو دراصل سبل الشیطان ہیں انہیں چھوڑ کر اپنا چہرہ اسی کتاب کی جانب موڑ لے جو صراط مستقیم کی ضامن ہے، باطل اس کتاب پر آگے پیچھے کہیں سے داخل نہیں ہوسکتا، جو حکیم وحمید کی تنزیل ہے، جو دل اور جسم دونوں کی شفاء اور تمام آفتوں، مصیبتوں اور بیماریوں کا علاج ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''تركت فيكم امرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما

: كتاب الله وعترتي " (رواه مسلم ٢٧٩/٢، واللفظ للترمذی وغيره) انظر الصحيحة (١٧٦١)

(میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، جب تک انہیں تھامے رہو گے اس وقت تک ہرگز گمراہ نہ ہوسکو گے: ایک اللہ کی کتاب دوسرے میرے اہل بیت) (مسلم)

موطأ امام مالک کی ایک اور صحیح حدیث کے الفاظ ہیں:

" تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما : كتاب الله وسنتي "

(میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک انہیں تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوسکو گے، اللہ کی کتاب اور میری سنت) (ذکرہ صاحب المشکوۃ ۳۱/۱)

خود قرآن مجید نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾۔ (طٰہٰ/۱۲۳)

(پس جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ تو (راہِ حق سے) بھٹکے گا اور نہ بد بخت ہوگا)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کی اور پھر اسکی اتباع اور پیروی بھی کی تو وہ دنیا میں گمراہ ہوگا نہ آخرت میں بد بخت۔

(ذکرہ فی المشکوۃ (۳۱/۱)

۲۷- سنت نبوی کو مضبوطی کیساتھ تھام لینا بھی اسباب حسن خاتمہ میں سے ایک ہے جیسا کہ گذشتہ نصوص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مثل السنة كسفينة نوح من يركبها نجا، ومن تخلف عنها هلك " (ذکرہ فی الوجیز (۱۲۷)

(سنت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح ہے، جو اس میں سوار ہوا اُس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہا وہ ہلاک و برباد ہوا)

۲۸- امام سیوطی اپنی کتاب شرح الصدور ص (۱۱) میں بعض علماء سے نقل کرتے ہیں کہ

برے خاتمے کے اسباب میں سے نماز میں کوتاہی کرنا، شراب نوشی کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا بھی شامل ہے۔

حدیث میں آتا ہے: "من سره أن يدفع عنه ميتة السوء فليصل رحمه" (الترغيب والترهيب ۳/۳۳۵)

(جس شخص کو یہ بات پسند ہے کہ بری موت کو خود سے دور کرے تو اُسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے (یعنی رشتہ داری کو جوڑے) (الترغیب والترہیب)

حسن خاتمہ کی علامات

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے، الحمد للہ اسکی بہت سی علامات ہیں۔ شیخ ألبانی رحمہ اللہ نے أحکام الجنائز (۳۴) میں چند علامات کا تذکرہ کیا ہے، ہم وہ علامات بھی آپکے سامنے پیش کریں گے اور جو علامات اُن سے رہ گئی ہیں انہیں بھی ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "پھر شارع حکیم نے اچھے خاتمے کی کچھ واضح علامات مقرر کی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے، جو شخص بھی ان علامات میں سے کسی علامت پر فوت ہوا تو اسکے لیے بشارت ہے، اور کیا ہی بشارت ہے!!"

۱- موت کے وقت کلمہ پڑھنا

اسکے متعلق کئی احادیث ہیں، مثلاً فرمایا: "من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة" (اخرجه الحاكم وغيره بسند حسن)

(جسکا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا) (مستدرک حاکم)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ جو بندہ بھی اپنی موت کے وقت اسے پڑھے تو اسکی برکت سے اسکا چہرہ روشن ہو جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اسکی پریشانی دور کر دیتا ہے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اس کلمے کی وضاحت کی کہ یہ "لا الہ الا اللہ" ہے (مسند احمد:

۱۳۸۴) صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم (۱/۳۵۰) اور انکے علاوہ بھی کئی احادیث ہیں۔

۲-موت کے وقت جبین پر پسینہ ظاہر ہونا

بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خراسان میں تھے، تو اپنے ایک بھائی کی عیادت کرنے گئے جو کہ مریض تھا، جب یہ انکے پاس پہنچے تو وہ عالم نزع میں تھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ انکی جبین پر پسینہ ظاہر ہو گیا۔ اس پر انہوں نے اللہ اکبر کہا اور فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: "موت المؤمن بعرق الجبين" (مؤمن کی موت جبین کے پسینے کیساتھ ہوتی ہے)

(رواه احمد (۳۵۷/۵) والنسائی، والترمذی (۱/) وابن ماجه (۱/۴۴۳) وابن حبان والحاكم (۱/۳٦۱) وغيرهم وهو فى المشكوة ۱/۱۴۰)

اس حدیث کا یہی ظاہر معنی ہے، باقی جو اسکے حوالے سے یہ کہا گیا کہ یہ شدتِ موت سے کنایہ ہے، یا موت تک اجتہاد فی العبادت کی طرف اشارہ ہے تو یہ بہت بعید بات ہے جو کہ ظاہر حدیث اور علم صحابی (الراوی) کے خلاف ہے۔

۳- جمعۃ المبارک کی رات اور دن میں موت:

لیکن یہ اور اس سے پہلے والی علامت صرف مسلمانوں کیلئے ہی ہے، اسکی دلیل مسند احمد (٦٦۴٦) کی صحیح حدیث ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة الا وقاه الله فتنة القبر" (جو مسلمان بھی جمعے کے دن یا جمعے کی رات کو فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عذاب سے نجات عطا فرما دیتا ہے)

۴-میدانِ جہاد میں شہید ہونا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ

اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ، فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ......الآية﴾۔(آل عمران/۱۷۰)

(اور اُن لوگوں کو ہر گز مردہ نہ سمجھو جو اللہ کے راستے میں قتل کیے گئے، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے خوش ہیں اور اُن لوگوں کی بابت بھی خوشیاں منا رہے ہیں جو ابھی تک اُن سے نہیں آملے)

اور ایک حدیث میں آتا ہے:" للشهيد عند الله ست خصال : يغفر له في أول دفعة من دمه ويرى مقعده من الجنة، ويجار من عذاب القبر ويأمن من الفزع الأكبر و يوضع على رأسه تاج الوقار، الياقوتة منه خير من الدنيا وما فيها، ويزوج بالثنتين وسبعين من الحور العين، ويشفع في سبعين من أقاربه" (اخرجه الترمذى وابن ماجه واحمد ۱۳۱/۴) واسناده صحيح)

(شہید کیلئے اللہ کے ہاں چھ خصوصی درجات ہیں: خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی اسے بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اسکا ٹھکانہ دکھا دیا جاتا ہے، عذابِ قبر سے پناہ اور قیامت کی ہولناکی سے امن دے دیا جاتا ہے، اور قیامت کو اسکے سر پر وقار کا تاج رکھا جائیگا جسکا ایک ایک موتی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا ، اور اسکی شادی بہتر حوروں سے کروادی جائیگی، اور اسکے عزیز و اقارب میں سے ستر افراد کے حق میں اسکی شفاعت قبول کی جائیگی)
(ترمذی، ابن ماجہ، احمد)

ایک صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے کہ شہید کے سوا باقی مؤمن تو قبروں میں فتنے کا شکار ہو سکتے ہیں؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا:" كَفٰى بِبَارِقَةِ السُّيُوْفِ عَلٰى رَأْسِهٖ فِتْنَةً" (اخرجه النسائى ۲۸/۱) (دنیا میں انکے سروں پر تلوار کا خوف اور چمک ہی انکے فتنے کو کافی ہے)

۵- اسی مقامِ شہادت کی امید اُس شخص کے بارے میں بھی ہے جو کہ صدقِ دل سے

شہادت کی دُعا مانگتا ہے، اگر چہ اسکی موت اپنے بستر پر ہی کیوں نہ آئے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من سأل الله الشهادة بصدق بلغه الله منازل الشهدآء وإن مات علی فراشه" (اخرجہ مسلم ۲/) والبیہقی (۱۶۹/۹) ولہ شواہد فی المستدرک (۷۷/۲)

(جس شخص نے صدقِ دل کیساتھ اللہ تعالیٰ سے شہادت کا سوال کیا، اللہ تعالیٰ اُسے شہداء کے مقام پر پہنچادیگا اگر چہ اسکی موت بستر پر ہی کیوں نہ آئے)

۶- اور جو اللہ کے راستے میں فوت ہو جائے، خواہ سواری سے گر کر فوت ہو، کوئی زہریلا جانور کاٹے یا کسی اور صورت میں بستر پر ہی فوت ہو جائے تو وہ بھی شہید ہے اور اسکا ٹھکانہ جنت ہے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(كما رواه ابو داود (۳۹۱/۱) والحاكم (۷۸/۲) والبيهقی (۱٦٦/۹)

۷- طاعون کی موت بھی شہادت ہے

آپ ﷺ کا فرمان ہے: "الطاعون شهادة لكل مسلم"۔ (اخرجہ البخاری ومسلم) (طاعون کی موت ہر مسلمان کیلئے شہادت کا درجہ رکھتی ہے)

۸- پیٹ کی بیماری سے مرجانا بھی شہادت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص پیٹ کی بیماری میں فوت ہوا وہ بھی شہید ہے (مسلم)

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: "من يقتله بطنه فلن يعذب في قبره"۔

جس شخص کا پیٹ اسے قتل کر دے تو اسے قبر میں ہرگز عذاب نہ ہوگا۔ (رواہ النسائی (۲۸۹/۱) والترمذی وابن حبان واحمد (۲۶۲/۴)

۹- عمارت گرنے سے دب کر مرجانا

۱۰- اور پانی میں ڈوب کر مرجانا بھی شہادت ہے۔

بخاری میں روایت آتی ہے کہ "الشهدآء خمسة : المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم، والشهيد في سبيل الله"

(شہداء پانچ ہیں: طاعون سے مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے فوت ہونے والا، ڈوب کر جان دینے والا، دب کر جان بحق ہونے والا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونے والا)

(اخرجه البخاری ومسلم والترمذی واحمد ۳۲۴/۲) من حديث ابی هريرة)

۱۱- ولادت کے موقع پر عورت کا فوت ہوجانا بھی شہادت ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے: "قتل المسلم شهادة، والطاعون شهادة، والمرأة يقتلها ولدها جمعاء شهادة، يجرها ولدها بسرره إلى الجنة"

(رواه احمد ۲۰۱/٤ والدارمی ۲۰۸/۲)

(مسلم کا قتل شہادت ہے، طاعون میں مرنا بھی شہادت ہے، کسی خاتون کی موت بچے کی ولادت کے موقع پر ہو یہ بھی شہادت ہے اسکا بچہ اپنی ناف کے ذریعے کھینچ کر اُسے جنت میں لے جائے گا)

۱۲- جل کر مرنا بھی شہادت ہے۔

۱۳- نمونیے کی بیماری میں مرنا بھی شہادت ہے۔

حدیث میں آتا ہے: "وصاحب ذات الجنب شهيد، والحرق شهيد ...... الحديث" (رواه مالك ۲۳۲/۱) وابوداود، والنسائی واحمد (٤٤٦/٥)

(نمونیے سے مرنے والا شہید ہے اور جل کر مرنے والا بھی شہید ہے...... الحدیث)

(موطأ مالک، ابوداؤد، نسائی، أحمد)

۱۵- جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے۔

حدیث میں آتا ہے: "من قتل دون ماله -و فی رواية : من أريد ماله بغير حق فقاتل فقتل- فهو شهيد) (اخرجه البخاری ومسلم وابوداود وغيرهم)

(جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا، اور ایک روایت کے مطابق، بغیر

حق کے جسکے مال کا ارادہ کیا گیا اور اس نے قتال کیا، پھر قتل ہو گیا تو وہ شہید ہے)
(بخاری، مسلم، ابوداؤد)

۱۶- اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جانا

۱۷- اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جانا بھی شہادت کے زمرے میں آتا ہے

حدیث میں آتا ہے: "من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد"۔
(رواه ابوداؤد والترمذی واحمد وغيرهم)

(جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو شخص اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے، اور جو اپنے دین کا بچاؤ کرتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے اور جو اپنے خون کو بچاتے ہوئے مارا گیا وہ بھی شہید ہے) (ابوداؤد، ترمذی، احمد)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: "من قتل دون مظلمته فهو شهيد" (اخرجه النسائی ۱۷۳/۲) (جو شخص خود سے ظلم کو روکتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے) (نسائی)

یہ آخری حدیث عام ہے جس میں ہر قسم کا ظلم شامل ہے۔

۱۸- اللہ کے راستے میں سرحدوں پر پہرہ دیتے ہوئے مر جانا

حدیث میں آتا ہے: كل ميت يختم على عمله الا الذي مات مرابطاً في سبيل الله، فإنه ينمي له عمله إلى يوم القيامة، ويأمن فتنة القبر
(رواه ابوداؤد ۳۹۱/۱) والترمذی والحاکم (۱۴۴/۲) واحمد (۱۰/۶)

(ہر مرنے والے کا عمل ختم ہو جاتا ہے سوائے اُس شخص کے جو اللہ کے راستے میں سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے فوت ہوا، بے شک اسکا عمل قیامت تک جاری رہیگا اور وہ عذابِ قبر سے بھی بچ جائے گا) (ابوداؤد، ترمذی، حاکم، احمد)

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں: " رباط یوم ولیلة خیر من صیام شهر وقیامه وان مات جری علیه عمله الذي كان يعمله وأجري عليه رزقه وأمن الفتان" (رواہ مسلم والنسائی وغیرہما)

(سرحدوں پر ایک دن اور رات پہرہ دینا ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے بہتر ہے، اور اگر اسی حال میں وہ (مجاہد) فوت ہو گیا تو جو اعمال وہ کیا کرتا تھا وہ جاری رہیں گے، اور اُس کا رزق بھی جاری کر دیا جائیگا اور عذابِ قبر سے بھی محفوظ رہے گا) (مسلم، نسائی)

۱۹- نیک عمل پر موت بھی حسنِ خاتمہ کی علامت ہے

حدیث میں آتا ہے: " من قال لا اله الا الله ابتغاء وجه الله ختم له بها دخل الجنة، ومن صام يوماً ابتغاء وجه الله ختم له بها دخل الجنة، ومن تصدق بصدقة ابتغاء وجه الله ختم له بها دخل الجنة "

(رواه احمد (۳۹۱/۵) من حديث حذيفة والحديث صحيح)

(جس نے اللہ کی رضا کیلئے لا الہ الا اللہ کہا اور یہی اسکا آخری عمل ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگا، جس نے اللہ کی رضا کیلئے ایک دن کا روزہ رکھا اور وہی اسکا آخری عمل ہوا، تو وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے اللہ کی رضا کیلئے کوئی صدقہ دیا اور یہی اسکا آخری عمل ہوا تو وہ بھی جنت میں داخل ہوگا)۔ (احمد من حدیث حذیفہ، یہ حدیث صحیح ہے)

(گذشتہ تفصیل کا ذکر البانی رحمہ اللہ نے کیا ہے اور میں نے تلخیص کیساتھ اسے نقل کیا ہے)

کچھ مزید چیزیں بھی ہیں جو کہ حسنِ خاتمہ کی علامت ہیں انکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۲۰- صحیح حدیث میں آپ ﷺ سے ثابت ہے: " الفار من الطاعون كالفار من الزحف، ومن صبر فيه كان له اجر شهيد "

(اخرجه احمد ۱۲۶/۵) وصححه الالبانی فی الصحيحة (۲۸۲/۳)

(طاعون سے بھاگنے والا میدانِ جہاد سے بھاگنے والے کی طرح ہے، اور جو شخص اس وبا میں صبر کریگا اسکے لیے شہید کا اُجر ہے) (مسند احمد، الصحیحہ)

۲۱-اونچی جگہ سے گر کر مر جانا بھی شہادت ہے۔

۲۲-اور جسے درندے کھا جائیں وہ بھی شہید ہے۔

ابن مسعود ﷺ سے موقوفاً روایت ہے:"إن من يتردى عن رؤوس الجبال وتأكله السباع، ويغرق في البحار لشهيد عند الله" (رواه عبد الرزاق ٢٦٩/٥) والطبراني في الكبير (٣٤٥/٩) باسناد حسن ومثله لا يقال بالرأى)

(بے شک جو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گر کر مر جائے اور جسے درندے کھا جائیں اور جو سمندر میں ڈوب مرے، یہ اللہ کے ہاں شہید ہیں) (مصنف عبد الرزاق، طبرانی کبیر

یہ بات بعید نہیں کہ مذکورہ افراد کو شہادت کا درجہ اس لیے دیا گیا کہ انہیں سخت تکلیف اور مشقت پہنچتی ہے۔ (انظر فتح المالك ٣٢٨/٤)

۲۳-سمندر میں سفر کرنے کی وجہ سے جسکا سر چکرا جائے، اور قے لگ جائے تو اسکے لیے بھی شہید کا اجر ہے۔ کما رواہ ابو داود (٢٤٩٣) والبیهقی (٣٥/٤) واسناده حسن)

۲۴-سچا اور امانت دار تاجر بھی قیامت کے دن شہداء کیساتھ ہوگا۔

(رواه الحاكم (٧/٢) والترمذی وابن ماجه والحديث حسن لغيره)

۲۵-جو شخص مسلمانوں کے ایک شہر سے دوسرے شہر اناج لیکر جائے اسکے لیے بھی شہید کا ثواب ہے۔ (رواه الديلمي والسهمي والحديث حسن كما في تعليق ابواب السعادة ص (٧٨)

۲۶-عروہ سے روایت ہے کہ منیٰ کے میدان میں ابو سفیان بن حارث کا سر مونڈھنے والے نے انکے سر کا ایک پرانا زخم بھی کاٹ ڈالا جس کی وجہ سے انکی موت واقع ہوگئی تو صحابہ کا خیال تھا کہ یہ بھی شہید ہے۔ (رواه الحاكم (٢٨٦/٣) وهو موقوف صحيح)

اس حوالے سے امام سیوطی کی کتاب "ابواب السعادة فی أسباب الشهادة" کا مطالعہ کریں اسکے علاوہ اس حوالے سے کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں جنکا تذکرہ ہم نے الدین الخالص (۷/ر) میں کیا ہے۔ یہ تمام چیزیں حسنِ خاتمہ کے اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں انہی پر موت عطا فرمائے۔ آمین۔

بہترین اقوال (اقوال زریں)

○-ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اپنے نفس کو نصیحت کرو اور پھر جب خود نصیحت قبول کرلو تو لوگوں کو نصیحت کرو بصورتِ دیگر مجھ سے حیا کرو۔ ادب الدنیا والدین ص (۲۲)

○-ابوالاسود الدئلی کہتے ہیں:

يَـا أَيُّهَـا الـرَّجُـلُ الْـمُعَلِّمُ غَيْرَهُ ۔۔۔ هَلَّا لِـنَـفْسِكَ كَـان ذا التعليمُ

تَصِفُ الدَّوَاءَ لِذِي السَّقَامِ وذِي الضَّنٰى ۔۔۔ كَيْـمَـا يَصِحُّ بِـه وأنت سَقِيمُ

اِبْـدَأْ بِـنـفسك فَـانْهَهَـا عن غَيِّهَـا ۔۔۔ فَـاذا انْتَهَتْ عنـه فـانت حكيمُ

فَهُـنَـاكَ تُعْـذَرُ إِنْ وَعَـظْتَ وَيُقْتَدِیْ ۔۔۔ بِـالقول مِنْكَ وَيُقْبَلُ التعليمُ

لا تَـنْـهَ عـن خُـلُـقٍ وَتَـأْتِىَ مِثْلَـهُ ۔۔۔ عَـارٌ عَـلَيْكَ إِذَا فَعَلْـتَ عَظِيمُ

(انظر حاشية الترغيب ۱/) وادب الدنيا ص (۲۲)

(۱) (اے شخص جو دوسروں کو تعلیم دیتا ہے! یہ تعلیم تو اپنے نفس کو کیوں نہیں دیتا۔

(۲) دوسرے مریضوں اور بیماروں کیلئے دوا تجویز کرتا ہے تاکہ وہ صحت یاب ہو جائیں حالانکہ تو خود مریض ہے۔

(۳) اپنے نفس سے نصیحت کی ابتدا کر، اور اسے سرکشی سے روک، اگر تیرا نفس سرکشی سے باز آجائے تو پھر تو حکیم ہے۔

(۴) پھر تیرے نصیحت کرنے میں کوئی حرج نہیں، تیری باتوں کی اقتداء ہوگی اور تیری تعلیم کو قبولیت سے نوازا جائے گا۔

(۵) کسی ایسی صفت سے لوگوں کو مت روک، جبکہ تو خود اس میں ملوث ہے، اگر تو نے ایسا

کیا تو یہ تجھ پر بہت بڑا عار ہوگا) (حاشیہ الترغیب، ادب الدنیا)

○- عیسی علیہ السلام نے فرمایا: "طالب الدنیا کشارب ماء البحر کلما ازداد شربا ازداد عطشاً" (البدایہ ۱/۸۲)

(دنیا کا طالب سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے، جتنا زیادہ پانی پیئے گا اتنی ہی پیاس بڑھے گی)

○- ایک راہب نے عبدالواحد بن زید سے کہا: اگر تم علم یقین حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنے اور اپنی خواہشات کے درمیان ایک لوہے کی دیوار بنا ڈالو۔ (الحلیہ ۶/۱۵۵)

○- صالح المری فرماتے ہیں: رونے کے بھی کچھ محرکات ہیں۔

پہلے تو اپنے گناہوں پر غور کرو اگر اس پر دل نرم ہو جائے اور آنکھیں آنسو بہانے لگیں تو ٹھیک، ورنہ قیامت کے موقف، سختیوں اور ہولناکیوں کا تصور کرو، اگر اس سے مراد بر آئے اور آنسو جاری ہو جائیں تو ٹھیک، بصورتِ دیگر اپنے دل پر جہنم کی خوفناک آگ پر الٹ پلٹ ہونے کی کیفیت کو پیش کرو۔ (الحلیہ ۶/۱۶۷)

○- عیسی علیہ السلام لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بحق أقول لكم: من طلب الفردوس، فخبز الشعير والنوم في المزابل مع الكلاب كثير" (البداية ۱/۸۳)

(میں تم سے یہ کہوں تو حق ہی ہوگا: تم میں جنت الفردوس کا طلبگار کون ہے؟ جو کی روٹیاں اور میٹھی نیند کے مزے تو کوڑا خانوں میں بسیرا رکھنے والے کتوں کے پاس بھی بہت ہیں)۔

○- اسی طرح فرمایا: شیطان دنیا کے ہمراہ ہے، اسکی فکر مال میں، زیب و زینت خواہشات میں اور اسکا غلبہ شہوات کے موقع پر ہوتا ہے (البدایہ والنہایہ)

○- اسی طرح فرمایا: جیسا کہ بادشاہوں نے تمہارے لیے حکمت چھوڑ دی، تم بھی انکے لیے دنیا چھوڑ دو۔

○- اور فرمایا: "یا معشر الحواریین! اجعلوا کنوزکم في السمآء، فإن قلب المرء حيث كنزه" (البدایہ والنہایۃ ۱/۸۲)

(اے میرے حواریوں کی جماعت! اپنے خزانے آسمان پر جمع کرو، کیونکہ آدمی کا دل وہیں ہوتا ہے جہاں اسکا خزانہ ہو) (البدایہ والنہایہ)

○- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الفقيه المجتهد في العبادة الزاهد في الدنيا المقيم على سنة رسول الله ﷺ.

(فقیہ وہ شخص ہے جو خوب عبادت کرے، دنیا سے بے رغبت ہو، اور سنتِ رسول (ﷺ) پر قائم رہے)

○- ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " لا يكون العالم عالماً حتى تكون فيه ثلاث خصال : لا يحقر من دونه، ولا يحسد من فوقه، ولا يأخذ على علمه دنياً، (دواء القلوب (۱۹۳)

(کوئی عالم اُس وقت تک حقیقی عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ اُس میں تین خصلتیں نہ ہوں، اپنے سے کمتر کو حقیر نہ جانے، اپنے سے برتر پر حسد نہ کرے، اور اپنے علم پر دنیا نہ لے)۔

○- طاؤس تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یقیناً دنیا سے بے رغبتی دل اور جسم دونوں کیلئے راحت بخش ہے، اور بے شک دنیا میں رغبت غم اور فکر کو بڑھانے کا باعث ہے۔

(وروی مرفوعاً مرسلاً : الزهد للامام احمد ص (۱۶)

○- حدیث میں آتا ہے کہ جب تم یہ دیکھو کہ ایک بندہ جو اللہ کی نافرمانیوں پر مُصر ہے لیکن اسکے باوجود اللہ تعالیٰ جو وہ بندہ چاہے وہی نعمتیں اُسے دے رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ استدراج (ڈھیل) ہے، پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ﴿ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ الآية ﴾۔ (الزہد ص: (۷)

(پس جب انہوں نے اُس چیز کو فراموش کر دیا جسکی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز (نعمت دنیاوی) کے دروازے کھول دیئے)

○- ابو الجوزاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا انبئكم بأهل الجنة وأهل النار ؟ اهل الجنة من ملئت مسامعه من الثناء الحسن، وأهل النار من ملئت مسامعه من الثناء السيئ وهو يسمع.

(مرسل صحیح : الزهد ص (۱۹) وسیأتی، والحدیث صحیح)

(کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل جہنم کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ جنتی وہ ہے جسکے کان لوگوں کی بھلائی اور تعریف سے بھر جائیں اور جہنمی وہ ہے جسکے کان لوگوں کی تنقید اور بری توصیف سے بھر جائیں جبکہ وہ اُسے سن رہا ہو)۔

○- عبد الله بن شداد رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے:" من لبس الصوف واعتقل الشاة وركب الحمار وأجاب دعوة الرجل الدون أو العبد لم يكتب عليه من الكبر شيء" (الزہد ص:(۲۰) وہو فی الترمذی ۲ر) مختصراً۔

(جس شخص نے اون پہنی، بکری کا دودھ دوہا، گدھے پر سواری کی، اور کمتر یا غلام کی دعوت قبول کی تو گویا تکبر کا کچھ حصہ بھی اُس کے مقدر میں نہیں)۔

○- حدیث میں آتا ہے:" يا عائشة! إياك ومحقرات الذنوب، فإن لها من الله طالباً"۔(الزہد ص ۲۱)

(اے عائشہ! چھوٹے سمجھے جانے والے گناہوں سے بھی بچو، کیونکہ بے شک انکا بھی اللہ کی طرف سے حساب ہوگا)۔

○- مدارج السالکین (۳۲۶/۲) میں ایک قول ہے:

" كن مع الحق بلا خلق، ومع الخلق بلا نفس "

(جب حق سامنے آجائے تو اسے قبول کرتے ہوئے مخلوق کی پرواہ مت کرو، اور جب مخلوق کیساتھ معاملات ہوں تو اپنے نفس کے مفاد کی پرواہ مت کرو)

○- اور اسی کتاب میں ہے:" أربعة يعشقهم الذل أشد العشق، الكذاب والنمام، والبخيل، والجبار"(مدارج ۳۲۷/۲)

(چار شخص ایسے ہیں کہ ذلت اور خواری انکی انتہائی شدید عاشق ہے، جھوٹا، چغل خور، بخیل اور جابر وظالم) (مدارج السالکین)

○-سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" التوكل على الله جماع الإيمان (الزہد ص(۲۶)

(اللہ پر توکل ایمان کا نچوڑ اور خلاصہ ہے)۔

○- ابو مسلم الخولانی فرماتے ہیں: زہد کا معنی یہ نہیں کہ حلال کو خود پر حرام کرلیا جائے، یا مال کو برباد کردیا جائے، بلکہ زہد تو یہ ہے کہ انسان کا اعتماد اپنے ہاتھوں میں موجود مال سے بڑھ کر اُس پر ہو جو اللہ کے پاس ہے، اور جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو آپ اُس پر اجر وثواب کی امید رکھیں۔ (الزہد ص :۴۵)

○- ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" من أصبح وأكبر همه غير الله فليس من الله في شيءٍ " (الزہد ص :۴۴)

(جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اُسے زیادہ تر فکر غیر اللہ کی ہو، تو ایسے شخص کا اللہ کیساتھ کوئی تعلق نہیں)۔

○- قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمل صالح ایسی چیز ہے کہ لڑکھڑا جانے والے کو اٹھا دیتا ہے اور گرنے والے کا سہارا بن جاتا ہے۔ (الزہد ص :۴۴)

○- ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: " يا ابن آدم! تفرغ لعبادتي أملأ صدرك غنى وأسد فقرك، وإلا تفعل ملأت يدك شغلاً ولم أسد فقرك " ۔ (الزہد ص:۴۶)

(اے ابن آدم! تو میری عبادت کیلئے فارغ ہو جا، میں تیرے سینے کو غنا سے بھردونگا اور تیرے فقر کو دور کردونگا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو مصروفیات سے بھر دونگا اور تیرا فقر بھی دور نہ کرونگا)

○- شمیط فرماتے ہیں: یقیناً یہ درہم ودینار تو منافقین کی لگامیں ہیں جنکے ذریعے انہیں برائیوں کی طرف ہانکا جاتا ہے۔ (الزہد:۴۷)

○- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جسکے لیے دنیا میں وسعت کی گئی اور اسے اس بات کا خوف نہ ہو کہ اسکے ساتھ مکر ہوا ہے تو اسکا علم ناقص اور رائے عاجز ہو چکی ہے، اور جس شخص پر بھی دنیا کی تنگی ڈالی گئی اور اُس نے اسے اپنے لیے بہتر نہ سمجھا تو ایسا شخص بھی ناقص علم اور عاجز رائے کا شکار ہے۔ (الزہد ص :۴۸)

○- سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم نے نرم اور سخت دونوں طرح کی زندگی کا تجربہ

کیا ہے اور بالآ خر اس نتیجے پر پہنچے کہ تھوڑی دنیا بھی جینے کیلئے کافی ہے (الزہد ص:۵۱)

O- اسی طرح آپ علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں دنیا میں وہ کچھ ملا جو باقی لوگ بھی دیئے گئے اور وہ بھی ملا جو باقی لوگوں کو نہیں دیا گیا، اور ہم نے وہ بھی جانا جو لوگ جانتے ہیں اور وہ علم بھی دیئے گئے جس سے لوگ ناواقف ہیں، لیکن تین کلمات سے بہتر کوئی چیز ہم نے نہ پائی: " الحلم في الغضب والرضا، والقصد في الفقر والغنى، وخشية الله في السر والعلانية " (الزہد ص:۵۱)

(غصے اور رضا دونوں حالتوں میں بردباری، فقیری اور امیری دونوں حالتوں میں میانہ روی، خلوت اور جلوت دونوں حالتوں میں اللہ کی خشیت)۔

O- ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہ نے مجھ سے یہ بات کہی کہ اے ابوالعالیہ! غیر اللہ کی خاطر کوئی بھی عمل نہ کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں اسی کے سپرد کر دے گا جسکے لیے تم عمل کر رہے ہو۔

O- لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! اللہ کی اطاعت کو اپنی تجارت بنالو، بغیر سرمایہ لگائے نفع ہی نفع پاؤ گے۔

O- اسی طرح فرمایا: اے بیٹا! اللہ سے ڈر جاؤ، اور لوگوں پر یہ ظاہر مت کرو کہ تم اللہ سے ڈرتے ہو کہ وہ تمہارا اکرام کریں جبکہ تمہارا دل فاجر ہو۔ (الزہد:۶۴)

O- اسی طرح اپنے بیٹے سے کہتے ہیں: خاموشی پر مجھے کبھی ندامت نہیں ہوئی، اگر کلام چاندی ہے تو خاموشی سونا۔

O- اس طرح لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ بدترین شخص کون ہے؟ جواب دیا وہ شخص بدترین ہے جو اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ اسے گناہ کرتا دیکھیں۔ (یعنی بالکل بے حیا ہے)

O- مالک بن دینار فرماتے ہیں: " لا خير لك في أن تعلم ما لم تعمل، قال: ومثل ذلك مثل رجل احتطب حطباً فحزم حزمة ثم ذهب يحملها فعجز عنها، فضم إليها اخرىٰ " ۔ (الزہد ص :۶)

(ایسے علم میں آپکے لیے کوئی خیر نہیں جس پر آپکا عمل نہ ہو، فرمایا کہ ایسے شخص کی مثال تو اُس آدمی کی طرح ہے جو لکڑیاں جمع کر کے ایک گٹھا بنا تا ہے پھر اُسے اٹھانے کی کوشش کرتا ہے لیکن اُسے اٹھانے سے عاجز ہے اور اسکے باوجود ایک اور گٹھا بنا کر پہلے گٹھے کے ساتھ ملا دیتا ہے)

○- وهيب المالكی کہتے ہیں کہ مجھے تورات یا بعض دوسری آسمانی کتابوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ: اے ابن آدم! جب تو غصے میں ہو تو مجھے یاد رکھ، جب مجھے غصہ ہوگا تو میں تجھے یاد رکھوں گا، جب دوسرے لوگوں کو ہلاک کرونگا تو تجھے بچالونگا، جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو اپنے زورِ بازو سے زیادہ میری نصرت و مدد پر اعتماد کر اور راضی رہ۔

○-محمد بن كعب القرظی فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام جب کچھ کھاتے تو کہتے "الحمد للہ" جب کچھ پیتے تو کہتے: "الحمد للہ" جب لباس پہنتے تو کہتے "الحمد للہ" جب سوار ہوتے تو کہتے "الحمد للہ" اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انکا نام "عبدا شكوراً" (شکر گذار بندہ) رکھ دیا۔ (الزہد ص: ۶۶، ۶۷)

○- بدائع الفوائد اور بدائع التفسیر میں بعض عارفین کا قول ہے کہ اگر کوئی بندہ کئی سال اللہ کی عبادت کرتا رہے اور ایک لحظے کیلئے اس سے اعراض کرے تو جس چیز سے وہ محروم ہو گیا وہ اُس سے بہتر اور زیادہ تھی جسکو اُس نے حاصل کیا۔

○- عون بن عبد الله فرماتے ہیں: پہلے لوگ آخرت کیلئے کوشاں رہتے تھے البتہ آخرت سے بچا کھچا وقت اور مال دنیا کیلئے صرف کرتے، جبکہ تم لوگ دنیا کیلئے مرمٹتے ہو، البتہ کچھ بچی کچھی دنیا ہو تو آخرت کیلئے وقف کرتے ہو۔ (الحلیہ ۴/۲۴۲)

○- عُروَہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکمت میں یہ لکھا ہوا ہے: اے بیٹا: خندہ پیشانی کیساتھ لوگوں سے ملو، اور بہترین و پاکیزہ گفتگو کرو، یہ دو چیزیں تمہیں لوگوں کا اسقدر محبوب بنا دیں گی کہ تم مال خرچ کر کے بھی اتنی محبوبیت حاصل نہ کر پاتے۔ (روضۃ العقلاء ص (۷۵)

○- عبد الله بن حبيق کہتے ہیں: کہا جاتا تھا کہ عزت دار آدمی سے مذاق مت کرو اس کے نتیجے میں وہ تم سے نفرت اور بغض رکھے گا، اور گھٹیا شخص سے بھی مذاق مت کرو، اسی

طرح وہ تم پر جرأت پائے گا (یعنی وہ تمہیں تنگ کریگا)

○- آکام المرجان ص (۲۴۴) میں بعض علمآء عاطلین نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں اپنی مخلوق پر دو فریضے عائد کئے ہیں لیکن مخلوق اس سے غافل ہے، پوچھا گیا: وہ کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: " اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا" (یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے، لہٰذا تم بھی اسے دشمن رکھو)

پوچھا گیا کہ اسے دشمن رکھنے اور بچاؤ کی کیا سبیل ہے؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر مؤمن کو اپنے بچاؤ کیلئے سات قلعے مہیا کئے ہیں: پہلا قلعہ سونے کا ہے: اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت۔

دوسرا چاندی کا ہے: اللہ پر ایمان۔

اسکے ساتھ ہی تیسرا لوہے کا: اللہ عزوجل پر توکل

چوتھا پتھر کا قلعہ: راضی برضاءِ الٰہی ہونا اور شکر۔

پانچواں پختہ مٹی کا: اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانا

چھٹا زمرد کا قلعہ: سچائی اور خلوص۔

ساتواں لُؤلُؤ نرم وملائم موتی کا قلعہ: ادبِ نفس

جب مؤمن ان قلعوں کے حصار میں محفوظ ہو تو شیطان اندر داخل ہونے کی جرأت نہیں رکھتا اور باہر سے ہی کتے کی طرح بھونکتا رہتا ہے، جبکہ مؤمن کو اسکے بھونکنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ قلعہ بند ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر حالت میں انسان کو اپنی اصلاح نفس میں مشغول رہنا چاہیئے اس طرح انسان شیطان کے تمام ہتھکنڈوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ الخ (کلام مفید جداً)

○- میمون بن مہران رحمہ اللہ کا قول ہے: اپنے نفس کو تین باتوں میں مبتلا ہرگز مت کرنا: بادشاہ کے دربار میں مت جا اگر چہ تیرا یہ خیال ہی کیوں نہ ہو کہ میں اُسے اللہ کی اطاعت کا حکم دونگا، اور کسی عورت پر داخل نہ ہو، اگر چہ اُسے کتاب اللہ کی تعلیم دینا ہی مقصود

کیوں نہ ہو، اور خواہشات کے اسیر کی بات پر دکان نہ دھرنا، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ اسکی کونسی بات تیرے دل سے چمٹ جائے۔(الحلیہ ۸۵/۴)

○- اور میمون بن مہران کا ہی قول ہے: کہ کوئی شخص اُس وقت تک متقین میں شامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ دوسروں کی بنسبت اپنا زیادہ سخت محاسبہ نہیں کرتا، یہانتک کہ اُسے معلوم ہو کہ اسکا طعام، لباس، مشروب کہاں سے آرہا ہے، حلال کا ہے یا حرام کا؟ (الحلیہ ۸۹/۴)(وہذا مفید جداً)

○- شعبیؒ کہتے ہیں:

إذا أنت لم تعشق ولم تدر ما الهوى فـأنـت وعـيـر بـالـفـلاة سـواء

(اگر تم نے کبھی عشق نہیں کیا، اور تم خواہش سے ناواقف ہو، تو تم اور جنگل کا گدھا برابر ہیں)(الحلیہ ۳۲۸/۴)

○- زیاد بن جریر الاسلمي فرماتے ہیں: جو لوگ علم کے راستے پر چل کر متقی نہیں بنے وہ فقیہ نہیں ہیں۔(الحلیہ ۱۹۷/۴)

○- مالک بن دینارؒ کہتے ہیں: عمل کے بعد اس بات کا خوف کہ وہ عمل مقبول ہے یا مردود۔ یہ چیز عمل سے بھی زیادہ بھاری ہے۔(الحلیہ ۲۷۷/۱)

○- میمون بن مہران رحمہ اللہ نے حسن رحمہ اللہ سے گزارش کی کہ مجھے نصیحت کیجئے! توانہوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ، مَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴾۔(الشعراء/۲۰۷)

(بھلا بتلایئے کہ اگر ہم انہیں چند سالہ دنیاوی فائدہ دے بھی دیں اور پھر انکے پاس وہ (حقیقت وعذاب) آجائے جسکا یہ وعدہ دیئے جاتے تھے تو انکا مال ومتاع بھلا انہیں کیا فائدہ پہنچا سکے گا)

یہ آیت سن کر میمون بن مہران رحمہ اللہ نے کہا: واقعی آپ نے نصیحت کا حق ادا کر دیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت زہد کے حوالے سے سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ (فتح البیان للصدیق خان)

○- امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں: " ان المنافق يقول كثيراً، ويعمل قليلاً، وإن

المؤمن يقول قليلاً ويعمل كثيراً "(الحلیہ ۶/۱۴۲)

(بے شک منافق باتیں زیادہ کرتا ہے اور عمل کم، اور بے شک مؤمن باتیں کم کرتا ہے اور عمل زیادہ)۔

○-اسی طرح فرمایا: صحابہ اور تابعین کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پانچ باتوں کے پابند تھے: جماعت کیساتھ جڑے رہتے، سنت کی پیروی کرتے، مسجد کو آباد رکھتے، تلاوتِ قرآن مجید کا اہتمام کرتے، اور جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم رہتے۔

○- اور فرمایا : اے ابو سعید! ہم بھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے لیکن جب ہم دوسروں کیلئے مقتدا بنے تو پھر تو میرے خیال میں مسکراہٹ بھی ہمارے شایانِ شان نہیں۔(۱) (۶/۱۴۸)

○-دِل کی سختی ایک ایسی مصیبت ہے کہ خود مصیبت زدہ کو بھی اسکا شعور نہیں ہوتا، اور اس سے بڑھ کر غفلت میں نے کسی اور مصیبت پر نہیں دیکھی۔ (ابو محمد -یعنی مؤلف حفظہ اللہ)

○-غور وفکر کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دلوں کو نرم کرنے کیلئے قریب ترین دو چیزیں ہیں :

۱-قرآن مجید کی تلاوت ۔۲-غم زدگی۔ مساکین اور یتیم بچوں کو دیکھنا بھی اسی میں شامل ہے۔(ابو محمد)

○- انسان کے دل کو بگاڑنے کا سب سے بڑا سبب دو چیزیں ہیں :۱-شہوت ۲- اور مہمانوں کی کثرت۔ (ابو محمد)

○- سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے موت سے بڑھ کر کوئی ایسا حق نہیں دیکھا کہ جو باطل کے مشابہ ہو، اور دنیا سے بڑھ کر کوئی باطل نہیں دیکھا جو حق کے مشابہ ہو۔ (حاشیہ صید الخاطر: ۲۵)

○-تیرا معاملہ کس قدر عجیب ہے، اے وہ شخص جو ایک بات کا یقین ہونے کے باوجود اُسے

---

(۱) مسکراہٹ میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ یہ تو بعض اوقاتِ حسن اخلاق کی علامت بھی ہوتی ہے جبکہ بعض اوقات جھوٹ اور تمسخر سے بچتے ہوئے مزاح کرنا بھی آپ ﷺ سے ثابت ہے۔ البتہ فی زمانہ ہمارے خواص کی محفلوں کی گپیں سراسر غلط ہیں اس سے دل سخت، طبیعت مضطرب اور عزت خراب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان میں

فراموش کئے ہوئے ہے، ایک چیز کے نقصان دہ ہونے کی تحقیق کے باوجود اُسے اپنائے ہوئے ہیں، تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تو اُس سے ڈرے۔ (صید الخاطر ص: ۲۵)

o- تمہارا نفس اپنے گمان کی بناء پر تم پر غالب آ جاتا ہے لیکن تم اپنے یقین کی بناء پر بھی اُس پر غلبہ نہیں پاتے۔ (صید الخاطر ص: ۲۵)

o- جو شخص دنیا کے انجام پر غور کرے تو ضرور احتیاط کا دامن تھامے گا، اور جسے لمبے سفر کا یقین ہو تو وہ ضرور سفر کی تیاری کریگا۔ (صید الخاطر ص: ۲۵)

o- دو چیزیں کنٹرول اور قہر کی سب سے زیادہ حقدار ہیں: زبان اور آنکھ۔

o- جو شخص فتنے کے قریب ہوگا سلامتی اس سے دور ہو جائیگی، جو صبر کا دعویٰ کرتا ہے اُسے اسکے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے، سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ سزا یافتہ کو اسکا احساس تک نہ ہو، اور اس سے بھی سخت بات یہ ہے کہ انسان عقوبت پر خوشی منائے مثلاً حرام مال حاصل ہونے یا گناہوں کی قدرت حاصل ہونے پر بغلیں بجائے۔ (صید الخاطر ص: ۲۸)

o- ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میں صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچاؤں یہ زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ میں دوسروں کو فائدہ پہنچا کر خود نقصان اٹھاؤں۔

(صید الخاطر ص (۲۸) (وھذا جید)

(اس سے مراد آخرت یا دین کا فائدہ و نقصان ہے)

o- حکماء کا قول ہے: جو شخص اپنے لباس کو صاف رکھے اسکی پریشانیاں کم ہو جاتی ہیں، اور جسکی خوشبو پاکیزہ ہو اسکی عقل بڑھ جاتی ہے۔ (صید الخاطر ص (۱۳۱)

o- جو شخص سردی اور گرمی سے بچنے میں مبالغہ کرے، تو وہ حکمت کے برعکس چل رہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سردی اور گرمی دونوں کے کچھ فوائد رکھے ہیں۔ لہٰذا جو سردی اور گرمی کو رفع کرنے میں مبالغہ کرے اسکا یہ عمل حکمتِ الٰہی کے برعکس ہے۔ فتفکر۔ (صید الخاطر ص (۱۳۲)

o- النوم علی المزابل مع سلامة القلب ألذ من متكآت الملوك "

(صید الخاطر ص (۲۰۷)

جب دل سلامت ہو تو کوڑے کے ڈھیر پر سونا بھی بادشاہوں کے نرم و گرم بچھونوں سے زیادہ لذت کا باعث ہے۔

ولم أر في عيوب الناس عيباً　　كنقص القادرين على التمام

(صید ص (۲۹) (میں نے لوگوں کے عیوب میں اس عیب سے بڑھ کر کوئی عیب نہیں دیکھا کہ جو لوگ ایک کام کو درست طور پر سرانجام دے سکتے ہیں وہ بھی نامکمل اور ادھورا کام کریں)۔

○- سفیان ثوری رحمہ اللہ سفر میں اپنے ہمراہ فالودہ اور بھنا ہوا اونٹ کا گوشت رکھتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ " إن الدابة إذا أحسن إليها عملت " (صید الخاطر ص (۹۵)

(بے شک جانور کیساتھ بھی جب اچھا سلوک کیا جائے تو وہ اچھا کام کرتا ہے) (۱)

○- عروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حکمت میں یہ بات لکھی ہے کہ نرمی حکمت کی بنیاد ہے۔ (الزہد ص (٦٥)

○- نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے بیٹا! اس حال میں ہرگز قبر میں داخل مت ہونا کہ تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی شرک ہو، کیونکہ جو حالتِ شرک میں اللہ سے ملا اسکے لیے کوئی حجت باقی نہیں۔

اور اے بیٹا! اس حال میں بھی ہرگز قبر میں مت داخل ہونا کہ تمہارے دل میں ذرہ برابر تکبر ہو، کیونکہ تکبر اللہ کی چادر ہے، اور جو بھی اسے چھیننے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ اُس پر غضبناک ہوتا ہے۔

اور اے بیٹا! اس حالت میں بھی قبر میں داخل مت ہونا کہ تمہارے دل میں ذرہ برابر ناامیدی اور مایوسی ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو صرف گمراہ لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ (الزہد ص (٦٧)

---

(۱): مراد یہ کہ انسان کا جسم بھی ایک سواری ہے جس پر آخرت کا سفر طے کرتا ہے، اگر اسے اچھی خوراک دی جائے تو زیادہ توانائی کیساتھ اس سفر پر مزید تیزی کیساتھ گامزن ہوگا۔ طاقتور مؤمن ضعیف مؤمن

○- وھب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جو باتیں کہیں اُن میں ایک یہ بھی تھی: بے شک جب میری اطاعت کی جائے تو میں راضی ہوتا ہوں، اور جب میں راضی ہو جاؤں تو برکت دیتا ہوں اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں۔ اور جب میری نافرمانی کی جائے تو ناراض ہوتا ہوں، جب ناراض ہو جاؤں تو لعنت کرتا ہوں، اور میری لعنت ساتویں پشت تک بندے کیساتھ جاتی ہے (الزہد ص (۷۹)۔

○- اسی طرح فرمایا: رب تعالیٰ فرماتا ہے: جب میرا بندہ مجھ پر توکل کرے تو خواہ آسمان وزمین اسکے خلاف سازشیں کریں میں اسکے لیے کوئی سبیل نکال دیتا ہوں۔ (الزہد ص (۷۹)

○- سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم حاصل کرو، اور اس علم کیلئے سکینت اور بردباری (اور ایک روایت کے مطابق وقار) بھی سیکھو، اور جنہیں تعلیم دیتے ہو انکے لیے بھی اور جن سے تعلیم حاصل کرتے ہو انکے لیے بھی تواضع اختیار کرو، جابر و کرخت علماء میں سے نہ بنو، کیونکہ تمہارا علم تمہاری اس جہالت کو برداشت نہیں کرسکتا۔
(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۹۳ وروی مرفوعا کما فی المجمع ۱/۱۲۹)

○- حبیب بن حجر القیسی فرماتے ہیں: ایمان کیا ہی خوب چیز ہے جبکہ علم سے مزین ہو، اور علم کیا ہی اچھا ہے جبکہ عمل سے مزیّن ہو، اور عمل کتنی خوبصورت چیز ہے جبکہ نرمی کیساتھ مزیّن ہو، دو چیزوں سے مل کر بننے والے مجموعوں میں سے علم وحلم کا مجموعہ بے مثال ہے۔ (نفس المصدر ۱/۹۴)

○- سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث کو اپنے نفوس کیساتھ مزین کرو، اپنے نفسوں کو حدیث کیساتھ مزین مت کرو۔ (جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۱۲۶)

○- سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " إن رسول الله ﷺ هو الميزان الأكبر، فعليه تعرض الأشياء على خلقه وسيرته وهديه فما وافقها فهو الحق وما خالفها فهو الباطل "۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱/۹۷)

(بے شک رسول اللہ ﷺ ہی سب سے بڑا میزان ہیں تمام چیزوں کو اسی پر پیش کیا

جائیگا، جو چیز آپکے اخلاق، سیرت اور طریقِ کار کے مطابق ہوئی وہ حق ہوگی اور جو مخالف ہوئی وہ باطل قرار پائے گی)۔

○- **ابن سیرین** رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پہلے لوگ سیرت اور کردار بھی اسی طرح سیکھتے تھے جیسے علم سیکھتے تھے، ابن سیرین نے ایک شخص کو صرف اس لیے بھیجا کہ وہ قاسم کی سیرت اور حالت کا مشاہدہ کر کے آئے۔ (المصدر نفسہ)

○- **ابن المبارک** رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مخلد بن حسین رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا: احادیث کے مقابلے میں ہم آداب کے زیادہ محتاج ہیں۔

○- **ابو زکریا العنبری** کہتے ہیں: بغیر ادب کے علم ایسا ہی ہے جیسے بغیر لکڑیوں کے آگ، اور بغیر علم کے ادب ایسے ہی ہے جیسے بغیر بدن کے روح۔

○- **سفیان ثوری** فرماتے ہیں: میرے نزدیک حدیث سے زیادہ خوفناک کوئی چیز نہیں، اور نہ ہی حدیث سے افضل کوئی چیز ہے، اُس شخص کیلئے جو اسکے ذریعے اللہ کا ارادہ رکھے۔ (جامع بیان العلم ۱/۱۱۱، والجامع لاخلاق الراوی۔)

○- **حماد بن سلمہ** کہتے ہیں: جس نے غیر اللہ کی خاطر حدیث کو طلب کیا، وہ سمجھے کہ اسکے ساتھ مکر کیا گیا۔ (نفس المصدر)

○- ایک مرفوع روایت ہے: "**همة العلماء الرعاية، وهمة السفهاء الرواية**" حقیقی علماء کی کدّ و کاوش علم کی رعایت و عمل، جبکہ بے وقوفوں کی تمام تر کوشش روایات پر مرتکز ہوتی ہے۔

○- **علی** رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے حاملینِ علم! علم پر عمل کرو، عالم وہ ہے جو اپنے علم پر عمل کرے، اور اسکا عمل علم کے موافق ہو، عنقریب ایسی اقوام پیدا ہونگی جو علم حاصل کریں گی لیکن علم انکے حلق سے تجاوز نہیں کریگا، انکی خلوت جلوت سے مختلف ہوگی، عمل علم کے مخالف ہوگا، حلقے بنا کر بیٹھیں گے اور ایک دوسرے پر فخر کریں گے، یہانتک کہ ان میں سے ایک اس بات پر بھی ناراض ہوگا کہ اسکی محفل میں بیٹھنے والا اسے چھوڑ کر کسی اور کی محفل میں بیٹھے،

ان لوگوں کے اعمال انکی ان مجلسوں سے اللہ کی طرف نہیں اٹھائے جاتے۔

(جامع ابن عبدالبر۲؍۷) والجامع لاخلاق الراوی ۱؍۹۰)

علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات انتہائی عجیب ہے گویا کہ وہ ہمارے حالات کی خبر دے رہے ہیں۔

○- سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: محمد بن خزیمہ نے فرمایا: ضعیف کون ہے؟ ضعیف وہ ہے جو اپنے نفس کو ہر قسم کی طاقت اور قوت سے بری کرتا ہے یعنی ایک دن میں بیس یا پچاس مرتبہ'' لا حول ولا قوۃ الا باللہ '' کہتا ہے۔ کتاب التذکرۃ ص (۴۱۸) یہ بات انہوں نے اس حدیث کی تشریح میں کہی جس میں جنت کا یہ قول ہے کہ مجھ میں داخل ہونے والے ضعفاء ہیں۔

○- تمہارا بھائی وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیب بتلائے، تمہارا دوست وہ ہے جو تمہیں گناہوں سے ڈرائے۔ جسقدر تم اللہ سے ڈرو گے اتنا ہی مخلوق تم سے ڈرے گی۔

جسقدر تم اللہ سے محبت کرو گے، اسی قدر مخلوق تم سے محبت کرے گی۔

جسقدر تم اللہ کے کاموں میں مصروف رہو گے اتنا ہی مخلوق تمہارے کاموں میں مصروف ہوگی۔ (ایقاظ الهمم العالية، محمد السلمان ص (٦١)
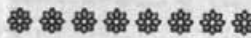
۳۳- فائدہ

علماء الآخرۃ کی علامت

علماء کی دو اقسام ہیں: دنیا کے علماء اور آخرت کے علماء

علماء الآخرۃ کی علامات میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱- دنیا اور اسکے جاہ و جلال کی طرف نہ جھکنا۔

داؤد علیہ السلام کے اخبار میں اللہ سے حکایت کرتے ہوئے یہ بات بھی لکھی ہے:

" أن أدنى ما أصنع بالعالم إذا آثر شهوته على محبتي بأن أحرمه لذيذ مناجاتي (و نحوه في ابن كثير ۳/۱۷٤)

(جب کوئی عالم اپنی شہوات کو میری محبت پر ترجیح دے تو میری کم از کم سزا اسکے لیے یہ ہوتی ہے کہ میں اُسے لذتِ مناجات سے محروم کر دیتا ہوں)

۲- اسکا فعل اسکے قول کے مخالف نہ ہو، جیسا کہ پیچھے گذرا: اپنے نفس کو نصیحت کر، اگر تیرا نفس نصیحت حاصل کر لے تو ٹھیک، ورنہ مجھ سے حیا کر۔

۳- اسکی توجہ اس علم کی تحصیل کی طرف ہو جو آخرت کیلئے مفید اور اطاعت کی جانب ابھارنے والا ہے، جبکہ اس علم سے اجتناب کرے جسکا فائدہ کم ہے اور قیل و قال اور جدال زیادہ۔

۵- ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے سلف صالحین کو دیکھا ہے، وہ لوگ ورع اور تقوی سیکھتے تھے، جبکہ آجکل کے لوگ علم کلام سیکھنے میں مگن ہیں۔

۴- دنیا کی عیش و عشرت میں منہمک نہ ہو، کہ ہر وقت کھانے پینے، بہترین لباس، ساز و سامان اور پر آسائش گھر کی فکر میں رہے، بلکہ ان تمام چیزوں میں میانہ روی کو ترجیح دے، جسقدر دنیا کی قلت کا شکار ہوگا اتنا ہی اللہ کی طرف بڑھے گا۔

۵- بادشاہوں سے دور رہے، انکے پاس کبھی نہ جائے، یہ بات علماء کیلئے برائیوں کی

چابی ہے، جبکہ علماء الآ خرۃ کی خاصیت ہی احتیاط کرنا ہے۔

○- سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اذا رأیتم العالم یغشی الأمراء فاحترزوا منه، فانه لص " (جب تم دیکھو کہ کوئی عالم اُمراء کی محفلوں میں جاتا ہے تو اُس سے بچو، کیونکہ وہ چور ہے)

یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ جب علماء علم حاصل کرتے ہیں تو عمل کرتے ہیں اور جب عمل کریں تو مصروف ہوجاتے ہیں، جب مصروف ہوجائیں تو (درباروں میں) انکی کمی محسوس کی جاتی ہے اور جب ایسا ہو تو انہیں طلب کیا جاتا ہے اور جب طلب کئے جائیں تو بھاگ پڑتے ہیں۔ (إحیاء ۱/۷۱، الجامع عن الثوری ۲/۸)

۶- فتویٰ دینے میں جلدی نہ کرتا ہو، بلکہ توقف اختیار کرتا ہو :

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

العلم ثلاثة : كتاب ناطق، وسنة قائمة، ولا أدرى.

(علم تین ہیں: اللہ کی کتابِ ناطق، نبی کریم ﷺ کی سنت قائمہ، اور یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا)

○- کہا گیا ہے کہ جب علم زیادہ ہوجائے تو کلام کم ہوجاتا ہے، اور جب کلام زیادہ ہوجائے تو علم کم ہوجاتا ہے۔

۷- ظاہری علم کے ساتھ باطنی علوم، مراقبہ قلب اور علوم الآ خرۃ کی معرفت کا زیادہ اہتمام کرے، اور اس راستے کو دریافت کرنے کی مخلصانہ کوشش کرے، مجاہدہ انسان کو مشاہدے تک پہنچادیتا ہے، علم القلوب کے دقائق کی بناء پر دل سے حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں، صرف کتابیں اور تعلیم ہی اس مقصد کے حصول کیلئے کافی نہیں، بلکہ حکمتوں کے دروازے انسان پر اُس وقت کھلتے ہیں جب وہ مجاہدہ، مراقبہ اور ظاہری و باطنی اَعمال میں مشغول ہوتا ہے، حاضر دل اور پاکیزہ فکر کیساتھ اپنی خلوتوں میں اللہ کو یاد کرتا ہے، غیر اللہ سے کٹ کر صرف اللہ کا ہوجاتا ہے، یہی چیز الہام کی کنجی ہے۔ الخ۔

۸- یقین کو مضبوط کرنے کی طرف خصوصی توجہ دے کیونکہ یقین ہی دین کا رأس المال ہے۔

لقمان حکیم نے کہا: اے بیٹا! یقین کے بغیر کوئی بھی عمل کی طاقت نہیں رکھتا اور ہر شخص اپنے یقین کے بقدر ہی عمل کرتا ہے، اور عامل کے عمل میں کوتاہی بھی اُس وقت ہوتی ہے جب اسکا یقین کم ہو جائے۔

یقین سے ہماری مراد شک کی نفی ہے، یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی چیز کا دل پر اس انداز سے غالب آ جانا کہ پھر بس وہی دل میں باقی رہے۔

یقین کا اجراء مختلف چیزوں سے ہوتا ہے :

۱- توحید: توحید کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز کو ایک ہی مسبب الأسباب کی طرف سے سمجھا جائے۔ اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان نہ تو چیزوں پر غصے اور ناراضگی کا اظہار کرے گا اور نہ ہی مبالغے کی حد تک انکا شکر گذار ہوگا اور نہ بداخلاقی کا مظاہرہ کرے گا کیونکہ اُسے یہ علم ہوگا کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔

۲- اس بات پر پختہ اعتماد کہ رزق کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اسکا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان حرص و ہوس سے بچ جاتا ہے اور دنیا کی طلب میں اجمال سے کام لیتا ہے، جو نہ مل سکے اُس پر کفِ افسوس نہیں ملتا، اور ایسے ہی کئی اخلاق محمودہ اس اعتماد سے پیدا ہوتے ہیں۔

۳- سزا اور جزا کا یقین رکھنا، جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا اسکا بدلہ پائیگا اور جو ذرہ برابر برائی کریگا اسکا بدلہ ضرور پائے گا۔ اس یقین کی وجہ سے بندہ گناہوں کو زہر اور نیکیوں کو روٹی شمار کرتا ہے، اس یقین کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کی حرکات و سکنات اور خیالات میں پاکیزگی اور سچائی پیدا ہو جاتی ہے، بُرائیوں سے بچ جاتا ہے اور تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔

۴- اس بات کا یقین کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں آپ پر مطلع ہے، آپکے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں اور خیالات کو بھی جانتا ہے۔

اسکا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی خلوتوں اور تمام حالتوں میں انتہائی ادب کا مظاہرہ کرتا ہے، جیسا کہ وہ شخص جو کسی عظیم الشان بادشاہ کی جناب میں بیٹھا ہو جبکہ بادشاہ اُسے دیکھ بھی

رہا ہو۔ اسی طرح انسان کے دل میں حیا، خوف، انکسار، عاجزی اور ایسی ہی کئی بہترین صفات پیدا ہوتی ہیں۔

اور یہ تمام اخلاقیات بہت ساری عظیم الشان اطاعات کا سبب بن جاتی ہیں۔ یقین ان تمام باتوں کی اساس ہے۔ گویا یقین ایک درخت ہے، اخلاق اسکی شاخیں اور ان سے جنم لینے والی اطاعات اسکا پھل۔ (الاحیاء ۱/۱۲۷)۔

o- آخرت کے طلبگار عالم کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ منکسر المزاج ہو، خاموشی پسند، سر جھکا کر رکھے، اسکا خشوع اسکی حرکات وسکنات، بول چال اور لباس و کردار سے ظاہر ہو۔ کہا گیا ہے کہ خشوع والی سکینت سے زیادہ بہتر لباس اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی بندے کو نہیں پہنایا۔ جبکہ جبڑے پھاڑ کر باتیں کرنا، ہر وقت قہقہے لگانا، زیادہ تیزی دکھانے کی کوشش کرنا، یہ سب باتیں تو تکبر کی علامات ہیں۔

اللہ کی پکڑ سے بے خوف اور غافل ہو جانا بجائے خود ایک سخت سزا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا قول پہلے گذر چکا کہ علم حاصل کرو، اور علم کیلئے سکینت اور وقار بھی سیکھو الخ۔

o- عبد الأعلى اليمنى رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کو ایسا علم دیا گیا جو اُسے نہیں رُلاتا، تو اُسے غیر نافع علم دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کی صفت تو کچھ یوں بیان فرمائی ہے: " إن الذين أوتوا العلم من قبله – الى قوله – يبكون ويزيدهم خشوعاً " (الاسراء/۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹)

(بے شک وہ لوگ جو اس سے پہلے علم دیئے گئے ...... (انکی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا) وہ روتے ہیں اور (قرآن کی آیات) انہیں خشیت میں بڑھا دیتی ہیں)

o- مطر الورّاق " اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾

(اور جسے حکمت مل گئی، تحقیق وہ خیرِ کثیر سے نوازا گیا)

فرماتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کی خشیت اور عمل ہے۔ (اخلاق العلماء ص : ۶۹)

○- مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کے عالم ہونے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے، اور کسی کی جہالت کیلئے بھی یہی کافی ہے کہ اپنے علم پر فخر اور غرور کرے (اخلاق العلماء ص (۷۰)

○- یحیی بن ابی کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عالم وہ ہے جو اللہ کی خشیت رکھتا ہے اور اللہ کی خشیت پرہیزگاری ہے''۔ (اخلاق العلماء ص (۷۰)
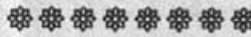
۳۴- فائدہ :مواعظِ حسنہ

○- ایوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" ینبغي للعالم أن یعض الرماد علی رأسه تواضعاً لله عزوجل ـ"۔(عالم کو چاہیئے کہ اللہ کے سامنے تواضع اختیار کرتے ہوئے اپنے سر پر خاک ڈالے۔)(ابن بطہ، واخلاق العلماء ص (۷۱)

○- سفیان بن عیینه رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" اذا کان نهاری نهار سفیه، ولیلي لیل جاهل فما أصنع بالعلم الذي کتبت "(الحلیہ واخلاق العلماء (۷۲)
(جبکہ میرا دن بھی بے وقوفوں اور رات جاہلوں کی طرح گذرے تو وہ علم میرے کس کام کا جو میں نے لکھ رکھا ہے۔)

○- علی بن ابی طالب ﷛ فرماتے ہیں: کیا میں تمہیں ایسے فقیہ کی خبر نہ دوں جو حقیقی معنی میں فقیہ ہے، حقیقی فقیہ لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا، نہ ہی گناہوں کی رخصت دیتا ہے، اور نہ ہی اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف کرتا ہے، قرآن مجید کو دوسروں کیلئے نہیں چھوڑتا۔ اُس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو فقاہت سے خالی ہو، اور ایسی فقاہت بھی خیر سے خالی ہے جو فہم سے عاری ہو، اور ایسی قراءت میں بھی کوئی بھلائی نہیں جس میں تدبر نہ ہو۔(اخلاق العلماء ص (۷۲)

○- ابو الدرداء ﷛ فرماتے ہیں: بے شک میرے نزدیک سب سے زیادہ خوف والی بات یہ ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کہا جائے: تم نے علم تو حاصل کیا تھا، بھلا بتلاؤ تم نے اپنے علم پر عمل کتنا کیا تھا؟۔ (جامع ابن عبدالبر ۲/۲)

○- ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:" لا تزال قدما عبد یوم القیامة حتی یسأل عن خمس : عن شبابه فیما أبلاه، وعن عمره فیما أفناه، وعن ماله من أین اکتسبه وفیما أنفقه، وعن علمه ما ذا عمل فیه

(رواہ اصحاب السنن، وھو فی الجامع ۲/۳،عن ابن مسعود)

(بندے کے قدم قیامت کے دن اُس وقت تک ہل بھی نہیں سکیں گے جب تک کہ اُس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کرلیا جائے: اسکی جوانی کے متعلق کہ کن کاموں میں بوسیدہ کی؟ اسکی عمر کے متعلق کہ کس چیز میں کھپائی؟ اُس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اسکے علم کے بارے میں کہ اُس علم پر کس حد تک عمل کیا؟۔)

یہ حدیث زندہ دلوں کو جھنجوڑ دیتی ہے۔

○- شداد بن اوس ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اس امت پر سب سے زیادہ خوف ریاکاری اور مخفی شہوت کا ہے۔

○- سفیان فرماتے ہیں: مخفی شہوت یہ ہے کہ بندہ یہ چاہے کہ نیکی کرنے پر اُسے سراہا جائے۔(الجامع ۲/۳)

○- طبرانی کی ایک حدیث میں ہے:"طوبى لمن عمل بعلمه، وأنفق من ماله، وأمسك الفضل من قوله"

(خوشخبری ہے اُس شخص کیلئے جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا، اپنے مال میں سے خرچ کیا، اور فالتو باتوں سے رُک گیا) (الجامع ۲/۴)

○- بعض علماء کہتے ہیں کہ حکمت نے انسان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اگر تم مجھے تلاش کرنا چاہو تو دو حرفوں میں پالو گے:

"تعمل بخير ما تعلم، وتدع شر ما تعلم"۔

(جو بھلائی تمہیں معلوم ہے اُس پر عمل کرو، اور جس بُرائی سے واقف ہو اُسے ترک کردو)

○- عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے بنی اسرائیل! ایک اندھے کو سورج کی روشنی کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے جبکہ وہ اُسے دیکھ ہی نہیں سکتا، اسی طرح ایک عالم کو اسکا علم کیا فائدہ دے سکتا ہے جبکہ وہ اس پر عمل نہ کرے۔

○- ایک شخص نے ابراہیم بن ادھم سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: مجھے پکارو، میں

تمہاری دُعاؤں کو قبول کرونگا'' پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ کو پکارتے ہیں لیکن ہماری دُعائیں قبول نہیں ہوتیں۔؟ ابراھیم بن ادھم نے فرمایا: پانچ چیزوں کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے:

اُس نے پوچھا: وہ کیا؟ : فرمایا:

۱-تم نے اللہ کو پہچان لیا لیکن اسکا حق ادا نہ کیا۔

۲-تم قرآن پڑھتے ہو لیکن اُس پر عمل نہیں کرتے۔

۳-تم کہتے ہو کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے لیکن آپکی سنتوں کو ترک کر چکے ہو۔

۴-ابلیس پر لعنت بھیجتے ہو لیکن اسکی اطاعت کرتے ہو۔

۵-دوسروں کے عیب اچھالتے ہو لیکن اپنے عیوب کو فراموش کیے بیٹھے ہو۔(الجامع ۲/۵)

○- سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے مکحول رحمہ اللہ کو لکھا: تم وہ شخص ہو جس نے ظاہری شان وشوکت والا اسلامی علم حاصل کر لیا ہے، اب وہ علم بھی طلب کرو جو تمہیں اللہ کی محبت اور قربت سے ہمکنار کر دے، اور جان لو کہ اِن دونوں محبتوں میں سے ایک محبت عنقریب دوسری محبت کیلئے مانع بن جائے گی۔(الجامع ۲/۵)(یہ بہت عجیب کلام ہے اور اس میں مداہنت کی ممانعت بھی ہے)

○- عمر رضی اللہ عنہ نے کعب الأحبار سے کہا: کونسی چیز ہے کہ جو علماء کے علم کو ضائع کر دیتی ہے؟۔

کعب اُحبار نے جواب دیا: دنیا کی لالچ اور لوگوں سے اپنی ضروریات طلب کرنا۔

(جامع بیان العلم ۲/۶)

○- ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم حاصل کرو اور اُس پر عمل کرو، اور علم اس لیے حاصل نہ کرو کہ اسکے ذریعے دنیاوی جمال طلب کرنے لگو، کیونکہ عنقریب کچھ زمانہ گذرنے کے بعد لوگ علم کو اسی طرح اپنے لیے ظاہری جمال کا ذریعہ بنالیں گے جیسے انسان لباس کے ذریعے زیب وزینت اختیار کرتا ہے۔

○- انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علماء کی محنت اور کوشش عمل کرنا، اور بے وقوفوں کی تگ

وہ فقط روایت کرنا ہوتی ہے۔ (الجامع ۲/۶)

○- منصور نے کہا: ادب یہ نہیں کہ نادر اور بے مثال باتیں روایت کی جائیں، ابونواس یا حبیب کے شعر بیان کیے جائیں، بلکہ جود و کرم، مروّت اور پاکیزگی ہی اصل ادب ہے۔ (الجامع ۲/۷)

○- ابن عائشه نے یہ شعر پڑھا:

اذا قَسَا القلبُ لم تنفعه موعظةٌ كالارض ان سَبَخَتْ لم يُحْيِهَا المطرُ

والقَطْرُ تَحْيَا بِهِ الأرض التي قُحِطَتْ والقلب فيه إذا ما لَانَ مُزْدَجَرُ

(جب دل سخت ہو جائے تو پھر کوئی نصیحت فائدہ نہیں دیتی، اُس زمین کی طرح جو شور یلی ہو، بارش اُسے زندہ نہیں کر سکتی)۔

بارش سے تو وہی زمین سیراب ہوتی ہے جو قحط زدہ ہو چکی ہو، جبکہ دل بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ جب نرم ہو تو نصیحت کا اثر لیتا ہے)

○- مالك بن دينار رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی بندے کو دل کی سختی سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ملی۔

○- سوار رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: دل سے نکلنے والی بات ہی دل پر دستک دیتی ہے جبکہ صرف زبان سے نکلنے والی بات یونہی دل سے ہٹ کر گذر جاتی ہے۔

○- زیاد بن ابی سفیان نے کہا: جب دل سے بات نکلے تو دل میں پیوست ہو جاتی ہے، اور جب زبان سے نکلے تو کانوں سے تجاوز نہیں کرتی۔ (نفس المصدر)

○- سلمان ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ علم پھیل جائیگا جبکہ عمل سکڑ جائے گا، لوگ منہ زبانی تو ایک دوسرے سے جڑے رہیں گے لیکن انکے دل آپس میں کٹ چکے ہونگے، جب لوگ یہ رویہ اپنالیں گے تو اللہ تعالیٰ انکے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دے گا۔ (ویروی مرفوعاً۔ الجامع ۲/۷)

○- اور فرمایا: مروّت صرف اُس وقت تک ہوگی جب تک دنیا کا معاملہ نہ ہو جب دنیا بیچ

میں آ جائے تو یوں لڑیں گے جیسے کتے لڑتے ہیں، جب تک کتے مردار کو نہ دیکھیں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرتے، اور جب مردار نظر آ جائے تو ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ بس دنیا ہی عداوت و بغض کا سبب ہے۔ (ہمارا تجربہ بھی اس قول کا شاہد ہے)

○- اسی طرح میں یہ کہتا ہوں کہ جسکے ساتھ آپکا تعلق ہے اگر وہ باعث عزت یا عزت مند ہے تو آپکی بھی اسی قدر عزت ہے، اور جسقدر وہ ذلیل اور گھٹیا ہے اتنا ہی ذلیل وہ شخص ہے جو اس سے متعلق ہے۔

تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اسے کمال عزت سے نوازا جاتا ہے اور جو دنیا یا اسکی کسی گھٹیا چیز پر فریفتہ ہو جائے وہ اتنا ہی ذلیل ہو جاتا ہے۔ فتدبر!۔

○- وھب بن منبہ فرماتے ہیں کہ عیسی علیہ السلام نے فرمایا: اگر آپکو آزمائشوں کے کٹھن راستے پر چلایا گیا ہے تو جان لیں کہ آپکو انبیاء اور صالحین کے رستے پر چلایا گیا، اور اگر آپکو خوشحالی اور فراخی سے نوازا گیا تو سمجھ لیں کہ آپ اُن کے راستے سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ (الزہد (۷۱)

○- ابو غالب کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت میں یہ بات بھی لکھی ہے: اے حواریوں کے گروہ! اہل معاصی کے بغض وعداوت میں اللہ کی محبت اور رضا تلاش کرو، انہیں دور کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو، انہیں ناراض کر کے اللہ کی خوشنودی پاؤ۔ تو حواریوں نے کہا: اللہ کی قسم! تو ہم کس کے ساتھ بیٹھیں؟

تم اسکے ساتھ بیٹھو جسکے بولنے سے تمہارے اعمال میں اضافہ ہو، جسکے دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آ جائے، اور جسکا عمل تمہیں دنیا سے بے رغبت کر دے۔

○- عیسی علیہ السلام نے فرمایا: خوشخبری ہے اُس شخص کیلئے جسکی زبان تھمی رہی، اور اسکا گھر اسکے لیے وسیع ہو گیا، اور وہ اپنی خطاؤں کو یاد کر کے رو دیا۔

(اس سے ملتی جلتی ایک مرفوع حدیث بھی ہے)

○- عیسی علیہ السلام کا ہی قول ہے: مؤمن کیلئے خوشخبری ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اسکی

وفات کے بعد بھی اسکی اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔

○-ابو ثمامہ الصایدی کہتے ہیں کہ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ کیلئے مخلص کون ہے؟ تو فرمایا: جو صرف اللہ کیلئے عمل کرے، اور کسی عمل پر لوگوں سے تعریف کا طلبگار نہ ہو۔ تو حواریوں نے پوچھا؟ اللہ کا سچا خیر خواہ کون ہے؟

فرمایا: جو اللہ کے حق کو لوگوں کے حق پر ترجیح دے، اور جب اُسے دو معاملے درپیش ہوں، ایک دنیا کا دوسرا آخرت کا، تو پھر وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دے، پہلے آخرت سنوارنے والا کام کرے اور پھر دنیا کی طرف متوجہ ہو۔ (الزہد ص (۷۳)

اور فرمایا: سب سے افضل عبادت اللہ عزوجل کیلئے تواضع وانکساری اختیار کرنا ہے۔

○- ایک حکیم نے کہا: پانچ چیزیں پانچ چیزوں میں ہیں:

حجت اور دلیل قرآن میں، عزت وشرف قناعت میں، ذلت وخواری گناہ میں، ہیبت وجلال قیام اللیل میں اور غناء لالچ نہ کرنے میں۔

○- عبد اللہ بن مبارک سے کہا گیا کہ اگر تمہیں علم ہو جائے کہ تم آج شام مر جاؤ گے تو تمہارا طرزِ عمل کیا ہوگا؟

فرمایا: میں اُٹھ کر علم کی تلاش میں مگن ہو جاؤنگا یہانتک کہ مجھے موت آجائے۔

○- سفیان بن عیینہ نے فرمایا: جس نے کسی نیک آدمی سے محبت کی، گویا اُس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کی۔ (وروی نحوہ مرفوعا وھو حدیث صحیح)

○- مالك بن دینار نے فرمایا: "إنك إن تنقل الحجارة مع الأبرار خير من أن تأكل الخبيص مع الفجار" (روضۃ العقلاء ص (۱۰۰)

(اگر نیک لوگوں کیساتھ ملکر پتھر کندھے پر اٹھائیں تو یقیناً یہ آپکے لیے اس سے بہتر ہے کہ برے لوگوں کیساتھ ملکر حلوہ کھائیں۔)

○- کسی شخص کا دین اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکی عقل مکمل نہ ہو۔

○- آپ ﷺ کا فرمان ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ مکارمِ اخلاق کو پسند کرتا ہے اور گھٹیا اخلاق کو

ناپسند کرتا ہے۔۔۔۔۔شاعر نے کہا:

وأفضل قَسْمِ اللهِ لِلمرءِ عَقْلُهُ ۔۔۔ ليس من الخيرات شَيْءٌ يُقَارِبُهُ

إذا أَكْمَلَ الرَّحْمٰنُ لِلْمَرْءِ عَقْلَهُ ۔۔۔ فَقَدْ كَمُلَتْ أَخْلَاقُهُ وَمَآرِبُهُ

يَعِيشُ الْفَتٰى فِي النَّاسِ بِالْعَقْلِ إِنَّهُ ۔۔۔ عَلَى الْعَقْلِ يَجْرِي عِلْمُهُ وَتَجَارِبُهُ

يَزِيدُ الْفَتٰى فِي النَّاسِ جَوْدَةُ عَقْلِهِ ۔۔۔ وَإِنْ كَانَ مَحْظُورًا عَلَيْهِ مَكَاسِبُهُ

(۱) بندے کیلئے اللہ تعالیٰ کی افضل ترین تقسیم اسے عقلمند بنا دینا ہے، کیونکہ دوسری کوئی بھلائی عقل کا مقابلہ نہیں کر سکتی، (۲) جب اللہ تعالیٰ بندے کی عقل کو کامل کر دے، تو خود بخود اسکے اخلاق ومقاصد بھی کامل ہو جاتے ہیں، (۳) نوجوان لوگوں کے درمیان اپنی عقل کے ساتھ ہی زندگی بسر کرتا ہے، کیونکہ عقل پر ہی اسکا علم اور تجربات جاری ہوتے ہیں، (۴) ایک نوجوان کی زرخیز عقل اسے لوگوں میں ممتاز بنا دیتی ہے، اگر چہ اسکے پاس مال ومتاع نام کی کوئی چیز نہ ہو)

○- ابن مبارك رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ انسان کو سب سے بہترین کیا چیز دی گئی ہے؟۔ فرمایا: عقل۔

پوچھا گیا کہ اگر وہ نہ ہو تو پھر؟۔

فرمایا: اچھا ادب۔

پوچھا گیا: اگر وہ بھی نہ ہو؟۔

فرمایا: نیک بھائی جس سے مشورہ لے سکے۔

پوچھا گیا: اگر کوئی نیک بھائی بھی نہ ملے؟

فرمایا: پھر لمبی خاموشی اختیار کرے۔

پوچھا گیا: اگر چپ بھی نہ رہ سکے۔

فرمایا: تو جلدی آنے والی موت اُس کے حق میں بہتر ہے۔

○- ابن عامر نے عطاء سے پوچھا: بندے کو سب سے بہترین عطیہ کیا ملا ہے؟ فرمایا:

" العَقْلُ عَنِ اللهِ "۔

ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنی رائے میں خوب احتیاط کرے اور اپنی خواہشات کو ٹالتا رہے، اور جب اس پر دو معاملے مشتبہ ہو جائیں تو جو اسکی خواہش کے زیادہ قریب ہو اُس سے اجتناب کرے کیونکہ خواہشات سے دوری سرائر (باطنی احوال) کی اصلاح کا باعث ہے اور عقل کے ذریعے ضمائر (خیالات) کی اصلاح ہوتی ہے۔ (روضۃ العقلاء (۱۶، ۱۸، ۱۹)

○- معاویہ ﷛ نے ایک معمر شخص سے پوچھا جو ایک زمانہ دیکھ چکا تھا: مجھے یہ بتلاؤ کہ تم نے اپنی زندگی میں سب سے بہترین چیز کونسی دیکھی ہے؟

اس نے کہا: تقویٰ اور آخرت کی طلب اور اسکے ساتھ ساتھ زرخیز عقل اور مروت۔

○- معاویہ بن قرہ فرماتے ہیں: بے شک لوگ نماز، روزہ اور حج کی پابندی تو کرتے ہیں لیکن قیامت کے دن انہیں انکی عقلوں کے مطابق ہی بدلہ دیا جائیگا۔ (انظر الروضۃ)

○- حسن بصری ؒ فرماتے ہیں: " طول الوحدۃ أتم للفکرۃ وطول الفکرۃ دلیل علی طریق الجنۃ "۔ (مفتاح دار السعادۃ ۱/۲۲۷)

(لمبا عرصہ تنہا رہنے سے فکر کامل ہوتی ہے، اور طویل فکر جنت کے رستے کی دلیل بن جاتی ہے)

○- وھبؒ کہتے ہیں: جب کبھی کسی انسان کی فکر طویل ہو جاتی ہے تو اسے حقیقی علم ملتا ہے اور جب کسی کو حقیقی علم مل جائے تو وہ عمل بھی کرتا ہے۔

○- عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی نعمتوں پر غور و فکر کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

○- بشر کہتے ہیں: " لو فکر الناس في عظمۃ اللہ ما عَصَوْہُ "

(اگر لوگ اللہ کی عظمت پر غور و فکر کریں تو کبھی اسکی نافرمانی نہ کریں)

○- ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو درمیانی رکعتیں جو غور و فکر اور حضورِ قلب کیساتھ ہوں، پوری رات کے ایسے قیام سے بہتر ہیں جو غافل دل کیساتھ ہو۔

○- ابو سلیمان کہتے ہیں: دنیا کے متعلق غور و فکر کرنا آخرت کا حجاب اور اہل ولایت

کیلئے ایک سزا ہے، اور آخرت کی فکر دلوں کے جلاء اور حکمت کا باعث ہے۔

○- حسن فرماتے ہیں: اہل علم ہمیشہ ذکر کیساتھ غور وفکر بھی کرتے تھے، اور اپنے دلوں کو بھی بولنے پر مجبور کرتے تھے حتی کہ دل بھی حکمت کیساتھ گویا ہو جائے۔

○- ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ الذُّنُوبَ تُمِيتُ الْقُلُوبَ وَقَدْ يُورِثُ الذُّلَّ إِدْمَانُهَا

(میں نے دیکھا ہے کہ گناہ دلوں کو مردہ کر دیتے ہیں اور گناہوں کی عادت اور ان پر دوام سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے)

وَتَرْكُ الذُّنُوبِ حَيٰوةُ الْقُلُوبِ وَخَيْرٌ لِنَفْسِكَ عِصْيَانُهَا

(اور گناہوں کا ترک کرنا دلوں کی زندگی ہے لہٰذا آپکے لیے بہتر ہے کہ گناہوں سے کنارہ کشی اختیار کریں)

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوكُ وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(اور دین کو بادشاہوں اور بُرے علماء اور پیروں کے سوا اور کسی نے نہیں بگاڑا) (کتاب الزہد ص (۶۹) فائدہ نمبر (۱۲) دیکھیں (ص (۱۵۲) پر)

○- حسن بصری سے مرفوعا روایت ہے: اللہ کی قسم! اللہ اپنے حبیب کو عذاب نہیں دیتا، لیکن بعض اوقات دنیا میں اُسے ضرور آزماتا ہے۔ (نفس المصدر)

إِذَا كُنْتَ فِيْ نِعْمَةٍ فَارْعَهَا فَإِنَّ الذُّنُوبَ تُزِيْلُ النِّعَم

وَحُطْهَا بِطَاعَةِ رَبِّ الْعِبَادِ فَرَبُّ الْعِبَادِ سَرِيْعُ النِّقَم

(الجواب الكافي) (اگر آپ نعمتوں میں ہیں تو انکا لحاظ کیجئے، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے نعمتوں پر زوال آ جاتا ہے اور رب العباد کی اطاعت کرنے سے نعمتیں اترتی ہے، اور جان لیجئے کہ رب العباد کی پکڑ بھی جلدی ہوا کرتی ہے)۔

○- سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ پہلے علماء کرام ایک دوسرے کی طرف یہ کلمات لکھا کرتے تھے: جس نے اپنے باطن کی اصلاح کی، اللہ اسکے ظاہر کی اصلاح فرمادیگا،

جس نے اپنے اور اللہ کے تعلق کو درست رکھا، اللہ اسکے اور لوگوں کے باہمی تعلق کو سنوار دیگا، جس نے آخرت کیلئے عمل کیا، اللہ تعالیٰ اُسے دنیاوی معاملات سے کافی ہو جائیگا۔

(کتاب الاخلاص لمحمد بن ابی الدنیا، کتاب الایمان لابن تیمیہ ص (۱۱)

○- وھب بن منبہ کہتے ہیں: حکماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خاموشی تمام حکمتوں کی بنیاد ہے۔ (الصمت لابن ابی الدنیا ص (۶۱۹) و جامع العلوم والحکم لابن رجب (۱/۳۴۰)

○- بعض علماء نے کہا: ہر مؤمن آزمائشوں پر تو صبر کرسکتا ہے لیکن عافیت پر صبر کرنا صرف صدیق کا کام ہے۔

○-عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " الغیبة مرعی اللئام "۔

(غیبت کمینوں کی چراگاہ ہے)

○- ابو عاصم النبیل فرماتے ہیں: لوگوں کی ناپسندیدہ باتوں کا تذکرہ وہی لوگ کرتے ہیں جو گھٹیا اور بے دین ہوں۔ (الآداب الشرعیہ ۱/۹۰۸)

○- ابن جوزی فرماتے ہیں: " الرجل كل الرجل من يصبر على العافية "

(باکمال آدمی تو وہ ہے جو عافیت پر صبر کرے)

○- ابو الحسن طاهر بن مفرز الأندلسی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک دین کا خلاصہ نبی کریم ﷺ کی چار باتیں ہیں:

۱-شبہات سے بچ جاؤ۔

۲-دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو۔

۳-لایعنی باتوں کو ترک کردو۔

۴-ہر عمل اخلاصِ نیت کیساتھ سرانجام دو۔ (جامع العلوم والحکم ۱/۱۵)

○- عیسی علیہ السلام کا فرمان ہے: احسان یہ ہے کہ تم اُس شخص کیساتھ بھی اچھا سلوک کرو جو تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرتا ہے۔ (الزہد ص ۴۷)

○- ایک خاتون نے عیسی علیہ السلام سے کہا: خوشخبری اور کامیابی ہے اُس چھاتی کیلئے

جس نے تجھے دودھ پلایا، اور اس پیٹ کیلئے جس نے تجھے اٹھایا، تو عیسی علیہ السلام نے فرمایا: کامیابی کی نوید تو اسکے لیے ہے جس نے کتاب اللہ کو پڑھا اور پھر اسکی پیروی کی۔
(الزہد ص ۷۵)

O- اللہ تعالی نے عیسی علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ بے شک اللہ کے نزدیک محبوب اور پاکیزہ ترین عمل یہ ہے کہ مساکین سے محبت اور مہربانی کا رویہ برتا جائے۔ (الزہد ص ۷۵)

O- عیسی علیہ السلام نے فرمایا: اے حواریوں کی جماعت: کیا تم میں سے کوئی سمندر کی موجوں پر گھر بنا سکتا ہے، اگر نہیں تو پھر دنیا کو بھی جائے قرار نہ سمجھو۔

O- یحیی فرماتے ہیں: جب علم پر عمل نہ کیا جائے تو اُسکی کثرت انسان کو تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے، اور جسقدر علم بڑھتا ہے اتنا ہی تکبر بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

O- عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں: زمانہ تین دنوں پر گھوم رہا ہے۔ گذشتہ کل کے ذریعے آپکو نصیحت کی گئی، آجکا دن آپکا زادِ راہ ہے، اور آئندہ کل کی آپکو خبر نہیں کہ اُس میں آپکے لیے کیا ہے۔

O- عیسی علیہ السلام نے فرمایا: جس نے علم حاصل کیا، پھر عمل کیا اور لوگوں کو تعلیم دی تو اُسے ملکوت السماء میں عظیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

O- عیسی علیہ السلام سے سوال ہوا کہ انسان حقیقی متقی کب بنتا ہے؟
فرمایا: تھوڑا سا کام کرنے سے۔ دل کی گہرائیوں سے اللہ کیساتھ محبت کرو، بقدر استطاعت اسکے لیے عمل کرو، بنی نوع انسان پر رحم کرو، جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے، وہ اپنے بھائی کیلئے بھی پسند نہ کرو، تو تم حقیقی متقی بن جاؤ گے۔ (الزھد ص ۷۷)

O- عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں: میں تم سے حق کہہ رہا ہوں کہ تم میں جو شخص سب سے زیادہ دنیا سے محبت کرتا ہے وہی مصیبت کے وقت زیادہ جزع فزع بھی کرتا ہے۔
(الزہد ص ۷۸)

O- جب خَضِر علیہ السلام کی ملاقات موسی علیہ السلام سے ہوئی تو اُنہوں نے کہا:

اے موسیٰ بن عمران! الجاجت سے بچو، بغیر ضرورت کے مت چلو، عجیب ترین بات کے سوا کسی بات پر نہ ہنسو، اپنے گھر کو لازم پکڑو، اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔ (الزہد ص ۷۹)

○- اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: دنیا سے بے رغبتی سے بڑھ کر میرے بندوں نے میرے لیے کوئی زینت اختیار نہیں کی۔ (الزہد ص ۸۳)

○- موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے رب! مجھ پر کوئی ایسی محکم آیت نازل فرما جسے اپنا کر میں تیرے بندوں میں چلوں، تو اللہ تعالیٰ نے انکی طرف وحی فرمائی: جاؤ، اور جو سلوک تم اپنے ساتھ پسند کرتے ہو وہی دوسروں کیساتھ کرو۔ (الزہد ص ۸۵)

○- ابو الجلد کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: الٰہی! میں تیرا شکر کیسے ادا کروں جبکہ تیری چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا مقابلہ بھی میرے تمام اعمال نہیں کر سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اب تم نے میرا حق ادا کیا ہے۔ (الزہد ۸۵)

○- سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ اور یحییٰ علیہ السلام جب کسی بستی میں جاتے تو عیسیٰ علیہ السلام بُرے لوگوں کا پتہ کرتے اور یحییٰ علیہ السلام اچھے لوگوں کی خبر لیتے، جب عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ بُرے لوگوں کا پتہ کیوں لیتے ہیں؟ تو فرمایا: میں معالج ہوں لہٰذا بیماروں کو ہی دوا دونگا۔ الزہد ص ۸۷

○- کعب احبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ علم حاصل کرو اور دوسروں کو تعلیم دو، یقیناً میں خیر کی تعلیم حاصل کرنے اور دوسروں کو سکھانے والے کی قبر کو منور کر دونگا تا کہ ان پاکیزہ طینت لوگوں کو قبر میں وحشت نہ ہو۔ (الزہد ص ۸۶)

○- قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! تو نے سب سے کم کونسی چیز زمین پر رکھی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عدل وانصاف ہی وہ چیز ہے جو میں نے زمین پر سب سے کم رکھی ہے۔ (۸۶)

○- ”ماشاء اللہ“ ایسا کلمہ ہے جو حاجات کو پورا کرتا اور دعاؤں کو مستجاب بنا دیتا ہے۔

(الزہد ص ۸۶)

○-موسی علیہ السلام نے اپنی ہجرت کے دوران اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے میرے رب! مجھے وصیت کیجئے۔ فرمایا: میرے بالمقابل کسی اور کو مجھ پر ترجیح نہ دینا، کیونکہ ایسا کرنے والے کو نہ تو میں پاک کرتا ہوں اور نہ اُس پر رحم کرتا ہوں۔ (الزہد ص ۸۷)

○- داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! میں تیرا شکر کیونکر ادا کر سکتا ہوں جبکہ شکر کی توفیق دینا بھی تیری نعمت ہے! تو فرمایا: اب تم نے مجھے پہچاننے کا حق ادا کر دیا ہے۔ ص (۸۹)

○-داؤد علیہ السلام نے عرض کی: الٰہی! جو صرف تیری رضا جوئی کیلئے کسی غمگین سے تعزیت کرے اُسکا کیا بدلہ ہے؟ فرمایا: اسکا بدلہ یہ ہے کہ میں اُسے تقویٰ کا لباس پہنا دونگا۔ ص (۸۹)

○- خالد بن ثابت الربعی فرماتے ہیں کہ زبور کی فاتحہ یہ ہے: "راس الحکمۃ مخافۃ اللہ"۔ (حکمت کی بنیاد اللہ کی خشیت ہے) ص (۹۲)

○- موسی علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: شکستہ دل لوگوں کے پاس، کیونکہ میں ہر روز ایک بانہہ انکے قریب ہوتا ہوں، اگر ایسا نہ ہو تو وہ ٹوٹ کر رہ جائیں ص (۹۵)

○- ھشام دستوائی فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پُر حکمت باتوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تم دنیا کیلئے عمل کرتے ہو حالانکہ تمہیں بغیر عمل کے دنیا میں رزق ملتا ہے، اور تم آخرت کیلئے عمل نہیں کرتے، حالانکہ آخرت میں تو صرف عمل کی بنیاد پر رزق ملے گا۔

پھر فرمایا: ایسا شخص اہل علم میں کیونکر شمار ہو سکتا ہے جسکے نزدیک دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ترجیح حاصل ہو، جو دنیا کی زیادہ رغبت رکھتا ہو، آخرت کے راستے میں بھی دنیا کا متلاشی ہو، نقصان دہ چیز اُسے مفید چیز کے مقابلے میں زیادہ پسند ہو۔؟

ایسے شخص کو علماء میں کیسے شمار کیا جائے کہ اگر اسکی بات درست مان لی جائے تو اللہ پر الزام آتا ہو، ایسا شخص جو لوگوں کیساتھ بحث مباحثہ کرنے کیلئے کلام سیکھتا ہے۔

○-ابوذر غفاری ﷛ فرماتے ہیں: مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کی

وصیت فرمائی: یہ کہ میں دنیاوی اعتبار سے اپنے سے کمتر کو دیکھوں برتر کو نہ دیکھوں، مسکینوں سے محبت کروں اور انکے قریب رہوں، حق بات کہوں اگر چہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو، کسی سے سوال نہ کروں، صلہ رحمی کروں اگر چہ میرے ساتھ تعلق توڑا جائے، اللہ کے دین کے حوالے سے کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لاؤں، اور اکثر اوقات یہ کلمہ میری زبان پر ہو، لاحول ولا قوة الا باللہ "(الزہد (۹۷، ۹۸)

- ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: غرباء اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ لوگ ہیں۔ پوچھا گیا: غرباء کون ہیں؟ فرمایا: " الفرارون بدینهم "۔غرباء (اجنبی) وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کو بچانے کیلئے فرار اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں کو قیامت کے دن عیسی علیہ السلام کیساتھ جمع کیا جائیگا۔ص (۹۸)

- داؤد علیہ السلام کی دُعاؤں میں سے یہ دُعا بھی تھی: " سبحان مستخرج الشكر بالعطاء ومستخرج الدعاء بالبلاء "(الزہد ص ۹۸)

(سبحان اسکی قدرت جو اپنی نوازشات دیکر شکر کی توفیق بھی دیتا ہے، اور مصائب وآزمائشوں کے موقع پر دُعاؤں اور التجاؤں کا موقع بھی مہیا کرتا ہے)

- اوزاعیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا: اے داؤد! کیا میں تمہیں دو ایسے عمل نہ سکھلاؤں جنکے ذریعے تم لوگوں کو بھی اپنا گرویدہ کرلو گے اور میری رضا بھی پالو گے؟ عرض کی: جی ہاں، اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
تو پھر اپنے اور میرے درمیان ورع اور تقویٰ کو مضبوط کرو، اور لوگوں کیساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ص (۹۹)

- وہبؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آسمانوں اور زمین میں اتنی گنجائش یا وسعت نہیں کہ میں ان میں سما سکوں، البتہ مؤمن کا نرم و نازک، ورع اور تقویٰ والا دل یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ مجھے خود میں سمیٹ لے۔ص (۱۰۳)

(اس سے مراد یہ نہیں کہ اللہ کی ذات مؤمن کے دل میں سما جاتی ہے، بلکہ اس سے مراد

اللہ کی محبت چاہت، دین حق جسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے یہ معنوی چیزیں مؤمن کے دل میں اتر جاتی ہیں اور اسکے دل کو روشن کر دیتی ہیں۔ صوفیاء کا نظریہ حلول اور وحدت الوجود غلط اور اہل سنت کے خلاف ہے۔ (مترجم)

○- **ولید بن عمروؒ** کہتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تورات میں لکھا ہے: اے ابن آدم! اپنے ہاتھوں کو حرکت دے، میں تیرے لیے اپنے رزق کا دروازہ کھول دونگا، اور میں جو حکم دوں اسکی پیروی کر، مجھے یہ نہ بتا کہ تیرے لیے بہتر کیا ہے۔ (الزہد ص (۱۰۷)

○- **وھبؒ** کہتے ہیں: تورات میں لکھا ہے کہ جو شخص کسی مالدار کے سامنے جھک گیا، اسکا دو تہائی دین برباد ہو گیا۔ (الزہد ص (۱۰۸)

○- **ربیع بن خیثمؒ** فرماتے ہیں: **"تفقه ثم اعتزل"**۔ (الزہد ص (۱۰۸)

فقاہت حاصل کرو، اور پھر لوگوں سے الگ ہو جاؤ۔

○- **عمار بن یاسر** رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے پروردگار! مجھے ایسے شخص کے بارے میں بتلایئے جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے! پوچھا: کیوں؟ عرض کی: تاکہ میں بھی اُس سے محبت کروں۔ فرمایا:

ایسا بندہ جو زمین کے کسی کنارے میں جا بستا ہے، لوگوں میں غیر معروف ہے لیکن اگر اُسے کوئی مصیبت پہنچے تو گویا اللہ کو پہنچی، اور اسے کوئی کانٹا بھی چبھے تو گویا اللہ کو چبھا۔ اس شخص سے اگر کوئی محبت کرے تو صرف میری خاطر کرتا ہے، یہ بندہ مجھے ساری مخلوق سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! تو اپنی ہی مخلوق کو جہنم کی آگ میں کیوں جھونکے گا؟

فرمایا: سب میری مخلوق ہیں، پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم کھیتی اُگاؤ، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی اُگائی، اُسے پانی دیا، خیال رکھا اور جب پک گئی تو اسے کاٹ ڈالا، پھر دانے الگ کر لیے، تو رب العزت نے سوال کیا: اے موسیٰ! تمہاری کھیتی کا کیا بنا؟ تو موسیٰ

علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے کار آمد چیز الگ کر کے باقی کو چھوڑ دیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا: میں بھی ایسے ہی لوگوں کو عذاب دونگا جن میں کوئی خیر نہیں۔ (الزہد ص ۱۱۱)

○- داؤد علیہ السلام کہا کرتے تھے: اے میرے رب ! مجھے عافیت اور صحت دیکر پھر فتنے میں جتلا نہ کر دینا کہ میں اپنی زندگی پر اتراؤں اور تیری نعمتوں کا انکار کروں۔ (الزہد ص ۱۱۱)

○- عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے دنیا کے غلامو! صدقہ خیرات کے بجائے مظلوموں پر رحم کرو۔ (الزہد ص ۱۱۱۵)

○- اور فرمایا: اُس شخص کیلئے خوشخبری ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب کا علم دیا اور پھر وہ جبار بنکر نہ مرا۔ (الزہد ص ۱۱۶)

○- اور فرمایا: دنیا کی محبت گناہوں کی جڑ ہے، اور عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں اور شراب ہر برائی کی چابی ہے۔ ص (۱۱۷)

○- اسی طرح فرمایا: دنیا کی محبت ہر برائی کی اصل ہے، اور مال میں بہت زیادہ بیماریاں ہیں۔ لوگوں نے پوچھا: کیا بیماری ہے؟

فرمایا: مالدار انسان فخر اور غرور سے نہیں بچ سکتا۔

لوگوں نے عرض کیا: اگر بچ جائے تو؟

فرمایا: اگر فخر و غرور سے بچ جائے تب بھی مال کی اصلاح اور دیکھ بھال اُسے اللہ کے ذکر سے مشغول ضرور کر یگی۔

○- اور فرمایا: میں تمہارے سامنے حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ بیشک آسمان کے اطراف و جوانب مالداروں سے خالی ہیں، اور کسی اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا یہ کسی مالدار کے جنت میں داخل ہو جانے سے زیادہ آسان ہے۔ (۱)

---

(۱) اس جیسی تشبیہ کو تعلیق بالمحال کہا جاتا ہے اور یہ نا ممکنات کیلئے مستعمل ہے اور مالدار کا جنت میں داخلہ ممکنات میں سے ہے، صحابہ میں عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف انتہائی مالدار تھے لیکن قطعی طور پر جنتی ہیں۔ لہٰذا یہ

○- اور آپ علیہ السلام نے قراء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے زمین کا نمک! تم بگاڑ کا شکار مت ہونا، کیونکہ جب کوئی چیز بگڑ جائے تو نمک اسکی اصلاح کرتا ہے، اور جب نمک ہی بگڑ جائے تو اسکی اصلاح کوئی چیز نہیں کر سکتی۔ (الزہد ص: ۱۱۷)

○- عیسی علیہ السلام نے فرمایا: اے حواریوں کی جماعت! خنزیر کے سامنے موتی مت پھینکنا، کیونکہ خنزیر کو موتی کا کیا فائدہ؟ اسی طرح جو شخص حکمت کا طلبگار نہیں، اُسے حکمت مت سکھانا، کیونکہ حکمت موتیوں سے بہتر اور جو حکمت کی چاہت نہیں رکھتا، خنزیر سے بدتر ہے۔ (الزہد ص ۱۱۸)

اور فرمایا: میں تمہارے سامنے اس لیے بیان کرتا ہوں کہ تم سیکھو، اس لیے نہیں کہ "واہ، واہ" کرو۔ (الزہد/۱۱۹)

○- اور فرمایا: دنیا کی مٹھاس آخرت کی کڑواہٹ ہے، اور دنیا کی تلخی آخرت کی شیرینی، اللہ کے خاص بندے کبھی عیش وعشرت میں منہمک نہیں ہوتے۔ اور میں تم سے حق کہتا ہوں کہ تم میں عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ بدترین وہ عالم ہے جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہے اور اُسے اپنے عمل پر ترجیح دیتا ہے۔ (الزہد/۱۱۹)

○- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہمارے کونسے ہم نشین بہترین ہیں؟

فرمایا: "من ذكركم الله رؤيته، وزاد في علمكم منطقه، وذكركم بالآخرة عمله" ۔(اخرجه ابويعلى، المجمع (۱۰/۲۲۶)، المطالب العالية رقم (۲۷۷۲) (۳۳۳۳) والحديث صحيح)

(تمہارے بہترین ہمنشین وہ ہیں جنہیں دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے، بولنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو، اور جنکا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلا دے)

مبالغہ ہے اس قول کی نسبت عیسی علیہ السلام کی طرف نہ کی جائے تو بہتر ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مال انسان کے ہاتھ میں ہو تو بہترین نعمت اور دل میں جاگزین ہو تو برائیوں کا سرچشمہ، خادم ہو تو عزیز اور مخدوم بن جائے تو ذلیل۔ (مترجم) (مگر اس سے گمراہ اور غلط قسم کے مالدار لوگ مراد ہیں۔ ابوزبیر)

○- عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: دنیا کی طلب میں اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو، بلکہ دنیا کو ترک کر کے اپنی جان بچاؤ۔ (الزہد/۱۲۰)

○-لقمان حکیمؒ کا کہنا ہے کہ والد کا اپنی اولاد کو تربیت کیلئے مارنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کھیتی کیلئے پانی ضروری ہے۔ (الزہد/۱۲۳)

○- وھب بن منبہؒ کہتے ہیں: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اپنے بندے کیلئے کافی ہو جاتا ہوں، جب کوئی بندہ میری اطاعت گذاری کرتا ہے تو میں اُسے مانگنے سے پہلے عطا کرتا ہوں، سوال سے پہلے قبولیت سے نوازتا ہوں، اور میں اُس سے زیادہ اسکے لیے موزوں چیز سے واقف ہوں۔

○-وھبؒ سے روایت ہے کہ ایک راہب نے ایک آدمی سے کہا: میرے خیال میں کوئی بھی ایسا نہ ہوگا کہ جو جنت اور جہنم کے بارے میں سن لے اور پھر ہر وقت نماز میں مصروف نہ رہے۔

اُس شخص نے کہا: میں تو اپنی نماز میں اسقدر روتا ہوں کہ میرے آنسوؤں سے کھیتی اُگ پڑتی ہے۔

راہب نے کہا: اگر تم اپنی خطاؤں کا اعتراف کرو اور ہنسو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم آنسو بہاؤ اور اپنے اعمال جتلاؤ، کیونکہ جتلانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

اس شخص نے کہا: مجھے وصیت کیجئے۔

تو راہب نے کہا: دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو، دنیا پر کبھی جھگڑا مت کرو، اور اس شہد کی مکھی کی طرح بن جاؤ جو پاکیزہ چیز کھاتی اور پاکیزہ ہی خارج کرتی ہے، کسی شاخ پر بیٹھے تو اسے نہ نقصان پہنچاتی ہے اور نہ توڑتی ہے، اور میں تجھے اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے خیر خواہ بن جاؤ، اُس کتے کی طرح جو اپنے مالکوں کی خیر خواہی کرتا ہے۔ وہ اُسے بھوکا رکھتے اور دھتکارتے ہیں جبکہ یہ انکی حفاظت اور خیر خواہی کرتا ہے۔ (الزہد/۱۲۲)

○- عَقِیل بن مُدْرِك کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی

کی طرف وحی فرمائی: اپنی قوم سے کہو! میرے دشمنوں کا کھانا نہ کھائیں، مشروب نہ پئیں، اور میرے دشمنوں جیسی شکل وصورت نہ بنائیں ورنہ یہ بھی انکی طرح میرے دشمن بن جائیں گے۔(الزہد/۱۲۸)

○- مالك بن دينار کہتے ہیں: بنی اسرائیل کے ایک عالم کے پاس مرد اور عورتیں آتے تھے اور اس سے وعظ ونصیحت سنا کرتے تھے، اسکا ایک بیٹا بھی تھا جو عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا تھا، تو اُس عالم نے اپنے بیٹے سے کہا: ٹھہر جاؤ اے بیٹا! ٹھہر جاؤ اے بیٹا! تو وہ بیٹا اپنی چارپائی سے گر گیا، کھوپڑی کا پٹھا ٹوٹ گیا اور وہ مر گیا، اُس عالم کی حاملہ بیوی کا حمل بھی گر گیا، اور اسکے باقی بیٹے بھی لشکر میں قتل ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے انکے نبی (علیہ السلام) کی طرح وحی کی کہ اس عالم سے کہو: بے شک میں تمہاری پشت میں کبھی کوئی صدیق پیدا نہیں کرونگا۔ میری خاطر تمہارا غصہ صرف یہی تھا کہ تم نے اپنے بیٹے کو کہا: ٹھہر جا۔(الزہد/۱۲۹)

○- لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! یہ دنیا ایک گہرا سمندر ہے، اس میں بہت سے لوگ غرق ہو چکے ہیں لہٰذا تم تقویٰ کو اپنی کشتی بناؤ، اور اسے ایمان سے بھر لو، پھر توکل کا بادبان لگاؤ تو شاید بچ جاؤ، ورنہ میرا خیال نہیں کہ بچ پاؤ گے۔(الزہد/۱۳۰)

○- اور فرمایا: میں نے بڑے بڑے چٹان نما پتھر اور وزنی لوہا اٹھایا ہے لیکن برے پڑوسی سے بھاری کسی چیز کو نہیں پایا۔ (الزہد/۱۳۰)

○- لقمان حکیم سے پوچھا گیا: آپکی حکمت کیا ہے؟

فرمایا: جو چیز میں خود کر سکوں اُسکا سوال نہیں کرتا، اور بے مقصد چیزوں کے تکلف میں نہیں پڑتا۔

○- ابو حبیب کہتے ہیں: سائل کی بات خاموشی سے سنو یہانتک کہ وہ اپنی بات مکمل کر لے، اور پھر مہربانی کیساتھ اُسے جواب دو، یتیم کیلئے مشفق باپ اور مظلوم کیلئے مددگار بنو، پھر ممکن ہے کہ تم زمین پر اللہ کے خلیفہ بن سکو۔(۱۳۱)

○- لقمان نے فرمایا: خاموشی حکمت ہے لیکن اس پر عمل پیرا ہونے والے بہت کم ہیں۔

○- عروہ فرماتے ہیں:" لا تخن الخائن، خیانته تکفیه "
(کسی خائن کیساتھ خیانت مت کرو، اُسکی خیانت ہی اُسے کافی ہے۔)
(تدبر کرنیوالے کیلیئے یہ بہت عجیب بات ہے)

○- یزید بن میسرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے وہ نوجوان جس نے اپنی شہوات کو میرے لیے چھوڑ دیا، اپنی جوانی کو میری راہ میں کھپا دیا! میرے ہاں تیرا مقام بعض فرشتوں جیسا ہے۔(۱۳۲)

○- قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تورات میں یہ بات لکھی ہے: اے ابن آدم ! تو زبان سے تو مجھے یاد کرتا ہے لیکن عملی طور پر فراموش کر دیتا ہے، دوسروں کو میری طرف بلاتا ہے لیکن خود مجھ سے بھاگتا ہے، میں تجھے رزق دیتا ہوں لیکن عبادت غیروں کی کرتا ہے۔(۱۳۲)

○- ابوبکر صدیق ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کیلیئے آنسو بہاؤ، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرو اور رونی صورت بنالو۔(الزہد ص ۱۳۵)

اور فرمایا:" وددت أني شعرة في جنب مؤمن "۔
(میری یہ خواہش ہے کہ کاش میں مؤمن کے پہلو میں اُگا ایک بال ہوتا)

○- اسلم کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ اپنی زبان کو پکڑ کر فرما رہے ہیں کہ یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے مشکل گھاٹیوں پر لا کھڑا کیا۔ (الزہد/۱۳۶

○- اور فرمایا: جو جانور بھی شکار کیا جاتا ہے، یا جو درخت بھی کاٹ دیا جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے تسبیح میں کوتاہی کی ہوتی ہے۔(۱۳۶)

○- قاسم فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنکے عیوب کا تذکرہ نہیں کیا جاتا الزہد(۱۳۹)

○- ابو السفر کہتے ہیں کہ ایک دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مریض ہو گئے تو لوگوں

نے عرض کی: کیوں نہ ہم آپکے لیے کسی طبیب کو بلا لائیں؟

فرمایا: طبیب نے تو مجھے دیکھا ہے۔

لوگوں نے کہا: پھر طبیب نے آپکو کیا کہا؟

فرمایا: اُس نے کہا: "اِنِّیْ فَعَّالٌ لِمَا اُرِیْدُ" (میں جو چاہوں وہی کرنے والا ہوں۔ الزہد (۱۴۰)

○- ابوبکر صدیق ﷜ اکثر یہ شعر دہرایا کرتے تھے:

لا تَزَالُ تَنْعٰی مَیِّتًا حَتّٰی تَکُوْنَهٗ وَقَدْ یَرْجِی الْفَتٰی الرَّجَا یَمُوْتُ دُوْنَهٗ

(ہمیشہ دوسروں کی موت کی خبر دیتے ہو، یہانتک کہ تم بھی میت ہو جاؤ گے، بعض اوقات ایک نوجوان کچھ امیدیں رکھتا ہے لیکن اُنکے بَر آنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔)

○- امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے مرض الموت میں یہ اشعار پڑھے:

وَلَمَّا قَسَا قَلْبِيْ وَضَاقَتْ مَذَاهِبِيْ جَعَلْتُ الرَّجَاءَ مِنْكَ لِعَفْوِكَ سُلَّمًا

(اور جب میرا دل سخت ہو گیا اور راستے تنگ پڑ گئے تو میں نے تیرے عفو تک پہنچنے کیلئے اپنی امیدوں کو سیڑھی بنالیا)

فَإِنْ تَعْفُ عَنِّيْ تَعْفُ عَنْ ذِيْ إِسَاءَةٍ ظَلُوْمٍ غَشُوْمٍ قَاسِيِ الْقَلْبِ مُجْرِمَا

(اگر تو مجھ سے درگذر کرے تو ایک گناہ گار، بہت بڑے ظالم، سخت دل مجرم سے درگذر کریگا)

وَإِنْ تَنْتَقِمْ مِنِّيْ فَلَسْتُ بِآيِسٍ وَلَوْ دَخَلَتْ رُوْحِيْ بِجُرْمِيْ جَهَنَّمَا

اور اگر تو مجھ سے انتقام لے تب بھی میں تیری رحمت سے نا اُمید ہونے والا نہیں، اگر چہ میری روح میرے جرائم کی وجہ سے جہنم میں داخل کیوں نہ ہو جائے۔

تَعَاظَمَنِيْ ذَنْبِيْ فَلَمَّا قَرَنْتُهٗ بِعَفْوِكَ رَبِّيْ كَانَ عَفْوُكَ أَعْظَمَا

(میرے گناہ تو بہت بڑے محسوس ہوتے ہیں، لیکن جب میں تیرے عفو کیساتھ انکا موازنہ کرتا ہوں تو تیرا عفو عظیم تر نظر آتا ہے)

فَمَا زِلْتَ ذَا عَفْوٍ عَنِ الذَّنْبِ لَمْ تَزَلْ تَجُوْدُ وَتَعْفُوْ مِنَّةً وَتَكَرُّمَا

(تو ہمیشہ ہی گناہوں کو معاف کرتا رہا ہے، تیری سخاوت ہمیشہ سے جاری ہے تو اپنے بندوں پر لطف و کرم اور احسان کرتے ہوئے ہمیشہ انہیں معاف کر دیتا ہے)

فَلَوْلَاكَ لَمْ يَصْمُدْ لِإِبْلِيْسَ عَابِدٌ فَكَيْفَ وَقَدْ أَغْوَىٰ صَفِيَّكَ آدَمَا

(اگر تیری مدد شاملِ حال نہ ہو تو کوئی بھی ابلیس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اور کیونکر کریگا کہ ابلیس نے تو تیرے چنیدہ بندے آدم کو بھی بہکا دیا تھا)

فَلِلّٰهِ دَرُّ الْعَارِفِ النَّدِبِ إِنَّهُ تَفِيْضُ لِفَرْطِ الْوَجْدِ أَجْفَانُهُ دَمَا

(اُس عقلمند عارف کے کیا کہنے کہ فرطِ وجد کی وجہ سے جسکے پورے خون بہاتے ہیں)

يُقِيْمُ إِذَا مَا اللَّيْلُ مَدَّ ظَلَامَهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِنْ شِدَّةِ الْخَوْفِ مَأْتَمَا

(جب رات اپنے سائے پھیلا دیتی ہے تو وہ شدتِ خوف کی بناء پر ماتم قائم کرتا ہے)

فَصِيْحًا إِذَا مَا كَانَ فِيْ ذِكْرِ رَبِّهِ وَفِيْ مَا سِوَاهُ فِي الْوَرَىٰ كَانَ أَعْجَمَا

(اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے تو بڑا فصیح ہے، لیکن لوگوں کا تذکرہ کرنے میں گویا کہ گونگا ہے)

وَيَذْكُرُ أَيَّامًا مَضَتْ مِنْ شَبَابِهِ أَخَا الشُّهْدِ وَالنَّجْوَىٰ إِذَا اللَّيْلُ أَظْلَمَا

(اپنی جوانی کے گذرے دنوں کو یاد کرتا ہے، جب رات سیاہ ہو جاتی تو یہ مشاہدے اور سرگوشی کرنے والا ہوتا ہے)

فَصَارَ قَرِيْنَ الْهَمِّ طُوْلَ نَهَارِهِ وَمَا كَانَ فِيْهَا بِالْجَهَالَةِ أَجْرَمَا

(اور جوانی میں جہالت کی بناء پر کیے ہوئے جرائم کو بھی یاد کرتا ہے اور پورا دن اُسے یہی فکر کھائے جاتی ہے)

يَقُوْلُ: حَبِيْبِيْ! أَنْتَ سُؤْلِيْ وَبُغْيَتِيْ كَفَىٰ بِكَ لِلرَّاجِيْنَ سُؤْلًا وَمَغْنَمَا

(کہتا ہے: اے میرے حبیب! میں تیرے ہی در کا سوالی ہوں اور تیرا ہی طلبگار ہوں، اپنے امیدواروں اور بھکاریوں کی جھولیاں بھرنے کیلئے تو کافی ہے)

أَلَسْتَ الَّذِيْ غَذَّيْتَنِيْ وَهَدَيْتَنِيْ! وَلَا زِلْتَ مَنَّانًا عَلَيَّ وَمُنْعِمَا

(اور کہتا ہے) کیا تو وہ ہی ذات نہیں جس نے مجھے غذا مہیا کی اور ہدایت بھی دی، اور ہمیشہ میرا محسن و منعم رہا)

عَسٰى مَنْ لَهُ الْإِحْسَانُ يَغْفِرُ زَلَّتِي وَيَسْتُرُ أَوْزَارِي وَمَا قَدْ تَقَدَّمَا

(امید ہے کہ وہ ذات جو سراپا احسان ہے، میری کوتاہیوں کو بخش دے، میرے گناہوں کو ڈھانپ لے اور جو کچھ مجھ سے صادر ہو چکا اُسے معاف فرما دے)

یہ انتہائی مفید اشعار ہیں جو امام شافعی کی معرفت باللہ پر دلالت کرتے ہیں۔

(انظر دیوان الشافعی رحمہ اللہ)۔

○- حسن بصری فرماتے ہیں: " لا يجعل الله عبداً أسرع إليه كعبد أبطأ عنه "۔ (الزہد/۱۴۲)

(اللہ تعالیٰ اپنی راہ تیز گام چلنے والے بندے کو انجام کے اعتبار سے اُس بندے کی طرح نہیں بناتا جو تاخیر و غفلت کا شکار ہو)۔

○- عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سنا، وہ دعا کر رہا تھا: " اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْأَقَلِّيْنَ "

(اے اللہ! مجھے کم لوگوں میں شامل فرما)

تو عمر رضی اللہ عنہ نے اُس سے پوچھا: یہ کم لوگ کون ہیں؟ اُس شخص نے کہا: میں نے اللہ کا یہ فرمان سنا ہے " وَقَلِيْلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ " (میرے شکر گذار بندے تو بہت کم ہیں)

اور " وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيْلٌ "۔ (اور اسکے ساتھ بہت کم لوگ ایمان لائے)

تو اُس شخص کی یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " كل أحد أفقه من عمر "

(ہر شخص ہی عمر سے زیادہ سمجھدار ہے) (الزہد/۱۴۲)

○- حدیث میں آتا ہے کہ یقین کی کمزوری میں یہ بات بھی شامل ہے کہ تم اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی کرو، اور اللہ کی عنایات کے بدلے لوگوں کی تعریف کرو۔

(مدارج السالکین)

○- عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: " إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

اسْتَقَامُوا ﴾۔(حم السجدة/۳۰)

(یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر استقامت اختیار کی)

فرمایا: اللہ کی قسم استقامت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر جم گئے اور لومڑیوں کی طرح دائیں بائیں چھلانگیں نہ مارتے رہے۔(۱۴۴)

○- اور فرمایا: اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو میں اللہ سے ملاقات کی تمنا کرتا: ایک تو یہ کہ میں اپنی پیشانی اللہ کے سامنے سجدہ ریز کرتا ہوں، دوسرا یہ کہ ایسی مجالس میں بیٹھا ہوں جن میں پاکیزہ کلام ایسے ہی چنا جاتا ہے جیسے عمدہ پھلوں کو الگ کیا جاتا ہے، تیسرا یہ کہ میں اللہ کے راستے میں چلتا ہوں۔(ز: ۱۴۶)

○- اور فرمایا: یہ بات جان لو کہ طمع رکھنا فقیر اور مایوس ہو جانا غناء ہے۔

جب کوئی آدمی کسی چیز سے مایوس ہو جائے تو اُس سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔(ز:۱۴۶)

○- اور فرمایا: بے جا طور پر منہ پر تعریف کرنا ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

○-اور فرمایا: اچھی تعریف عابدین کیلئے غنیمت ہے۔(ز: ۱۴۷)

اور عمر ﷺ ابوموسیٰ اشعری سے کہا کرتے کہ ہمیں ہمارے رب کی طرف شوق دلاؤ! اور وہ قراءت کرتے۔ (ز:۱۴۸)

○- اسی طرح بعض اوقات عمر ﷺ اپنے وظیفے کے دوران کسی آیت پر گذرتے تو اُسکا اتنا اثر ہوتا کہ انکا گلا گھٹ جاتا اور لوگ کئی دن تک عمر رضی اللہ عنہ کو بیمار سمجھتے ہوئے عیادت کرتے۔(ز:۱۴۹)

○-اور فرمایا :" حاسبوا أنفسكم قبل أن تحاسبوا، وزنوا أنفسكم قبل أن توزنوا، فإن أهون عليكم في الحساب غداً أن تحاسبوا أنفسكم، وتزينوا للعرض الأكبر يوم تعرضون لا تخفى منكم خافية "۔

(اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور اپنے نفسوں کا وزن کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا وزن کیا جائے، کیونکہ تمہارا اپنے نفسوں سے محاسبہ کرنا اگلے دن

حساب کرنے کیلئے آسان وہ ثابت ہوگا۔ اور اس دن کی بڑی پیشی کیلئے زیب وزینت اختیار کرلو کہ جس دن تم پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی چیز بھی مخفی نہ رہ سکے گی) ز(۱۴۹)

o- اور فرمایا: اللہ کو کثرت کیساتھ یاد کرو کیونکہ یہ شفاء ہے اور لوگوں کے تذکرے سے بچو کیونکہ یہ بیماری ہے۔(ز: ۱۵۱)

o- اور فرمایا: اگر میں دن میں سوتا ہوں تو رعایا تباہ ہو جائیگی اور اگر رات کو نیند کروں تو خود کو ضائع کرونگا، پھر آخر نیند کیسے پوری ہو؟ ز(۱۵۲)

o-اور فرمایا: کسی شخص کے اسراف کیلئے یہی کافی ہے کہ اُسے جس چیز کی جب خواہش ہو، کھالے۔(۱۵۲)

o-۔ اور فرمایا: إن الدين ليس بالطنطنة من آخر الليل، ولكن الدين الورع "(دین صرف رات کے آخری حصے میں طنطنے (قراءت اذکار وغیرہ) کا نام نہیں، بلکہ دین تو ورع اور تقویٰ کا نام ہے)

o-ایک شخص نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میری قوم نے مجھے اپنا امام بنایا ہے اور انکا یہ بھی مطالبہ ہے کہ میں انہیں وعظ بھی کیا کروں، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم انہیں نماز پڑھاؤ لیکن وعظ مت کرو، اُس شخص نے تین مرتبہ وعظ کی اجازت چاہی لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت نہ دی اور فرمایا: تم وعظ نہ کرو، کیونکہ مجھے تم پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس سے تم خود کو بلند وبالا تصور کرنے لگو گے اور نتیجتاً اللہ تعالیٰ تمہیں ایک مٹھی میں بھینچی چیز کی طرح سیکڑ کر رکھ دیگا۔ (ز:۱۵۲)

o- حمید بن نعیم سے روایت ہے کہ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کو ایک مرتبہ دعوتِ طعام دی گئی، جب دونوں حضرات دعوت کیلئے نکلے تو عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم ایسی دعوت پر جا رہا ہے جس پر جانا مجھے پسند نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا وجہ ہے؟ فرمایا: مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں اس دعوت کا اہتمام مقابلہ بازی اور فخر کے طور پر نہ کیا گیا ہو۔ (ز:۱۵۷)

O- عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر تمہارے دل پاک صاف ہو جائیں تو تم کبھی کتاب اللہ کی قراءت سے سیر نہ ہو پاؤ۔ (ز:۱۵۹)

O- اور فرمایا: اگر مجھے جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرا انجام کس کی طرف ہوگا تو میں یہ چاہوں گا کہ یہ جاننے سے پہلے ہی خاک ہو جاؤں۔ (ز:۱۶۰)

O- علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: علم حاصل کرو اسکے ذریعے تمہیں پہچان حاصل ہوگی، علم پر عمل کرو اس طرح تم اسکے اہل بن جاؤ گے، عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب دس میں سے نو آدمی حق کا انکار کرینگے اور اُسے عجیب قرار دیں گے، ایسے دور میں وہی شخص بچ سکے گا جسکا دل فتنوں سے غافل پاک صاف ہوگا، یہی لوگ ہدایت کے امام اور علم کے چراغ ہونگے۔ (ز:۱۶۲)

O- اور فرمایا: مجھے تم پر سب سے زیادہ دو چیزوں کا خوف ہے: لمبی امیدیں اور خواہشات کی پیروی، لمبی امیدیں انسان کو آخرت فراموش بنا دیتی ہیں، جبکہ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔

سن لو! یقیناً دنیا جانے والی اور آخرت آنے والی ہے اور اِن دونوں کے کچھ غلام ہیں، تم آخرت کے غلام بننا، دنیا کے غلام مت بننا، اور جان لو کہ آج کا دن عمل کا ہے حساب کا نہیں، اور کل کو حساب ہوگا عمل نہیں۔ (الزہد ر۱۶۳)

O- علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ فالودہ لایا گیا تو فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تیری خوشبو بڑی عمدہ، رنگ بڑا پیارا اور ذائقہ بہت خوشگوار ہے لیکن میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ اپنے نفس کو اُس چیز کی عادت ڈالوں جسکا وہ عادی نہیں ہے۔ ز (۱۶۵)

O- علی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ایک درہم کی کھجوریں خریدیں اور تھیلے میں ڈالکر گھر لے جانے لگے، لوگوں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! ہم کھجوریں آپکے گھر پہنچا دیتے ہیں۔ فرمایا: نہیں، بچوں کا باپ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اپنا بوجھ خود اٹھا کر لے جائے۔ (ز:۱۶۶)

O- ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اپنی آنکھ لوگوں کی نعمتوں پر نہ رکھو، ایسا کرنے

والے کو طویل غم لاحق ہو جاتا ہے اور اسکا غیظ و غضب بھی ختم نہیں ہوتا، جو شخص اپنے طعام و مشروب میں ہی اللہ کی نعمت کو نہیں پہچانتا اسکا علم کم ہو جاتا ہے اور عذاب حاضر، اور جو شخص دنیا سے بے پرواہ نہ ہو اسکی کوئی دنیا ہی نہیں۔ (ز:۱۶۶)

O-اور فرمایا: آپ اُس وقت تک کامل فقیہ نہیں بن سکتے جب تک کہ قرآن کے معانی کو کئی وجوہ سے نہ جان لیں......ز (۱۶۷)

O-اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کو خوشحالی کے دنوں میں پکارو، تو امید ہے کہ وہ تکالیف اور مصائب کے دنوں میں تمہاری دعائیں قبول فرمائے۔ (ز:۱۶۸)

O-اور سلمہ بن مخلد کو خط لکھا: امابعد! : جب کوئی بندہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اللہ اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہے اور جب اللہ کسی کو اپنا محبوب بنالے تو مخلوق کے دلوں میں بھی اسکی محبت ڈال دیتا ہے اور جب بندہ نافرمانی کرے تو اللہ اس سے نفرت کرتا ہے اور جب اللہ کسی سے نفرت کرے تو مخلوق کے دل میں بھی اسکی نفرت ڈال دیتا ہے۔

O- ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: ابو درداء رضی اللہ عنہ کا افضل عمل کونسا تھا؟ فرمایا: غور وفکر کرنا اور عبرت ونصیحت پکڑنا۔

O- ابو الدرداء ؓ فرماتے ہیں: آدمی کا بہترین عبادت خانہ اسکا گھر ہے جہاں وہ اپنی نگاہ اور زبان کو روک کر رکھتا ہے، اور اپنے آپ کو بازار سے بچاؤ، کیونکہ بازار انسان کو غافل بنا دیتا ہے۔

O-اور فرمایا: بے شک وہ لوگ جنکی زبانیں دنیا میں اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہیں وہ ہنستے ہوئے جنت میں داخل ہونگے۔ (الزھد/۱۶۸، ۱۶۹)

O- اور فرمایا: عالم اور متعلم اجر میں برابر ہیں، اور انکے علاوہ کسی میں کوئی خیر نہیں۔ (۱۶۹)
اور روایت کے مطابق فرمایا: باقی تمام لوگ ناکارہ ہیں، اُن میں کوئی خیر نہیں۔

O- اور فرمایا: اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو لوگوں کے درمیان صلح رہتی: دنیا کی لالچ جسکی پیروی کی جاتی ہے، خواہشِ نفس جسکے پیچھے چلا جاتا ہے اور ہر رائے والے کا اپنی رائے کو

پسند کرنا۔ (۱۶۹)

○- سالم بن ابی الجعد سے روایت ہے کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: بے شک ابوسعد بن منبہ نے سو غلام آزاد کیئے ہیں۔ تو فرمایا: ایک آدمی کے مال میں سے سو غلام آزاد کرنا بڑی بات ہے، اور اگر تم چاہو تو اس سے بھی بہتر بات تمہیں بتلاؤں، وہ یہ کہ دن اور رات کے ہر حصے میں ایمان کو لازم پکڑو، اور ہمیشہ آپکی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (ز:۱۷۰)

○- اور فرمایا: اگر میں سو مرتبہ اللہ اکبر کہوں تو یہ مجھے سو دینار صدقہ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

○ - اور فرمایا: علم طلب کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو اہل علم سے محبت رکھو، اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو کم از کم اُن سے نفرت نہ کرو۔ (ز:۱۷۰)

○ - اور فرمایا: لوگ تین چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں اور میں اُن سے محبت کرتا ہوں: فقر، مرض اور موت۔ ز(۱۷۱)

○ - اور ابوالدرداء ﷺ فرماتے ہیں: عقلمند کی نینداور روزہ چھوڑنا بھی احمقوں کے جاگنے اور روزہ رکھنے سے زیادہ محبوب ہے، تقویٰ اور یقین کے حامل شخص کا ذرہ برابر عمل بھی دھوکے میں پڑے جاہلوں کے پہاڑوں جیسے اعمال سے زیادہ بڑا، بہتر اور راجح ہے۔ (ز:۱۷۱)

○ - ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر آٹا ختم ہو جانے کا شکوہ کیا تو فرمانے لگے: بے شک ہمارے آگے بہت مشکل گھاٹی آنے والی ہے، اس میں ہلکا پھلکا آدمی بھاری بھرکم کے مقابلے میں بہتر ثابت ہوگا۔ (ز:۱۷۱)

○ - اور فرمایا: آپکے گناہ گار ہونے کیلیئے کافی ہے کہ ہمیشہ جنگ کرتے رہو، اور آپکے ظالم ہونے کیلیئے کافی ہے کہ ہمیشہ جھگڑتے رہو، اور آپکے جھوٹا ہونے کیلیئے کافی ہے کہ ہمیشہ بولتے رہو، سوائے اس بات کے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہو۔ (۱۷۲)

○ -ام الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ ایک مرتبہ ابودرداء غصے کی حالت میں گھر

تشریف لائے، میں نے پوچھا: آپکو کس چیز نے غصہ دلایا:؟ فرمایا: اللہ کی قسم! سوائے باجماعت نماز پڑھنے کے نبی کریم ﷺ کا طریقہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ (ز:۱۷۲)

○- اور فرمایا: میں دورِ جاہلیت میں تاجر تھا، جب اسلام آیا تو میں نے تجارت اور عبادت دونوں کو جمع کیا، لیکن یہ دونوں چیزیں اکٹھی چل نہ سکیں لہٰذا تجارت چھوڑ دی۔ ز (۱۷۲)

○ -اور فرمایا: ایک گھڑی کا غور وفکر پوری رات کے قیام سے بہتر ہے۔ (۱۷۳)

○ -اور فرمایا: مؤمن کے بدن میں زبان سے بڑھ کر کوئی گوشت کا ٹکڑا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اسی کے ذریعے مؤمن جنت میں داخل ہوتا ہے، اور کافر کے جسم میں زبان سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کو مبغوض نہیں، اسی کے ذریعے وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوتا ہے۔

○- اور فرمایا: جب آپکو کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو جو آپکے بس میں نہیں تو صبر کیجئے، اور اللہ رب العزت کی طرف سے کشادگی کا انتظار کیجئے۔

○- ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابو درداء رضی اللہ عنہ پوری رات نماز میں روتے رہے اور یہ دُعا پڑھتے رہے:

"اَللّٰهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِيْ فَأَحْسِنْ خُلُقِيْ"

(اے اللہ! تو نے میری شکل وصورت اچھی بنائی ہے، پس میرا اخلاق بھی اچھا بنادے)

یہانتک کہ صبح تک یہی دُعا انکی زبان پر تھی، تو میں نے سوال کیا: اے ابو درداء! آپ پوری رات اخلاق کی دُعا ہی مانگتے رہے! فرمایا: اے ام درداء! جب مسلمان بندے کا اخلاق اچھا ہو جائے تو اُسے جنت میں لے جاتا ہے، اور جب اخلاق بگڑ جائے تو یہی برا اخلاق اُسے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ (ز:۱۷۴)

○- اور فرمایا کرتے تھے: میرا کوئی بھائی مجھے سلام سے زیادہ پسندیدہ تحفہ نہیں دیتا، اور مجھے اپنی کسی بھائی کی موت کی خبر سے بڑھ کر کوئی بات پسند نہیں۔ (۱۷۴)

○- اور اسی طرح فرماتے ہیں: جو شخص بھی صبح کو بھلائی سیکھنے یا سکھلانے کیلئے مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لیے مجاہد کا اجر لکھ دیتا ہے۔ جب وہ لوٹتا ہے تو غنیمت لے

کرلوٹتا ہے۔ (۱۷۴)

○- ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جان لو کہ آخر زمانے میں اچھا کردار پیش کرنا بعض اعمال سے بہتر ہوگا۔ (الادب المفرد للبخاری باسناد صحیح، فتح الباری ۴۱۹/۱۰)

○- اور حدیث میں آتا ہے: حسن التبعل من الإيمان "(فتح الباری ۳۷۳/۱۰) (حسن تبعل بھی ایمان میں سے ہے)

(حسن تبعل کا معنی یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کیساتھ ہمبستری کرتے وقت اچھے رویے اور بہتر انداز کا مظاہرہ کرے)

○- ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ نفاق والا خشوع کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: وہ یہ کہ جسم پر خشوع ظاہر ہو اور دل خشوع سے خالی ہو۔ اور ایک روایت کے مطابق: دل فاجر ہو۔ (ز: ۱۷۲)

○- جبیر بن نفیر سے روایت ہے کہ جب قبرص فتح ہوا اور اہل قبرص وہاں سے لونڈی غلام بنا کر لائے جانے لگے تو وہ ایک دوسرے سے ملکر رونے لگے، اسی دوران میں نے ابو درداء کو بھی اکیلا بیٹھ کر روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا: اے ابو درداء! آپ آج کے دن بھی روتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آج اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی ہے؟ فرمایا: اے جبیر! جب کوئی قوم اللہ کے احکامات سے روگردانی کرے تو وہ ذلیل ہو جاتی ہے، یہ لوگ بھی ایک زبردست غالب اُمت تھے، انکی بادشاہت قائم تھی، لیکن جب انہوں نے اللہ کے احکامات کو چھوڑا تو انکا یہ حال ہو گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔

○ - اور فرمایا: جو نہیں جانتا اُس کیلئے ایک مرتبہ ہلاکت، جبکہ جو جاننے کے باوجود عمل نہیں کرتا اُسکے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔

○ -اور فرمایا: نیکی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی اور گناہ کبھی فراموش نہیں کیا جاتا، اور بدلہ دینے والی ذات کبھی نہیں سوتی، لہٰذا جو چاہو بن جاؤ، لیکن یاد رکھنا، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

○- اور فرمایا: آدمی کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ مؤمنین کے دل اس سے

ناراض ہو جائیں اور اسے معلوم بھی نہ ہو۔

○- اور فرمایا: جو شخص کثرت کیساتھ موت کو یاد کرے اسکا حسد اور بغاوت کم ہو جاتے ہیں۔

○- اور فرمایا: جو شخص لوگوں کی ہر بات میں پیروی کرتا ہے، اُسکا غم طویل ہو جاتا ہے اور کلیجہ کبھی ٹھنڈا نہیں ہوتا۔

○ -اور فرمایا: اگر تم چاہو گے میں تمہیں بتاؤنگا کہ اللہ کے بندوں میں کون ہے جو اللہ کو زیادہ محبوب ہو، وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اس کے بندوں کے دلوں میں محبوب بناتے ہیں۔اور زمین میں خیر خواہی کے اعمال کرتے ہیں، اور اگر تم چاہو گے میں تمہیں قسم کھا کر کہونگا کہ اللہ کے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو سورج اور چاند کی چرواہیں ہیں۔

○- اور فرماتے ہیں: مجھے تم پر عالم کے پھسلنے اور منافق کے قرآن کیساتھ جدال کرنے کا اندیشہ ہے، قرآن حق ہے اور حق کا نور اس پر ایسے ہی واضح ہوتا ہے جیسے نشانِ راہ۔ اور جو شخص دنیا سے بے پرواہ نہ ہو، اسکی دنیا ہی نہیں۔ (ز:۱۷۷)

○- ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین چیزوں پر ابن آدم کے معاملات کا مدار ہے: اپنی مصیبت پر کسی سے شکوہ مت کرو، اپنی تکلیف کسی کو مت بتاؤ، اپنی زبان سے اپنا تزکیہ مت کرو۔

○- سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میں نماز عشاء سے سو جاؤں، مجھے عشاء کے بعد کی لغو باتیں کرنے سے زیادہ پسند ہے۔(ز:۱۷۸)

○ -زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ اسکا کوئی نیک عمل ایسا بھی ہو جو سب سے مخفی رکھے تو اُسے ایسا کرنا چاہیئے۔ (ز:۱۷۹).

وروی مرفوعاً وھو صحیح)

○- ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ کیا ماجرا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں، تمہارے علماء اٹھتے جا رہے ہیں اور جہلاء تعلیم حاصل نہیں کر رہے، علم حاصل کرو، اس سے پہلے کہ وہ

اُٹھ جائے، اور علم کا اٹھنا علماء کا اٹھ جانا ہے۔

O-اور میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ اُس چیز کی حرص کرتے ہو جسکا ذمہ لے لیا گیا ہے اور اس چیز کو ضائع کر رہے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی ہے، جتنا کوئی جانوروں کا معالج گھوڑوں کی معلومات رکھتا ہے اُس سے زیادہ میں تمہارے، بُرے لوگوں سے آگاہ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جو نماز سے بھاگتے، اور قرآن کی سماعت کو ترک کیے بیٹھے ہیں۔ (ز:١٠٨)

O- ابو رجاء العطاردیؒ فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے، اُنکی آنکھوں کے نیچے آنسو بہنے کی وجہ سے بوسیدہ تسمے کی طرح کے نشان پڑ چکے تھے۔

O- مُحمّد بن مُنکدِر فرماتے ہیں کہ اگر تم عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو نماز پڑھتے دیکھ لو تو کہو: گویا کوئی درخت ہے جو مضبوطی سے جما ہوا ہے جبکہ تیز ہوائیں اُسے ہلا رہی ہیں اور منجنیق کے پتھر دائیں بائیں گر رہے ہیں، لیکن وہ نماز کے سوا بالکل بھی کسی بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ (ز:١٨١)

O-ابوذر غفاری ﷠ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اگر تم وہ (حقائق) جان لو جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنسو، اور زیادہ روؤ، اور نہ ہی تمہیں بستروں پر چین اور سکون حاصل ہو، نہ اپنی بیویوں سے فائدہ اٹھاؤ، نہ پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ، اور اللہ کی جناب میں آہ وزاری کرتے ہوئے چوٹیوں کی طرف بھاگ نکلو۔

ابوذر ﷠ جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے: کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ (اسناده ضعيف، فيه رجل مجهول مع شهر، ولكنه صحيح، ز: ١٨٢).

O- ابوذر ﷠ فرماتے ہیں: کاش کہ میں کوئی درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا، کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ (ز:١٨٢)

O-اور فرمایا: نیکیوں کی موجودگی میں اتنی ہی دُعا کافی ہے جتنا کھانے میں نمک۔ (١٨٢)

O-اور ابوذر ﷠ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اُسے اپنا لیں تو اُنہیں کافی ہو جائے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب

(اور جو اللہ سے ڈر گیا، اللہ اسکے لیے (ہر تکلیف اور مصیبت سے) نکلنے کا راستہ بنا دے گا، اور اُسے وہاں سے رزق دیگا جہاں سے اسکے وہم وگمان میں بھی نہ ہو)

پھر ابوذر رضی اللہ عنہ مسلسل اس آیت کو دہراتے رہتے۔

○- ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: کیا تم لوگوں کو دیکھتے ہو، آجکل اکثر لوگوں میں خیر اور بھلائی باقی نہیں رہی سوائے متقی اور تائب کے۔

○- اور فرمایا: جس شخص نے مشہور ومعروف لباس زیب تن کیا، یا مشہور سواری پر سوار ہوا تو جب تک وہ اس سواری پر سوار رہے گا یا اس لباس کو پہنے رکھے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے اعراض کیے رکھے گا اگرچہ وہ اللہ کے ہاں معزز ہی کیوں نہ ہو۔

(وفی اسنادہ لیث وشہر، ز:۱۸۴)

○- اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ کا ہی فرمان ہے: اے لوگو ! میں تمہارا خیر خواہ اور تم پر مہربان ہوں، رات کی تاریکیوں میں نماز پڑھو تاکہ قبر کی وحشت دور ہو سکے، دنیا میں روزہ رکھو، تاکہ یوم النشور کی گرمی سے بچ سکو، اور صدقہ خیرات کرو، تاکہ مشکل دن کی مشکلات سے نجات پاؤ۔ (ز:۱۸۵)

○- عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کاش میں خاک ہوتا جسے ہوائیں اڑا کر بکھیر دیتیں۔ (ز:۱۸۶)

○- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "أحب شيء الى الله الغرباء، قيل : ومن الغرباء ؟ قال : الفرارون بدينهم يبعثهم الله عز وجل يوم القيامة مع عيسى بن مريم عليهما السلام .

(وسندہ صحیح : ز (۱۸۷)

(اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ مخلوق غرباء ہیں، پوچھا گیا: غرباء کون ہیں؟ فرمایا: جو اپنے دین کو بچا کر فرار اختیار کرتے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں عیسیٰ بن مریم

کیساتھ اٹھائے گا۔)

○- سلمان رضی اللہ عنہ نے جریر (شاعر) سے کہا: اللہ کیلئے تواضع اختیار کرو، بے شک جس نے دنیا میں اللہ کیلئے تواضع اور انکساری اختیار کی تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اُسے بلندی عطا فرمائے گا۔(ز:۱۸۸)

○- ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے گمان کے مطابق غلطی اور گناہ کی بناء پر علم انسان کے دل ودماغ سے محو کردیا جاتا ہے۔(ز:۱۹٦)

○- اور فرمایا: جو شخص علم کا طلبگار ہے اُسے چاہیے کہ قرآن مجید کو خوب اچھی طرح کھنگالے، کیونکہ اس میں اولین وآخرین کا علم ہے۔(ز:۱۹٦)

○ -ابن مسعود فرماتے ہیں: میں یہ بھی پسند کرتا کہ میں گدے کے لید سے پیدا ہوتے، اسی کو نسبت کیا جاتا، کہا جاتا عبد اللہ بن روثة- بشرطیکہ مجھے یہ علم ہوتا کہ اللہ تبارک وتعالی نے میرا ایک گناہ معاف کردیا ہے۔

○-اور فرمایا: دنیا کا بہترین وپاکیزہ حصہ چلا گیا اور باقی میل کچیل رہ گیا ہے، آجکل کے زمانے میں تو موت ہی مومن کی ڈھال ہے۔(ز:۱۹٦)

○- منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو یوں محسوس ہوتا کہ وہ کوئی پھینکا ہوا کپڑا ہیں۔ز (۱۹۷)

○- اور فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو علم نہیں رکھتا، اور اگر اللہ چاہتا تو اسے علم سے نواز دیتا، اور اُس شخص کیلئے سات مرتبہ ہلاکت ہے جو علم تو رکھتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا۔(ز:۱۹۸)

○-اور فرمایا:" الإقتصاد في السنة خير من الاجتهاد في البدعة "۔

(سنت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں سخت محنت کرنے سے بہتر ہے)

○-اور فرمایا: جسکی نماز اسے نیکی کا حکم نہیں دیتی اور برائی سے نہیں روکتی، وہ شخص تو نماز کے ذریعے اللہ سے مزید دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

○- اور فرمایا: میں جس شخص کو فارغ دیکھتا ہوں کہ نہ تو دنیا کے کسی کام میں مصروف ہے

اور نہ آخرت کے کسی عمل میں مشغول تو میں اُس سے بغض اور نفرت کرنے لگتا ہوں۔

○- ایک مرتبہ ابن مسعود کا گذر آگ کی بھٹی جلانے والوں پر ہوا تو آپ جہنم کی آگ کو یاد کر کے گر پڑے۔ (ز:۲۰۰)

○- ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جنازے میں ہنس رہا ہے تو فرمایا: تم جنازے میں بھی ہنستے ہو؟ میں کبھی تم سے کلام نہیں کرونگا۔ (ز:۲۰۱)

○- اور فرمایا: بے شک یہ دل بھی برتنوں کی طرح ہیں، انہیں قرآن میں مشغول رکھو، کسی اور چیز میں مت کھپاؤ۔ (۲۰۱)

○- ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حاملِ قرآن کو چاہیے کہ وہ پہچانا جائے اپنی رات کے ذریعے جبکہ لوگ سو رہے ہوں، اور دن کے ذریعے جبکہ لوگ روزہ چھوڑے ہوئے ہو ں، اور اپنے غم کے ذریعے جب لوگ خوش ہوں، اور اپنے رونے کے ذریعے جبکہ لوگ ہنس رہے ہوں اور اپنی خاموشی کے ذریعے جبکہ لوگ بحثوں میں مگن ہوں، اور اپنے خشوع کے ذریعے جبکہ لوگ فخر وغرور کا اظہار کر رہے ہوں، اور حاملِ قرآن کے شایانِ شان یہ ہے کہ ہمیشہ رونے والا، غمزدہ، سلیم دل اور مسکین صورت ہو۔ حاملِ قرآن کے لائق نہیں کہ وہ ترش رو، غافل، زیادہ ہنسنے والا، چیخنے چلانے والا یا لوہے کی طرح سخت ہو۔ (الزہد:۲۰۲)

○- اور فرمایا: اس ذات کی قسم جسکے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اس زمین کی پشت پر زبان سے زیادہ لمبی قید کی سزاوار کوئی اور چیز نہیں۔ (ز:۲۰۲)

○- اور فرمایا: بے شک مصیبت ہمیشہ زبان کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔

○- اور فرمایا: ہر خوشی کیساتھ غم بھی ہے، اور جو گھر شادمانی سے بھرتا ہے پھر وہ عبرت سے بھی بھر جاتا ہے۔ (ز:۲۰۳)

○- اور فرمایا: اللہ کی قسم ! اگر تمہارے جسم صحت مند اور دل بیمار پڑ جائیں تو اللہ کے نزدیک تمہاری قدر و قیمت گبریلا سے بھی کمتر ہو جائیگی۔ ز (۲۰۳)

○- اور فرمایا: تم میں سے ہر شخص علیحدگی میں اپنے رب کیساتھ ملاقات کریگا جیسا کہ

چودھویں کے چاند کیساتھ ہر شخص خود کو تنہا محسوس کرتا ہے، اور اسکا رب اُس سے سوال کریگا: اے ابن آدم! تجھے کس چیز نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا تھا؟ تو نے انبیاء کی دعوت کہاں تک قبول کی؟ اور تو نے اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟ ۔ز (۲۰۴)

○- اور حدیث میں آتا ہے: "من طلب رضا الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس، ومن طلب رضا الناس بسخط الله وكله الله الى الناس"

(روى مرفوعاً وموقوفاً على عائشة عنها ز (۲۰۵) وهو حديث صحيح)

(جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ کی رضا طلب کرتا ہے، اللہ تعالیٰ لوگوں کی تکالیف سے اسے بچا لینے کو کافی ہے، اور جو شخص اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا جوئی کا متلاشی ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے ہی سپرد کر دیتا ہے۔)

○- عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: کاش کہ میں بھولی بسری چیز ہوتی، کاش کہ مجھے پیدا ہی نہ کیا جاتا، کاش کہ میں کوئی درخت ہوتی جسے کاٹ دیا جاتا، کاش کہ میں درخت کا کوئی پتا ہوتی۔ (ز:۲۰۵)

○- اور فرماتی ہیں: تمہاری بہترین عبادت تواضع ہے۔ (ز:۲۰۷)

○- علی بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس نے ایک قہقہہ لگایا گویا اُس نے علم کی ایک کُلّی کر دی۔ (۲۰۸)

○- اور آپ رحمہ اللہ جب سائل کو صدقہ دیتے تو پہلے اُسے بوسہ دیتے پھر صدقہ تھماتے۔ (ز:۲۰۸)

○- منصور بن زاذان فرماتے ہیں: پریشانی اور غم انسان کو نیکیوں میں بڑھا دیتے ہیں جبکہ فخر و غرور اسکی برائیوں میں اضافے کا سبب ہے۔ ز (۲۰۹)

○- سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: عالم وہ نہیں جو صرف برائی سے بھلائی کی تمیز کر سکے، بلکہ عالم وہ ہے جو حق کو پہچان لے اور اسکی پیروی کرے۔ اور شر کو جان لے اور پھر اس سے اجتناب کرے۔ (ز:۲۱۰)

○- یزید بن تمیم فرماتے ہیں: جس شخص کو قرآن اور موت بھی نہ ڈرا سکے اگر پہاڑ بھی باہم ٹکرا جائیں تو وہ کوئی اثر نہیں لے گا۔ (ز: ۲۱۰)

○- ابن ابی زکریا فرماتے ہیں: کہ میں نے بیس سال اپنی زبان کا علاج کیا ہے لیکن اسکے باوجود سیدھی نہیں ہوئی۔ (ز: ۲۱۱) جبکہ سیر اعلام النبلاء میں ستر سال کا ذکر ہے۔

○- ابو واقد اللیثی فرماتے ہیں: ہم نے پے در پے بہت سے اعمال کیئے ہیں لیکن آخرت کی طلب میں دنیا سے بے رغبتی سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں پایا۔ ز (۲۱۴)

○- فضیل بن عیاض کی بکری نے ایک مرتبہ بعض امراء کی کوئی چیز کھالی، تو فضیل بن عیاض نے کبھی اُس بکری کا دودھ نہ پیا۔ (ز: ۲۱۴)

○- سفیان بن عیینہ نے ایک مرتبہ ایسی حدیث بیان کی جس میں جہنم کی آگ کا تذکرہ تھا، اسے سُن کر علی بن فضیل نے گھٹی ہوئی سسکی لی اور بے ہوش ہو گئے اور انکے ہاتھ میں موجود صفحات زمین پر جا گرے، سفیان انکی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ بھی یہاں ہیں تو میں یہ حدیث بیان ہی نہ کرتا، پھر کافی دیر بعد انہیں ہوش آیا۔ (ز: ۲۱۵)

○- اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں پر ایسا دور بھی آئیگا کہ اس میں سب سے کم اور قلیل یہ تین نعمتیں ہونگی: ہمدرد و غمخوار بھائی، حلال کا درہم، سنت کے مطابق عمل۔ (۲۱۵)

(یہ انتہائی بہترین قول ہے، آجکل کا زمانہ اسی کا مصداق ہے)

○- بعض آثار میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں سخی ہوں، مجھ سے بڑھ کر سخاوت اور کرم والا اور کون ہوگا؟ میرے بندے بڑے بڑے گناہ کر کے میرا مقابلہ کرتے ہیں لیکن اسکے باوجود میں انکے بستروں پر انکی نگہبانی کرتا ہوں۔

○- جبکہ بعض آثار میں ہے: اے ابن آدم! میری طرف سے بھلائی تجھ پر نازل ہو رہی ہے جبکہ تیری طرف سے شر اور برائی اوپر آ رہی ہے، کتنی ہی نعمتوں کی برکھا برسا کر میں تیری محبت کا متلاشی ہوں حالانکہ میں غنی ہوں، اور کتنے ہی جرائم اور گناہ کر کے تُو میرا بغض حاصل کرنے کی سعی کر رہا ہے، حالانکہ تو میرا محتاج ہے، معزز فرشتہ مسلسل تیرے قبیح اعمال

ہی اوپر لا رہا ہے۔ طریق الہجر تین (۳۱۶)

○- اللہ کی محبت پانے کے دو اسباب ہیں:

۱- اللہ کے احسانات کا مطالعہ کرنا۔

۲- اللہ کے اسماء وصفات جلال و جمال پر غور و فکر کرنا۔

جب یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو ضرور محبتِ الٰہی حاصل ہو جاتی ہے کوئی خبیث ترین دل ہی پھر اللہ کی محبت سے بے پرواہ رہ سکتا ہے۔

○- بعض عارفین کا قول ہے: جو اللہ کا مشتاق بن جائے، اللہ ہر چیز کو اسکا مشتاق بنا دیتا ہے۔ (طریق: ۳۳۱) (دل کا محبوب کی طرف سفر کرنا شوق ہے)

○- سلف صالحین کہا کرتے تھے: جب تم کسی پر احسان کرو تو اُسے بھلا ڈالو، اور جب کوئی تم پر احسان کرے تو اسے کبھی فراموش نہ کرو۔ (طریق: ۳۶۵)

○- ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "طریق الھجر تین" (۶) میں فرماتے ہیں:
بے شک اللہ رب العزت جس شخص کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے تو وہ شخص ہر آنکھ کی ٹھنڈک بن جاتا ہے، ہر غیر مانوس چیز اُس سے مانوس ہو جاتی ہے ہر خبیث چیز اسکے لیے طیب بن جاتی ہے، ہر غمزدہ اُسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اور ہر خوفزدہ شخص اُسے دیکھ کر اطمینان اور امن پاتا ہے......الخ۔

ہر شخص پر ہر وقت دو ہجرتیں لازم ہیں:

۱- پہلی تو یہ کہ اللہ تعالیٰ طرف ہجرت کرے، اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ اسکی ہر سانس میں اللہ کی طلب، محبت، عبودیت، اُس پر توکل، انابت، تسلیم ورضا، امید وخوف، توجہ رچی بسی ہو، اور ہر وقت وہ اللہ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگے اور محتاجی کا اظہار کرے۔

۲- دوسری ہجرت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہے اور وہ یہ کہ انسان اپنی تمام حرکات وسکنات ظاہری و باطنی میں رسول اللہ ﷺ کی شریعت کو ملحوظ رکھے، ہر وہ زندگی جو آپکی

سیرت سے ہٹ کر ہوا سے حظِ نفس ہی کہا جائیگا زادِ معاد نہیں۔

○- جنید بن محمد فرماتے ہیں: جو آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی کرے اُس شخص کے راستے کے سوا تمام راستے مسدود ہیں۔ (طریق:۷)

○- انسان اللہ کی ملکیت ہے اور آزمایا جارہا ہے اگرچہ بظاہر مالک و متصرف نظر آتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: "ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ" (طریق:۱۲)

(پھر ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا عمل کرتے ہو)

○- بعض سلف صالحین کہتے ہیں: جب ابلیس اور اسکے لشکر جمع ہوتے ہیں تو تین چیزوں پر اُنہیں جسقدر خوشی حاصل ہوتی ہے اور کسی چیز پر نہیں ہوتی۔

۱-کوئی مؤمن کسی مؤمن کو قتل کردے۔

۲-کوئی شخص کفر پر مرجائے۔

۳-کسی کے دل میں فقر کا خوف پیدا ہوجائے۔ (طریق:۳۳)

○- ابو حفص نے فرمایا: اللہ تک پہنچنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ بندہ تمام احوال میں اللہ کا محتاج اور فقیر رہے (یعنی اللہ کی رضا جوئی میں سرگرم رہے) اور تمام افعال میں سنت پر لزوم اختیار کرے، اور حلال ذریعے سے روزی طلب کرے۔ (طریق (۴۸)

وَإِذَا أَتَتْكَ مُصِيبَةٌ فَاصْبِرْ لَهَا صَبْرَ الْكَرِيمِ فَإِنَّهُ بِكَ أَرْحَمُ

وَإِذَا شَكَوْتَ إِلَى ابْنِ آدَمَ إِنَّمَا تَشْكُو الرَّحِيمَ إِلَى الَّذِي لَا يَرْحَمُ

(جب آپ پر کوئی مصیبت نازل ہو تو ایک حوصلہ مند معزز کی طرح صبر کیجئے، اور یہ یقین رکھیئے کہ وہ (مالک) آپ پر بہت مہربان ہے، اور جب آپ ابن آدم سے اس مصیبت کی شکایت کرتے ہیں تو گویا رحیم (مہربان) کی شکایت اُس سے کررہے ہیں جو رحم کرنا نہیں جانتا) (طریق/۶۵)

○- عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تین باتوں پر مجھے انتہائی تعجب ہوتا ہے:

ایک اُس شخص پر جو تقدیر سے بھاگتا ہے حالانکہ اُسے معلوم ہے کہ تقدیر کے لکھے نے ہو کر رہنا ہے، اور دوسری بات یہ کہ انسان اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا بھی دیکھ لیتا ہے اور اُسے ملامت کرتا ہے، لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی اُسے نظر نہیں آتا۔ اور تیسرا اُس شخص کا طرزِ عمل کہ جو اپنی سواری کی سرکشی دور کرنے کیلئے تو محنت کرتا ہے اور اُسے سدھاتا ہے، لیکن اپنے نفس کی سرکشی دور کرنے کی سعی نہیں کرتا۔ (الطریق ۸۲)

وَوَضْعُ النَّدٰى فِيْ مَوْضِعِ السَّيْفِ بِالْعُلٰى

مُضِرٌّ كَوَضْعِ السَّيْفِ فِيْ مَوْضِعِ النَّدٰى

(سخاوت کی جگہ میں تلوار سے کام لینا بلند مراتب کو ایسے نقصان دِہ ہے جیسے تلوار کے موقع پر سخاوت کرنا نقصان دِہ ہے)

○- علی ؓ فرماتے ہیں: جو شخص بغیر حکومت کے عزت، بغیر خاندان کے کثرتِ افراد اور بغیر مال کے دولتمندی اور غناء چاہتا ہے، اسے چاہیئے کہ گناہوں کی ذلت سے ہٹ کر اطاعت کی عزت کو اختیار کر لے۔ (طریق ۱۰۹)

○- اہل جنت وہ ہیں جنکے کان لوگوں کی اپنے حوالے سے تعریف سے بھر جائیں اور اہل جہنم وہ ہیں جنکے کان اپنی مذمت سُن سُن کر بھر چکے ہوں (وھو حدیث صحیح: طریق ۱۱۴)

(یعنی جنتی وہ جنکی اچھائی زبان زدعام اور جہنمی انکے برعکس)

❁❁❁❁❁❁❁❁
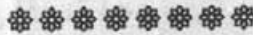
۳۵- عظیم فائدہ

عبادت اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک انسان عزیز رحیم کے سامنے ذلت وانکساری اختیار نہ کرے، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی یہ بات پسند ہے کہ وہ اللہ کے سامنے کامل انکساری کا اظہار کرے۔

اس عاجزی وانکساری کی کچھ اقسام ہیں:

۱-کامل ترین انکساری وہ ہے جو ایک محبت کرنیوالا اپنے محبوب کے سامنے بجالاتا ہے۔
۲-مملوک کی اپنے مالک کے سامنے ذلت وانکساری۔
۳-مجرم کی اپنے محسن کے آگے عاجزی۔
۴-اس شخص کی عاجزی جو اپنے تمام منافع اور ضروریات حاصل کرنے سے قاصر اور مصائب وآفات کو ٹالنے سے عاجز ان دونوں باتوں کیلئے کسی صاحب اقتدار وقدرت کا محتاج ہو۔ تو اس لحاظ سے یہ دو ذلتیں جمع ہو گئیں ایک تو فائدہ کے حصول کیلئے، دوسری نقصان اور مصیبت کو ٹالنے کیلئے، تو اس لحاظ سے یہ ذلت کی پانچ اقسام بنتی ہیں، جب کوئی شخص ان تمام اقسام کو اللہ کی جناب میں پیش کرے اور انکا حق ادا کرے تو پھر اسکا تھوڑا عمل بھی زیادہ کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔

فللکثافة اقوام لها خلقوا　　　وللمحبة أکباد وأجفان

(طریق الھجرتین ۲۳۴/۱)

(بعض لوگ تو گوگندگی کیلئے پیدا ہو گئے ہیں اور محبت کیلئے خاص جگریں اور آنکھیں ہوتی ہے (جو محبوب کی رضامندی میں استعمال کرتے ہیں)۔

زہد کی چار اقسام ہیں:

۱-واجب زہد، اور یہ زہد حرام سے بچ جانا ہے۔

۲-مستحب زہد، اسکے بھی کئی درجات ہیں، مکروہات اور اسکے علاوہ مباحات میں تفنن سے اجتناب کرنا اسی میں شامل ہے۔

۳،۴-اللہ کی راہ پر چلنے والوں کا زہد۔ اسکی پھر دو انواع ہیں:

۱-پہلی نوع :

پوری دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا، اسکا معنی یہ نہیں کہ دنیا کو مکمل طور پر بے دخل کردیا جائے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دل کی مملکت سے دنیا کی محبت کو جلا وطن کردیا جائے۔ جیسا کہ ایک اثر میں وارد ہے: زہد یہ نہیں کہ حلال کو ترک کردیا جائے، یا مال کو برباد کردیا جائے، بلکہ دنیا میں زہد تو یہ ہے کہ اپنی ذات اور موجودہ مال سے زیادہ اعتماد اللہ اور اسکے پوشیدہ خزانوں پر ہو۔ اور جب کوئی مصیبت پہنچے تو اسکی تکلیف اور بقا سے زیادہ اجر و ثواب کی رغبت ہو۔

اور یہ زہد تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے:

۱-بندہ یہ بات اچھی طرح جان لے کہ دنیا ایک ڈھل جانے والا سایہ یا در آنے والا خیال ہے۔ قرآن مجید کی کئی آیات اس موضوع کو بیان کرتی ہیں۔

۲-اور یہ بات بھی اچھی طرح دل میں بٹھا لے کہ اس دنیا کے بعد ایک ایسا گھر بھی ہے جو اپنی قدر و قیمت اور مقام و مرتبے کے اعتبار سے دنیا سے بہت بلند ہے، جو دار البقاء ہے، آخرت کیساتھ دنیا کی نسبت ایسے ہی ہے جیسے حدیث میں آتا: ”ما الدنیا في الآخرة الا کما یجعل أحدکم أصبعه في الیم فلینظر بما یرجع “

آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر ڈبوئے اور

پھر اُسے نکال کر دیکھے کہ کتنا پانی اسکی انگلی پر لگا ہے۔ (یعنی وہ پانی گویا دنیا اور اسکے بالمقابل سمندر گویا کہ آخرت ہے۔ انگلی پر لگا پانی نہ طہارت کے کام آئے نہ پیاس بجھائے اور تھوڑی دیر میں خشک ہو جائے)

۳- اور اس بات کی معرفت کہ بندے کا دنیا سے بے رغبت ہو جانا اُس نعمت کیلئے مانع نہیں جو اسکی تقدیر میں لکھ دی گئی ہے اور نہ ہی اسکا دنیا کی حرص کرنا اُس چیز کے حصول کا باعث ہو سکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی تقدیر میں نہیں لکھی۔

یہ تینوں مذکورہ باتیں انسان کیلئے زہد کو آسان کر دیتی ہیں۔ (واللہ الموفق)

۲- دوسری نوع :

اپنے نفس کے حوالے سے زہد اختیار کرنا، یہ پہلی نوع کے مقابلے میں زیادہ پر مشقت اور مشکل ترین ہے۔ اسکی دو قسمیں ہیں:

۱- ذریعہ وابتداء، وہ یہ کہ آپ اپنے نفس کی خواہشات کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالیں اور اسکی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھیں، نہ اسکے لیے ناراض ہو اور نہ خوش، نہ مددگار۔ یہ مشکل ترین چیز ہے، لیکن اسی میں ہی نفس کیلئے عین حیات بھی ہے، اسی گھاٹی پر چڑھنے سے مقربین کی منازل طے ہوتی ہیں، اور وادی بقاء تک پہنچا جاتا ہے اور انسان کی روح آزمائشوں کی جیل اور خواہشات کی قید سے آزاد ہوتی ہے، اور اسکا تعلق اپنے رب اور معبود کیساتھ جڑ جاتا ہے۔ اور اسکے نتیجے میں جو لذت حاصل ہوتی ہے اسکا کیا کہنا !۔

۲- کمال وانتہاء: وہ یہ کہ اپنے نفس کو کلیۃً اپنے محبوب کی رضا جوئی میں کھپا ڈالے اور اس راہ میں اس حد تک چلا جائے کہ اپنے نفس کی ایک مرضی نہ چلنے دے اور اسے بالکل اسی طرح محبوب کے قدموں میں ڈال دے جیسے کسی حقیر و معمولی چیز کو پھینک دیا جاتا ہے۔ (طریق الھجرتین ۲۵۳/۲۵۵،)

توکل کو مکمل کرنے کیلئے اصل اسباب دو ہیں:

دل کا علم یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا کامل یقین ہو کہ اسکا کارساز اُسے کافی ہے اور اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے، اور کوئی دوسرا اسکا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

اور دل کا عمل یہ ہے کہ وہ اپنے کارساز پر اطمینان وسکون کا اظہار کرے، اور دل وجان سے اسکی رضا اور تصرفات کو قبول کرے، اور اپنے حق میں کیے گئے اسکے فیصلوں کو اپنے فیصلوں اور ارادوں پر ترجیح دے۔ (طریق: ۲۵۷)

۳۶- فائدہ

گناہوں سے بچنا اور اسکے اسباب

۱- بندہ گناہوں کی قباحت اور گھٹیا پن کو اچھی طرح جان لے، اور سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گناہوں سے انکی قباحت کی وجہ سے ہی روکا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک مہربان باپ اپنی اولاد کو بُری اور گھٹیا باتوں سے روکتا ہے۔

۲- بندے کو اللہ تعالیٰ سے حیا آنی چاہیے کہ وہ مالک اسکے ہر فعل پر نظر رکھتا ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لحاظ کرنا اور احسان مند ہونا چاہیے، کیونکہ گناہ نعمتوں کے زوال کے باعث ہوتے ہیں۔

۴- اللہ کا خوف اور خشیت بھی گناہوں سے رکاوٹ کا باعث ہے، لیکن یہ خوف اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کو جاننے اور ان پر یقین کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا: ﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ ﴾

(اللہ کے بندوں میں اسکی خشیت رکھنے والے تو صرف علماء ہیں)

۵- اللہ کی ایسی محبت جو اسکی تعظیم پر مشتمل ہو۔

۶- گھٹیا اور کمتر لوگوں کیساتھ اشتراکِ عمل کی ناپسندیدگی اور عزت نفس بھی گناہوں سے

روک دیتی ہے۔

۷-گناہوں کے بھیانک انجام پر اطلاع پانا اور اِسے پیشِ نظر رکھنا۔

۸-امیدوں کا کم ہونا اور اس بات کا یقین کہ ہم نے بہت جلد اس دارِ فانی سے کوچ کر جانا ہے۔

۹-ضرورت سے زائد کھانے، پینے، پہننے، سونے اور لوگوں کی ملاقات سے اجتناب کرنا۔

۱۰-ایمان کی جڑیں دل میں مضبوط اور راسخ ہو جانا۔

ان عواقب کیساتھ ساتھ اطاعت کے بہترین ثمرات کا جائزہ لینا بھی اس سلسلے میں مفید ہوسکتا ہے۔(طریق الھجرتین ص (۲۷۰)

محبت یہ ہے کہ دل میں محبوب کی تعظیم اس حد تک بیٹھ جائے کہ محبوب کے سوا کسی کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کرے، اگر کسی کی محبت کو جانچنا ہو تو یہی اسکی علامت اور میزان ہے۔
(طریق الھجرتین/۲۹۵)

اس میں مقلدین کی تردید بھی ہے جو محبت رسول (ﷺ) کے دعویدار تو ہیں لیکن اطاعت اور فرمانبرداری غیروں کی کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

محبت کی چار انواع ہیں

۱- طبعی محبت، جیسا کہ بھوکا کھانے سے محبت کرتا ہے۔

۲- شفقت و مہربانی والی محبت، جیسے باپ کی اپنی اولاد کیساتھ محبت۔

۳- اُلفت واُنس والی محبت، جیسے بھائیوں اور ہمسفر دوستوں اور ساتھیوں کی محبت۔

محبت کی یہ تینوں اقسام مخلوق کے درمیان باہمی طور پر وقوع پذیر ہوتی ہیں اور یہ اللہ کی محبت میں شرک نہیں ہے۔ بلکہ یہ محبت تو خود رسول اللہ ﷺ میٹھی چیزوں، ازواج مطہرات اور اپنے ساتھیوں کیساتھ کیا کرتے تھے۔

۴- محبت کی چوتھی قسم اللہ کیساتھ خاص ہے، اور یہ وہ محبت ہے جو اللہ کیلئے عاجزی وانکساری، تعظیم، کمال اطاعت اور اللہ کو غیر پر ترجیح دینے کو مستلزم ہے، اس محبت والا تعلق غیر اللہ کیساتھ بالکل جائز نہیں، اور یہی وہ محبت ہے جو مشرکین اپنے معبودوں کیساتھ بجالا کر انہیں اللہ کا شریک بناتے تھے۔ (طریق/۲۹۶)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت نام ہے محبوب کو غیر پر ترجیح دینے کا۔ (طریق/۲۹۷)

جبکہ مخلوق کیساتھ کیے جانے والے ایثار کی آخری حد یہ ہے کہ آپ انہیں اُن چیزوں میں ترجیح دیں جو آپکے وقت کے ضیاع، حال کے بگاڑ اور دین کے فساد کا باعث نہ ہوں، اور آپکو درست راستے اور مہمانوں نوازی سے نہ روکے- اور ایسا ہو تو اپنے آپ کو لوگوں پر ترجیح دینا زیادہ بہتر (بلکہ واجب) ہے۔

پھر (ابن قیم رحمہ اللہ نے) اُس ایثار کا تذکرہ فرمایا جو نیکیوں پر مشتمل ہے اور اسکے اسباب ذکر کیے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- بہترین اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنا۔

۲-برے اور گھٹیا اخلاق سے الگ ہو جانا۔
۳-حقوق کی تعظیم کرنا۔(طریق الہجرتین (۳۰۰)

جبکہ وہ ایثار جو خالق سے متعلق ہے تو وہ اس سے کئی درجہ برتر اور بلند ہے، وہ یہ کہ اللہ کی رضا کو غیر کی رضا پر ترجیح دے، اسی طرح اللہ کے خوف، اُس سے امید، محبت اور اسکے آگے عاجزی وانکساری بجالانا۔

اور تمام سوالات ومطالبات، اور اپنی ضروریات بھی صرف اللہ کی جناب میں پیش کی جائیں، اس ایثار کی علامات درج ذیل ہیں:

۱-جو کام اللہ کو پسند ہے اُسے کرگذرنا، اگر چہ نفس اپنی طبیعت کے اعتبار سے اُس پر آمادہ نہ ہو۔

۲-جو اللہ کو ناپسند ہے اُسے چھوڑ دینا، اگر چہ نفس میں اسکی خواہش اور پسندیدگی پائی جائے۔

ان دو چیزوں سے مقامِ ایثار درست ہوتا ہے اور تین امور سہل ہوتے ہیں:

۱-انسان کی طبیعت نرم اور منقاد ہوتی ہے اور ترش روی وسختی سے بچ جاتی ہے۔
۲-ایمان کو قوت اور یقین کو رسوخ ملتا ہے۔
۳-صبر اور ثابت قدمی کو مزید قوت حاصل ہوتی ہے۔

اور یہ ایثار بندے کو بڑی تیزی سے اللہ کی طرف لے جاتا ہے اور کوئی بھی عمل دنیا وآخرت کے فوائد کے اعتبار سے اس کے مشابہ نہیں۔(طریق/۳۰۱)

امام مالک رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں:﴿ان کنتم تحبون اللہ﴾ جو شخص اللہ کی اطاعت کیساتھ اُس سے محبت کرے تو اللہ بھی اُس بندے سے محبت کرتا ہے اور اُسے مخلوق کا بھی محبوب بنا دیتا ہے۔(طریق/۳۰۲)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سچی محبت یہ ہے کہ محبوب خواہ بُرا سلوک کرے، نفع دے یا نقصان بہر صورت اسکی موافقت کی جائے۔جیسا کہ کہا گیا ہے:

وَأَهَنْتَنِي فَأَهَنْتُ نَفْسِي صَاغِرًا مَا مَنْ يَهُونُ عَلَيْكَ مِمَّنْ أُكْرِمُ

(تم نے مجھے حقیر جانا تو میں نے بھی اپنے آپ کو چھوٹا اور حقیر کردیا، اور کتنے ہی معزز لوگ ہیں جو تیری نظر میں حقیر ٹھہرتے ہیں۔)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: محبت یہ ہے کہ جب آپ بیٹھے ہوں تب بھی گویا محبوب کی جناب میں کھڑے ہیں، اور بستر میں لیٹے ہوئے بھی یوں ہوں گویا لیٹے ہی نہیں، بات کرتے ہوئے بھی گویا خاموش ہوں، اور وطن میں رہتے ہوئے بھی پردیسی اور اجنبی نظر آئیں۔

شیخ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ تعریف بھی سچی محبت کی علامت میں سے ایک اہم علامات ہے جسکا مظہر آپ چار مواقع پر دیکھ سکتے ہیں:

۱- جب انسان فارغ ہو کر بستر پر دراز ہوتا ہے۔

۲- جب نیند سے بیدار ہوتا ہے، اگرچہ بظاہر دوسری چیزوں میں مصروف ہو لیکن دل تو اُسی کی یاد سے معمور ہوتا ہے۔

۳- جب بندہ نماز میں داخل ہو، کیونکہ نماز پر ہی تمام احوال کا مدار ہے اور یہی ایمان کا میزان ہے جس پر بندے کے ایمان کو تولا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے اسکے معاملات اور اللہ کیساتھ قرب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ پھر فرمایا: نماز جیسا کوئی اور ترازو نہیں کہ جس پر بندہ اپنے ایمان اور محبت باللہ کو تول سکے کیونکہ نماز ہی میزانِ عادل ہے۔

۴- مصائب اور تکالیف کے موقع پر بھی یہ محبت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ سختی کے موقع پر دل اُسی کو یاد کرتا ہے جو اُسے سب سے زیادہ محبوب ہو، کہ اسکے چھن جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اسکے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اُن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جن پر عالم نزع طاری ہوتا ہے تو کوئی کپڑے کا تذکرہ کرتا ہے اور کوئی کسی اور ساز و سامان کا، لیکن بہت کم لوگ ہی اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (طریق ر ۳۰۷، ۳۰۹)

اور عوام کی محبت اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جائزہ لینے سے پیدا ہوتی، اتباعِ سنت کے ذریعے قرار پکڑتی اور کامل درجے کی فرمانبرداری سے پھلتی پھولتی ہے۔

یہ محبت خدمت کر کے لذت پاتی ہے، مصائب پر تسلی بن جاتی ہے اور وسوسوں کیلئے تلوار۔

عوام کے ایمان کا خلاصہ یہی محبت ہے۔ (طریق/۳۱۵)

محبت جسقدر قوی ہوگی اطاعت کرنے میں بھی اتنی ہی لذت محسوس ہوگی اور خدمت میں کمال پیدا ہوگا، لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اپنے ایمان اور محبت کے دعوے کو اس ترازو پر تولے۔ (طریق/۳۲۱)

محبت کرنیوالے کو چاہیے کہ اللہ کی اطاعت میں تکلیف اور مشقت اٹھائے، اور اس وقت تک اس میں لگا رہے جب تک کہ اطاعت کی لذت حاصل نہ ہو جائے،

۵- ابو یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اپنے نفس کو زبردستی ہانک کر اللہ کی طرف لے گیا جبکہ یہ رو رہا تھا، میں اسے ہانکتا ہی رہا یہاں تک کہ یہ ہنستے مسکراتے ہوئے اللہ کی طرف چل پڑا۔ (طریق/۳۲۱)
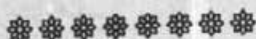
۳۸- فائدہ

تمام مخلوق فقیر بالذات اور اللہ تعالیٰ غنی بالذات ہے

فلاسفہ اِمکان کی بات کرتے ہیں، جبکہ متکلمین حدوث کی۔
لیکن حق یہ ہے کہ امکان اور حدوث ایک دوسرے کو لازم ہیں، اور یہ دونوں فقر کی علامات ہیں، اس میں نیک اور بد دونوں شریک ہیں۔

انبیاء اور صالحین کا فقر دو معزز علوم کا نتیجہ ہے:

۱- بندے کا اپنے رب اور مالک کی حقیقی معرفت رکھنا۔
۲- بندے کا اپنے نفس کی معرفت رکھنا۔
تو جو شخص اپنے رب کی قدرتِ کاملہ، علمِ محیط اور عزتِ تامہ سے آگاہ ہو جائے اور اسکے ساتھ ساتھ اپنے نفس کے عجز، جہل اور ذلت کو بھی پہچان لے تو پھر اسکے نتیجے میں اُس میں فقرِ اختیاری پیدا ہو جائے گا جو اسکی اصلاح، سعادت اور غنا کا پیش خیمہ ہے۔ (طریق/۹۰۸)

بندے کی اصلاح اور کمال میں دو چیزیں رکاوٹ بن جاتی ہیں:

۱- یا تو یہ کہ اسکی طبیعت انتہائی ترش اور سخت ہوتی ہے جسکی بناء پر وہ حق کی تابعداری نہیں کر پاتا، اور نہ ہی کمال اور کامیابی کے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے۔
۲- یا پھر اسکی طبیعت انتہائی نرم، ہموار، منقاد اور اسکے ساتھ ساتھ غیر مستقل مزاج ہوتی ہے اور بدلتی رہتی ہے تو ایسا شخص بھی کمال اور عزیمت کا راہرو نہیں۔ البتہ جب کسی بندے کو حق تسلیم کرنے اور پھر اُس پر ثابت قدمی کی دولت سے نوازا جائے تو گویا اُس پر خیر کے دروازے کھل گئے (طریق/۱۶۳)

جب اللہ تعالیٰ بندے کو کسی مصیبت میں ڈال کر آزماتا ہے تو بندہ اس موقع پر اللہ کی طرف پلٹ آئے، اسکے در پر گر پڑے اور توبہ، عاجزی اور آہ وزاری کا مظاہرہ کرے تو وہ مصیبت بھی ٹل جاتی ہے اور بہترین عوض اور اجر وثواب بھی دیکر جاتی ہے، اور جو شخص مصیبت کے موقع پر بھی اللہ کے در کو چھوڑ کر مخلوق کے پاس در بدر ہوتا ہے، تضرع، عاجزی اور توبہ کے راستے کو اختیار نہیں کرتا، تو یہ مصیبت واقعی اسکے لیے مصیبت اور بدبختی کی علامت ہے، اگر اسکی مصیبت ٹل بھی جائے تب بھی وہ پہلے سے زیادہ متکبر اور شریر بن جاتا ہے اور اپنے منعم ومحسن کو بھول جاتا ہے، ایسے شخص کے حق میں مصیبت ایک سزا ہے، واللہ المستعان (طریق ۱۶۴)

۴۰- فائدہ : انابت الی اللہ

اسکا معنی ہے دل کا تمام محرکات اور جذبات کیساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہونا، اور یہ اللہ کی محبت اور خشیت کو متضمن ہے۔

انابت کی کئی انواع ہیں:

۱- گناہوں اور مخالفت کو ترک کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا، اس انابت کا مصدر اللہ کی وعیدوں کا مطالعہ ہے اور اس پر ابھارنے والی چیز علم، خشیت اور بچاؤ ہے۔

۲- مختلف عبادات اور نیکیوں کے ذریعے اللہ کی طرف توجہ اور رجوع کرنا، اسکا مصدر امید

اور اجر و ثواب کے وعدے ہیں اور اللہ کی محبتِ کرامت بھی اسکا مصدر ہے۔

۳۔ عاجزی، انکساری، آہ وزاری، ادعیہ اور اللہ کی طرف رغبت، اُس سے اپنی حاجات کا سوال، اور مناجات وغیرہ کے ذریعے اللہ کی طرف انابت اختیار کرنا۔ اس انابت کا مصدر اللہ تعالیٰ کے فضل، احسانات، غنا، کرم اور قدرت کا مشاہدہ کرنا ہے۔

۴۔ اضطراری طور پر اللہ کی طرف انابت کرنا، نہ کہ اختیاری انابت، یہ اُن لوگوں کی انابت ہے جنکے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ﴾ (الاسراء/٦٧) (اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ (معبود) تم سے گم ہو جاتے ہیں جنہیں پکارتے ہو، بس وہی (معبودِ برحق) تمہیں یاد رہتا ہے)

یہ کوئی اختیاری انابت نہیں بلکہ طبعی انابت ہے، عادتاً کی جاتی ہے عبادتاً نہیں اور سب سے اعلیٰ قسم کی انابت یہ ہے کہ روح اپنی تمام گہرائیوں اور خالص وشدید محبت کیساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، اسکی وجہ سے اعضاء وجوارح بھی اللہ کے سامنے جھک جاتے ہیں کیونکہ یہ روح کی رعیت ہیں۔ دل اپنی تمام تر محبت، تضرع اور عجز وانکساری کیساتھ اللہ کے سامنے جھک جاتا ہے، عقل اپنے محبوب کے اوامر ونواہی کو تسلیم کر لیتی اور فیصل مان لیتی ہے، جبکہ نفس اپنی نفسانی عادات، بُرے اخلاق وارادے ترک کر کے اللہ کا مطیع وفرمانبردار بن جاتا ہے، اپنی خواہشات کے کنٹرول سے نکل کر صراطِ مستقیم پر چل پڑتا ہے، اور جسم بھی اعمال کے ذریعے انابت کرتے ہوئے واجبات اور سنن کو بہترین طور پر بجالاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے منیب کا کوئی جوڑ، کوئی رگ ایسی نہیں بچتی جو اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو، لہٰذا یہی حقیقی منیب ہے۔ (انظر الطریق ر۱۷۳)

❁❁❁❁❁❁❁❁
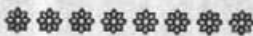
۴۱- فائدہ

اس راستے کے بیان میں جو انسان کو تمام احوال، اقوال اور اعمال میں استقامت کی طرف لے جاتا ہے، اور یہ دو باتوں پر مشتمل ہے:

۱- دِل میں آنے والے خیالات وارادات پر پہرہ بٹھانا، اور دل میں پیدا ہونے والے احساسات وخیالات کو بے لگام نہ چھوڑنا، کیونکہ یہی فساد کی جڑ ہیں اور دل کی سرزمین پر شیطان کا حملہ انہی کے ذریعے ہوتا ہے، گاہے بگاہے شیطان یہی خیالات انسان کے دل میں پھونکتا رہتا ہے، حتیٰ کہ یہ ارادے اور پھر پختہ عزم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اور ارادے وعزم سے ہی اعمال پیدا ہوتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ خیالات کو دفع کرنا عزائم کے مقابلے میں آسان ہے۔

اور اسکے کچھ اسباب درج ذیل ہیں:

۱- اس بات کا پختہ علم کہ رب تعالیٰ ہمارے دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور احساسات سے واقف ہے، ہمیں اور ہمارے دلوں کو دیکھ بھی رہا ہے، اسکے نتیجے میں انسان کو اللہ سے حیا آئیگی۔

۲- آپکے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا شدید احساس پیدا ہونا کہ وہ مالک آپکے دل کو جو اُس نے اپنی معرفت اور محبت کیلئے پیدا کیا تھا، اُسے برے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا دیکھے۔

۳- اس بات کا خوف کہ کہیں ان خیالات کی بناء پر آپ اسکی نظروں سے نہ گر جائیں۔

۵- دل میں بسانے کیلئے غیر اللہ کے بجائے اللہ کو ترجیح دینا۔

۶- اس بات کا ڈر کہ کہیں ان خیالات سے پیدا ہونے والے شرارے آپکے دین وایمان

اور محبتِ الٰہی کو جلا کر راکھ نہ کر دیں، سب کچھ ختم ہو جائے اور آپکو پتہ بھی نہ چلے۔ والعیاذ باللہ۔

۷- یہ بات بھی آپکو معلوم ہونی چاہیے کہ برے خیالات بھی اس چارے کی طرح ہیں جو شکار کو پھانسنے کیلئے ڈالا جاتا ہے، تو جان لیجئے کہ بُرا خیال اور وسوسہ شیطان کا دانہ ہے جو اُس نے آپکو شکار کرنے کیلئے ایک پھندے میں ڈال رکھا ہے، لیکن آپ بے خبر ہیں۔

۸- اور یہ بات بھی جان لیں کہ بُرے اور گھٹیا خیالات کبھی ایمانی احساسات، محبتِ الٰہی اور انابت کیساتھ جمع نہیں ہو سکتے، یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہے، جب ان میں سے ایک احساس دل میں جمتا ہے تو دوسرے کو نکال باہر کرتا ہے، تو انسان کو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اگر اسکے دل پر برے احساسات کا قبضہ ہے تو ایمانی احساسات اور محبتِ الٰہی کہاں ہیں؟ اگر دل زندہ ہوتا تو اس تکلیف اور دکھ کو محسوس کرتا۔

۹- اور یہ بھی جان لیجئے کہ بُرے احساسات و خیالات احمقوں کی وادی اور جاہلوں کی امیدیں ہیں، کہ جنکے ذریعے سوائے ندامت اور رسوائی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور جب یہ خیالات دل پر قابض ہو جائیں تو دل کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

جبکہ ایمانی احساسات ہر خیر اور بھلائی کی جڑ ہیں، دل کی زمین پر جب ایمان و یقین، محبت و خشیت اور معرفت کے احساسات کا بیج ڈالا جائے اور گاہے بگاہے اس عمل کو دہرایا جائے اور انکی حفاظت کی جائے تو ہر بہترین عمل انکے ذریعے پیدا ہوتا ہے، دل بھلائی اور خیر سے بھر جاتا ہے، اور اعضاء و جوارح اطاعت سے معمور ہو جاتے ہیں۔

اور یہ بات بھی جان لیجئے کہ بُرے خیالات کو دفع کرنا دو شرطوں کیساتھ مقید ہوتا ہے:

۱- انکو دفع کرنے کی کوشش میں کسی فرض یا سنت کو ترک نہ کرے۔

۲- انکی جگہ پر ایمانی احساسات پیدا کئے جائیں، ورنہ صرف انہیں دفع کرنا ہی اصل مقصود نہیں ہے۔ (طریق/۱۷۵، ۱۷۶)

۲- **استقامت** اور راہِ عزیمت کا مسافر بننے کیلئے دوسرا بہترین راستہ یہ ہے کہ بندہ

سچائی اور خلوص کیساتھ اللہ سے ملاقات کی تیاری کرے، یہ چیز بندے کیلئے انتہائی نفع مند اور استقامت کے حصول کیلئے مددگار ہے، کیونکہ جو بندہ اللہ سے ملاقات کیلئے تیاری میں مشغول ہوگا، یقینا اسکا دل دنیا اور اسکی چیزوں سے منقطع ہو جائیگا اسکی خواہشات کی آگ سرد ہو جائیگی، دل اللہ کی طرف جھک جائیگا، اور ہمت اللہ تعالیٰ، اسکی محبت اور اسکی چاہتوں کیلئے قربانیاں پیش کرنے پر کمربند ہو جائیگی، ایک ہمت سے دوسری ہمتوں اور کئی علوم کے دروازے کھلیں گے، اور انسان کی از سر نو ولادت ہوگی، دل خواہشات کے حجاب سے باہر نکل آئے گا، جیسے جسم ماں کے پیٹ سے نکل آتا ہے، وہ جسم کی ولادت تھی یہ دل کی ولادت ہے، جسم دنیا کی طرف آیا تھا دل آخرت کی طرف گیا ہے، مسیح علیہ السلام سے اس معنی میں ایک قول مذکور ہے۔ فرمایا: **یا بنی اسرائیل ! انکم لن تلجوا ملکوت السموات حتی تولدوا مرتین۔**

(اے بنی اسرئیل! تم اُس وقت تک آسمانوں کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ دو دفعہ تمہاری ولادت نہ ہو جائے)

بہت سے لوگوں کو تو اس ولادت کا علم ہی نہیں، وہ کیسے اسے طلب کر سکتے ہیں؟ بہر حال یہاں ہمارا مقصود یہ ہے کہ اللہ سے ملاقات کی تیاری کا جذبہ تمام اعمال صالحہ، مقامات رفیعہ اور منازل سالکین کی چابی ہے، اسکی وجہ سے انسان کی روح اور فکر بیدار ہوتی ہے، اور اسے توبہ، انابت، محبت، امید، خود سپردگی اور باقی اعمال قلوب کی توفیق ملتی ہے، ان سب باتوں کی بنیاد ملاقات کا سچا اور مخلصانہ جذبہ ہے۔ (طریق الہجرتین/۱۸۶)
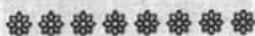
۴۲- فائدہ

لوگوں کی دو اقسام ہیں: ۱-اعلیٰ ترین۔۲-گھٹیا ترین

اعلیٰ قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے رب تک پہنچانے والے راستے کو پہچان لیں اور پھر اس پر چلیں، یہ لوگ اپنے رب کے ہاں انتہائی معزز ہیں۔

اور گھٹیا لوگ وہ ہیں جو نہ اپنے رب کی طرف جانے والے راستے کو پہچانیں اور نہ اُس پر چلیں، یہی وہ قابلِ ملامت اور گھٹیا لوگ ہیں جنکے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ﴾۔(الحج/۱۸)

(اور جسے اللہ ذلیل کر دے، اسے عزت دینے والا کوئی نہیں)

اللہ کی طرف جانے والا راستہ ایک ہی ہے، متعدد نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (الانعام/۱۵۳)

(اور (انہیں کہہ دیجئے کہ) بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، اسی کی پیروی کرو، اور دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، ورنہ وہ تمہیں سیدھے راستے سے ہٹادیں گے۔)

لیکن یہ راستہ ایک ہونے کیساتھ ساتھ جامع ترین بھی ہے، اس میں ہر وہ بات موجود ہے جو اللہ کو راضی کرنیوالی ہے۔ اور یہ اللہ کا فضل اور احسان ہے کہ اُس نے لوگوں کی استعداد اور قابلیتوں کی بنیاد پر عبادت کی بھی کئی انواع بنادی ہیں، اور اگر ایک ہی نوع ہوتی تو اکا دُکا لوگ ہی اس راستے پر چل سکتے۔

اور جب آپ نے یہ بات جان لی تو یہ بھی سمجھ لیں کہ بعض لوگوں پر علم غالب ہوتا ہے، بعض پر روزے، نمازیں، جبکہ بعض جہاد کو اور کئی دعوت الی اللہ وغیرہ کے کام کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن اللہ کا حقیقی اور سارا بندہ وہی ہے جو ہر وادی میں ہو کر اسکی طرف آتا ہے اور ہر

راستے سے اُس تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، اُسے تو بس اللہ کے حکم کا انتظار ہوتا ہے، خواہ وہ حکم کئی کاموں کو اکٹھا ادا کرنے کا ہو یا الگ الگ کرنے کا۔ (طریق ۹/۱۷۹) یہی وہ بندہ ہے جو اللہ تک پہنچ کر اسکی محبت اور معرفت کی مٹھاس کا مزا چکھتا ہے۔

۴۳- فائدہ

سیر الی اللہ کی دو قوتیں

اللہ تعالیٰ اور آخرت کے گھر کی طرف چلنے والے لوگ، بلکہ ہر وہ شخص جو کسی بھی مقصد کی جانب گامزن ہوتا ہے تو اسکا مقصد دو قوتوں کے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

۱- علمی قوت۔ ۲- عملی قوت۔

علمی قوت کے ذریعے انسان پر راستہ منکشف ہوتا ہے، نشانہائے منزل واضح ہو جاتے ہیں، اور انسان ٹھوکر کھا کر کسی اندھے گڑھے میں گرنے سے بچ جاتا ہے، گویا کہ علم وہ عظیم نور اور روشنی ہے جسکے ذریعے ایک انسان سیاہ رات کی تاریکیوں میں درست راستہ دریافت کرتا ہے، منزل کے نشان بھی نظر آنے لگتے ہیں اور جائے ہلاکت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

اور پھر عملی قوت کے ذریعے انسان راستے پر چلتا ہے، قوتِ علمیہ کے ذریعے تو راستے دریافت ہوا تھا، حقیقتاً اس راہ پر چلنا ہی انسان کو منزل پر پہنچاتا ہے، راستہ معلوم ہونے کے بعد انسان کو چاہیے کہ اپنا عصا کندھے پر ڈالے اور کمر باندھ کر چلنا شروع کر دے، مسافر جب بھی سفر کی ایک منزل کو طے کرلے تو اُسے مزید نشاط حاصل ہوتا ہے اور سفر کی کلفتیں دور ہو جاتی ہیں اور پھر وہ اگلی منازل کی طرف دلجمعی کیساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے، منزل سے قُرب کا احساس اُسے منزل کی طرف کھینچتا چلا جاتا ہے، اور وہ کہتا ہے: اے نفس! خوش ہو جا، کہ

منزل قریب ہے، اور مسافر کو چاہیے کہ منزل پر ملنے والے پیاروں کا تذکرہ اور دشمنوں سے دوری کو بھی پیشِ نظر رکھے اور اپنے نفس کو کہے: بس گھڑی دو گھڑی کا صبر ہے اور پھر دائمی عیش، کیونکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا تو بس ایک ساعت سے زیادہ نہیں۔

اسکے باوجود بھی اگر نفس کو وحشت محسوس ہو تو کہے: یہ وحشت ہمیشہ رہنے والی نہیں، عنقریب منزل کے خیمے نظر آنے لگیں گے اور خوشخبریاں دینے والے کہیں گے: "یَا لَیْتَ قَوْمِي يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ"۔ (ہائے کاش کہ میری قوم کو علم ہو جائے کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا ہے اور معزز لوگوں میں شامل فرما دیا ہے)

اور اگر طبیعت پھر بھی بوجھل رہے تو بھی چلتا رہے، اپنی طبیعت اور سستی کیساتھ لڑتا رہے، مجاہدے میں مصروف رہے تو عنقریب یہ بوجھل پن ختم ہو جائیگا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَإِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (العنکبوت/ ٦٩)

(اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں انتہائی کوشش کرتے ہیں تو ہم ضرور بالضرور انکے لیے راستے کھول دیں گے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ساتھ ہے)

(طریق بتفصیل ر۱۸۳، ۱۸۴)

لوگوں میں سے بعض تو وہ ہیں جنکے پاس علمی قوت تو ضرور ہوتی ہے کہ جسکے ذریعے انہیں صحیح اور غلط، خیر اور شر کی تمیز حاصل ہوتی ہے لیکن وہ قوتِ عمل سے محروم ہی ہیں، ہلاکت والی باتوں کو جانتے ضرور ہیں لیکن بچتے نہیں، یہ فقیہ لوگ ہیں جب تک کہ عمل کا وقت نہ آئے، اور جب عمل کا وقت آئے تو ان میں اور جاہلوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور انکا علم کہیں پیچھے رہ جاتا ہے، وہ لوگ جو تعلیم و تعلم میں مشغول ہیں انکی اکثریت ایسے ہی افراد پر مشتمل ہے۔

جبکہ بعض لوگوں پر عملی قوت غالب ہوتی ہے اور وہ جہدِ مسلسل میں مشغول رہتے ہیں لیکن علم سے عاری، عقل کے اندھے اور ایمانیات وعقائد سے جاہل، اکثر صوفیوں کا یہی حال ہے، معصوم وہی ہے جسے اللہ بچالے۔ (طریق ر۱۸۴)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان: ﴿أُولِي الْأَيْدِيْ وَالْأَبْصَارِ﴾۔ (ص/ ۴۵)

(ہاتھوں اور آنکھوں والے) میں انہی دو قوتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے: (الأيدي) میں قوتِ عمل اور "الابصار" میں قوتِ علم کی طرف اشارہ ہے۔

میں اسکی مثال ایک باغ سے دیتا ہوں جس میں ہر قسم کے پھول اور پھل موجود ہیں اور اسکا ایک ہی دروازہ ہے، تو جو شخص صرف قوت عمل رکھتا ہے لیکن اندھا ہے تو وہ باغ کے ارد گرد ہی گھومتا رہے گا نہ اُسے دروازہ ملے گا اور نہ اُس باغ میں داخل ہو سکے گا بلکہ اسکی تمامتر محنت اور تگ و دو ضائع اور بے کار چلی جائیگی، اور جو علمی صلاحیت کا حامل ہے اور شرک، تقلید اور اللہ کے دشمنوں کی دوستی سے بے زار ہے تو وہ اپنے سامنے دروازہ کھلا ہوا پائے گا لیکن عمل میں کوتاہی اور گھٹیا چیزوں میں مصروفیت کے باعث سوچتا ہے کہ میں عنقریب اس دروازے سے داخل ہو جاؤنگا، یہ خطرے کا شکار ہے کیونکہ ممکن ہے دروازہ بند ہو جائے اور یہ باہر ہی کھڑا رہ جائے۔

کامیاب تو وہ شخص ہے جو دونوں قوتوں کا مالک ہے علم کیساتھ ساتھ عمل میں بھی آگے ہے، تو یہ آگے بڑھ کر دروازے سے داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس باغ میں ایسی ایسی نعمتیں دیکھتا ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں، کسی کان نے سنی نہیں، اور کسی انسان کے دل پر انکا خیال تک نہیں گذرا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔
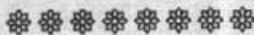
۴۴- مفید فائدہ

سیر الی اللہ کے مراحل

جب سے بندے کے قدم اس زمین پر نکلے ہیں اُس وقت سے بندہ اپنے رب کی طرف سفر کر رہا ہے، دن اور رات اسکے سفر کے مراحل، اور عمر اسکی مدتِ سفر ہے۔

اور بندہ مسلسل مرحلہ بہ مرحلہ اس سفر کو طے کرتا چلا جا رہا ہے یہاںتک کہ اسکا سفر مکمل ہو جائیگا، عقلمند اور سمجھدار وہ شخص ہے جو ہر مرحلے کو اپنا نصب العین بنالے جب خیریت اور غنیمت کیساتھ ایک مرحلہ طے ہو جائے تو دوسرے مرحلے کیلئے تیار ہو جائے، ایسا نہ ہو کہ مدتِ دراز یونہی گذر جائے، اسکا دل سخت اور امیدیں لمبی ہو جائیں اور وہ آجکل کے وعدوں اور سستی کا شکار ہو جائے، بلکہ بندے کو چاہیے کہ ایک ایک مرحلے کو اپنی پوری عمر قرار دے اور اسے بھرپور محنت کیساتھ بسر کرے، جو کچھ بن پڑے کر گذرے، اور اسی عملِ پیہم میں اپنی پوری زندگی گذار دے، جب آخرت کی صبح طلوع ہوگی تو دنیا کے مصائب اور محنتوں کا صلہ ملے گا، انجام بہتر ہو جائیگا، عاقبت سنور جائیگی اور اس شخص کی کامیابی واضح ہو جائے گی۔

پھر ان مراحل کو طے کرنے کے اعتبار سے بندوں کی دو قسمیں ہیں:

۱- وہ لوگ جو بدبختی والے گھر کی طرف بڑھتے ہیں، انکا ہر قدم اور ہر مرحلہ انہیں بُرے انجام کے قریب اور عزت والے گھر سے دور کر دیتا ہے، یہ کفار ہیں جو ان مراحل کو اللہ کی ناراضگی، اسکے نور کو بجھانے کی کوششوں اور اسکے اولیاء کی دشمنی میں طے کرتے ہیں، جو شیاطین کے ساتھی ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا﴾ (مریم/۸۳)

(کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم شیاطین کو کفار پر بھیجتے ہیں، جو انہیں برائیوں پر ابھارتے ہیں)

۲- دوسری قسم اُن لوگوں کی ہے جو ان مراحل کو اللہ اور اسکے عزت والے گھر کی طرف سفر کرتے ہوئے طے کرتے ہیں، پھر انکی تین اقسام ہیں:

۱- اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے۔

۲- میانہ روی اختیار کرنے والے۔

۳- بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے۔

ان تینوں اقسام کے لوگ اس سفرِ آخرت کیلئے تیار ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں لیکن انکی تیاری، سامانِ سفر اور اندازِ سفر ایک دوسرے سے مختلف ہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا وہ ہے جو مکمل زادِ راہ بھی نہیں لیتا اور سفر میں نقصان دہ چیزوں کو بھی اپنے ساتھ لیے ہوئے ہے۔

اور میانہ روی اختیار کرنے والا پورا زادِ راہ بھی رکھتا ہے اور مشقت و تکلیف دہ چیزوں سے بھی اجتناب کرتا ہے اگر چہ سلامتی اور غنیمت اسکا مقدر ہے لیکن اسکے پاس ضرورت سے زائد کچھ نہیں کہ جسے لگا کر وہ زیادہ نفع اور فائدہ اٹھائے۔

جبکہ بھلائیوں میں سبقت کرنیوالا وہ ہے جو منافع حاصل کرنے کی تڑپ رکھتا ہے اور تجارت کی تمام تر سختیوں کو جھیلتا ہے کیونکہ اُسے معلوم ہے کہ یہاں حاصل ہونے والے منافع کی قدر و قیمت کیا ہے، یہانتک کہ وہ اس تجارت میں اپنے کپڑے اور سامان تک بیچ دیتا ہے تا کہ کئی گنا منافع حاصل کر سکے۔

اب ہم تینوں اقسام کے لوگوں کے حالات کا مختصر جائزہ پیش کریں گے تا کہ بندہ یہ بات جان سکے کہ وہ کونسی قسم کا تاجر ہے؟

اپنے نفس پر ظلم کرنے والے:

یہ اپنے دن کا آغاز اس انداز میں کرتا ہے کہ شہوات اور خواہشات اسکے دل میں براجمان ہو چکی ہوتی ہیں اور اعضاء و جوارح سے من مانی کا تقاضا کر رہی ہوتی ہیں جب رب تعالی

کے حقوق اس میں مزاحم ہوتے ہیں تو کبھی خواہش کو ترجیح دیتا ہے اور کبھی رب تعالیٰ کے حکم کو، کبھی رخصت کو لیتا ہے، کبھی عزیمت کی راہ پر چلتا ہے، اور کبھی گناہ کر بیٹھتا ہے، اللہ کے حقوق میں اس امید پر کوتاہی کرتا ہے کہ پھر توبہ کرلے گا، اگرچہ توحید، اللہ، اسکے رسول اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا اور جزاو سزاء کی تصدیق کرتا ہے لیکن اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ظالم بھی ہے، اسکے مراحل نفع اور نقصان دونوں کیساتھ طے ہوتے ہیں، قیامت کے دن اسکے اعمال تولے جائیں گے یا تو نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی یا گناہ - واللہ المستعان (ہم بھی اسی قسم میں شامل ہیں، واستغفر اللہ العظیم۔)

میانہ روی اختیار کرنے والے :

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی ذمہ داریاں مکمل ادا کرتے ہیں، نہ اُن میں زیادتی کرتے ہیں اور نہ کمی، اس طبقے کا فرد اپنے دن کا آغاز کامل طہارت سے کرتا ہے پھر نماز فجر مکمل طور پر ادا کرتا ہے اسکے ارکان، واجبات اور شرائط ادا کرتا ہے پھر اپنی معیشت اور دیگر مباح کاموں میں لگ جاتا ہے، نفل نمازوں، ذکر اذکار اور اللہ کی طرف کامل توجہ سے محروم رہتا ہے، البتہ جب دوسری نماز کا وقت آجائے، تو فوراً اسکی طرف لپکتا ہے اسی طرح رات تک اسکا معاملہ چلتا ہے، پھر عشاء کے بعد جب سوتا ہے تو فجر تک سویا رہتا ہے اور پھر فجر میں بیدار ہو کر دوبارہ اپنی ڈیوٹی شروع کر دیتا ہے، جب فرض روزے آجائے تو روزے بھی رکھتا ہے اسی طرح حج اور زکاۃ بھی فرض ہو جائے تو ادا کرتا ہے، اور مخلوق کیساتھ بھی اسکا معاملہ انصاف پر مبنی ہوتا ہے، نہ اُن پر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور نہ اپنا حق چھوڑتا ہے۔

بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے :

انکی پھر دو اقسام ہیں : ۱-ابرار۔ ۲-مقربین۔

اور مذکورہ تینوں اقسام کے لوگ داہنے ہاتھ والوں میں سے ہیں یعنی میانہ روی اختیار کرنیوالے، ابرار اور مقربین۔ جبکہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے علی الاطلاق داہنے ہاتھ والے نہیں، اگرچہ انجام کار داہنے ہاتھ والوں کیساتھ ہی ہوگا، اسی طرح انہیں مطلق طور پر

مؤمن بھی نہیں کہا جا سکتا ہے، اگر چہ حق وصول کر لیے جانے کے بعد انکا ٹھکانہ بھی مؤمنین کیساتھ ہے یہ تمام اقسام سورۃ الفاطر ر۳۳) میں مذکور ہیں:

﴿ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ﴾

ابرار: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سفر کے مراحل کو اللہ کے احکام کی پابندی اور اسکی مخالفت اور نافرمانی سے اجتناب کے پختہ عزم کیساتھ طے کرتے ہیں۔ اس طبقے کا کوئی فرد جب صبح کو بیدار ہوتا ہے تو فوراً وضوء اور نماز کی طرف لپکتا ہے، جب فرض ادا کر لے تو تلاوتِ قرآن پاک اور ذکر واذکار میں مشغول رہتا ہے، یہاںتک کہ جب سورج طلوع ہو جائے تو اشراق کی نماز پڑھتا ہے اور پھر دنیاوی ذمہ داریوں میں مصروف ہو جاتا ہے، اور جب ظہر کا فریضہ حاضر ہو تو فوراً پاکیزگی حاصل کر کے پہلی صف حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مکمل خشوع وخضوع اور مراقبے کیساتھ اس فریضے کو ادا کرتا ہے، پھر جب یہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو نماز اسکے دل، بدن اور تمام احوال پر گہرا اثر چھوڑ چکی ہوتی ہے، اسکی نماز اسے ہر فحش اور بُرے کام سے روک دیتی ہے اور اللہ کے راستے کی ہر رکاوٹ کو کاٹ ڈالتی ہے، اس دھوکے والے گھر سے نفرت اور دار الخلود (ہمیشہ کے گھر) کی محبت دل میں پیدا کر دیتی ہے، اسکی نماز ہی اسکی تمامتر نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، نماز کے بغیر اسکی زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہتا، اور اسکے ساتھ ساتھ یہ لوگ سنتوں اور آداب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں، کامل ترین وضو، پہلی صف میں امام کے دائیں طرف یا بالکل پیچھے کھڑے ہوتے ہیں، نمازوں کے بعد مشروع ادعیہ اور اذکار پڑھنا انکا معمول ہوتا ہے۔

اور صبح وشام کے اذکار بھی ہمیشہ ادا کرتے ہیں، اسی طرح سوتے وقت کی دعائیں اور اذکار پڑھتے ہوئے سوتے ہیں اور انکی نیند بھی نیکی اور اللہ سے قرب کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ حقوق العباد بھی ادا کرتے ہیں، بیماروں کی عیادت، جنازوں اور تدفین میں شرکت، دعوت قبول کرنا اور اپنے مال، جاہ اور جان کیساتھ دوسروں کی مدد کرنا انکا شیوہ ہوتا ہے، مسلمانوں کی زیارت، اُنکے حالات سے آگاہی اور اپنے اہلِ خانہ کے

ساتھ حسن سلوک اور انکے حقوق کی ادائیگی بھی انکے معمولات میں شامل ہے،

انکے شب وروز بس عبودیت کی منازل طے کرنے میں گذرتے ہیں ایک حکم پورا کرنے کے بعد دوسرے فرمان پر عمل پیرا نظر آتے ہیں، اور اگر کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اس پر معذرت اور توبہ استغفار کا رویہ اپناتے اور اعمال صالحہ کے ذریعے اسے مٹانے کی فکر کرتے ہیں، اور یہ تمام باتیں انکا ہمیشہ کا معمول ہیں۔

مُقَرَّبِیْن : سب سے پہلے تو ہم اللہ وحدہ لاشریک سے استغفار کرتے ہیں کہ ہم مقربین کی صفات تو بیان کر رہے ہیں لیکن خود ان اوصاف کیساتھ متصف نہیں، بلکہ ہم نے تو ان صفات کی خوشبو تک نہیں پائی، لیکن اس قوم کی محبت انکا حال دریافت کرنے پر ابھار رہی ہے اگرچہ ہم ان سے کٹے ہوئے ہیں۔

البتہ انکے حالات دریافت کرنے کے بہت سے فوائد ہیں:

۱- ان سے پیچھے رہ جانے والا مسکین اپنے نفس کو ملامت کرتا اور حقیر سمجھتا ہے۔

۲- اسکا دل اللہ کے سامنے گھائل ہو جاتا ہے کہ وہ منازل سابقین سے آگاہ تو ہے لیکن اسکے باوجود ان سے کٹ کر پیچھے رہ جانے والوں کے زمرے میں پڑا ہے۔

۳- یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دن اسکی ہمت بیدار ہو جائے اور وہ اگرچہ دور سے ہی سہی لیکن اس مقدس گروہ کی پچھلی جماعت میں شامل ہو ہی جائے۔

۴- اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان صفات کو جان لینے کے بعد اللہ کے سامنے آہ وزاری کرے کہ اے اللہ! مجھے بھی ان لوگوں میں شامل فرما دے! اور وہ قبولیت کی گھڑی بھی ہو، اللہ بہت مہربان اور شفیق ہے۔

۵- اور یہ بھی کہ ایمان کے بعد سب سے زیادہ معزز یہی علم ہے جو معزز لوگوں کے ہی شایانِ شان ہے، گھٹیا اور رذیل لوگ اسکے قابل نہیں۔

تو جب کسی کا نفس اس مبارک علم کا مشتاق ہے تو گویا وہ اسکا اہل ہے اب اسے اپنے نفس

سے کہنا چاہیے: اے نفس! نصف سعادت تو تجھے حاصل ہو چکی، اب باقی نصف کی حرص کر، کیونکہ مکمل سعادت تو علم اور عمل کا نام ہے، آدھی مسافت تو نے طے کر لی ہے، تو کیا باقی بھی طے کر کے تو نے منزل پر نہیں پہنچنا؟ جہاں کامیابی تیری منتظر ہے؟!!۔

۶-ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ علم جہالت سے بہتر ہے۔

۷-اور ایک فائدہ یہ بھی کہ جب بندہ اس علم کو طلب کرے گا تو کچھ نہ کچھ تو ان صفات میں سے حصہ پا ہی لے گا اگر چہ چند لحظات یا گھڑی بھر کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔

۸-اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکی زبان پر جب یہ صفات جاری ہوں تو کسی دوسرے بھائی کو اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو جائے، اور اللہ ایک ذرے کو بھی ضائع نہیں کرتا۔

فی الجملہ یہ علم فائدے سے خالی نہیں ہے لہٰذا آپ کسی اور کی بات پر کان نہ دھریں اور اس علم کو حاصل کریں، البتہ اس علم کے ذریعے دھوکے میں بھی مبتلا نہ ہوں اور علم اور حال کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھیں، بہت سے علماء کے پاس اسماء وصفات کا علم تو ہوتا ہے لیکن خود انکے نفوس ان صفات کے تقاضوں سے عاری ہوتے ہیں۔ علم اور حال میں اسی طرح فرق ہے جیسے صحت اور اسکے علم، دولتمندی اور اسکے علم میں ہے، بعض اوقات انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ صحت کیا ہے اور کیونکر حاصل ہوتی ہے لیکن وہ خود مریض ہوتا ہے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو دولت اور اسکے ذرائع پیداوار کا علم ہوتا ہے لیکن پوری زندگی غربت اور مفلسی کی قبا اوڑھے گذار دیتے ہیں۔

اب انکی صفات ملاحظہ کیجئے!

انکی صفات اگر ایک جملے میں بیان کی جائیں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنکے دل اللہ کی معرفت سے بھر چکے ہیں، اور اللہ کی محبت، اسکی خشیت، تعظیم اور مراقبہ جیسی عظیم صفات انکی روح کی گہرائیوں میں اتر چکی ہیں، اللہ کی محبت تو انکے رگ و پے میں سرایت کر چکی اور ایک ایک انگ میں داخل ہو چکی ہے، حتی کہ اس محبت نے غیر اللہ کی محبت اور

یادوں کو دل سے کھرچ کر باہر پھینک دیا ہے، اللہ کے اُنس نے دوسروں کی وحشت انکے دل میں ڈال دی ہے، اللہ کی محبت کی وجہ سے غیر اللہ کی محبت فنا ہو چکی، اسی طرح اللہ کے ذکر نے غیر اللہ کے ذکر کو فنا کر دیا ہے، اللہ کے خوف اور اس سے امید نے غیر اللہ کے خوف کو مٹا دیا اور امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت ورہبت، توکل وانابت، سکون وتذلل اور عاجزی وانکساری نے غیر اللہ سے اس قسم کے ہر ایک تعلق کو توڑ دیا ہے، اس طبقے کا کوئی فرد جب رات کو بستر پر دراز ہوتا ہے تو اسکی سانسیں اور روح اپنے معبود و مالک کی طرف چڑھ جاتی ہیں، غور وفکر کی راہیں اللہ کے اسماء وصفات کے معانی وتجلیات کی طرف کُھل جاتی ہیں، جسم تو بستر پر رات گذارتا ہے لیکن دل تو اپنے مالک اور محبوب کی تلاش میں سرگرداں ہوتا ہے، اور اسکی جناب میں انتہائی عجز وانکساری کیساتھ سجدہ ریز، کیا شان ہے اس سجدے کی!۔

اور جب یہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو سب سے پہلا خیال جو اسکے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ اپنے محبوب، اپنے معبود ہی کے متعلق ہوتا ہے، اُس شخص کی طرح جو اپنے کسی عزیز ترین محبوب سے جُدا ہونے کے بعد پھر اسکی ملاقات کیلئے بے چین ہوتا ہے، جیسا کہ کسی محبت کرنے والے نے کہا ہے:

وَآخِرُ شَيْءٍ أَنْتَ فِي كُلِّ هَجْعَةٍ وَأَوَّلُ شَيْءٍ أَنْتَ عِنْدَ هُبُوبِي

(تیرا خیال ہی آنکھوں میں بسا کر میں سوتا ہوں، اور بیداری کے وقت بھی سب سے پہلے تم ہی میرے تصور میں آتے ہو)

اس دل پر افسوس ہے جو ان صفات کا مصداق یا اہل نہیں۔

فصل:

اس طبقے کا فرد بیدار ہونے کے بعد فوراً یہ دُعا پڑھتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ

(تمام تعریف اُس اللہ کیلئے ہے جس نے ہمارے مارنے کے بعد پھر زندہ کیا، اور اسکی طرف ہی اٹھایا جاتا ہے)

اور صرف دُعا ہی نہ پڑھے بلکہ اسکے معنی و مفہوم پر تدبر بھی کرے کہ اللہ نے اس پر مہربانی فرمائی اور نیند جو موت کی بہن ہے اسکی آغوش سے دوبارہ زندگی بخشی اور پھر کہے: " لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" پھر مکمل توجہ کیساتھ وضو کرے اور پھر نماز پڑھے، نماز بھی ایسی جو محبت اور عاجزی سے بھری ہوئی ہو، اترانے اور فخر والی نماز نہ ہو بلکہ وہ نماز کو اپنے محبوب کی عظیم ترین نعمت شمار کرے کہ اس مالک نے اسے اس وقت نماز کی توفیق بخشی اور دوسروں کو گہری نیند سلا دیا، اسے زیارت سے مشرف کیا اور دوسروں کو مسترد کر دیا، اسے اہل سمجھا اور دوسروں کو محروم کر دیا، اسکی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے، روح کی جنت اور دل کی زندگی نماز سے وابستہ ہے، یہ تو چاہتا ہے کہ رات مزید لمبی ہو جائے تا کہ محبوب سے ملاقات کا وقت مزید بڑھ جائے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

يَوَدُّ اَنَّ ظَلَامَ اللَّيْلِ دَامَ لَهُ وَزِيْدَ فِيْهِ سَوَادُ الْقَلْبِ وَالْبَصَرِ

(وہ چاہتا ہے کہ رات کی تاریکیاں اسکے لیے پھیل جائیں، اور اس میں قلب و نظر کی سیاہی بھی شامل ہو جائے)

یہ اپنی نماز کے دوران جو آیت بھی پڑھتا ہے، وہ آیت اسے اپنی جانب کھینچ لیتی ہے، محبت الٰہی اور صفات جمال و کمال کی تلاوت کرتے ہوئے اسکا دل محبتِ الٰہی سے بھر جاتا ہے، اللہ کی نعمتوں اور احسانات کے بیان پر شکر گذاری کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں، امید اور رحمت کی بات پر اطمینان اور خوف وانتقام والی آیات پر گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے، یعنی ہر آیت کو اسکا حصہ دیتا ہے صرف تلاوت، تصدیق یا فہمِ معنی سے بڑھ کر اسکی گہرائی میں جاتا ہے، اس شخص کا معاملہ تو اُس کی طرح ہے کہ جس نے کہا تھا:

وَكُنْتُ اَرىٰ اَنْ قَدْ تَنَاهىٰ بِيَ الْهَوىٰ   اِلىٰ غَايَةٍ مَا بَعْدَهَا لِيَ مَذْهَبُ

فَلَمَّا تَلَاقَيْنَا، وَعَايَنْتُ حُسْنَهَا   تَيَقَّنْتُ اَنِّيْ اِنَّمَا كُنْتُ اَلْعَبُ

(میں تو سمجھتا تھا کہ میں محبت کی آخری منزل تک پہنچ چکا ہوں، اب اسکے بعد کوئی منزل نہیں، لیکن جب میری اُس کے ساتھ ملاقات ہوئی اور میں نے اُسکے حُسن و جمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، تو مجھے یقین آ گیا کہ پہلے والی محبت تو بس ایک کھیل تھی)

ہائے افسوس اور حسرت ! وقت گذرتا جا رہا ہے، عمر فنا ہو رہی ہے لیکن دل پر پردے پڑے ہیں، اور اس مقامِ عالی کی خوشبو بھی دل تک نہیں پہنچی، یہ دل جیسے دنیا میں آیا تھا ویسے ہی جا رہا ہے، لذیذ ترین چیز کا مزا تو اس نے چکھا ہی نہیں، جانوروں کی طرح زندگی گذاری اور مفلسوں کی طرح مرا۔

(واللہ المستعان ، والیہ المشتکیٰ من نفسی ومن ھؤلاء)

فصل :

پھر تہجد سے فارغ ہو کر یہ اللہ کا مقرب بندہ سر جھکا کر اپنے رب کے سامنے بیٹھتا اور توبہ استغفار کرتا ہے، اور یوں آہ وزاری کرتا ہے کہ گویا ہلاک اور برباد ہونے کا یقین آ چکا ہو۔ پھر استغفار وغیرہ کے بعد اگر رات کچھ باقی ہو تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتا ہے تاکہ فجر کی نماز کیلئے تازہ دم ہو جائے، فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان بھی دُعائیں اور مناجات کرتا ہے، اس وقت کی قدر وقیمت جاننے والے ہی جانتے ہیں، خصوصاً اس دوران یہ ذکر کثرت کیساتھ کرے: "يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" دل کو زندہ کرنے کے لحاظ سے اسکی عجیب تاثیر ہے جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ- کا تجربہ ہے۔

پھر فرائض کی ادائیگی کیلئے امام کے پیچھے یا دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے اور امام کے قریب رہنے کی کوشش کرتا ہے، امام کے قریب رہنے میں بھی ایک راز ہے۔

اور جب نماز سے فارغ ہوتو کلیتاً اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز کے بعد والے اور صبح کے اذکار کرتا ہے اور ان میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا، قرآن کی تلاوت کرتا ہے یہاںتک کہ جب سورج طلوع ہو جائے تو دو رکعت پڑھ کر اٹھ جاتا ہے یا پھر یونہی کھڑا ہو جاتا ہے نبی کریم ﷺ کی فجر سے پہلے اور بعد کی یہی عادت مبارکہ تھی۔ پھر عبادت سے فارغ ہونے کے بعد جب دنیا کی طرف جاتا ہے تب بھی اللہ کو نہیں بھولتا، دنیا کے کاموں میں بھی نیتِ صالحہ کی وجہ سے اجر پاتا ہے، اسکی عادات بھی اچھی نیت کی وجہ سے عبادات بن جاتی ہیں اور جو لوگ اپنی من مانی سے عبادات بجالاتے ہیں انکی عبادات بھی عادات کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح جب ظہر کا وقت آتا ہے تو کامل توجہ کیساتھ ظہر کیلئے حاضر ہوتا ہے اپنے معبود کیساتھ اتنا ہی مخلص ہو کر اسکی عبادت بجالاتا ہے جتنا کوئی سچی محبت کرنے والا اپنے محبوب کیلئے مخلص ہوتا اور محبوب کی رضا جوئی کیلئے انتھک محنت کرتا ہے، اپنی خدمات کو انتہائی خوبصورت انداز اور خوش اسلوبی کیساتھ پیش کرتا ہے تاکہ محبوب راضی ہو جائے، وہ لوگوں کو دیکھتا ہے کہ وہ مخلوق کی محنت میں مرے جا رہے ہیں تو اُسے حیا آتی ہے کہ اپنے رب کیلئے ایسی محبت سے بھی کمتر محبت پیش کرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ بندہ اپنے تمام اعمال میں اللہ کی رضا جوئی میں لگا نظر آتا ہے اور اسکے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ: ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'' اسی وجہ سے وہ ہمیشہ ہر عمل کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے، نبی کریم ﷺ بھی نماز کے بعد تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الذاریات/۱۸)

(اور یہ لوگ سحری کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں)

لہٰذا ہر عمل کے بعد استغفار کرنا مشروع ہے، بہت سے آیات واحادیث اس حوالے سے آتی ہیں۔ تو یہ مقرب بندہ بھی ہمیشہ توبہ واستغفار کو اپنا شیوہ بنائے رکھتا ہے، جتنی کثرت کیساتھ نیکیاں کرے اتنی ہی کثرت کیساتھ توبہ اور استغفار بھی کرتا ہے۔

فصل :

ان تمام چیزوں کا خلاصہ یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ظاہری اور باطنی تمام کیفیات کے ذریعے اللہ کی عبودیت کی تکمیل کرنا اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز سے محبت کرتا ہے اُس سے بندہ بھی محبت کرے اور اُس پر عمل پیرا ہو، اور اللہ تعالیٰ جس بات کو ناپسند کرتا ہے، بندہ بھی اُسے ناپسند کرے اور اس سے دور رہنے کی سعی کرے، یعنی ہر بات میں اللہ کی موافقت کرے، یہ تو ارادے اور عمل کی بات ہے، اور جہاں تک معرفت اور علم کا معاملہ ہے تو اس حوالے سے بھی مقربین اللہ کے اسماء وصفات کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور ایک خاص قسم کا تعلق انکے اور انکے رب کے درمیان موجود ہوتا ہے، لیکن یہ سب رسول اللہ ﷺ کی سنت اور طریقے کے مطابق ہوتا ہے، بدعتی لوگ اور متکلمین وغیرہ کے طرزِ عمل سے انکا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ انکی مخالفت کرتے ہیں۔

مقربین کی حالت تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جان، مال، تعلق، خواہشات اور ارادوں سے دستبردار ہو کر خود کو اللہ تعالیٰ کی چاہتوں کے سپرد کر دیتے ہیں، وہی کچھ کرتے ہیں جسکا تقاضا اللہ تعالیٰ ان سے کرتا ہے، اللہ کی تدبیر اور ارادے کے سامنے اپنی تدبیر اور ارادے کو مسترد کر دیتے ہیں، اسکے اختیارات کے مقابلے میں اپنے اختیارات کو تج دیتے اور خواہشات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں، اور اللہ کے کسی فیصلے، اور تدبیر پر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرتے، اگر، مگر، کیوں اور لیکن، شاید، کاش، جیسے الفاظ انکی زندگی سے نکل جاتے ہیں۔

اور اسکے ساتھ ساتھ ایمان کی تمام شاخوں مثلاً صبر، توکل، خوف، احسان، خشیت اور اخلاص وغیرہ کو بھی سمیٹتے ہیں۔ (ان شاخوں کا تذکرہ ہم نے الدین الخالص (۳۲۴/۱) اور اسی کتاب کی دوسری جلد میں کیا ہے) ان باتوں پر عمل پیرا ہو کر یہ لوگ اس درجے پر پہنچتے ہیں۔ اللھم اجعلنا منھم برحمتك یا ارحم الراحمین۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

۴۵- عظیم فائدہ

اللہ کے وجود کی دلائل اور علامات

جان لیجئے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ کو دنیا میں آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، البتہ عنقریب مؤمن قیامت کے دن اللہ کے دیدار سے مشرف ہونگے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ایسی نعمت ہے جسکا مقابلہ کوئی نعمت نہیں کرسکتی!!۔

دنیا میں عدمِ رؤیت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت شاملہ کی بناء پر بہت سے دلائل اور براہین قائم کیے ہیں جنکے ذریعے اللہ تعالیٰ کا وجود ایک واضح حقیقت بن کر سامنے آتا ہے، اور معلوم ہوتا کہ اللہ کا وجود ہی کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے جبکہ باقی ہر وجود کمزور، کمتر اور فانی ہے، لیکن بہت سے لوگ ان حقائق اور براہین سے نابلد رہتے ہیں، اور اسکی بنیادی وجہ وہ زنگ ہے جو گناہوں کے سبب انکے دلوں کو لگ چکا ہے، حالانکہ یہ تو وہ دلائل ہیں جو یقین کو مضبوط اور ایمان کو منور کرتے ہیں اور حیران و پریشان لوگوں کیلئے ہدایت کی ضمانت ہیں۔

یہ دلائل میں نے کسی ایک کتاب میں مجموعی طور پر نہیں دیکھے، محض اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے فضل وکرم سے یہ عنایت مجھ پر فرمائی ہے اور انہیں لکھنے کی توفیق بخشی ہے۔

۱- **پہلی دلیل** تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو فطرت پر پیدا فرمایا ہے، فطرت پر پیدا کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں اپنے وجود کا احساس رکھ دیا ہے اور انہیں اپنی معرفت اور اپنی جانب انابت کی استعداد بخشی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "**کل مولود یولد علی الفطرۃ فأبواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ**" الحدیث۔

(ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اسکے ماں باپ اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)
یعنی ہر شخص کے دل میں اللہ کے وجود کا شعور، اسکی معرفت کے حصول کی استعداد، اور اسکے دین کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اگر اسکے ماں باپ آڑے نہ آئیں اور غلط نہج پر اسکی تربیت نہ کریں تو وہ خیر و شر میں تمیز کر سکتا ہے نیکی کا حسن اور برائی کی قباحت اُس پر آشکار ہو سکتی ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ "اَلْمُفْهِمْ" میں فرماتے ہیں: بندے کے دل میں فطرت یعنی قبول حق کی صلاحیت پیدا کرنا اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے کانوں کو سننے اور آنکھوں کو دیکھنے کی صلاحیت دی ہے۔ (انظر المرعاۃ ۱۷۶/۱)

امام راغبؒ اپنی کتاب "المفردات" میں فرماتے ہیں: "فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" (الروم/۳۰) (اللہ کی فطرت جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا فرمایا)
اسکا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں اپنی معرفت کو گاڑ دیا ہے جسکے ذریعے وہ معرفتِ ایمان کی قوت بھی حاصل کر لیتے ہیں، اسی معنی کی طرف اس آیت میں بھی اشارہ کیا گیا ہے: "وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللهُ"۔ (الزخرف/۸۷)
(اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ انہیں کس نے پیدا کیا؟ تو ضرور یہ لوگ جواب میں کہیں گے: ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے)

اور حدیث قدسی میں آتا ہے: "واني خلقت عبادي حنفاء فأتتهم الشياطين فاجتالتهم عن دينهم" (رواه مسلم)
(اور بے شک میں نے اپنے بندوں کو (سیدھے راستے پر) یکسو پیدا کیا تھا، پھر شیاطین انکے پاس آئے اور انہیں انکے دین سے ہٹا دیا) (مسلم) اس حدیث میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو درست اور مستقیم راستے پر پیدا کیا ہے جو اللہ کی کمال درجے کی محبت، اسکے سامنے عاجزی وانکساری اور صرف اسی کی اطاعت وفرمانبرداری کو متضمن ہے۔ (بدائع التفسیر ۳۹۲/۳)

بہت سے فطری دلائل ہیں جو انسانوں کو اپنے خالق ومالک کے باوجود، اختیار، علم، قدرت، حکمت اور صفات جلال وکمال کو تسلیم کرنے پر مجبور کردیتے ہیں:

فطری دلیل کی علامت یہ ہے کہ اگر آپ کسی ایسے بچے سے بھی سوال کریں کہ جس نے ابھی کوئی تعلیم حاصل نہ کی ہو: بیٹا! تمہیں کسی نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ بچہ بھی فوراً جواب دیگا: اللہ نے۔ پھر آپ اُس سے پوچھیں: اللہ کہاں ہے؟ تو کہے گا: اوپر آسمانوں پر۔ پھر آپ پوچھئے: کیا تمہارا رب بڑا اور عظیم ہے؟ تو جواب دیگا: جی ہاں۔ پھر آپ اُس سے کہیں: آسمانوں اور زمین کو کسی نے پیدا کیا ہے؟۔

تو یقیناً اسکا جواب یہی ہوگا کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے۔ اسی طرح اگر آپ کسی بہرے سے بھی کسی طرح یہ سوال پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا؟ تو اگرچہ اس نے کبھی اللہ تعالیٰ کا نام تک نہیں سنا لیکن وہ بھی کہے گا آسمان میں رہنے والے (اللہ) نے مجھے پیدا کیا ہے۔

اسی وجہ سے اکثر لوگ کہ جنکی فطرت ابھی مسخ نہیں ہوئی، اللہ کو اس کائنات کا خالق مانتے ہیں، البتہ بعض لوگ جنکی فطرت مسخ ہوچکی اللہ کے منکر ہیں، لیکن وہ بھی کسی اور نام سے اللہ کو مانتے ضرور ہیں اور انکے دل ودماغ میں یہ بات ضرور پیدا ہوتی ہے کہ اس کائنات کا کوئی صانع اور محرک ضرور ہے جو اسکے نظام کو چلاتا ہے لیکن شہوات ان پر غلبہ پاچکی ہیں اور گناہوں کی کثرت نے انکی فطرت کو بگاڑ دیا ہے، اگر یہ لوگ کچھ غور وفکر کریں تو ضرور آسمان وزمین کے رب اور خالق کائنات کا اقرار کرلیں، اللہ کی ذات اور اسکی عبادت سے منہ پھیرنے والے کیمونسٹ بھی اپنے مذہب کے بانی کی عبادت کرتے اور اسکے خبیث وجود کے سامنے جھکتے ہیں، اگر دین اور مذہب کچھ نہیں تو یہ کیا ہے؟

سلیمان الاشقر رحمہ اللہ۔فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود کے اثبات کیلئے قرآنِ مجید میں لمبے چوڑے دلائل ذکر نہیں کئے کیونکہ فطرتِ سلیمہ اسکا اقرار کرتی ہے اور توحید ایک بدیہی حقیقت ہے: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ

النَّاسَ عَلَيْهَا﴾۔(الروم/۳۰)

(پس آپ یکسو ہو کر اپنے چہرے کو دین کیلئے قائم کر دیجئے، یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے)

اکثر اوقات بڑے بڑے مصائب بھی انسان کی فطرت کو بیدار کر کے اسے اللہ کے سامنے جھکا دیتے ہیں: ﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ﴾(النمل/)۶۲)

(کون ہے جو پریشان حال کی بات کو قبول کرتا ہے جبکہ وہ اُس سے فریاد کرے)

جیسا کہ بہت سے ملحد اُس وقت اللہ کو پکارنے اور آہ وزاری کرنے لگے تھے جبکہ انکا طیارہ فضا میں خراب ہو گیا تھا، اُس وقت الحاد کہاں گیا تھا؟ اسی طرح یہ فطرت کتاب وسنت کو سنکر بھی مزید نکھر جاتی ہے اور پھر نورٌ علی نور والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اسی وجہ سے ہمیشہ سے اہلِ بدعت اور کفار وغیرہ دشمنانِ دین کی کوشش رہتی ہے کہ عوام کو اللہ کی کتاب سے دور رکھا جائے تا کہ وہ اس نور سے محروم ہی رہیں۔

۲- دوسری دلیل عقل سلیم ہے:

تمام عقول سلیمہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتی ہیں اسی لیے آپ عقلمند لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے وجود کا اقرار کرتے ہیں، جن میں انبیاء اور پیغمبر، علماء، اہل تقوی، صالحین اور تمام مذاہب کے اہل عقل ودانش شامل ہیں، البتہ کچھ لوگ جنکی فکری صلاحیتوں پر شیاطین غلبہ پا چکے ہیں وہی اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں، اگر شیاطین نہ ہوتے تو لوگ اپنے ضمیر کی آواز کیساتھ ساتھ آسمان وزمین کے عجائبِ قدرت کو بھی بآسانی دیکھ لیتے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے معراج والی روایت میں ارشاد فرمایا ہے: جب میں آسمان دنیا کی طرف اترا اور نیچے نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ گرد وغبار، دھواں اور چیخ وپکار مچی ہوئی ہے، میں نے کہا: جبریل! یہ کیا ماجرا ہے؟ تو جبریل نے جواب دیا: یہ شیاطین ہیں جو بنی آدم کے ارد گرد منڈلا رہے ہیں اور آسمان وزمین کی بادشاہت کے حقائق کو انکی نگاہوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں پر عجیب وغریب حقائق منکشف ہو جاتے۔

(مسند الامام احمد ۲/ ۳۵۳، وفی اسنادہ علی بن زید، ولکن یقویہ النصوص الاخریٰ فی ہذا المعنیٰ)۔

اگر کسی شخص کو اسکی عقل اور بصیرت کے حوالے کر دیا جائے اور اُس پر شہوات اور غلط افکار کا غلبہ بھی نہ ہو تو یقیناً وہ اس وسیع وعریض کائنات کے خالق کو تسلیم کریگا، کیونکہ کوئی صنعت بغیر صانع کے، کوئی مخلوق بغیر خالق، اور کوئی فعل بغیر فاعل کے واقع ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کسی عقلمند شخص سے کہیں کہ فلاں علاقے میں ایک بہترین شہر آباد ہے جو بہترین منصوبہ بندی سے تشکیل دیا گیا ہے، ہر قسم کا اناج اور بہترین مشروبات وہاں پائے جاتے ہیں لیکن اسکا بانی اور معمار کوئی نہیں۔ اگر آپ ایسا کہیں تو عقلمند لوگ آپکو پرلے درجے کا احمق اور جاہل قرار دیں گے کیونکہ عقل یہ گواہی دیتی ہیں کہ ان تمام چیزوں کا کسی کا فاعل مختار کے بغیر پایا جانا ممکن ہی نہیں۔

اسی وجہ سے ایک عقلمند دیہاتی نے کہا تھا: جب ایک بعرہ (مینگنی) بعیر (اونٹ) پر دلالت کرتی ہے، قدموں کے نشان مسافر کا پتہ دیتے ہیں، تو پھر برجوں والا آسمان، کشادہ راستوں والی زمین اور موجوں والا سمندر ایک ذات سمیع وبصیر پر دلالت کیوں نہیں کرتے؟۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت ملتی ہے کہ بعض ملحدین انکے پاس آئے اور وجودِ باری تعالیٰ کے حوالے سے سوال کرنے لگے، امام صاحبؒ نے کہا: مجھے معاف رکھو، فی الحال میں ایک اور چیز پر غور کر رہا ہوں جسکی مجھے اطلاع ملی ہے اور وہ یہ کہ ایک کشتی میں مختلف تجارتی سامان رکھا ہے، نہ اسکا کوئی نگہبان ہے نہ ملاح، لیکن اسکے باوجود وہ موجوں کا سینہ چیر کر اپنی مرضی سے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتی اور خطرناک طوفانوں سے بچ نکلتی ہے، تو وہ ملحدین فوراً بول پڑے کہ یہ تو بے وقوفوں والی بات ہے، کوئی عقلمند یہ سوال کر ہی نہیں سکتا۔

تو امام صاحب نے فرمایا: پھر تم پر بھی افسوس ہے کہ تم زمینی اور خلائی حقائق کا مشاہدہ بھی کرتے ہو اور دیکھتے ہو کہ پوری کائنات کا نظام کس قدر مضبوط محکم اور ٹھوس بنیادوں پر

استوار ہے اور اسکے باوجود یہ کہتے ہو کہ اسے بنانے والا کوئی نہیں؟

یہ بات سنکر وہ لوگ ہکا بکا رہ گئے، حق کی طرف رجوع کر لیا اور مسلمان ہو گئے۔

رشید نے امام مالک رحمہ اللہ۔ سے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: حلق ایک ہے لیکن لوگوں کی بولیاں، آوازیں اور لہجے مختلف ہیں، کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی ذات بالا موجود ہے جو ان بولیوں کی معلم اور لہجوں کی خالق ہے؟۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: یہ دیکھو کہ یہ ایک شہتوت کے پتے ہیں، انکا ذائقہ بھی یکساں ہے، ریشم کا کیڑا جب انہیں کھائے تو ریشم پیدا کرتا ہے، شہد کی مکھی کھائے تو شہد نکالتی ہے، بکری اور گائے اسے کھائے تو مینگنی اور لید خارج کرتی ہے، ہرن اسے کھا کر کستوری کو باہر لاتا ہے، تو اس ایک ہی چیز سے اتنی بہت سی چیزیں پیدا کرنے والا کون ہے؟ (اللہ)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک مضبوط اور چکنا قلعہ ہے، جسکا کوئی دروازہ ہے نہ کھڑکی، اسکا ظاہر سفید چاندی اور باطن خالص سونے کی طرح ہے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسکی دیواریں پھٹ پڑتی ہیں اور اس میں سے ایک دیکھنے، سننے والا جاندار اپنی موہنی سی شکل وصورت اور پیاری سی آواز کیساتھ اچانک نمودار ہو جاتا ہے۔ (یعنی انڈہ)

ابن المعتز رحمہ اللہ نے فرمایا:

فَوَاعَجَبًا كَيْفَ يَعْصِي الْإِلٰهَ ... أَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ ... تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ وَاحِدُ

(بڑے تعجب کی بات ہے، کوئی منکر اپنے معبود کی نافرمانی یا انکار کیسے کر پاتا ہے؟ حالانکہ کائنات کی ہر چیز میں اسکی علامت موجود ہے جو اُسکے واحد لاشریک ہونے کی گواہی دیتی ہے)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص ان آسمانوں، انکی بلندی، وسعت اور ان میں موجود چھوٹے بڑے ستاروں اور سیاروں پر غور وفکر کرے اور یہ دیکھے کہ کس طرح دن اور رات میں ایک مدار کے اندر انکی گردش ہوتی ہے، اسی طرح سمندروں کا جائزہ لے جو چہار

جانب سے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں، اور پہاڑوں کا مشاہدہ کرے جو اس زمین میں گاڑ دیئے گئے ہیں تاکہ زمین قرار پکڑے اور سکون کیساتھ اس پر چلنا پھرنا ممکن ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۲۷﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ﴾۔ (الفاطر/۲۸)

(اور پہاڑوں میں مختلف رنگوں کے طبقات ہیں، کوئی سفید، کوئی لال اور کوئی سیاہ کالے ہیں، اسی طرح لوگوں، جانوروں اور چوپایوں کی رنگتیں بھی مختلف ہیں)

اسی طرح بڑے بڑے دریا اور نہریں جو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بہتی چلی جاتی ہیں اور خلق کو فائدہ پہنچاتی ہیں، اور زمین میں پھیلے ہوئے مختلف حیوانات اور نباتات جنکے ذائقے، خوشبو، شکل اور رنگتیں باہم مختلف ہیں حالانکہ طبیعت اور پانی ایک سا ہے، ان سب باتوں پر غور کرنے والا اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ اس کائنات کا صانع موجود ہے اور وہ عظیم الشان قدرت اور زبردست حکمت کا مالک ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان اور لطف وکرم کرنیوالا ہے، اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور نہ ہی اسکے سوا کوئی پروردگار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۹۱)

عنقریب ہم ان ادلہ کو تفصیل کیساتھ ذکر کر رہے ہیں، ان پر غور کیجئے اور طوالت سے مت گھبرائیے کیونکہ یہ موضوع دل کی نورانیت کیلئے انتہائی مفید ہے اسی وجہ سے قرآن مجید نے بھی جابجا اسکا ذکر کیا ہے۔ (واللہ المستعان)

عجیب وغریب بات تو یہ ہے کہ تمام لوگ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ کسی شہر کا وجود معمار اور بانی کے بغیر ممکن نہیں، ایک پتھر بھی اپنے اٹھانے کیلئے کسی کا محتاج ہے، لیکن اس عظیم الشان کائنات کے بانی کا بعض لوگ انکار کرتے ہیں، حالانکہ یہ کائنات بڑی ہونے کیساتھ پیچیدار بھی ہے: ﴿لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (المؤمن/۵۷)

(آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا، لوگوں کو پیدا کرنے سے بڑی بات ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)
اگر ان لوگوں میں تھوڑی بھی عقل ہوتی تو کبھی اللہ کا انکار نہ کرتے، اور جب بھی ان سے علمی منطق میں بات کی جائے تو اقرار یا تکبر کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔

اسی دلیل اور قانون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ﴾۔ (الطور/ ۳۵)

(کیا یہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے ہیں یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟)

یہ آیت کریمہ تمام ذی شعور لوگوں کو اس حقیقت کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے کہ یقیناً کوئی خالق اور معبود ہے۔ اور اس آیت میں ایسی زبردست بلاغت ہے کہ جب کوئی عاقل اسے سنتا ہے تو اسکے دل میں ایک عجیب زلزلہ سا پیدا ہوتا ہے اور وہ جھومنے لگتا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے سنا، تو فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے تو میرا دل قریب تھا کہ اڑ جائے۔

ابو سلیمان الخطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ پر یہ کیفیت اس وجہ سے طاری ہوئی کہ وہ خوب اچھی طرح تلاوت سن رہے تھے اور انہوں اس میں موجود فصاحت و بلاغت کا استدراک کر لیا تھا۔

امام خطابیؒ نے ''مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ'' ۔ کا معنیٰ ''بغیر کسی خالق کے'' کیا ہے۔ کیونکہ مخلوق کیلئے خالق کا پایا جانا ضروری ہے، پھر یہ سوال ہوا کہ اگر کوئی اور خالق نہیں تو کیا انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو پیدا کیا ہے؟ یہ بھی امرِ محال ہے جس چیز کا خود ہی کوئی وجود نہ ہو وہ بھلا کیا قدرت رکھتی ہے۔ جب یہ دونوں باتیں ممکن نہیں تو پھر مان لینا چاہیے کہ کوئی خالق موجود ہے پھر فرمایا: ﴿اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ﴾ (الطور/ ۳۶)

(تو کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین نہیں کرتے) اس سوال کا بھی ملحدین کے پاس کوئی جواب نہیں۔ پہلی آیت کے جواب میں اگر کوئی ڈھٹائی اور ہٹ

دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہہ بھی دے کہ میں خود اپنا خالق ہوں، تو یہاں کیا کہے گا؟

بہر حال عقلِ سلیم انسان کو ایک عظیم خالق کو تسلیم کر لینے پر مجبور کرتی ہے البتہ بعض عقلوں پر گناہوں اور شہوات کے پردے پڑ جاتے ہیں اور انہیں یہ واضح حقیقت بھی سمجھ میں نہیں آتی، انبیاء ورسل علیہم السلام بھی لوگوں پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کرتے تھے:

﴿ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ ﴾۔(الآیۃ)(ابراہیم/۱۰)

(کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی کوئی شک ہوسکتا ہے، جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنیوالا ہے، وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو بخش دے)

اللہ تعالیٰ کا وجود ایک عقلی اور فطری چیز ہے جسکی گواہی یہ پوری کائنات دے رہی ہے، جیسا کہ عنقریب اسکی تفصیل آرہی ہے۔

جب کسی انسان کی عقل درست ہو تو وہ اپنے رب کو پہچان لیتا ہے، اور جب کسی کی عقل فاسد ہو جائے تو اُسکا ایمان بھی بگڑ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ (یونس/۱۰۰) (اور کسی نفس کیلئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر پلیدی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے)

اور فرمایا: ﴿ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴾۔
(الانفال/۲۲)

(بے شک اللہ کے نزدیک زمین میں رینگنے والی تمام مخلوق سے بدتر وہ لوگ ہیں جو بہرے، گونگے بنے ہوئے ہیں، جو عقل نہیں کرتے)

۳۔ **تیسری دلیل** : عجیب ترین دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ قومیں جو عذاب اور بربادی کا شکار ہوئیں وہ نہایت طاقتور اور شان وشوکت کی مالک تھیں جبکہ انکے بالمقابل انبیاء کرام اور عام مؤمنین عموماً کمزور اور مسکین ہوا کرتے تھے، لیکن اسکے باجود

انہوں نے نجات پائی اور کفار کا مقدر شکست اور رسوائی ٹھہری، تو اگر کوئی بالا دست قوت نہیں تو عقل اور طبیعت کا تقاضا تو یہی تھا کہ طاقتوروں کے بجائے کمزوروں کی پسپائی ہوتی لیکن تاریخ کی شہادت اسکے برعکس ہے اور وہ بالا دست قوت اللہ رب العزت کی ذاتِ حکیم ہی ہے۔

۴- **چوتھی دلیل**: یہ پچھلی دلیل کا ہی تتمہ ہے اور وہ یہ کہ جدید علوم کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عذاب انہی جگہوں پر اترے جہاں وہ قومیں آباد تھیں جبکہ آس پاس کے دیگر علاقے اور صحرا عذاب سے محفوظ رہے، اس میں بھی اس بات کی دلیل ہے ایک وسیع علم و حکمت رکھنے والی قوت نے ان بستیوں کو ملیا میٹ کیا تھا: قرآن مجید نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴾ (ق/ ۳۷)

(بے شک اس (یعنی تکذیب کرنیوالی قوموں کی ہلاکت) میں ہر اُس شخص کیلئے نصیحت ہے جو (زندہ) دل رکھتا ہے یا کان لگا کر توجہ کیساتھ بات سنتا ہے) انظر زاد المسیر والروح)

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دلوں کی دو قسمیں ہیں:

۱- ایک تو وہ دل جو دنیا کے اشغال سے بھرا پڑا ہے، جب اسکے سامنے آخرت کا کوئی معاملہ آجائے تو اسے کچھ بھائی نہیں دیتا کہ کیا کرنا ہے؟

۲- دوسرا وہ دل جو آخرت کی فکر میں مگن ہے، اسکے سامنے جب دنیا کا کوئی معاملہ درپیش ہو تو اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس سے کیسے نمٹے؟ (قرطبی)

بہر حال مقصود یہی ہے کہ تکذیب کرنیوالی اقوام کی ہلاکت اللہ تعالیٰ کے وجود کی اہم ترین دلیل ہے، اگر تفصیل چاہیں تو نوح علیہ السلام اور انکی قوم، ہود علیہ السلام اور انکی قوم، صالح علیہ السلام اور انکی قوم اور آج تک آنے والی اقوام کی تاریخ پڑھ کر دیکھ لیجئے، فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور باطل کا منہ کالا ہی ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ (الاعراف/ ۱۲۸)

(اورانجام کار متقین کیلئے ہے) (بس ذرا اِک صبر)

۵- پانچویں دلیل : یہ بھی پچھلی دلیل کے قریب ہی ہے لیکن اسکے مقابلے میں دقیق ولطیف ہے جسے وہی لوگ سمجھ پاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور کتاب کا علم عنایت فرمایا ہو۔ اور وہ دلیل ہے بندے کی نیکیاں اور گناہ۔

وہ اس طرح کہ جب کوئی بندہ گناہوں کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس پر مصائب نازل ہوتے ہیں، ذلت اور خواری اسکا مقدر بنتی ہے، گناہ انسان کو دل اور جسم دونوں لحاظ سے کمزور کردیتے ہیں اور چہرے پر پھٹکار برستی ہے اور اللہ کی مخلوق کے دلوں میں بھی اسکی نفرت پیدا ہوجاتی ہے، اور جو بندہ اللہ کی فرمانبرداری اور نیکی کی راہ پر چلے وہ سکون اور راحت پاتا ہے، لوگوں کے دلوں میں بھی اسکی عزت اور رعب بیٹھ جاتا ہے، چہرے سے نور چھلکتا ہے۔ ہر شخص اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری عزت وشرف اور جاہ وجلال کا باعث ہے اور نافرمانوں کیلئے ذلت ورسوائی اور حقارت وخواری ہے، اس سے ثابت ہوا کہ لوگوں میں اللہ کا فیصلہ چلتا ہے، وہی عزت وذلت کا مالک ہے ورنہ طبعی طور پر فاسق وفاجر لوگوں کو عزت ملنی چاہیے تھی کیونکہ وہ مال ومنال کے مالک ہوا کرتے ہیں جبکہ معاملہ اسکے برعکس ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب (مدارج السالکین ۱/۴۲۱) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں: گناہوں کے حوالے سے لوگوں میں جن باتوں کا مشاہدہ ہوا ہے اسکی تیرہ اقسام ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے اس سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے (یعنی گناہوں سے نہیں بلکہ گناہوں کا نتیجہ دیکھ کر) وہ اس طرح کہ اللہ کے تمام پیغمبر علیہم السلام اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلان بات کو پسند کرتا، فلاں سے نفرت کرتا ہے، فلاں پر اجر وثواب دیتا اور فلاں پر سزا دیتا ہے، جب بندہ ان باتوں سے آگاہ ہونے کے بعد گناہوں اور نیکیوں کے اثرات دیکھتا ہے تو اسکا ایمان بڑھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ﴾ -

(النحل/۹۷)

جس نے بھی نیک عمل کیا، خواہ مرد ہے یا عورت، جبکہ وہ مؤمن بھی ہو، تو ہم ضرور اُسے ایک پاکیزہ زندگی عنایت فرمائیں گے۔

اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا ﴾ (طٰہٰ/۱۲۴)

(اور جس نے میرے ذکر سے اعراض کیا تو یقیناً اسکی زندگی تنگ ہو جائے گی)

اور فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ﴾۔ (النحل/۳۰)

(اچھے عمل کرنیوالوں کیلئے دنیا میں بھی اچھا صلہ ہے)

اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ (الطور/۴۷) (اور یقیناً اُن لوگوں کیلئے جنہوں نے ظلم کیا اس (عذابِ آخرت) کے علاوہ بھی عذاب ہے) لہٰذا بندے کو پہنچنے والی ہر مکروہ چیز اسکے گناہ کا ہی نتیجہ ہے جبکہ بہت سے گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ یونہی معاف فرما دیتا ہے۔

فرمایا: ﴿ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾۔ (الشوریٰ/۳۰)

(اور تمہیں پہنچنے والی ہر مصیبت تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہی تو ہے، جبکہ بہت سے گناہوں سے وہ درگذر کر دیتا ہے)

تو دنیا میں پایا جانے والا ہر شر اور فساد گناہوں کی وجہ سے ہے اور تمام بھلائیاں اللہ کی رحمت اور نیکیوں کا نتیجہ ہیں، نیکیوں اور گناہوں کے اثرات جو انسانی دلوں، جسموں اور اموال پر ظاہر ہوتے ہیں کوئی عاقل بھی انکا انکار نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ مؤمن، کافر، نیک اور فاجر سب ہی اس حقیقت سے واقف ہیں۔

جیسا کہ بعض سلف صالحین کا قول ہے: جب مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے اور میں فوراً اسکا تدارک بھی نہیں کر پاتا، تو مجھے اسکے بُرے نتیجے کا انتظار رہتا ہے اور جب وہ نتیجہ ظاہر ہوتا ہے تو میری زبان سے بے ساختہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی صداقت کی گواہی بلند

ہو جاتی ہے۔ جب اس علم کا دروازہ بندے پر کھل جائے تو تاریخِ عالم کا مطالعہ اسے بے حد فائدہ پہنچاتا ہے، اور اس پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ لوگوں کی پریشانیوں اور فکر مندیوں کی ذمہ دار کونسی چیز ہے؟ خیر وشر کا اصل پیمانہ کیا ہے؟ اور لوگوں کو درپیش آنے والے معاملات کا اصل ماجرا کیا ہے؟ پھر اُسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا معنیٰ بھی سمجھ میں آتا ہے: ﴿ اَفَمَنۡ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفۡسٍ ﴾ (الرعد/۳۳) (کیا وہ ذات جو ہر نفس پر قائم ہے) الآیۃ۔
اور ''قَآئِمًا بِالۡقِسۡطِ '' (آل عمران/۱۸) (وہ (اللہ) انصاف کو قائم کرنے والا ہے)

تو یہ تمام نتائج اللہ کے عدل وانصاف کا نتیجہ ہیں، اگر آپ نے اس بات کو اچھی طرح جان لیا تو آپ دلوں کے طبیب بن جائیں گے، دلوں کی بیماری اور دوا دونوں سے واقف ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپکے ذریعے خود آپکے نفس اور دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچائے گا (ملخصا)۔

تو اے اللہ کے وجود کا انکار کرنیوالے! تیری عقل اور بصیرت کہاں گئی تیرا دماغ کیوں کام نہیں کرتا؟ کیا ہر روز تو گناہ گاروں پر اُترنے والے مختلف مصائب، غموں اور واہموں کا مشاہدہ نہیں کرتا؟

اور کیا تو نہیں دیکھتا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں پر بھلائیوں اور رحمتوں کی بارش برساتا اور انکے دلوں کو راحت اور چین سے نوازتا ہے؟ (واللہ المستعان)

۶۔ **چھٹی دلیل** :اس دلیل سے صرف وہی لوگ واقف ہیں جو دعوت الی اللہ کا عملی تجربہ رکھتے ہیں اور اس پر صبر واستقامت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں، وہ یوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دعوتِ حق پیش کرنے والے کی مدد کرتا ہے، حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا کرتا ہے، دعوتِ حق کو ثمر آور کرتا اور دعوتِ باطل کو مٹا دیتا ہے، اہلِ حق کو عزت دیتا اور اہلِ باطل کو ذلیل کر دیتا ہے، جیسا کہ سورۃ الرعد میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ

اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۥ ط فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ط﴾ (الرعد/١٧)

(اُس نے بادلوں سے پانی برسایا، پھر وادیاں اپنی اپنی گنجائش کے مطابق پانی کیساتھ بہہ پڑیں، پھر (میل کچیل سے) جھاگ بن کر پانی کی سطح پر اٹھا تو سیلاب کی رو اُسے بہا کر لے گئی، اور اسی طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اُس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا کوئی اور سامان بنانے کیلئے (دھاتوں کو) آگ پر تپاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے، تو جھاگ رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز لوگوں کیلئے نفع مند ہے وہ زمین میں قرار پکڑتی ہے)

اس مثال پر غور کیجئے! آپ اسکے مصداق کو ہو بہو ہوتا دیکھیں گے، انبیاء کرام کی دعوت کسطرح کامیاب ہوئی، کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف دعوت دینے والوں کی مدد فرمائی انکا انجام کار بہترین بنایا اور باطل و اہل باطل کو ملیا میٹ کر دیا ایک روایت میں قیصرِ روم نے بھی اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا تھا:

"وَكَذٰلِكَ الرسل تبتلىٰ ثم تكون لهم العاقبة" (بخاری ٤/١)

(اسی طرح رسولوں کی آزمائش تو ہوتی ہے لیکن پھر انجام کار رسولوں کا ہی ہوتا ہے) بہت سی باتیں اس سلسلے میں ہمارے تجربے اور مشاہدے سے گذری ہیں جنکے بیان سے بات لمبی ہو جائے گی، مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ دعوتِ حق کا استہزاء کرنے والوں، قرآن وسنت کی مخالفت کرنیوالوں اور ان سے روکنے والوں کو ہلاک اور ذلیل کر دیتا ہے اور انکی تعداد، قوتِ بیان اور فصاحت و بلاغت کے باوجود رسوائی ہی انکا مقدر بنتی ہے۔

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (ہود/٤٩)

(پس صبر کیجئے، یقیناً انجام کار متقین کیلئے ہے)

یہ میرے ذاتی تجربے کی بات ہے اور ہر وہ شخص اس بات کو جان سکتا ہے جسکا ادنیٰ ترین تعلق دعوت، علم اور صبر سے ہو۔ (واللہ عز وجل ہو المستعان)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (الانبیاء/ ۱۸) (بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں، تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے باطل فنا ہو جاتا ہے)

اور فرمایا: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾۔ (الاسراء/ ۸۱)

(اور آپ کہہ دیجئے! حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، یقیناً باطل نے تو مٹنا ہی تھا)

اور فرمایا: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ (سبا/ ۴۹)

(فرما دیجئے! حق آ گیا اور باطل نہ تو کچھ پیدا کرسکتا ہے اور نہ ہی کچھ پھیر کر لا سکتا ہے) ہمارے خالق اور معبود نے بالکل سچ ہی فرمایا ہے، روز اول سے لیکر اب تک ایسا ہی ہوتا آیا ہے، اگر اللہ کا وجود، اسکی قدرت اور حکمت نہ ہوتی تو اہل تقویٰ کو کامیابی اور حق کو غلبہ حاصل نہ ہوتا۔ (واللہ ولی التوفیق)

۷- **ساتویں دلیل** : یہ بھی نادر ترین دلیلوں میں سے ایک ہے، جنکی طرف اکثر لوگوں کی توجہ نہیں ہو پاتی، اور وہ ہے جنوں کا وجود- یقیناً جنوں کا وجود بھی اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ بہت سی چیزیں وجود رکھتی ہیں لیکن انہیں آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، عقلاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی چیز کے وجود کیلئے اسے دیکھنا شرط نہیں، بلکہ اسکا کلام، صنعت یا بعض لوگوں کا اُسے یا اسکی بعض علامات کو دیکھ لینا ہی کافی ہے۔

جنوں کو عجیب وغریب قوت اور تیزی سے نوازا گیا ہے، یہ انسان کے جسم میں بھی داخل ہو جاتے ہیں اور کبھی انسانی یا حیوانی شکل میں دیکھے بھی جا سکتے ہیں، خود میں نے بھی جنوں کی آوازیں سنی ہیں، جبکہ بہت سے لوگوں نے تو جن دیکھے بھی ہیں، اور اس بات پر بہت تعجب ہوتا ہے کہ بعض جاہل لوگ جنوں کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ ان سے ہم یہی کہیں گے کہ اگر تم کوشش کرو تو جنوں کو دیکھ بھی سکتے ہو، اُس شخص کے پاس جاؤ جو جن زدہ لوگوں پر دم کرتے ہیں اور انکے اس عمل کا مشاہدہ کرو تو عجیب باتیں دیکھو گے۔

اگر آپ **جن دیکھنا** چاہتے ہیں تو کچھ امور ہیں جنہیں اختیار کر کے ایسا ممکن ہوسکتا ہے: ۱- کسی ایسی جگہ پر جائیں جہاں جنوں کی کثرت ہو یا جو جگہ جنوں کے حوالے سے معروف ہو، ممکن ہے آپ انہیں دیکھ لیں یا اُنکی آواز سن لیں۔

۲- دم کرنے والوں کے پاس جائیں جو ایسے لوگوں کو دم کرتے اور جن نکالتے ہیں، بعض اوقات دوسرے انسان کی زبان سے جن باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو ایسی بولی میں بھی کرتا ہے کہ جس سے وہ انسان واقف تک نہیں ہوتا اس طرح بھی جنوں کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔

۳- بعض دم وغیرہ کے ذریعے علاج کرنے والے تو جنوں کو مسخر بھی کر لیتے ہیں اور بعض اوقات اپنی مٹھی میں جن کو پکڑ کر لوگوں کو بھی دکھاتے ہیں، یہ عمل اگرچہ ظلم ہے لیکن آپ اگر وہاں حاضر ہوں تو یہ دیکھ لیں گے۔

۴- کچھ دعائیں بھی ہیں جنکے ذریعے جنوں کی تسخیر ہوتی ہے لیکن وہ میں یہاں پر نہیں لکھونگا تاکہ کوئی ان پر عمل نہ کر سکے، کیونکہ جنوں کی تسخیر یا تو کفریہ الفاظ کیساتھ ہوتی ہے، اور یہ کفر ہے۔ یا پھر شرعی اذکار کے ذریعے، لیکن انہیں مسخر کرنا بہر حال ظلم ضرور ہے۔

تو جنوں کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے، بلکہ اللہ کا وجود ہی حق مبین ہے کیونکہ وہی باقی رہنے والا ہے جبکہ باقی تمام موجودات فانی ہیں، لہٰذا اگر آپ جنوں کے وجود سے واقف ہو گئے ہیں تو یقیناً اللہ کے وجود کا انکار بھی نہیں کرینگے، اگرچہ جنوں کا وجود دنیا میں ہے اور اللہ کا وجود بلند آسمانوں کے اوپر ہے، لیکن نہ جن نظر آتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ۔ البتہ جن بعض آثار وعلامات سے ظاہر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وجود اس کائنات کے ایک ایک ذرے سے ظاہر ہوتا ہے اور اسکے وجود کی گواہی زمین کا ایک ایک پتہ دیتا ہے۔

۸- **آٹھویں دلیل: قرآن کریم** ایسی دلیل ہے جو اللہ کے وجود کے حوالے سے ہر شک وشبے کا سر کچل دیتی ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی دعوت اور معجزات اور اسکے ساتھ اگر عقلی دلائل بھی شامل لیے جائیں تو سونے پہ سہاگہ ہیں۔ انہی تینوں چیزوں کی

طرف قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے: فرمایا:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴾ (الحدید/۹)

(اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ رسول (ﷺ) تمہیں دعوت دے رہے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ (آفاقی اور عقلی دلائل کے ذریعے) تم سے عہد بھی لے چکا ہے، وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیات نازل کر رہا ہے تاکہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا شفیق اور نہایت مہربان ہے)

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے! پھر دیکھیں کہ کس طرح آپ کی تشفی ہوتی ہے، یقیناً یہ تینوں قسم کے دلائل انسان کو ایمان باللہ پر مجبور کر دیتے ہیں، اور تینوں زبردست دلائل کی موجودگی میں کسی انسان کے پاس کوئی عذر باقی نہیں بچتا۔ قرآن کریم دو اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اسکے بے پایاں علم پر دلالت کرتا ہے۔

ایک تو اس طرح کہ یہ عظیم کتاب ایسی شخصیت سے صادر ہوئی جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی۔

اور دوسرے یہ کہ قرآنِ کریم اولین و آخرین کے علوم پر مشتمل معجزہ ہے۔

اور اس بات کی تفصیل بھی کئی لحاظ سے کی جاسکتی ہے:

۱۔ سب سے پہلے تو آپکو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کو پیش کرنے والی شخصیت محمد ﷺ محض اُمّی تھے، آپ نے کبھی کسی مدرسے یا مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی، بلکہ قدیم عرب میں تو مدارس کا وجود ہی نہ تھا، یہ تو اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے تھے جنہیں فطری ذہانت اور فصاحت و بلاغت سے نوازا گیا تھا، جب آپ ﷺ کی پیدائش ہوئی تو آپکے والد انتقال کر چکے تھے اور آپ نے پھر چالیس سال تک کوئی تعلیمی سفر بھی نہ کیا لیکن اسکے باوجود یہ عظیم الشان کتاب پیش کر دی کہ جن وانس اس جیسی کتاب لانے سے عاجز آ گئے، غور و فکر کرنے والوں کیلئے تو صرف یہی بات بطور دلیل کافی ہے۔

۲- دوسری بات یہ کہ عرب لوگ نبی کریم ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے اور ہر لحاظ سے آپکو تکالیف دیا کرتے تھے، اور اسکے ساتھ وہ فصاحت و بلاغت میں بھی اپنی مثال آپ تھے لیکن اسکے باوجود جب قرآن نے انہیں چیلنج کیا کہ وہ لفظی یا معنوی اعتبار سے اسکے مثل کلام بنا کر لائیں تو باوجود کوشش کے وہ ناکام ونامراد ہو گئے بلکہ نبی کریم ﷺ سے یہ مطالبہ کرنے لگے کہ اس وحی کو چھوڑ دیجئے! ہم اسکے بدلے آپکو مال، عورت، بادشاہت جو چاہیں دینے کیلئے تیار ہیں۔

اور ان میں سے اکثر بلکہ سب نے قرآن کی عظمت کا اعتراف کیا اور مانا کہ یہ بشر کا کلام ہی نہیں، ولید بن مغیرہ کہا کرتا تھا: یہ تو بڑا میٹھا اور پر رونق کلام ہے، اسکی جڑ نہایت پائیدار اور اسکی شاخ بہت پھل دار ہے، اور یقیناً یہ غالب آنے والا برتر کلام ہے جسے مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔

اگر یہ خالقِ کائنات کا کلام نہ ہوتا تو مشرکین عرب یا یہود ونصاریٰ اور مرتدین اس جیسا کلام پیش کر کے اسے رد کر دیتے، بلکہ اُن لوگوں کی تو یہ عادت تھی کہ اگر کوئی چیلنج کرتا اور اپنی تعریف کرتا تو اسکا مقابلہ کرتے اور جواب دیتے تھے اور مدِ مقابل جیسا بلکہ اُس سے بھی بہتر جواب دیتے تھے خواہ مخالف کا کلام نثر میں ہو یا نظم، کتابت، خطبے اور سجع کی صورت میں، ہر بات کا جواب دیا جاتا تھا۔ امرؤ القیس آگے بڑھا اور قصیدہ ترتیب دیکر کعبہ پر لٹکا دیا، پھر طرفہ آیا اور اُس نے بھی اسی کے مثل قصیدہ کہا اور اس کے بعد لبید کو جوش آیا اور اُس نے بھی اسی جیسا قصیدہ کہہ ڈالا، بس پھر کیا تھا سات قصیدے وجود میں آ گئے جو ایک دوسرے کے مقابلے میں کہے گئے اور خانہ کعبہ میں لٹکائے گئے۔ جبکہ قرآنِ مجید جیسا کلام کہنے کی جرأت کسی کو نہ ہوئی بلکہ اسکے قریب قریب بھی کسی کلام کا کوئی وجود نہیں۔ اس دلیل کو صحیح اور مفصل انداز میں سمجھنے کیلئے بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے۔

۳- تیسری چیز یہ قرآنِ کریم میں ایک نرالا اسلوب اور اختیار کیا گیا ہے، اس سے پہلے عرب لوگ اس سے واقف ہی نہیں تھے۔

۴- نیز قرآنِ کریم نے ایسے واقعات، احکامات اور اقوام وملل کی خبر دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سابقہ کتب کے مطابق ہے حالانکہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔

۵- اسی طرح قرآن حکیم نے مستقبل کے حوالے سے کئی پیش گوئیاں کی ہیں اور وہ باتیں حرف بحرف پوری ہوتی چلی گئیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ﴾ (البقرۃ/۱۴۲) (عنقریب بے وقوف یہ کہیں گے......)

اور رومیوں کے مغلوب ہو کر پھر غالب آنے کی خبر، اور "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا"۔ (المؤمن/۵۱) (یقیناً ہم ضرور اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں) اور پھر اللہ نے اپنے رسول کی مدد بھی فرمائی، اور بھی بہت سی مثالیں اس حوالے سے قرآن مجید میں دیکھی جا سکتی ہیں:

۶- قرآن کریم کا بلاغت کے بلند ترین درجے پر فائز ہونا۔

۷- ہر موقع پر معانی کو نہایت مناسب الفاظ کا لباس پہنانا جو سورت کے اسلوب اور انداز کے بالکل مطابق ہو۔

۸- ہر کلمے کو اسکی مناسب جگہ پر رکھنا۔

۹- اپنے وعدوں کا ایفاء کرنا۔

۱۰- دلوں کی بھید بھی عیاں کر دینا۔ جیسا کہ فرمایا: " وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ" (الاحزاب/۳۷) (اور آپ لوگوں سے ڈر رہے ہیں حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ اُس سے ڈریں۔

اسی طرح فرمایا: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ﴾۔ (المجادلۃ/۸)

(اور یہ (منافقین) اپنے دلوں میں کہتے ہیں: اللہ ہماری باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا)

اور فرمایا: ﴿يُخْفُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ﴾ (آل عمران/۱۵۴)

(یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے بیٹھے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے)

اور فرمایا: " وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ"۔ (آل عمران/۱۱۸)

(اور انکے سینے جن باتوں کو چھپائے بیٹھے ہیں وہ زیادہ بھیانک ہیں)

۱۱- اور یہ عظیم کتاب تمام علوم پر مشتمل ہے، حلال وحرام کے مسائل ہوں یا سیاسی معاملات، گھر کا نظام ہو یا آداب، عقائد، ایمانیات اور انفرادی احکامات، قرآن کریم ہر حوالے سے کامل اور اکمل ہے، دنیا وآخرت کے تمام علوم اس میں موجزن ہیں، اس میں اصول بھی ہیں اور فروعات بھی۔ کیونکہ یہ مبارک کتاب ہے۔

﴿ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴾۔ (الاسراء/۱۲)

(اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی ہے)

بلکہ یہ تو وہ کتاب ہے جس میں جدید سائنسی علوم کے بھی بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے (اگر چہ یہ اسکا اصل موضوع نہیں)

۱۲- اس کتابِ مقدس میں ایسی ایسی بلیغ حکمتیں ہیں کہ عادتاً کسی جن وانس سے انکا اتنی کثرت کیساتھ صادر ہونا محال ہے۔

۱۳- آیات قرآنیہ کا بغیر کسی اختلاف کے اہم مرتبط اور ہم آہنگ ہونا۔

۱۴- کلام کا ایک نئے انداز میں منظوم ہونا جسکا اس سے پہلے عربی زبان میں کوئی تصور بھی نہ تھا۔

۱۵- ایسی فصاحت وبلاغت کا حامل ہونا جو مخلوق سے ممکن ہی نہیں۔

۱۶- قرآن کریم میں ظاہری باطنی تمام بیماریوں کی شفاء ہے۔

۱۷- قرآنِ حکیم کی قراءت سے انسان اکتاہٹ، بیزاری یا تھکاوٹ کا شکار نہیں ہوتا، اگر کوئی اور کتاب اس حد تک پڑھی جائے تو بیزاری ہونے لگتی ہے، بلکہ یہ ہمارے تجربے کی بات ہے کہ قرآنِ مجید انسان کے دل، سینے اور دماغ کو قوی کرتا ہے، ہم صبح آٹھ بجے سے سہ پہر ساڑھے تین بجے تک قرآن پڑھتے ہیں لیکن ہمیں کمزوری کا کوئی احساس نہیں ہوتا، بلکہ ظہر کے بعد دل مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔

۱۸- اسے دہرانے سے بوریت یا پرانے پن کا احساس نہیں ہوتا۔

۱۹- علماء کبھی اس سے سیر نہیں ہوتے۔

۲۰- اسکے علوم کبھی ختم نہیں ہوتے۔

۲۱- اسکا تکرار کرنے سے مؤمن کا دل کبھی تنگی کا شکار نہیں ہوتا۔

۲۲- قرآن کے اللہ کا کلامِ برحق ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ایک ہی موضوع کو مختلف مواقع پر مختلف انداز اور پیرائے میں ذکر کیا جاتا ہے جو عام لوگوں کے بس میں نہیں۔

۲۳- قرآنِ مجید نے جو باتیں بیان کی ہیں اُن میں عجیب ترین یہ ہے کہ قرآن کریم کی گواہی خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ فرمایا: ﴿لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ (النساء/۱۶۶)

(لیکن اللہ تعالیٰ اس (قرآن مجید) کی گواہی دیتا ہے جو اُس نے آپکی طرف نازل فرمایا، اللہ نے اسے اپنے علم کیساتھ نازل فرمایا، اور اللہ کافی ہے بطور گواہ کے)

اللہ کی گواہی دو اقسام پر مشتمل ہے۔ ایک تو شہادتِ بیان: یعنی کلام الٰہی خود اپنی حقانیت کی دلیل ہے، جبکہ گواہی کی دوسری قسم یہ ہے کہ قرآنِ مجید اور اسکے حاملین کی مدد ونصرت اور تائید کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات کے ذریعے اسے دوام بخشا اور اسکے دشمنوں کو ہلاک و برباد کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس گواہی کو یوں پورا کیا کہ منکرین کے خلاف اپنے رسولوں کی مدد فرمائی، اپنے دین کو تمام ادیان پر، اور اپنی کتاب کو تمام کتب پر غلبہ عطا فرمایا۔ لیکن یہ باتیں صرف وہی سمجھ سکتا ہے جسکا دل زندہ ہو، یا وہ خوب توجہ اور حضورِ قلب کیساتھ بات سنے۔ (بدائع التفسیر سورۃ الانعام)

۲۴- اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اب تک اسے محفوظ رکھا ہے اور قیامت تک اسے محفوظ رکھے گا جبکہ باقی کتابوں کی حفاظت کا ایسا اہتمام نہیں کیا گیا یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کے وجود، اسکی قدرت اور علم کی دلیل ہے۔

۲۵- آیاتِ قرآنیہ کی ایک نرالی شان یہ بھی ہے کہ ہر زمان و مکان کیلئے نہایت موزوں

اور عرب وعجم کے تمام طبقات وادوار کیلئے انتہائی مناسب ہے جبکہ باقی کتابوں کا ایسا معاملہ نہیں۔(انظر لبعضها القرطبي ٧٦/١، ومعارف القرآن ١٤٥/١، وغيرهما)

قدیم عرب میں فطری طور پر یہ ملکہ پایا جاتا تھا کہ وہ کسی کلام کی فصاحت وبلاغت اعجاز، عمدگی اور لچر پن کو پہچان لیتے تھے، لہٰذا قرآنِ مجید کے اعجاز اور فصاحت وبلاغت نے انکے ہوش اُڑادیئے تھے، برخلاف بعد میں آنے والے عرب وعجم کے، کہ جنکی زبانوں میں وہ سلیقہ نہیں رہا، لہٰذا بعد والے لوگ قرآنِ حکیم کے اعجاز وبلاغت کو سمجھنے سے قاصر ہیں سوائے کچھ لوگوں کے جن پر آپکے رب نے رحم فرمایا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی واضح آیات میں سے ایک آیت ہے، اور براہینِ قاطعہ میں سے ایک برھان ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین اور خالق ارض وسماء ہے، اس نے اپنی مخلوق کو یونہی بلا فائدہ پیدا نہیں فرمایا، بلکہ کل قیامت کے دن ان سے حساب لیا جائیگا، ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم کام کیلئے پیدا فرمایا ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اُسے پہچانیں، اس سے محبت کریں، اسکی تعظیم بجالائیں، اسکا کہا مانیں، اسکی نافرمانی سے بچیں، اسکے محبوب بندوں کیساتھ محبت اور اسکے مبغوض لوگوں سے نفرت کریں۔

۹- نویں دلیل :

رسول اللہ ﷺ کے معجزات۔ یہ دو عظیم باتوں پر دلالت کرتے ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور علم۔

۲- رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اثبات۔

رسول اللہ ﷺ کے معجزات بہت زیادہ ہیں جنکی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے، بلکہ بعض علماء نے تو انکی تعداد تین ہزار تک بتلائی ہے۔

اگر اللہ رب العزت زبردست قوت اور قدرت کا مالک نہ ہوتا تو آپ ﷺ کے ہاتھوں پر معجزات ظہور پذیر نہ ہوتے، اور اگر یہ معجزات نبی کریم ﷺ کا ذاتی کمال ہوتے تو دوسرے لوگ بھی ایسے کمالات کر دکھاتے لیکن دوسرے لوگوں کی عاجزی اور عدمِ قدرت نے یہ

بات ثابت کردی ہے کہ یہ معجزات اللہ کی طرف سے تھے، کیونکہ ظاہری اور دنیاوی علوم میں تو دوسرے لوگ آپ ﷺ سے آگے تھے۔"انتم اعلم بامور دنیاکم"

رسول اللہ ﷺ کی تمام دعوت وتبلیغ، معجزات اور احادیث میں اللہ پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے، آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:" اوتیت جوامع الکلم واختصر لی اختصاراً"۔(مجھے جامع اور مختصر کلمات سے نوازا گیا ہے)

قرآنِ مجید کے نزول اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے بعد کسی کیلئے کفر اختیار کرنے کا کوئی عذر باقی نہیں بچتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ﴾ (آل عمران/۱۰۱)

(اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو، جبکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور تم میں اُسکا رسول بھی موجود ہے)

یعنی قرآنِ مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث ومعجزات کی موجودگی میں بھی کفر کرنا انسانی شان کے منافی ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں واضح ترین دلائل میں سے ہیں۔

آپ ﷺ کے جو معجزات تواتر کیساتھ منقول ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

آپکی برکت سے کھانے کا زیادہ ہو جانا، مستقبل کی خبر دینا اور پھر اُس خبر کا اُسی طرح واقع ہونا، اسی طرح سابقہ انبیاء اور انکی قوموں کا تذکرہ کرنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، کمزوری اور کم تیاری کے باوجود دشمن پر غالب آجانا، آپکی انگلیوں کے درمیان سے پانی کا جاری ہونا، درختوں کا جھکنا، پتھروں کا آپکے ساتھ بات چیت کرنا، جانوروں کا جھکنا، درختوں کا آپکی طرف آنا، آپکا اپنی امت کی وسیع مملکت قائم ہونے کی خبر دینا، دشمن کے انکی جڑ نہ اکھاڑ پانے کی خبر دینا اور بتلانا کہ روم اور ایران کی عظیم الشان سلطنتیں مٹ جائیں گی، علاماتِ قیامت کا بیان اور پھر ہو بہو انکا واقع ہوتے چلے جانا، ان علامات کی تفصیل جاننے کیلئے احادیثِ نبویہ کا مطالعہ کیجئے، آپکو کافی وشافی تفصیلات سے آگاہی ہو جائیگی۔ انہی معجزات میں سے یہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپکی برکت سے بیماروں کو شفا دی، ٹوٹے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو جوڑا، گھرانوں کی اصلاح فرمائی، دلوں کے بھید ظاہر کئے، کھجور کا تنا

آپکے شوق میں رونے لگا تھا جسکی آواز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سنی تھی، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب آپکے ہمراہ کھانا کھاتے تو کھانے سے بھی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے، اسکے علاوہ جب آپ ﷺ کوئی دعا فرماتے تو وہ فوراً قبول ہو جاتی۔ اور بھی بہت سے معجزات ہیں جنکی تفصیل کیلئے عبدالعزیز محمد سلمان کی کتاب ''معجزات النبی ﷺ'' کی طرف مراجعت کیجئے۔

معجزات کا مطالعہ کرنے سے اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان پیدا ہوتا اور بڑھتا چلا جاتا ہے، اسی وجہ سے مفصل علم رکھنے والوں کا ایمان عوام کے ایمان سے زیادہ قوی ہوتا ہے کیونکہ عوام کو ان باتوں کا شعور نہیں ہوتا، اس بات پر غور کیجئے اگر آپ اسکی قدر و قیمت کو سمجھیں تو یہ انتہائی اہم معاملہ ہے۔

١٠- دسویں دلیل : عقلی اور کونی دلائل ہیں۔ انکی پھر بہت سی انواع واقسام ہیں جنکا شمار ممکن نہیں، عنقریب ہم ان میں سے کچھ دلائل کا تذکرہ کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

١١- گیارھویں دلیل : دعاؤں کو قبول کرنا۔

یہ وہ دلیل ہے جسے صرف انابت کرنیوالے خاص لوگ ہی جانتے ہیں، اور اسکی قدر بھی ڈرنے والے دل ہی پہچان سکتے ہیں، اسکی تفصیل کچھ یوں ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے کہ جب اُسے کوئی دکھ پہنچتا ہے تو اُسے زائل کرنے کیلئے وہ کسے پکارتا ہے؟ اور اسکے دکھوں کا مداوا کون کرتا ہے؟ اسی طرح انسان اپنے لیے بھلائیاں کسی سے طلب کرتا ہے؟ اور کون اسکی جھولی بھرتا ہے؟ یقیناً انسان کا جواب یہی ہوگا کہ اللہ کی غالب اور حکمتوں والی ذات ہے جو دُعاؤں کو سُنتی اور بلاؤں کو ٹالتی ہے، اور وہ دکھی دل لوگوں کی پکار کو نہ سنے تو سب لوگ خائب وخاسر اور ناکام ونامراد ہو جائیں۔

قرآن مجید نے کئی جگہوں پر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: فرمایا:

﴿ أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ﴾ (النمل/٦٢)

(اچھا بتاؤ! وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کو سنتا ہے، جب وہ اُسے پکارے، اور دکھوں کو ٹالتا، اور تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بہت کم ہی تم نصیحت پکڑتے ہو)

اگر اللہ کی رحمت نہیں تو بے قراروں کی پکار کون سنتا ہے؟ اگر اللہ کی نعمتوں اور احسانات کا انکار کیا جائے تو پھر دکھوں کو کون ٹالتا ہے؟ کیا یہ جفا نہ ہوگی کہ وہ مہربان مالک تو آپکی دعائیں قبول کرے، دادرسی فرمائے لیکن آپ اپنے اوقات کا بیشتر حصہ اُسی مالک سے غفلت میں گذاریں، دلائل کے ہتھوڑے بھی آپکو نہ جگا پائیں اور حق کی طرف رہنمائی کرنیوالے سورج اور چاند بھی آپکو رستہ نہ دکھا سکیں؟۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾۔ (ابراھیم/۳۴)

(اور اُس (اللہ تعالیٰ) نے تمہیں ہر وہ چیز دی جسکا تم نے اُس سے سوال کیا، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہ کر سکو گے، بے شک انسان بہت ظالم اور ناشکرا ہے)

جب اللہ تعالیٰ نے ہماری تمام ضروریات کو پورا کر دیا اور تمام مطالبات مان لیے تو دو باتیں ہی بچتی ہیں یا تو اعتراف اور شکر گذاری اختیار کی جائے یا پھر حق تلفی اور ناشکری کے راستے پر چلا جائے۔ اے اللہ! میں تیری تمام چھوٹی بڑی نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں، ان پر شکر بجالاتا ہوں اور تیری حمد وثناء کرتا ہوں۔

اور فرمایا: ﴿يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ، فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾۔ (الرحمٰن/۳۰)

(آسمانوں اور زمین والے اُسی سے مانگتے ہیں، ہر دن وہ کسی نہ کسی کام میں ہوتا ہے، تو (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے!) اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر روز اپنے بندوں کے کام کرتا، انکی حاجات کو پورا کرتا، انکی دُعاؤں کو قبول فرماتا ہے لیکن بندے اُس سے کٹ کر بس اپنی ہی غفلتوں میں مگن اور کھیل کود میں مست ہیں، غور کیجئے! کتنی دفعہ اُسے پکارا ہے اور اُس نے آپکی دُعا قبول کی ہے؟۔

اے مؤمن بھائی! تو کیا یہ بات آپکے شایانِ شان نہیں کہ آپ بھی ایسے مہربان اور جلال وعظمت والے مالک، محبت اور پیار کرنے والے رب العزت اور دعائیں قبول کرنے والے محسن پر ایمان لائیں؟۔

جی ہاں! اللہ کی قسم! ہم پر واجب ہے کہ اس پر ایمان لائیں، اسکی عبادت کریں، اسکے سامنے گڑگڑائیں، اسکا شکر بجالائیں، اس سے محبت کریں اور اسکے مطیع وفرمانبردار بن جائیں۔

الحمدللہ مجھے بھی اس بات کا تجربہ ہے کہ کئی مرتبہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے ہو بہو اُسے قبول فرمایا۔

۱۲- بارھویں دلیل: اللہ کے وجود پر ایک دلیل اسکا عظیم گھر خانہ کعبہ بھی ہے۔ کئی اعتبار سے بیت اللہ وجودِ الٰہی کی دلیل بنتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ، فِيۡهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ (آل عمران/۹۶)

(بے شک پہلا پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، جو تمام جہانوں کیلئے باعث برکت اور ذریعہ ہدایت ہے، اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوا، امن والا ہو گیا)

۱- انہی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت اور اسکی زیارت کا شوق ڈال دیا ہے اگرچہ یہ مٹی اور پتھروں کا بنا ہوا ہے لیکن اگر اسکے بالمقابل کوئی گھر سونے اور چاندی سے بھی تیار کیا جائے تو بھی لوگ اس سے ویسی محبت نہیں کریں گے، ﴿فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ﴾ (ابراہیم/۳۷)

(ابراہیم علیہ السلام کی دُعا: لوگوں کے دلوں کو انکی محبت سے لبریز کر دے)

۲- اور یہ کہ وہاں ہر قسم کے میوہ جات، پھل فروٹ اور تمام نعمتیں پائی جاتی ہیں "وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ"۔ (ابراہیم/۳۸)

(ابراہیم علیہ السلام کی دُعا: اسکے باشندوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما)

۳- ابراہیم علیہ السلام نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر اسکی دیواریں چنی تھیں اُن پتھروں پر انکے قدموں کے نشان پڑ گئے، یہ بھی عام عادت سے ہٹ کر ہے کیونکہ پتھر پر پاؤں کے نشان نہیں پڑا کرتے، اور پھر مقام ابراہیم کا اتنے زمانے گذر جانے کے باوجود باقی رہنا بھی ایک معجزہ ہے۔

۴- انہی نشانیوں میں سے ایک زمزم کا کنواں بھی ہے، اگر ساری دنیا اس سے پانی پیئے تب بھی وہ ختم نہ ہوگا، اس میں مریض کیلئے شفاء، بھوکے کیلئے کھانا اور پیاسے کیلئے مشروب ہے، وقت گذرنے پر اسکا ذائقہ یا رنگ نہیں بدلتا، اگرچہ اسے کسی برتن میں ڈال کر رکھ دیا جائے تو بھی اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، ہم نے خود اس چیز کا تجربہ کیا ہے۔

۵- یہ گھر لوگوں کے دین اور دنیا دونوں کے قیام کا باعث ہے، اسکے ذریعے بہت سے دنیاوی فوائد اور امن حاصل ہوتا ہے، عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر لوگ ایک سال تک اس گھر کو چھوڑ دیں تو انہیں مہلت نہ دی جائیگی، (یعنی فساد و عذاب کا شکار ہو جائیں گے)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ (المائدۃ/۹۷)

(اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو حرمت کا گھر ہے، لوگوں کے لیے (امن و جمعیت کے) قیام کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور حرمت والے مہینوں کو، اور (حج) کی قربانی کو، اور (قربانی کے) ان جانوروں کو جن کی گردنوں میں (علامت کیلئے) پٹے ڈال دیتے ہیں، یہ سب اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر بات سے واقف ہے، اور یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)

جو ان تمام باتوں پر تدبر کریگا وہ اچھی طرح جان لے گا کہ اسکا کوئی رب ہے جو پوری کائنات کے تمام بھیدوں سے واقف ہے اور اسکے ہر کام میں حکمتیں پنہاں ہیں۔

۶- ایک قابل ذکر نشانی یہ بھی ہے کہ خانہ کعبہ کے ذریعے پرندے بھی شفا طلب کرتے ہیں، میں نے خود ایک پرندے کو دیکھا ہے وہ آدھا گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ وقت خانہ کعبہ کے غلاف کیساتھ چمٹا رہا۔

۷- خانہ کعبہ کی جس جانب سے بادل پیدا ہوں وہیں بارش بھی ہوتی ہے، اگر حجر اسود والی سمت سے بادل پیدا ہوں تو یمن کے علاقے میں برسات اور شادابی ہوتی ہے، اور جب رکنِ عراقی کی جانب سے بادل اٹھیں تو بارش اور سرسبزی عراق میں ہوتی ہے، اسی طرح رکنِ شامی کا معاملہ ہے۔

۸- مسجد الحرام میں اگر چہ بہت سے لوگ جوتوں سمیت چلتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہاں بدن یا کپڑے میلے نہیں ہوتے، اگر کسی دوسری جگہ پر لوگوں کی اسقدر بھیڑ ہوتو آپ ایسا گرد وغبار اور میل کچیل دیکھیں گے جس پر آپکو تعجب ہوگا۔

۹- اسی طرح اللہ تعالیٰ مسجد الحرام کو حجاج کیلئے وسیع کر دیتا ہے اگر چہ وہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں، اگر تنے ہی لوگ کہیں اور جائیں تو بڑے بڑے میدان اور صحراء بھی انہیں سمو نہ پائیں۔

۱۰- خانہ کعبہ پر آسمان سے نور اترتا ہے، بعض لوگ اس بات کو جانتے ہیں۔

۱۱- خانہ کعبہ پر کبھی زلزلہ نہیں آتا اگر چہ اردگرد کے علاقوں میں آئے۔

۱۲- خانہ کعبہ کو لوگوں کی ہدایت کیلئے مقرر کیا گیا ہے، کتنے ہی گمراہوں کو اسکے ذریعے ہدایت ملی، کتنے ہی مفسدین کی اسکے ذریعے اصلاح ہوئی، اور کسقدر بھٹکے ہوؤں نے اسکی وجہ سے توبہ اور انابت کی راہ پائی۔

یہ واضح نشانیاں ہیں جو اللہ عزوجل کی قدرت اور حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔

خانہ کعبہ کے حوالے سے اور بھی بہت سی نشانیاں ہیں جو چالیس سے زیادہ ہیں، شاید کہ ہم کسی اور مقام پر انہیں ایک جگہ جمع کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳- **تیرھویں دلیل** : دینِ اسلام کے محاسن اور خوبیاں بھی اللہ کے وجود کی

بہترین دلیل ہیں، اگر آپ دینِ اسلام کے محاسن، کمالات اور جمال پر غور کریں اور دیکھیں کہ کس طرح اس دین میں ہر چیز کو مناسب جگہ دی گئی تو آپکو معلوم ہو جائیگا کہ یقیناً یہ دین اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ بہترین اخلاق کا حکم دیتا اور برے اخلاق سے روکتا ہے، فساد والی باتوں کو مٹاتا اور کم کرتا ہے، اچھی باتوں کو وجود دیتا اور بڑھاتا ہے، اس دین میں اللہ اور بندوں سب کے حقوق ہیں،

اس میں تو بے زبان جانوروں کے حقوق بھی ہیں، ہر موقع کیلئے ایسا موزوں اور مناسب حکم ہے جو علیم وحکیم کے ہی شایانِ شان ہے، لیکن اس دلیل کو صحیح معنی میں وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے فہم سے نوازا ہو۔ اپنی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کی صحیح سمجھ دی ہو، اپنے احکام کے اسرار ورموز کا علم دیا ہو، اور مسائلِ شرعیہ پر تدبر اور اتقان کی توفیق سے نوازا ہو۔

اگر آپ اسلامی عقائد پر تدبر کریں تو دیکھیں گے کہ یہ بالکل صاف وشفاف عقائد ہیں، نہ ان میں افراط اور غلو ہے، نہ ہی تفریط، بلکہ دلوں کو روشن اور شاداب کرنے والے مضبوط اور ٹھوس عقائد ہیں، اور اگر آپ اسلامی اعمال کا جائزہ لیں تو انہیں سب سے زیادہ انصاف پر مشتمل اور فطرت وعقل کے قریب تر پائیں گے، اور اگر آپ اسلامی اخلاق وآداب پر نگاہ ڈالیں تو آپکو معلوم ہوگا کہ یہ اسقدر مکمل اور پیارے ہیں کہ موافق اور مخالف دونوں اقرار کریں گے۔

اور جب آپ ایمان، عمل صالح اور حسن اخلاق کا مجموعی طور پر تجزیہ کریں گے تو ایک پاکیزہ ثمر آور درخت کی طرح پائیں گے، جو بڑی اور مضبوط جڑ، اونچی شاخوں، عمدہ پھل اور بہترین خوشبو کا حامل ہے، تو آخر اسلام کو اتنا مکمل اور خوبصورت کس نے بنایا ہے؟

" صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهُ عَابِدُوْنَ " (البقرة/۱۳۸)

(اللہ کا رنگ اختیار کرو، اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے، اور ہم تو اسی کی عبادت کرنیوالے ہیں) (اللہ کے رنگ سے مراد دین اسلام ہے)

"اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ" الآیۃ۔ (ابراہیم/۲۴) (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح پاکیزہ بات کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی سی بیان فرمائی ہے)

اسلام کے معاشرتی احکامات، مبنی بر انصاف معاملات، جرائم کی بیخ کنی کر دینے والی حدود، مضبوط اور محکم نظام اور عظیم تر خلافت پر تدبر کیجئے، ان سب باتوں میں آپکو ایسے ایسے بھید اور حکمتیں معلوم ہونگی کہ قلم انہیں شمار کرنے سے قاصر اور کتاب انہیں جمع کرنے سے عاجز ہے، اس حوالے سے کئی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جن میں حدیث کی شروحات، حجۃ اللہ البالغۃ، مفتاح دار السعادۃ، احکام الاسلام فی نظر العقل وغیرہ نمایاں ہیں، تفصیل کیلئے انکی طرف مراجعت کریں۔

جو شخص اسلام کے احکامات پر غور کرے گا، وہ یقیناً اس حتمی نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ دین کسی بشر یا مخلوق کا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا نازل کردہ ہے، وہ اللہ جو حکمت بالغہ کا مالک اور علمِ محیط کا حامل ہے، جسکی شفقت کامل، اور رحمت تمام مخلوق کو شامل ہے۔

مثلاً نکاح پر غور کیجئے، اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سے **فوائد** کی بناء پر مشروع کیا ہے:

۱- جائز لذت کا حصول۔ ۲- اللہ کا اپنے بندوں پر مہربان ہونا۔(۱)

حالانکہ اسکی قدرت میں تھا کہ انسان کو بغیر نکاح کے پیدا کر دیتا۔

۳- نکاح جنت کی یاد بھی دلاتا ہے۔

۴- اچھے میل جول کا ذریعہ ہے۔

۵- حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کا باعث ہے۔

۶- زنا اور فواحش سے اجتناب کا باعث ہے اگر یہ نہ ہوتا تو زنا بہت زیادہ بڑھ جاتا اور

(۱) (اس مہربانی کی وضاحت یہ ہے کہ توالد و تناسل کے نتیجے میں ماں، باپ اور بیٹا، بیٹی جیسے رشتے وجود میں آجاتے ہیں، ممتا کا ظہور ہوتا ہے، غور کیجئے، کہ اگر یہ سب رشتے نہ ہوتے تو زندگی کتنی مشکل ہو جاتی؟ اور خلوص و محبت کی تلاش میں انسان کہاں کہاں در بدر ہوتا؟۔ مترجم)

مرد، عورتیں اور بچے برباد ہو جاتے۔

۷- اسکے ذریعے دو خاندان آپس میں جڑ جاتے ہیں۔

۸- نسب کا سلسلہ آگے چلتا اور اسکی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور یہ دو عظیم نعمتیں ہیں، "فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا"۔ (الفرقان/۵۴)

۹- نکاح کے ذریعے نفس کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے، چین اور سکون تین چیزوں کے بغیر حاصل نہیں ہوتا: ایک گھر ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا ﴾ (النحل/۸۰) (اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لیے باعثِ سکون بنا دیا ہے)

دوسری چیز رات: ﴿ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا ﴾۔ (اور اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا)

اور تیسری چیز بیوی ہے: "لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا" (الاعراف/۱۸۹)

(اللہ تعالیٰ نے عورت کو اس لیے پیدا فرمایا کہ مرد اسکی طرف سکون حاصل کرے)

۱۰- نکاح خوشی اور سرور کا باعث ہے۔ اور بھی کئی حکمتیں نکاح میں پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ مرد کیلئے چار بیویوں کی اجازت جبکہ عورت کیلئے یہ جائز نہیں۔ اسکی بھی بہت سی حکمتیں ہیں:

۱- عورتوں کے مقابلے میں مرد کی قوت زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ معروف ہے۔

۲- اگر عورتوں کو بھی اجازت دی جائے تو نسب فاسد ہو جائیگا۔

۳- یہ بات غیرتِ انسانی کے منافی ہے۔

۴- ایک بیوی کے دو یا زائد خاوند آپس میں لڑ پڑیں گے۔

۵- عورتیں اپنی بناوٹ، شہوت، جسامت ہر اعتبار سے مرد کی بنسبت کمزور ہوتی ہیں۔

اسی طرح آپ اس بات پر بھی غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق کا اختیار صرف مرد کو کیوں دیا ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کا دل کمزور ہوتا ہے اور جب یہ غصے میں آ جائے تو اسکے دل میں رضا باقی نہیں رہتی، اگر بیوی کو اختیار دے دیا جاتا تو شاید ایک دن میں دس سے زیادہ مرتبہ اپنے خاوند کو طلاق دیتی، جبکہ خاوند کا معاملہ اسکے برعکس ہے کیونکہ مرد کا دل گہرا

اور قوی ہوتا ہے اور بغیر ضرورت کے طلاق نہیں دیتا۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے خلع کو بھی مشروع کیا ہے تا کہ اگر واقعی عورت اپنے خاوند سے نجات چاہتی ہو اور خاوند زبردستی اسے رکھنا چاہیے تو عورت کی خلاصی ہو سکے۔

پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے حق مہر اور نان نفقہ کی ذمہ داری خاوند پر ہی کیوں ڈالی ہے، حالانکہ بیوی بھی نکاح سے لذت پاتی ہے؟۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ بیوی اپنے خاوند کی خاطر اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو پیچھے چھوڑ آتی ہے تو اسکی وحشت دور کرنے کیلئے اُسکے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ کیا گیا ہے، اور اس لیے بھی کہ عورت گھر کی دیکھ بھال اور خدمت کرتی ہے لہٰذا اُسے مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا ہے، جبکہ مرد باہر کی ذمہ داریاں ادا کرتا ہے۔

اور اسی طرح اسلام سراپا خیر اور بھلائی ہے، اسکے ہر کام میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں جنکے بیان کیلئے بہت سی جلدوں پر مشتمل کتابیں بھی کم ہیں۔

١٤ - چودھویں دلیل :

اللہ تعالیٰ کے وجود کے برحق ہونے کی ایک اور عجیب دلیل یہ ہے کہ زمین انبیاء کرام علیہم السلام، صالحین اور شہداء رحمہم اللہ کے جسموں کو نہیں کھاتی جبکہ عام لوگوں کے جسموں کو کھا جاتی ہے، حالانکہ ایک ہی زمین، ایک سی طبیعت، گوشت، ہڈیاں اور جسم سب کچھ یکساں ہے، تمام اولادِ آدم ہیں۔تو یہ بات بھی رب تعالیٰ کی عظیم قدرت پر ایک دلیل ہے کہ اُس نے زمین کو یہ حکم دیا ہے کہ ان خاص بندوں کا جسم نہیں کھانا، اور باقی لوگوں کا جسم کھانا ہے۔اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ اپنے محبوب بندوں پر غیرت کھاتا ہے کہ زمین کو انہیں کھانے کی اجازت نہیں دیتا، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کا بہترین صلہ عطا فرماتا ہے، نیکیوں کی زبردست تاثیر ہے، اور یہ بھی کہ تمام چیزوں کی تاثیر اللہ کی اجازت اور اُسی کے حکم سے ہوتی ہے، اور اگر اللہ کا حکم نہ ہو تو کوئی چیز اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

صحیح سلامت، گوشت سے بھرے ہوئے، حتی کہ بال بھی ہو بہو موجود تھے۔ اس حوالے سے بہت سی احادیث اور آثار بھی ملتے ہیں۔

۱۵- پندرھویں دلیل :

انسان اور حیوان کے بدن میں روح کا وجود بھی باری تعالیٰ کے وجود کی ایک نادر دلیل ہے۔ عقلاء کا روح کے وجود پر اتفاق ہے اور اس بات پر بھی متفق ہیں کہ روح ہی بدن کو کنٹرول کرتی ہے، حالانکہ نہ اُسے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے، نہ ہی سونگھی جا سکتی ہے اور نہ محسوس کی جا سکتی ہے، اور نہ یہ معلوم ہے کہ آیا یہ کھڑی ہے، بیٹھی ہے یا لیٹی ہوئی ہے؟ لیکن اسکے باوجود روح ایک حقیقت ہے۔ تو اللہ عزوجل کی عظمت، بڑائی اور کبریائی تو ہر چیز سے بڑھ کر ہے، اسکی کوئی مثال ہے نہ شبیہ، نہ اسکی تعطیل کرنا جائز ہے اور نہ ہی صفات کی نفی کا کوئی جواز۔ البتہ روح کا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود اور اسکی قدرت وحکمت کی ایک عجیب وغریب دلیل ہے۔ اللہ لطیف وخبیر ہے، نور بھی ہے اور سمیع وبصیر بھی۔

۱۶- سولھوں دلیل :

عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک پوری کائنات ہی اللہ کے وجود کی دلیل ہے قرآنِ مجید نے مشہور چیزوں کا تذکرہ کیا ہے اور سنتِ نبوی نے ان میں سے محکم باتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ علماء کرام نے اس حوالے سے بہت سی کتب تصنیف فرمائی ہیں، اُن تصانیف میں سے بہترین کتاب میری نظر میں ابن قیم رحمہ اللہ کی ''مفتاح دار السعادۃ'' ہے، اور اسکے ساتھ ساتھ انہی کی کتاب ''التبیان'' بھی مفید ہے، علاوہ ازیں اُردو زبان میں بھی اس حوالے سے کئی تصانیف موجود ہیں۔ ان کتابوں کا مطالعہ کیجئے! اس سے آپکا ایمان منور اور محکم ہوگا۔ یہ بعض دلائل تھے جنکے ذیل میں اور بھی دلائل ہیں، اور جو دلائل ہم نے چھوڑ دیئے وہ اُن سے زیادہ ہیں جو ہم نے لکھے ہیں، ان دلائل پر غور کیجئے! امید ہے کہ آپ ان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۶- فائدہ

سابقہ فائدے کی مزید وضاحت میں

الحمدللہ سابقہ بحث اپنے ذہن سے لکھنے کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ کی اس حوالے سے ایک تحریر پڑھی ہے، لہٰذا گذشتہ فائدے کی تکمیل کیلئے میں انہی کے الفاظ میں اسے درج کر رہا ہوں، فرماتے ہیں:

فصل : اللہ کی ربوبیت اور الوہیت پر فطری اور عقلی دلائل کے بیان میں۔ جان لیجئے! یہ مسئلہ مطلق طور پر تمام مسائل سے زیادہ عظمت و کبریائی کا حامل ہے، اسے جاننا باقی تمام مسائل کو جاننے سے زیادہ واجب اور نفع مند ہے اور اسکے ساتھ ساتھ یہ تمام مسائل سے زیادہ واضح بھی ہے، تمام کتب سماویہ اور رسولوں کا اس پر اتفاق ہے، رسولوں کی اول اور اہم دعوت یہی ہوتی تھی کہ (لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں) اور اس دعوت کی دلیل کے طور پر وہ اپنی اپنی امتوں اور قوموں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے اسماءِ جمیلہ اور اوصاف جلیلہ کا تذکرہ کرتے، اسکی نعمتوں کو شمار کرتے، اور اسکے بے پایاں احسانات گنواتے کہ جنکے ذریعے لوگ اپنے رب کو پہچان لیں اور اسکے سامنے جھک جائیں، قرآنِ عظیم شروع سے آخر تک اس مسئلے کو بیان کرتا ہے، اس کے لیے مختلف اور متنوع براہین کا تذکرہ کرتا اور پھیر پھیر کر نشانیاں واضح کرتا ہے۔ اسی طرح سنت کا معاملہ ہے۔

اس فصل میں نقلی دلائل بیان کرنا مقصود نہیں، کیونکہ وہ تو واضح اور عیاں ہیں، ہر خاص و عام انہیں جانتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اجمالی و تفصیلی معرفت کیلئے صرف وہی دلائل کافی وشافی ہیں لیکن ہم یہاں عقلی دلائل کی طرف تھوڑا سا اشارہ کریں گے کہ جنہیں ہر انصاف پسند عاقل تسلیم کریگا اور فخر و غرور کا شکار متکبر ہی انکا انکار کریگا، حالانکہ یہ مسئلہ اس وضاحت و براہین سے زیادہ واضح اور ظاہر ہے، لیکن قدرے تفصیل کی ضرورت اس لیے ہے کہ جب مؤمن

کو ان دلائل سے آگاہی حاصل ہوتی ہے تو اسکا ایمان وایقان مزید بڑھ جاتا ہے، اور وہ اس عظیم ترین نعمت پر اللہ کی تعریف کرتا ہے۔

ان دلائل کی واضح ہونے کی وجہ سے ہی رسولوں نے اپنی امتوں سے کہا کہ کیا اللہ میں بھی کسی شک کی گنجائش موجود ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے، یعنی تمام عقلاء کے دلوں میں اللہ کے وجود، اسکی ربوبیت اور الوہیت کا اعتراف موجود ہے۔ جان لیجئے! (اللہ آپ پر رحم فرمائے) اگر آپ عالم بالا اور عالم زیریں پر نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ ان میں کیسی نت نئی مصنوعات، مخلوقات اور حوادث ظہور پذیر ہیں اور پھر ٹھیک ٹھیک غور وفکر کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس حوالے سے عقل صرف تین تقسیمات ہی کر پاتی ہے۔

۱- یا تو یہ کہ یہ تمام مخلوقات خود ہی وجود میں آ گئی ہیں، اور انکا کوئی خالق نہیں۔ اور یہ امر محال اور ناممکن ہے، عقل اسکا بدیہی طور پر انکار کرتی ہے، اور ایسا کہنے والے کی نسبت جنون کی طرف کرنا زیادہ مناسب ہوگا، کیونکہ ہر عاقل یہ جانتا ہے کہ کوئی بھی چیز موجد کے بغیر ایجاد نہیں ہوتی۔

۲- یا پھر یہ کہ تمام چیزوں نے خود ہی اپنے آپ کو تخلیق کیا ہے، یہ بھی محال اور ناممکن ہے، ہر عاقل بے جھجک یہ کہے گا کہ کوئی چیز خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کر سکتی، جب یہ دونوں قسمیں فطری اور عقلی طور پر باطل ہو گئیں تو پھر تیسری قسم متعین ہو گئی۔

۳- اور وہ یہ کہ ان تمام مخلوقات وحوادث کا کوئی خالق ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور رب عظیم ہے جو ہر چیز کا خالق، ہر چیز میں متصرف اور پورے نظام کو چلانے والا ہے۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس عقلی تقسیم کی جانب اشارہ کیا ہے جو ہر عاقل پر واضح ہے۔ فرمایا:

﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ، اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴾۔ (الطور/۳۶)

(کیا یہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا ہوئے ہیں، یا یہ خود ہی اپنے خالق ہے؟۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ لوگ یقین نہیں کرتے) ہر مخلوق کیلئے خالق ضروری

ہے، اور ہر اثر کیلئے مؤثر، اسی طرح ہر ایجاد کیلئے موجد، ہر صنعت کیلئے صانع، اور مفعول کیلئے فاعل کا ہونا ضروری ہے۔ یہ بدیہی اور واضح چیزیں ہیں جنہیں تمام عقلاء جانتے ہیں، بلکہ عقل کا سب سے بڑا فیصلہ ہی یہی ہے جو اس میں بھی شک کرتا ہے تو یہ شک اسکی اپنی عقل کے اختلال اور ضلال کی دلیل ہے۔

آپ اپنے نفس پر ہی غور کریں اور دیکھیں کہ آپ کیا سے کیا بن گئے؟ پہلے نطفے کی شکل میں تھے، وہ نطفہ پھر جما ہوا خون بنا، پھر گوشت کا لوتھڑا اور پھر آپ صحیح سلامت ظاہری وباطنی اعضاء والے کامل انسان بن گئے۔ کیا یہ تجزیہ آپکو ربِ قادر وعلیم کے اعتراف پر مجبور نہیں کر رہا؟ اگر یہ تمام مخلوق اس ایک نطفے پر جمع ہو جائے اور اسے ان مختلف مرحلوں سے گزارنے اور ویسے ہی قرار مکین میں محفوظ رکھنے کی کوشش کریں، اور اپنی صلاحیتوں اور علوم کو جمع کر کے اِسے قوتِ سماعت، بصارت اور عقل وشعور دینا چاہیں، ظاہری وباطنی قوئی سے متصف کرنا چاہیں، ویسی ہی نشونما، اور ویسی ہی ترکیب وترتیب۔ تو کیا ایسا کرسکیں گے؟ اگر نہیں تو پھر اللہ کی عظمت واقتدار کو ماننا اور اسکے سامنے جھکنا پڑے گا، اسکی کتابوں اور اسکے رسول کی تصدیق کرنا ہوگی۔

اب ذرا آسمانوں اور زمین کے اس وسیع نظام کا مشاہدہ بھی کیجئے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ایک مربوط ومنظم انداز میں انکی حفاظت فرمارہا ہے، کیا یہ سارا نظام آپکو رب تعالیٰ اور اسکی قیومیت وربوبیت کے کمال کا مظہر معلوم نہیں ہوتا؟

اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ﴾ (الروم/۲۵)

﴿إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا، وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ، إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (فاطر/۴۱)

(اور اسکی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اسکے حکم کیساتھ قائم ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو زائل ہونے سے روکتا ہے، اور اگر یہ زوال پذیر ہو جائیں اُس (اللہ)

کے بعد پھر کوئی بھی انہیں روکنے والا نہیں، بے شک وہ بردبار اور بہت بخشنے والا ہے)۔

اے میرے بھائی! غور کیجئے! کیا یہ دائرے میں پھیلا ہوا فلک، دن اور رات کا اختلاف، موسموں کا اتار چڑھاؤ اور پورے نظام میں پھیلے ہوئے مخلوقات کے لاتعداد مصالح وفوائد، کیا یہ سب کچھ طبیعت کا نتیجہ اور اتفاقی ہے؟ یا پھر اسے اُس مالک نے پیدا کیا ہے جس کی تخلیق محکم اور کامل تر ہے؟ اسی طرح دیکھئے! (اللہ آپکو ہدایت دے) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو اسکے مناسب شکل وصورت سے نوازا اور پھر اسکی ضروریات وحوائج اور مصالح کی طرف رہنمائی بھی فرمائی، بڑے چھوٹے تمام جانداروں کو انکے منافع کی طرف فطری ہدایت دی اور انکے لیے خوراک میسر کی، اس پر غور کرنے سے بھی آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال ربوبیت کو جان سکتے ہیں کہ وہ ہر مربوب کا رب اور تمام مخلوق کا خالق ہے، اسی لیے جب فرعون نے رب العالمین کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا: "فَمَنْ رَّبُّكُمَا يَا مُوْسٰى"۔ اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے؟۔

تو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "رَبُّنَا الَّذِيْ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى" (طٰہٰ/۵۰) (ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکی خاص شکل وصورت عنایت فرمائی اور پھر راہ سجھادی)

کیا حیوانات کی طبیعت میں خود بخود یہ سمجھ بوجھ اور فطری ہدایت پیدا ہو گئی، کہ جسکے نتیجے میں وہ بسہولت اپنی زندگی گذارتے، بچے پالتے اور بچوں کے لیے مہربان اور شفیق ہوتے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ اللہ کی رحمت کا نتیجہ نہیں ہے؟ پھر ذرا دنیا کے چپے چپے پر پھیلی اللہ کی رحمت پر نگاہ ڈالیے، جو ہر مخلوق کے شاملِ حال ہے، اسی رحمت کی بناء پر اُس نے ان گنت ظاہری وباطنی نعمتیں مخلوق کو عطا فرمائی ہیں، اور پھر ان نعمتوں میں بھی بہت تنوع اور عموم ہے، علم اور تعلیم کی نعمت، عافیت اور اعضاء کی سلامتی کی نعمت، رزق، اولاد اور نوکروں کی صورت میں نعمتیں، اور انکے علاوہ کھیتی، پھل، مویشی، مختلف ساز وسامان، گھر اور محلات، لذتیں اور خوشیاں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اسکے وجود اور وحدانیت پر دلالت کرتی

ہیں اور اسکے لیے شکر و اخلاص کی موجب ہیں۔

تو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اسکی طرح ہوسکتا ہے جو پیدا نہ کرے؟ اور کیا جو نعمتوں کی برکھا برسائے وہ اسکی طرح ہوسکتا ہے جو فقیر اور محتاج و مجبور ہو؟ پھر پریشان حال اور تکالیف کے مارے لوگوں کو دیکھیے، جنہیں خطرات لاحق ہوں، یا بھوک و بیماری اور فقر نے بے حال کر دیا ہو، تو کس طرح بے اختیار ہو کر وہ اپنے رب اور اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور وہ مالک انکی فریاد رسی کرتا، اُن سے مصیبتیں ٹالتا اور پریشانیاں دور کرتا ہے، کیا یہ بھی اللہ کی وحدانیت، وسعتِ علم، رحمتِ شاملہ اور کمال درجے کی مہربانی کی ایک بڑی دلیل نہیں ہے؟

﴿ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء، ویجعلکم خلفاء الارض، أالہ مع اللہ ؟ قلیلاً ما تذکرون﴾۔(النمل)

(اچھا بتاؤ! وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کو سنتا ہے، جب وہ اُسے پکارے، اور دکھوں کو ٹالتا، اور تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ بہت کم ہی تم نصیحت پکڑتے ہو)

﴿ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ، فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ الآیۃ۔(یونس/۲۳)

(یعنی جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو) (دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دُعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گذار بندے بن جائیں گے، تو جب وہ انہیں نجات دیتا ہے تو اسی آن ناحق طور پر زمین میں سرکشی کرنے لگتے ہیں۔)

اور یہ تو مشاہدے کی بات ہے کہ جب بھی کوئی مصیبت ٹوٹتی ہے اور سختیاں آتی ہیں تو انسان فوری طور پر اللہ کے سامنے جھک جاتا، اسکا دل سب سے کٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، زبان فریادی بن جاتی ہے اور دائیں بائیں سے توجہ ہٹ جاتی ہے اسکی کیا وجہ ہے؟ اس لیے کہ لوگوں کی فطرت میں یہ بات سمودی گئی ہے کہ اللہ ہی انکا خالق و مالک ہے،

تمام اختیارات اسکے ہاتھ میں ہیں، البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنکی فطرت غلط عقائد اور برے نظریات کی وجہ سے مسخ ہو چکی ہے۔

اور یہ بھی دیکھئے کہ تمام مخلوقات ہر چیز میں اللہ کی محتاج ہیں، خلق اور ایجاد میں بھی اور اپنی بقاء، روزی اور امداد میں بھی۔ نفع حاصل کرنے کیلئے بھی، اور نقصان سے بچنے کیلئے بھی۔ تمام لوگ بزبان قال بھی اور بزبانِ حال بھی اسی مالک سے مانگتے ہیں، آسمان وزمین کی تمام مخلوق اسی سے مانگتی ہے اور وہ سب کی ضروریات پوری کرتا ہے، لوگ اپنی خالی جھولیاں اسی کے سامنے پھیلاتے اور وہ جھولیاں بھر دیتا ہے، اسی سے التجائیں کرتے ہیں اور وہ لاج رکھ لیتا ہے، کتنی ہی مشکلات اور پریشانیاں اُس نے دور کی ہیں اور کتنے شکستہ حالوں کو اُس نے جوڑا ہے۔ بندے ہر حال میں اسکے فقیر ومحتاج اور وہ ہر چیز میں غنی اور بے پروا ہے۔ اسکا انکار صرف ضدی اور متکبر ہی کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وربوبیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ دُعائیں قبول کرتا ہے، اور نیک وبد، مسلم، غیر مسلم سب لوگوں کی دُعائیں قبول کرتا ہے اور لوگوں کے ایسے ایسے مطالبات پورے کرتا ہے کہ لوگوں کو اُنکے پورا ہونے کی اللہ کے فضل کے سوا کوئی امید ہی نہیں ہوتی۔ دنیاوی اور دینی ہمہ قسم کے مطالبات وہی پورے کرتا ہے، لیکن بعض بدنصیب لوگ صرف دنیا کا ہی مطالبہ کرتے ہیں جبکہ آخرت میں انکا کوئی حصہ نہیں، اور کئی لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں خیر وبھلائی مانگتے ہیں لہٰذا انکے لیے بھلائی کا وافر حصہ ہے۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے **معجزات** بھی اللہ کے وجود کی قطعی دلیل ہیں، کہ کسطرح اللہ تعالیٰ نے انکا اکرام کیا، مدد فرمائی، بہترین انجام سے نوازا، انکے دشمنوں کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا اور مختلف قسم کے عذابوں کے کوڑے برسائے، اور انبیاء کے یہ معجزات اس حد تک متواتر ہیں کہ کوئی بات اتنی متواتر نہیں ہے، ایک دنیا نے انکا مشاہدہ کیا اور زمانہ در زمانہ اسی طرح نقل ہوتے آئے ہیں، یہانتک کہ یہ معجزات سورج اور

چاند سے بڑھ کر ایک حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں، یہ بھی ایسی دلیل ہیں کہ کسی کیلئے اسکا انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور عظیم ترین براھین میں سے ایک اللہ رب العزت کی بھیجی ہوئی کتابیں اور شرائع بھی ہیں کہ جنکے ذریعے لوگوں کا دین ہی نہیں دنیا بھی سنور گئی، خصوصاً یہ قرآنِ مجید جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین محمد کریم ﷺ پر نازل فرمایا، اس عظیم کتاب میں ایسی ایسی نشانیاں اور دلائل قاطعہ ہیں کہ الفاظ انکی تعبیر نہیں کر سکتے اور بیان کرنیوالے اسکے بیان کی قدرت نہیں رکھتے، اسکی آیات اپنے نزول سے لیکر اب تک پوری کائنات کیلئے ایک چیلنج ہیں اور لوگ اُس وقت سے اب تک اسکا جواب دینے سے عاجز اور درماندہ ہیں: ﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ ۔(حم السجدة/۵۳) (عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاقِ عالم میں بھی دکھائیں گے اور خود انکے نفسوں میں بھی، یہانتک کہ اُن پر واضح ہو جائے کہ یہ (دینِ الٰہی) برحق ہے)

"﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴾ ۔(النحل/۸۹) (اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کیلئے، اور اس لیے کہ مسلمانوں کیلئے رہنمائی، رحمت اور خوشخبری ہو)

تو جو شخص بھی قرآنِ مجید پر غور کریگا کہ اس میں کیسے سچے واقعات، مبنی بر انصاف احکامات، پختہ قوانین، اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کو حاصل کرنے کے ذرائع اور نقصانات سے بچاؤ کی تدابیر ہیں، تو یہ غور و فکر اُسے اس بات کو ماننے پر مجبور کر دیگا کہ یہ حکمت و حمد والے رب کریم کی تنزیل ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی سنت اور احادیث پر غور کرنے سے بھی معلوم ہوگا کہ آپکا راستہ کتنا سیدھا، سچا، واضح اور مکمل ہے، اور اس دینِ متین کو نازل کرنیوالا رب عظیم و حکیم ہے۔

اسی طرح کی **ایک دلیل** یہ بھی ہے کہ انسانی فطرت میں ہی اپنے خالق کی پہچان اور

اسکی وحدانیت کا اعتراف رکھ دیا گیا ہے، بلکہ انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہی یہی ہے کہ اُسے اپنے خالق و مالک کی پہچان ہو۔ اسی فطرت پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے اور اس فطرت سے وہی لوگ دور ہوتے ہیں جنہیں شیاطین نے اپنے جال میں پھنسا کر اُنکی فطرت کو غلط عقائد، گمراہ خیالات، خبیث آراء اور برے نظریات کے ذریعے مسخ کر دیا ہو۔ اگر انسان کو اپنے حال پر بھی چھوڑ دیا جاتا تو ضرور وہ اپنے رب کو پہچان لیتا۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: "کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه او ینصرانه او یمجسانه کما تنتج البهیمة بهیمة جمعاء هل تحسون فیها من جدعاء، حتی تکونوا انتم تجدعونها"۔

(ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُسکے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، اسی طرح جیسے جانور بھی صحیح سلامت اعضاء والے بچے کو جنتے ہیں، کیا تم ان میں کوئی ناک کٹا محسوس کرتے ہو؟ یہاںتک کہ پھر تم خود ہی انکے ناک وغیرہ کاٹ ڈالتے ہو)

نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے **دلائل** میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنیوالوں کا اکرام کرتا ہے، پریشان حال لوگوں کی مدد کرنے والوں کو فوری صلہ دیتا ہے، اور جو لوگ اللہ کی خاطر محتاجوں پر خرچ کریں ان پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے تمام لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ افعالِ خیر تمام بھلائیوں کا پیش خیمہ بنتے ہیں، کیا یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ ہر نفس پر قائم ہے اور اُسے اسکے ہر عمل کا بدلہ دیتا ہے، کیا یہ دنیا کا بدلہ آخرت کے بدلے کا ایک ادنیٰ نمونہ نہیں ہے؟۔

پھر اس دنیاوی بدلے کی بھی اتنی اقسام ہیں کہ انکا کوئی شمار نہیں، اور یہ ایسی بات ہے جس میں کسی کو شک نہیں، جبکہ لوگ اس حوالے سے بہت عجیب باتوں کا مشاہدہ رکھتے ہیں۔

اسی دلیل کی مثل وہ سزائیں بھی ہیں جو سرکشوں، ظالموں اور مجرموں کو دی جاتی ہیں لوگ ان سزاؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ انکے بُرے اعمال کا نتیجہ ہے تو جو شخص برے لوگوں پر نازل ہونے والے عذاب پر غور کرتا ہے اور سزاؤں کا تجزیہ انکے اعمال

کیساتھ کرتا ہے تو اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے جو دنیا میں انصاف قائم کیئے ہوئے ہے۔ واللہ اعلم۔

اور یہ بات بھی آپکو معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ کی معرفت کے ذرائع بہت وسیع ہیں البتہ انہیں بیان کرنے کیلیئے ہر شخص الگ انداز اختیار کرتا ہے، کوئی کلی طور پر جائزہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور کوئی جزوی جائزے سے نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔ اگرچہ یہ پوری کائنات ہی اللہ کی معرفت کے حوالے سے کھلی کتاب ہے، دل میں آنے والا ہر خیال، نظر آنے والی ہر چیز، شعور کے ذریعے حاصل ہونے والا ہر ادراک، غرض ہر ساکن اور متحرک چیز اللہ کی وحدانیت کے دلائل اور براھین میں سے ہے۔

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ　　تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدُ

(اور ہر چیز میں اسکی نشانی ہے، جو بتاتی ہے کہ وہ واحد ہے)

لیکن جزوی چیزیں ذہن میں جلدی آتی ہیں اور دل انہیں آسانی اور سہولت کیساتھ سمجھ لیتے اور نفع پاتے ہیں، لہٰذا ہم اس حوالے سے چند حکایات اور مثالیں ذکر کریں گے جن میں سے بعض متقدمین (سابقہ لوگوں) کی ہیں اور کچھ عصر حاضر کی:

ایک دیہاتی سے پوچھا گیا کہ تم نے رب کو کیسے پہچانا؟ تو اُس نے کہا: جب ایک بعرہ (مینگنی) بَعِیر (اونٹ) پر دلالت کرتی ہے، قدموں کے نشان مسافر کا پتہ دیتے ہیں، تو پھر برجوں والا آسمان، کشادہ راستوں والی زمین اور موجوں والا سمندر ایک ذاتِ سمیع وبصیر پر دلالت کیوں نہیں کرتے؟۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ملتی ہے کہ بعض ملحدین انکے پاس آئے اور وجودِ باری تعالیٰ کے حوالے سے سوال کرنے لگے، امام صاحب نے کہا: مجھے معاف رکھو، فی الحال میں ایک اور عجیب وغریب معاملے پر غور کر رہا ہوں، مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی ہے جو مختلف قسم کے ساز وسامان سے بھری ہوئی ہے، اور اُسکا کوئی نگران بھی نہیں ہے، لیکن اسکے باوجود وہ اپنی مرضی سے ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتی ہے۔ تو فوراً اُن

ملحدین نے کہا: کیا تم پاگل ہو؟ امام صاحب نے کہا: وہ کیسے؟ تو کہنے لگے کہ اس بات کی تصدیق کوئی عقلمند تو کر ہی نہیں سکتا۔ تو امام صاحب نے کہا: پھر تم پر بھی افسوس ہے کہ تم زمین اور خلائی حقائق کا مشاہدہ بھی کرتے ہو اور دیکھتے ہو کہ پوری کائنات کا نظام کس قدر مضبوط، محکم اور ٹھوس بنیادوں پر استوار ہے اور اسکے باوجود بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ اسے بنانے والا کوئی نہیں۔ تو وہ لوگ اپنے سوال پر خود کو ہی ملامت کرنے لگے۔

کسی اور سے پوچھا گیا: آپ نے اپنے رب کو کیونکر پہچانا؟ تو کہا: یہ ایک نطفہ جو نر مادہ کے رحم میں داخل کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس نطفے کو جمے ہوئے خون میں بدلتا ہے پھر ایک گوشت کے چبائے ہوئے لوتھڑے کی شکل دیتا ہے اور کئی مراحل سے گذار کر مکمل صحیح سلامت ظاہری باطنی اعضاء والا انسان بنا دیتا ہے، دیکھنے کیلئے آنکھ، سننے کیلئے کان، سمجھنے کیلئے عقل، پکڑنے کیلئے ہاتھ اور چلنے کیلئے پاؤں عطا فرماتا ہے۔ پھر اسکے بدن میں غذا کیلئے بھی راستہ رکھا اور فضلہ خارج کرنے کا انتظام بھی کیا، انسان کو ایسے بہترین اور مناسب انداز میں تخلیق کیا اور ترتیب دیا ہے کہ اگر اول سے آخر تک تمام مخلوق جمع ہو کر صرف ایک آدمی کو پیدا کرنا چاہیں تو انکی تمام صلاحیتیں اور علوم بے بس اور عاجز ہو جائیں گے۔ تو کیا انسان کی تخلیق خالق کے وجود اور اسکی عظمت و کبریائی کی دلیل نہیں ہے؟۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے کئی مقامات پر انسان کی تخلیق کو مختلف انداز میں بطور نشانی ذکر فرمایا ہے۔

اور کسی سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟ تو فرمایا: عزائم ٹوٹنے کیساتھ۔ اسکا معنی یہ ہے کہ بعض اوقات بندہ کسی چیز کا پختہ عزم کرتا ہے اور اسکو وائی ساتر دد بھی نہیں ہوتا، لیکن پھر اسکی ہمت ٹوٹ جاتی اور عزم اس ارادے سے ہٹ کر کسی اور چیز کو بہتر سمجھتے ہوئے اسکی طرف پھر جاتا ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جسموں کی طرح وہ دلوں کو بھی پھیرتا ہے، وہ بڑا باریک بیں ہے نقصان دہ چیز سے ہٹا کر اپنے بندے کو فائدے کی طرف پھیر دیتا ہے۔

ایک اور سے جب یہی سوال ہوا تو اُس نے کہا: میں غمزدہ تھا، اُس سے دُعا مانگی تو ان نے میرے غم کو زائل کر دیا، میں فقیر تھا، اُس سے سوال کیا تو اُس نے مجھے غنی کر دیا، میں بیمار تھا، اُس سے شفاء مانگی تو اُس نے مجھے شفا بھی دے دی، میں گمراہ تھا، اُس نے مہربانی کرتے ہوئے مجھے ہدایت سے بھی نواز دیا، اور یہ معاملہ صرف میرے ساتھ ہی نہیں بلکہ اللہ کے کتنے ہیں بندے ہیں جن پر اسکی مختلف قسم کی بیش بہا نعمتیں برس رہی ہیں اور یہ چیز مجھے اسکی ربوبیت کی معرفت اور اسکے اعتراف پر مجبور کر رہی ہے۔

کسی اور سے سوال ہوا کہ اللہ کو کس طرح پہچانا جا سکتا ہے؟ تو فرمایا: ہم نے بھی اور باقی تمام لوگوں نے بھی دنیا میں مجرموں اور سرکشوں کا بدترین انجام بھی دیکھا ہے اور نیکو کاروں کا بہترین انجام بھی۔ تو یہی بات اللہ کی پہچان کروانے کیلئے کافی ہے۔

کسی اور سے کہا گیا کہ ہم اللہ کو کیسے پہچانیں؟ تو کہا: اسطرح کہ وہ اپنی مخلوق کو عین ضرورت اور حاجت کے وقت نعمتیں پہنچاتا ہے، بارش کو دیکھو، جب اسکی ضرورت ہو تو نازل ہوتی ہے اور جب نقصان کا خدشہ ہو تو رُک جاتی ہے، اسی طرح دیکھئے کہ شدت اور سختی کے بعد آسانی آتی ہے، اسی طرح انسان کے اعضاء اور قوی میں بھی درجہ بدرجہ ضرورت کے مطابق بہتری آتی ہے۔ تو کیا یہ سب چیزیں اتفاقی ہیں؟ یا پھر یقینی طور پر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز حسب ضرورت عطا کرنے والی ذات اللہ رب العالمین کی ہی ہے؟

اِن اقوال سے بھی معلوم ہوا کہ ہم جو بات کر رہے کہ بندے اپنے تمام حالات واوقات میں اللہ کی معرفت کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قدم پر بندوں کے سامنے اپنی ربوبیت کے دلائل عیاں کرتا ہے اور انکے لیے اپنی راہیں کھولتا ہے، ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ وہ کریم وجواد مالک ہم پر احسان کرتے ہوئے ہمیں اپنی معرفت اور ایمان کامل عطا فرمائے!۔

کسی سے پوچھا گیا کہ اللہ کی پہچان کیسے ہو؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کو یوں بھی پہچانا جا سکتا ہے کہ اُس نے انسان کو ایسے علوم دیئے جنہیں وہ نہیں جانتا تھا، جب انسان اپنی ماں کے پیٹ سے آیا تھا تو کچھ نہیں جانتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے تحصیلِ علم کی صلاحیت دی اور

آلاتِ علم سے نوازا، پھر انسان دینی علوم حاصل کرتا ہے یہانتک کہ ربانی عالم بن جاتا ہے، اور دنیاوی علوم میں بھی ایسے کمال کو پہنچتا ہے کہ نت نئی ایجادات کرتا ہے۔

اور عجیب ترین بات تو یہ ہے کہ کسی تختی پر کچھ لکھا جائے تو مزید کچھ لکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی الاّ یہ کہ اسے مٹایا جائے لیکن دل کی ایسی تختی ہے کہ اس میں جسقدر زیادہ علوم و معارف کو جمع کیا جائے اتنا ہی اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے، حافظہ بڑھ جاتا اور یاداشت مزید پختہ ہو جاتی ہے، تو کیا انسان خود ہی اس بات کی طاقت و قدرت رکھتا ہے یا یہ اللہ کی عنایت اور مہربانی کی دلیل ہے؟۔

کسی اور سے یہی سوال ہوا تو جواب دیا: ایک گٹھلی لوگ زمین میں اُگاتے ہیں اور اس سے اتنا بڑا کھجور کا درخت پیدا ہو جاتا ہے جو ہر سال بہترین پھل دیتا ہے، اسی طرح بیج زمین میں ڈالنے سے لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اُگ آتی ہیں، تو کیا یہ بھی اللہ کے وجود، قدرت، عنایت اور رحمت کی دلیل نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اسی معنیٰ کو کئی آیات میں ذکر فرمایا ہے، جیسے فرمایا:

" فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى "۔ (الانعام/ ۹۵)

(اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے)

اور فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ، ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴾ (الواقعہ/ ٦٤)

(اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو، اُسے تم ہی اگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں؟)

ایک شخص جس نے محمد ﷺ پر ایمان لانے میں جلدی اختیار کی تھی، کسی نے اُس سے پوچھا: تم اتنی جلدی ایمان کیوں لائے؟ تو اسکا جواب تھا: میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ جو بھی حکم دیتے ہیں تو عقل یہ نہیں کہتی کہ کاش آپ یہ حکم نہ دیتے، اور آپ ﷺ جس بات سے بھی روکتے ہیں تو عقل یہ نہیں کہتی کہ کاش آپ اس سے نہ روکتے۔ تو اس شخص نے اپنی عقل کے نور اور قوت بصیرت کے ذریعے ہی رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپ کی شریعت کا عقل

سلیم کیمطابق ہونا سمجھ لیا تھا۔

ایک اور عارف سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو کس چیز کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے؟ تو فرمایا: اطاعتِ الٰہی میں موجود مٹھاس کا ذائقہ چکھ کر انسان اللہ کی معرفت تک پہنچ جاتا ہے، یہ ایک وجدانی استدلال ہے جو انسان کو ایمان و یقین کے کمال پر پہنچا دیتا ہے، جو شخص ایمان کی مٹھاس کو پالیتا ہے اور یقین کی لذت کو چکھ لیتا ہے، تو وہ ایمان کی بلند چوٹی پر پہنچ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کسی اور سے یہی سوال ہوتو اُس نے جواب دیا: اللہ کو اس بات کے ذریعے پہچانا جاسکتا ہے کہ اُس نے ہر چیز کو ایک نظام کے تحت رکھا ہے اور پھر بعض چیزیں اسباب سے ہٹ کر بھی پیدا کی ہیں۔ تو اسطرح بعض بلکہ اکثر چیزوں کو اسباب کے تحت پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے جو عقل کے عین مطابق ہے لیکن بعض اوقات بلا اسباب بھی بعض چیزیں پیدا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک، اور اس پر قادر ہے کوئی چیز اسکے حکم سے منحرف نہیں ہوسکتی۔ انبیاء کرام کے معجزات بھی اسی قسم میں داخل ہیں۔

بعض سے سوال ہوا: اللہ تعالیٰ کو کیونکر پہچانا جاسکتا ہے؟ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی معرفت کیلئے انسان کو رزق کے معاملے پر غور کرنا چاہیے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے لوگوں کے پاس بے انتہا زمینیں اور جائدادیں ہوتی ہیں لیکن پھر بھی وہ مالی حوالے سے پریشان رہتے اور ہمیشہ قرضوں میں جکڑے رہتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کے پاس دولت کے ایسے مضبوط اسباب نہیں ہوتے، بلکہ معمولی سے اسباب کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ انہیں بے حساب رزق سے نواز دیتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ ہی کے خزانوں پر نگاہ رکھتے ہیں اور اُسی پر توکل کرتے ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان انتہائی ذہین و فطین اور قوت کا مالک ہے اور اسکے ساتھ ساتھ وہ دنیا کمانے کی کوشش اور محنت بھی کرتا ہے لیکن اسکے باوجود تنگدست رہتا ہے، جبکہ اسکے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص انتہائی بے وقوف، کند ذہن اور کمزور ہے، پہلے شخص کے مقابلے میں اِس کو اُسکے دسویں حصے جتنی ذہانت اور عقل بھی نہیں ملی، لیکن اسکے باوجود اللہ تعالیٰ

نے اسکے رزق کو کشادہ کر رکھا ہے اور اسکے معاملات آسان کر دیئے گئے ہیں۔

یہ تمام امور ہر عاقل کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں۔

ایک اور شخص سے پوچھا گیا کہ ہم اپنے رب کو کیونکر پہچان سکتے ہیں؟ تو اُس نے کہا: وہ رب اپنے بندوں کے درمیان دنوں کو پھیرتا رہتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت، کسی کو فقیر کر دیتا ہے اور کسی کو دولتمند۔ اور یہ سب کچھ کبھی اسباب کے تحت ہوتا ہے اور کبھی اسباب کے بغیر۔

ایک اور سے جب اللہ کی معرفت کے متعلق سوال ہوا تو وہ کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کی معرفت اسکے اس فرمان سے ہوتی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾۔ (ہود/٦)

(اور زمین میں چلنے پھرنے والے تمام جانداروں کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے)

اس آیت کے مصداق کا ہم اللہ کی مخلوقات میں صبح شام مشاہدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی گذر بسر کے اسباب میسر کر دیئے ہیں، کسی کو تجارت کے ذریعے اور کسی کو صنعت وحرفت کے ذریعے روزی دی جاتی ہے، کوئی کھیتی باڑی کے ذریعے پیٹ پالتا ہے تو کوئی نوکری کے ذریعے، اور کسی کو وراثت کا مال ہاتھ لگ جاتا ہے، جبکہ کسی کا گذارہ مال مویشیوں پر ہوتا ہے، کسی پر کوئی احسان کر دیتا ہے، جبکہ کوئی زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ "کمائے گی دنیا اور کھائیں گے ہم" اور اسکے علاوہ بھی بہت سے اسباب ہیں جنکے ذریعے اللہ عزیز وحکیم اپنی مخلوق کو روزی مہیا کرتا ہے۔ سبحان اُسکی قدرت جو دور دراز صحراؤں اور گہری تاریکیوں میں رینگنے والی باریک چیونٹیوں تک بھی رزق پہنچاتا ہے۔

یہ **تمام جوابات** جو جزوی یا کلی طور پر دیئے ہیں سب کے سب صحیح ہیں اور عقلوں کو اپنے رب کے اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں، اس حوالے سے ان سے بھی کئی گنا زیادہ جواب دیئے جا سکتے ہیں، لیکن اگر آپ اس کائنات پر ایک عمومی نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ پوری دنیا کا نظام کیسے مربوط اور منظم انداز میں چل رہا ہے تو یقیناً آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اس

جہان کا کوئی عظیم رب اور بادشاہ موجود ہے، جسکے سامنے ساری مخلوقات بچھی ہوئی ہیں اور اسکے حکم کے آگے پوری کائنات جُھکی ہوئی ہے، اور تمام بندوں کی پیشانیاں اسکے کنٹرول میں ہیں، اور آپ یہ بھی جان لیں گے کہ یہ سورج چاند، ستارے سب اللہ کے مطیع وفرمانبردار اور اسکے حکم کے غلام ہیں۔

اسی طرح پھر آپ الگ الگ ہر مخلوق پر نگاہ ڈالیں اور اسکی پیدائش کی ابتداء اور باقی صفات واحوال پر غور کریں تو یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ یقیناً انکا کوئی معبود ضرور ہے جو انکی تدبیر کرتا ہے، اور کوئی رب ضرور ہے جو ان پر تصرف کرتا ہے، اور اسکا وجود اور صفات اسکی اپنی ایجاد نہیں بلکہ رب العالمین کی تخلیق ہے۔

پھر جب آپ اپنے نفس کے احوال پر غور کریں گے، اور اپنے بدن کی ظاہری باطنی صفات اپنے محسوسات وغیرہ کا جائزہ لیں گے تو بلا شک وشبہ آپکو معلوم ہوجائے گا کہ آپ مخلوق ہیں، اپنے تمام امور میں اللہ کے محتاج، پیدائش سے لیکر باقی تمام چیزوں مثلاً صلاحیت، عقل، رزق، حفاظت اور بقاء، ابتدا وانتہاء ہر چیز میں اُس مالک کے محتاج اور اُسی کے در کے فقیر ہیں۔

اسی طرح جب آپ انبیاء کرام کے معجزات وغیرہ پر غور کریں گے اور اولیاء کی کرامات پر نظر ڈالیں گے تو بھی باری تعالیٰ کی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائیں گے، اور یہ بھی جان لیں گے کہ وہی مسبب الاسباب، ہر چیز کا مالک اور رب ہے، اسی طرح اُس رب کریم کا کثرت کیساتھ دعاؤں کو سننا، مجبور اور پریشان حال لوگوں کی فریادرسی کرنا اور انکے دکھ دور کرنا یہ سب باتیں بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کے اعتراف پر مجبور کردینے والی ہیں۔

اسی طرح بعض قوموں کو نیست ونابود کردینے والے عذابوں، اور بعض اقوام کی ظالمین سے نجات کے ایام پر غور کرنے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کیساتھ عدل وانصاف اور فضل وکرم پر مبنی معاملات کرتا ہے، ہر نفس پر قائم ہے اور ہر عامل کو اسکا پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔

پھر جب آپ اللہ تعالیٰ کے دین وشریعت میں موجود خیرِ عظیم اور اسکے بابرکت ثمرات پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ یہ دین عقائد، اعمال، اخلاق اور دین ودنیا کا مصلح ہے، اور اس اصلاح کیلئے مضبوط اور ٹھوس بنیادیں مہیا کرتا ہے، تمام اقوام کے عقلمند اور ذہین افراد ملکر انسانوں کی اصلاح کیلئے اس جیسا کوئی نظام وضع کرنے سے قاصر ہیں، اور ابھی تک کوئی ایسا صحیح علم ہمارے سامنے نہیں آیا جو اس دین کی باتوں اور خبروں کے خلاف ہو، بلکہ یہ دین عقل اور واقع کے بالکل مطابق ہے،

ان سب باتوں کا مشاہدہ کرنے سے آپکو معلوم ہوگا کہ یقیناً یہ اللہ غالب اور حکیم کا دین ہے، جسکے دائیں بائیں، آگے پیچھے سے باطل داخل نہیں ہوسکتا، اسی طرح جب آپ بہت ساری باتوں کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی باتوں کے بالکل عین مطابق پائیں گے تو بھی اللہ کے علم وعظمت اور اسکی کبریائی کا اعتراف کریں گے۔

یہ تمام عقلی اور حتمی دلائل ہیں جو اللہ کے وجود اور اسکی وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں، حقیقت میں اللہ کا وجود ہی کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے جس پر عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیح کا اتفاق ہے، گذشتہ سطور میں تو صرف چند تنبیہات ہی ذکر کی گئی ہیں، اور اگر میں تھوڑی تفصیل میں جاتا تو کئی جلدوں پر مشتمل کتاب تیار ہوجاتی، بہر حال ان دلائل سے مؤمن کا ایمان مزید پختہ ہوجاتا ہے اگرچہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا خبر دینا ہی مؤمن کیلئے کافی ہے کیونکہ اللہ سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔

”رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ آمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا“ ”رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ“

(اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلا رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے)

(اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا، ہم اُس پر ایمان لائے، اور رسول کی پیروی کی، لہٰذا ہمیں بھی اُن لوگوں میں لکھ دے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں)

لیکن اسکے ساتھ ساتھ عقلی دلائل شریعت کی تائید کرتے اور اسکے کمال کا اعتراف کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اور عقل بھی دین اور شریعت کے ذریعے ہی روشن اور مستقیم ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اکثر یہ جملہ ذکر فرمایا ہے: "لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" (الروم/۲۴) (اس میں عقل والی قوم کیلئے نشانیاں ہیں)

اور اللہ تعالیٰ بندوں کو آیاتِ مسموعہ اور آیاتِ مشہودہ میں تفکر و تدبر کا حکم بھی دیتا ہے۔

(من الرياض الناضرة)

❁❁❁❁❁❁❁❁
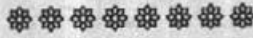
۴۷- انتہائی نفع بخش فائدہ

عبادت اور طاعت کا مٹھاس

شاید کہ ایسا فائدہ آپکو نہ ملے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں مٹھاس چکھنا چاہتا ہے، اُسے چند باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

۱- شقیق بن ابراهیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" من شكى مصيبة الى غير الله نزع الله منه حلاوة الطاعة"۔(سير اعلام النبلاء ۹-۳۱۵ للذهبي رحمه الله)
(جو شخص اپنی مصیبت کا شکوہ غیر اللہ سے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اطاعت کی مٹھاس کو اُس سے چھین لیتا ہے) (سير اعلام النبلاء)

اس قول کی توجیہ یہ ہے کہ یہ مخلوق کے سامنے اللہ کی شکایت کے مترادف ہے، اللہ کیساتھ سوءِ ظن اور مخلوق سے حسن ظن ہے، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی رحمت اور قوت، مخلوق کی رحمت وقوت کے مقابلے میں کمتر ہے تو ایسے شخص کا کیا حال ہوسکتا ہے؟ اور ایسے لوگوں کو اطاعت کی مٹھاس اور لذت کیسے مل سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ الآية۔(الحج/۱۵)
(جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اسکی مدد ہرگز نہ کریگا......الآیۃ)

۲-نفس کی خواہشات پر اللہ رب العزت کی مرضی کو ترجیح دینا بھی اس سلسلے میں نفع بخش اور مجرب نسخہ ہے، اسی وجہ سے جن اعمال میں مجاہدہ اور مشقت زیادہ ہو، انکی تاثیر دل پر بھی ہی زیادہ ہوتی ہے مثلاً تہجد کی نماز، طلوع فجر کے بعد اور طلوعِ شمس سے پہلے ذکر اذکار کرنا، جہاد وقتال اور ایسے دیگر اعمال دلوں کے علاج میں زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: جب کوئی عالم اپنی شہوت کو میری مرضی پر ترجیح دیتا ہے تو میں ادنیٰ ترین سزا اُسے یہ دیتا ہوں کہ لذتِ مناجات سے محروم کر دیتا ہوں۔ العیاذ باللہ۔ (کتاب الزہد للامام احمد واحیاء العلوم للغزالی)

اللہ تعالیٰ نے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ﴾۔ (مریم/۵۹)

(پھر انکے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور شہوات کی پیروی کی) اس سے معلوم ہوا کہ شہوات عبادات کے منافی ہیں۔

۳- بخاری مسلم کی ایک حدیث میں آتا ہے: "ثلاث من کن فیه وجد بهن حلاوة الایمان، ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما، وان یحب العبد لا یحبه الا لله، وان یکره ان یعود في الکفر کما یکره ان یلقی في النار"

(جس شخص میں تین چیزیں پائی جائیں، تو انکے ذریعے وہ ایمان کی مٹھاس حاصل کر لیتا ہے، اللہ اور اسکا رسول (ﷺ) اُسے سب سے زیادہ محبوب ہوں، اور وہ کسی بھی بندے سے صرف اللہ کیلئے محبت کرے، اور یہ کہ کفر میں لوٹنا اسے اتنا ہی ناپسند ہو جتنا کہ آگ میں ڈال دیا جانا)

ایمان کی مٹھاس یہی ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری میں مزہ آئے اور انسان اللہ کی خاطر مشکلات برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔

۴- صحیح مسلم میں عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ذاق طعم الایمان من رضي بالله رباً وبالاسلام دیناً، وبمحمد رسولاً" (اُس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا)

۵- ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: "ما من مسلم ینظر الی محاسن امرأة اول مرة، ثم یغض بصره الا احدث الله له عبادة یجد

حلاوتها"۔ (رواه احمد كمافى المشكوة ۲ر۲۷،۷ وسنده حسن لكثرة طرقه)

(جب بھی کسی مسلمان کی نظر کسی عورت کے محاسن (حسن والی جگہوں) پر پڑتی ہے اور وہ پہلی نظر پر ہی اپنی نگاہوں کو جھکا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے ایسی عبادت عنایت فرماتا ہے کہ جسکی مٹھاس کو وہ محسوس کرتا ہے)

۶- انسان اپنے کھانے پینے وغیرہ میں حرام اور مشتبہات سے بچے، کیونکہ اس سے دل مکدّر ہو جاتا اور عبادت کا مزہ ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"الا وان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهى القلب"۔

(سن لو کہ بے شک جسم میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو تمام جسم بھی بگڑ جاتا ہے، سن لو کہ وہ دل ہے)

یہ بات آپ ﷺ نے ترک شبہات کا حکم دینے کے بعد فرمائی۔

ایک اور حدیث میں حرام کھانے والے کے بارے میں آتا ہے: "فانى يستجاب لذلك" (اسکی دعائیں اور مناجات کیسے قبول ہو سکتی ہے)

۷- مراقبہ اور احسان بھی اس بارے میں مفید ہے۔ ابو نعیم نے عبداللہ بن علویۃ العامری کی حدیث مرفوعاً روایت کی ہے: جس شخص نے تین کام کر لیے اُس نے ایمان کا مزہ پالیا، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی، اپنے دل کی خوشی سے ہر سال اپنے مال کی زکاۃ نکالی، اور اس میں کوئی حد سے زیادہ بوڑھا، لاغر، بد خصلت اور بیمار جانور نہ دیا، بلکہ درمیانے درجے کے مال میں سے زکاۃ دی، اور تیسری چیز یہ کہ اپنا تزکیہ کیا۔ ایک شخص نے پوچھا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ! آدمی اپنا تزکیہ کیسے کر سکتا ہے؟ تو فرمایا: اس بات کو اپنے دل میں بٹھا کر کہ اللہ ہر جگہ پر اسکے ساتھ ہے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "افضل الايمان ان

تعلم ان اللہ معك حيثما كنت"۔

(افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ ہر جگہ پر اللہ تمہارے ساتھ ہے)

ذکرهما ابن کثیر ٤/٣٤) سورة الحدید ۔ انظر الصحیحة (١٠٤٦/٣)

حافظ اسماعیلی نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: مجھے حکمت کا زادِراہ دیجئے، جس پر میں زندگی بسر کروں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح حیا کرو جیسے اپنے کسی نیک دوست سے حیا کرتے ہو جو ہمیشہ آپکے ساتھ رہتا ہے۔ (ذکرہ ابن کثیر ایضا)

صحیح بخاری میں آتا ہے: " ان تعبد اللہ كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك"

(احسان یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہیں، اگر ایسا ممکن نہ ہوتو (کم از کم یہ تصور ضرور ہو کہ) بے شک وہ آپکو دیکھ رہا ہے۔)

٨- سیر اعلام النبلاء (١١/٣٤) میں ہے کہ امام احمد بن حرب نے فرمایا: میں نے پچاس سال تک اللہ کی عبادت کی، لیکن جب تک تین چیزوں کو نہ چھوڑا اُس وقت تک عبادت کی مٹھاس نہ پائی۔

١- میں نے لوگوں کی رضا تلاش کرنا چھوڑ دی، جسکے نتیجے میں مجھے حق گوئی کی جرأت حاصل ہوئی۔

٢- فاسق وفاجر لوگوں کی صحبت ترک کردی تو صالحین کی صحبت ملی۔

٣- دنیا کی مٹھاس کو ترک کیا تو آخرت کی مٹھاس پائی۔

٩- علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں آتا ہے: چار چیزیں ایسی ہیں کہ جب تک کوئی ان پر ایمان نہ لائے، ایمان کا مزہ نہیں پا سکتا :

١- لا الـه الا اللہ وحدہ ۔ ٢- میری رسالت کا اعتراف۔ ٣- اس بات کا یقین کہ اُس نے مرنا ہے اور پھر موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنا ہے، ٤- مکمل تقدیر پر ایمان۔

(اخرجه ابن ابی شیبه فی کتاب الایمان ص (٣) والترمذی والحاکم

وصححه وهو صحیح)

۱۰- حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین چیزوں میں مٹھاس تلاش کرو، نماز میں، ذکر الٰہی میں، اور قراءت قرآن میں، اگر مٹھاس مل جائے تو ٹھیک، ورنہ سمجھو کہ دروازہ بند ہے۔ (قشیریہ ص ۲۵۹)

۱۱- ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "عاد في الله ووال في الله فانه لا تنال ولاية الله، الا بذاك ولا يجد رجل طعم الايمان وان كثرت صلاته وصيامه حتى يكون كذلك" (رواه البيهقي في الشعب وهو في آثار الصحابة ۳/ ۵۰)

(اللہ کی خاطر دشمنی، اور اللہ ہی کیلئے دوستی رکھو، اور یقین کرلو کہ اللہ کی دوستی صرف اسی طرح مل سکتی ہے، اور کوئی آدمی ایمان کا مزہ اسکے بغیر نہیں پا سکتا اگرچہ کتنا ہی نماز روزہ کیوں نہ کرے۔) (بیہقی)

یہ چند چیزیں ہیں جو شخص ان پر توجہ دیگا ان شاء اللہ وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔

(اللهم انا نسألك ذلك يا ارحم الراحمين)
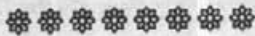
۴۸- نادر فائدہ

رضائے الٰہی کا حصول اور اسکی اسباب

وہ یہ کہ بندے کو اللہ کی رضا کا متلاشی ہونا چاہیے، کیونکہ اسی میں دنیا و آخرت کی سعادت ہے، اور اللہ کی رضا سے بڑھ کر دنیا و آخرت میں کوئی چیز نہیں۔ (وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ اَكْبَرُ)

یہاں ہم رضائے الٰہی کے حصول کے اسباب ذکر کریں گے:

۱- اللہ کی رضا کا متلاشی ہونا: ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی رضا کا متلاشی رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل کو بلا کر فرماتا ہے: فلاں بندہ میری رضا کا متلاشی ہے، سن لو کہ وہ میری رحمتوں کا مستحق بن گیا ہے، تو جبریل کہتے ہیں: فلاں بندے پر اللہ کی رحمت! پھر عرش کو اٹھانے والے فرشتے یہی بات کہتے ہیں، پھر انکے اردگرد موجود فرشتے، اور پھر ساتوں آسمانوں کے فرشتے یہی کہتے ہیں، اور پھر وہ رحمت زمین کی طرف اترتی ہے۔

(اسکی سند صحیح ہے)

۲- دوسری چیز **مسواک** ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: " السواك مطهرة للفم ومرضاة للرب. (اخرجه احمد ۳/۱، وابن ماجه وغيرهما)

مسواک منہ کو صاف رکھنے والی اور رب کو راضی کرنے والی ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ)

۳- کھانے اور پینے کے بعد **حمد** کرنا۔ حدیث میں آتا ہے:

ان الله ليرضى عن العبد أن يأكل الأكلة او يشرب الشربة فيحمده عليها

(اخرجه مسلم والترمذي)

(بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو پسند کرتا اور راضی ہوتا ہے کہ وہ ایک

لقمہ کھانے اور ایک گھونٹ پینے کے بعد بھی اسکی حمد بیان کرے) (مسلم، ترمذی)

٤- اخلاص ۔حدیث میں آتا ہے:" من فارق الدنيا على الاخلاص لله وحده وعبادته لاشريك له، واقام الصلاة وايتاء الزكوة مات والله عنه راض "(اخرجہ ابن ماجہ فی المقدمۃ رقم (۷۰) باسناد فیہ کلام ومعناہ صحیح)

جس نے اس حال میں دنیا چھوڑی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کیلئے مخلص ہو، اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے، نماز قائم کرے اور زکوۃ ادا کرتا ہو، تو اسکی موت اللہ کی رضا پر ہوئی ہے۔(ابن ماجہ)

٥- والد کی رضامندی ۔حدیث میں آتا ہے:

رضى الرب فى رضى الوالد وسخط الرب في سخط الوالد

(اخرجہ الترمذی ۲/۲۱۹، وھو فی المشکوۃ ۲/ باب البر والصلۃ)

(رب کی رضا والد کی رضا میں ہے، اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے)

٦- اللہ کی رضا جوئی میں لوگوں کو ناراض کردینا۔حدیث میں آتا ہے:" من التمس رضى الله بسخط الناس كفاه الله مؤنة الناس، ومن التمس رضى الناس بسخط الله وكله الله الى الناس "(اخرجہ الترمذی)

(جو شخص اللہ کی رضا جوئی میں لوگوں کو ناراض کردیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کی تکالیف سے کافی ہوجاتا ہے، اور جو اللہ کی ناراضگی میں لوگوں کی رضا کا متلاشی ہو، تو اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے سپرد کردیتا ہے)(ترمذی)

٧- علم کی طلب اور اس کی کثرت۔حدیث میں آتا ہے: دو حریص ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک تو علم کا حریص دوسرا دنیا کا حریص، الحدیث۔

اس حدیث میں پھر یہ الفاظ بھی ہیں:

"اما صاحب العلم فيزداد رضى الرحمن"۔

(صاحبِ علم رحمٰن کی رضا میں بڑھتا چلا جاتا ہے)(مشکوۃ ۱/۳۵)

۸- **روزہ** ۔حدیث میں آتا ہے:" **ترك شهوته وطعامه وشرابه ابتغاء مرضاتي والصوم لي وأنا اجزي به**" ۔(المسند ۳۹۵/۲)

روزے دار نے اپنی شہوت اور کھانا پینا میری رضا جوئی کیلئے چھوڑ دیا ہے، روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اسکا بدلہ دونگا)

اور حدیث میں ہے:" **للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه**"

(روزے دار کیلئے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی تو افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت)

۹- **یہ دُعا پڑھنا** :" **اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ**" ۔(اخرجہ مسلم وغیرہ)

(اے اللہ! میں تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں، تیری ناراضگی سے، اور تیرے عفو ودرگذر کی پناہ چاہتا ہوں تیری سزا اور عقوبت سے، اور میں تیری صفاتِ جمال کی پناہ لیکر تیری صفاتِ جلال سے بچنا چاہتا ہوں، میں تیری تعریف کا حق ادا نہیں کرسکتا، تیری شان تو اُسی طرح ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے)

۱۰- **مصیبت** کے وقت اللہ پر راضی رہنا۔حدیث میں آتا ہے:" **عظم الجزاء مع عظم البلاء، وان الله اذا أحب قوماً ابتلاهم فمن رضي فله الرضا ومن سخط فله السخط**" ۔(اخرجہ الترمذی وابن ماجہ رقم (۴۰۳۱) باسناد صحیح)

(جتنی کڑی آزمائش ہوتی ہے اتنا ہی زیادہ اجر وثواب ملتا ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اُسے آزماتا ہے، تو جو آزمائش پر اللہ سے راضی رہا اسکے لیے اللہ کی رضا ہے، اور جو ناراض ہوا اسکے لیے ناراضگی ہے)(ترمذی، ابن ماجہ)

۱۱- **اللہ عزوجل کا ذکر** کرنا۔ابن ماجہ (۳۷۹۰) میں ابو درداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" **الا انبئكم بخير اعمالكم وارضاها**

عند مليككم، وارفعها في درجاتكم، وخير لكم من اعطاء الذهب والورق، ومن ان تلقوا عدوكم فتضربوا اعناقهم ويضربوا اعناقكم ؟ قالوا : وما ذاك يارسول الله؟ قال : ذكر الله" (کیا میں تمہیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں جو تمہارا بہترین عمل ہے، تمہارے بادشاہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ، تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا، اور تمہارے لیے سونا چاندی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے سے بھی بہتر، اور اس سے بھی بہتر کہ تم اپنے دشمن سے ٹکراؤ، تم انکی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! وہ کونسا عمل ہے؟ فرمایا: وہ عمل ہے اللہ کا ذکر کرنا۔ (یہ حدیث صحیح اور نہایت پیاری ہے)

معاذ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کے ذکر سے بڑھ کر اسکے عذاب سے نجات دینے والا اور کوئی عمل نہیں ہے۔

۱۲- **صبح شام** تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے: "رضيت بالله رباً وبالاسلام ديناً وبمحمدٍ نبياً" تو قیامت کے دن اس بندے کو راضی کرنا اللہ پر حق ہو جاتا ہے۔ (رواه احمد ٣٧/٤، والترمذی۔ المشكوٰة ٢١٠/١ وسنده حسن ان شاء الله وصححه الشيخ بغير التثليث فى الصحيحة)

۱۳- پاکیزہ اور اچھی بات بھی اللہ کی رضا کا باعث بن جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "ان العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله لا يلقى لها بالاً يكتب الله له بها رضوانه الى يوم يلقاه" ۔ (اخرجہ الترمذی فی الزہد ۲/ر) (بے شک بندہ بعض اوقات ایک کلمہ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے، جو اللہ کی رضا کا باعث ہوتا ہے، جبکہ بندے کو اسکی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا، اور صرف اس کلمے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تا قیامت اس بندے کیلئے اپنی رضا لکھ دیتا ہے) (ترمذی)

اسی طرح برا کلمہ اللہ کی ناراضگی کا باعث بن جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔

١٤- **لوگوں** کا کسی بندے کی تعریف کرنا بھی اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ جیسا کہ مسند

احمد (۳۸/۳) میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: " ان الله اذا رضي عن العبد اثنى عليه سبعة اصناف من الخير لم يعملـه، واذا سخط على العبد اثنى عليه سبعة اصناف من الشر لم يعمله"۔ (وفی اسنادہ دراج عن ابی الهيثم وهو حسن الحديث فی غیر ابی الهيثم)

(بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر راضی ہوتا ہے تو اُسے سات ایسی خوبیوں کی تعریف کا مستحق بنا دیتا ہے جو اُس نے عملی طور پر نہیں کیں، اور جب کسی پر ناراض ہوتا ہے تو سات ایسی خامیوں اور برائیوں پر قابلِ ملامت بنا دیتا ہے جو اس نے سر انجام دی ہی نہیں)

یہ وہ چیزیں ہیں جنکا خیال صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو خالصتاً اللہ کے مخلص بندے ہیں
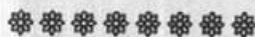
۴۹- عظیم الشان فائدہ

دل کی نرمی اور اس کی اسباب

آپ دل کی نرمی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ اور کیونکر دل کی سختی کو زائل کر سکتے ہیں؟ جو در اصل یہود کا مرض ہے اور کسی بندے کو دی جانے والی سب سے بڑی سزا ہے جیسا کہ مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو دل کی سختی سے بڑی سزا نہیں دی۔ (معالم التنزیل-زمر)

لہٰذا مجھ اور آپ پر اس مصیبت کو شرعی اسباب کے ذریعے زائل کرنا واجب ہے، اسکے بہت سے اسباب ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱-مساکین کو کھانا کھلانا۔

۲-یتیم پر رحم کرنا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دل کی سختی کا شکوہ کیا، تو آپ نے فرمایا: " امسح رأس اليتيم وأطعم المسكين " ۔(مسند احمد ۲/۲۶۳ وہو فی المشکوۃ ۲/۴۲۵) (یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو، اور مسکین کو کھانا کھلاؤ)

اور ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے آپ ﷺ کے پاس آ کر اپنے دل کی سختی کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا: " اتحب أن يلين قلبك وتدرك حاجتك ؟ ارحم اليتيم وامسح رأسه وأطعمه من طعامك يلن قلبك وتدرك حاجتك " ۔(کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے دل میں نرمی پیدا ہو، اور تمہاری مراد و حاجت پوری ہو؟ تو یتیم پر رحم کرو، اسکے سر پر ہاتھ پھیرو اور اپنے کھانے میں سے اُسے بھی کھلاؤ، اسطرح تمہارا دل بھی نرم ہو جائے گا اور تمہاری حاجتیں بھی بر آئیں گی)

۳-ہمیشہ اللہ کا ذکر کرتے رہنا۔

۴-لوگوں کیساتھ بات چیت کم کرنا۔یہ ایک مجرب نسخہ ہے۔

عیسی علیہ السلام فرماتے ہیں:" لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فان کثرۃ الکلام قسوۃ للقلب وان ابعد الناس من اللہ القلب القاسي"۔

(اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام مت کرو، کیونکہ کثرتِ کلام سے دل سخت ہو جاتا ہے، اور یقیناً لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور سخت دل ہے۔(وروی مرفوعا باسناد فیہ مقال)

۵-ہنسی مذاق ترک کر دینا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں دل کو بگاڑ دیتی ہیں، اور اسی لیے آپ ﷺ سے پوری زندگی میں بیس سے زیادہ مرتبہ مزاح کرنا ثابت نہیں، حالانکہ آپکا مزاح بھی حق ہوتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے:" لا تکثروا الضحک فان کثرۃ الضحک تمیت القلب وتذھب بنور الوجہ"

(زیادہ مت ہنسو! کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ اور چہرے کے نور کو ختم کر دیتا ہے)

۶-ام درداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جنازے پر حاضری، مریض کی عیادت اور قبروں کی زیارت سے دل کی سختی زائل ہو جاتی ہے۔

۷-ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب الفوائد ص(۱۶۷) میں فرماتے ہیں:" قسوۃ القلب من اربعۃ اشیاء اذا جاوزت الحد، الأکل والنوم والکلام والمخالطۃ"۔

(دل کی سختی چار چیزوں کی بناء پر ہوتی ہے جبکہ وہ حد سے تجاوز کر جائیں، کھانا، نیند، کلام اور لوگوں سے میل جول)

اور مدارج السالکین میں فرماتے ہیں: دل کی سختی اور بگاڑ کی ذمہ دار پانچ چیزیں ہیں: زیادہ میل جول، تمنا، غیر اللہ کیساتھ تعلق، پیٹ بھر کر کھانا اور نیند کی کثرت۔

(انظر للتفصیل مدارج السالکین ۱/۳۵۳)

عبد بن حمید نے خلید بن حکم عن ابی الخیر کے طریق سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: چار باتیں دل کو بگاڑ دیتی ہیں :

۱-احمق کیساتھ بحث کرنا، کیونکہ اگر تم احمق کیساتھ بحث کروگے تو اسی جیسے ہو جاؤ گے اور خاموش رہو گے تو بچے رہو گے۔

۲-اور گناہوں کی کثرت بھی دل کو بگاڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (المطففین/۱۴)

(ہر گز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر ان گناہوں کا زنگ چڑھ چکا ہے. جو یہ کماتے ہیں)

۳-اور عورتوں کیساتھ خلوت نشینی اختیار کرنا، ان سے لذت اٹھانا اور انکی رائے پر عمل کرنا۔

۴-مُردوں (مردہ لوگوں) کا ہمنشین بننا، پوچھا گیا کہ مُردوں سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: ہر وہ دولت مند جسکی دولت نے اسے غرور میں مبتلا کر دیا ہو۔(ذكره في الاتحاف ۷/۷وهو في الدر المنثور ۳۲۶/۶في تفسير قوله : كلا بل ران على قلوبهم الآية)

(میں یہ کہتا ہوں کہ شاید یہ سلف صالحین سے کسی کا قول ہو اور اسکا مرفوع ہونا صحیح نہ ہو)

ابن عساکر فرماتے ہیں: علماء کے گوشت زہریلے ہوتے ہیں، اور علماء کا نقص بیان کرنے والے کو ذلیل ورسوا کرنے کے حوالے سے اللہ کی عادت معلوم ومعروف ہے، اور جو شخص اپنی زبان کو علماء کی عیب جوئی اور تنقیص میں بے لگام کر دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ موت سے پہلے ہی اسکے دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

دیکھئے سلیمان الاشقر کی کتاب لحوم العلماء مسمومة.

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکا سینہ کھول دے، یا اسکے دل کو منور کر دے، تو اسے چاہیے کہ بے فائدہ کلام نہ کرے، گناہوں سے بچے، اور کوئی ایسا عمل اپنے معمول میں ضرور رکھے جو لوگوں سے پوشیدہ ہو، اور ایک روایت کے مطابق فرمایا: اُسے چاہیے کہ خلوت اختیار کرے، کم کھائے، بے وقوفوں کیساتھ میل جول سے بچے اور ایسے اہل علم سے بغض رکھے جنکے پاس انصاف اور ادب نہیں ہے۔

(المجموع ۱۳/۱ للنووی، والجامع في طلب العلم الشريف ۲۱۰/۱)

۵۰- نادر فائده

ہر کسی سے بڑا عابد ہونا

اگر آپ چاہتے ہیں کہ سب سے زیادہ عبادت گذار بنیں اور عبودیت کے مراتب میں کمال حاصل کریں، تو جان لیجئے! بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو یا تو احکامات دیئے گئے ہیں جنکا وہ پابند ہے، یا فیصلے ہیں جو ہو کر رہیں گے یا نعمتیں ہیں جو بندے کو ملی ہیں۔ ان سے ہٹ کر کچھ نہیں۔

پھر فیصلوں کی دو اقسام ہیں: مصائب اور معائب

اور ان تمام باتوں میں بندے کو عبودیت کا حکم ہے، اللہ کا سب سے زیادہ قریبی بندہ وہی ہے جو اِن تمام مراتبِ عبودیت کو پہچانتا اور بجالاتا ہے اور سب سے زیادہ دور وہ ہے جو اِن مراتب سے ناواقف ہے اور علمی و عملی اعتبار سے انہیں معطل کیے ہوئے ہے۔

احکام میں عبودیت یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو اخلاص کیساتھ بجالائے اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کرے، اور جس چیز سے روکا جائے اس سے اللہ کے خوف، احترام اور محبت کے پیشِ نظر اجتناب کرے۔

مصائب میں عبودیت یہ ہے کہ اُن پر صبر کرے اور اللہ سے راضی رہے، رضا صبر سے بھی اعلیٰ درجہ ہے، اور پھر شکر بھی بجالائے، اور شکر رضا سے بھی اعلیٰ ہے اور مصائب پر بھی شکر کرنا اسی وقت ممکن ہے جب اللہ کی محبت دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہو اور بندے کو یہ یقین ہو کہ اللہ نے یہ مصیبت بندے پر اسی لیے ڈالی کہ وہ اپنے بندے پر بہت مہربان ہے اور اس میں اسکی کوئی حکمت پوشیدہ ہے اسی طرح اپنے اجر و ثواب کے اعتبار سے بھی مصیبت احسان بن جاتی ہے اگر چہ بندہ مصیبت کو ناپسند کرتا ہے۔

معائب یعنی انسان کی خامیوں میں عبودیت یہ ہے کہ بندہ اللہ کی طرف رجوع کرے اُسکے سامنے عجز و انکسار کا اظہار کرے اور اس بات کو ذہن نشین کر لے کہ ان خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے، اور اگر یہ خامیاں باقی رہیں تو اِسے اُس کے مالک سے دور پھینک دیں گی، لہٰذا وہ بندہ اپنی اخلاقی خامیوں کو جسمانی خامیوں سے زیادہ نقصان دِہ سمجھتے ہوئے فوری طور پر اُن سے باز آ جائے، اور یہ بھی جان لے کہ گناہوں سے بچنے اور توبہ کی توفیق بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے بندے کے ہاتھ میں تو کچھ نہیں، بندہ تو عاجز، فقیر اور در ماندہ ہے لہٰذا ہمیشہ اسے اللہ کے در پر گرے رہنا چاہیے۔

اور نعمتوں میں عبودیت یہ ہے کہ انہیں پہچانے، انکا اعتراف کرے اور انکی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنے سے پناہ مانگے، غیر اللہ ایک سبب تو ہو سکتا ہے لیکن مسبّب اور منعم حقیقی تو صرف اللہ ہی ہے، پھر ان نعمتوں پر اللہ کی تعریف کرے، اس سے محبت کرے، اسکا شکر بجالائے اور ان نعمتوں کو اسکی اطاعت کے کاموں میں استعمال کرے۔

اس حوالے سے باریک تر عبودیت یہ ہے کہ کم نعمت کو زیادہ جانے اور زیادہ شکر کو بھی کم سمجھے اور جان لے کہ یہ نعمت اسے بغیر کسی قیمت، عوض یا وسیلے کے ملی ہے اور یہ بھی سمجھے اس نعمت پر اسکا کوئی حق نہ تھا۔ تو یہ نعمتیں بھی بندے کو اللہ کے سامنے عاجزی، انکساری اور اسکی محبت میں بڑھا دیتی ہیں، جُوں جُوں اللہ کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، اتنا ہی بندے کی عبادت بڑھتی چلی جاتی ہے، اور جب کچھ چھن جائے تو رضا باقی رہتی ہے، اور جب کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ اور اعتذار کا رویہ اپناتا ہے، یہی دانا اور عقلمند بندہ ہے، اور عاجز وہ ہے جو ان مراتب سے غافل رہا۔ ولا حول ولا قوة الا باللہ العزیز الحکیم ۔

(ذکرہ ابن القیم باتم منه فی الفوائد (١٩٤))

یہ فائدہ انتہائی قدر و قیمت کا حامل ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
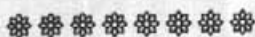
٥١- فائدہ : عالی ہمت

عالی ہمتی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ہمت عالیہ یہ ہے کہ آپ ایمان، احسان اور حب الرحمٰن کا اعلیٰ ترین درجہ حاصل کرنے میں کوشاں رہیں، جنت اور اسکی نعمتوں کی جانب دوڑیں، اور اپنے عمل صالح پر راضی نہ ہوں، بلکہ اس سے زیادہ کی تمنا کریں اور کہیں: کاش کہ میری عمر لاکھوں سالوں پر محیط ہو جاتی تاکہ میں اپنے رب کی حمد بیان کرتا، اور کاش کہ میرا بہت بڑا دل ہوتا اور میں اسے اللہ عزوجل کی محبت اور خشوع سے بھر دیتا، اور کاش کہ میری پہاڑ نما دو آنکھیں ہوتیں، اور اللہ کے خوف کے سبب اُن سے نہروں کی طرح آنسو بہتے، اور عالی ہمت گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتی ہے، جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ پائے کی صفات اور کاموں کو پسند کرتا اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کی دوڑ دھوپ فقط پیٹ بھرنے کی حد تک ہوتی ہے اور بعض لوگوں کا مقصدِ حیات فقط عورتیں ہوتی ہیں، جبکہ بعض لوگوں کی تگ و دو صرف اپنے دوستوں اور پیاروں سے میل جول اور گپ شپ کے گرد گھومتی ہے۔ یہ گھٹیا مقاصد ہیں۔ جیسا کہ ابن قیم رحمہ اللہ "قصیدہ نونیہ" میں فرماتے ہیں:

وَرَأَتْ عُقُوْلَ النَّاسِ دَائِرَةً عَلٰى جَمْعِ الْحُطَامِ وَخِدْمَةِ السُّلْطَانِ

(اور نفس نے جب یہ دیکھا کہ تمام لوگوں کی عقلیں اور دوڑ دھوپ تو بس دنیاوی سامان کو جمع کرنے اور حکمرانوں کی خدمت کے گرد گھومتی ہیں)

وَعَلَى الْمَلِيْحِ وَالْمَلِيْحَةِ وَعِشْرَةِ الْأَحْبَابِ وَالْأَصْحَابِ وَالْخُلَّانِ

(اور انکی تمام تر تگ و دو صرف خوبصورت اشیاء، عورتوں، اور دوستوں، یاروں اور پیاروں کی محفلوں پر مشتمل ہے)

فَاسْتَوْعَرَتْ تَرْكَ الْجَمِيْعِ وَلَمْ تَجِدْ عِوَضًا تَلِذُّ بِهٖ مِنَ الْإِحْسَانِ

(تو (اس صورت حال میں) نفس پر یہ بات بہت شاق گذری کہ وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ دے، جبکہ اسے (جلدی ملنے والا) کوئی اچھا نعم البدل بھی نہیں ملا، کہ جس سے وہ لذت یاب ہوسکے)۔

دوسری جگہ فرمایا:

يَا سِلْعَةَ الرَّحْمٰنِ لَوْلَا أَنَّهَا حُجِبَتْ بِكُلِّ مَكَارِهِ الْإِنْسَانِ

(اے رحمان کے قیمتی سامانِ تجارت (جنت)! اگر یہ انسان کی ناپسندیدہ چیزوں کی باڑھ نہ لگادی جاتی،)

مَا كَانَ عَنْهَا قَطُّ مِنْ مُتَخَلِّفٍ وَتَعَطَّلَتْ دَارُ الْجَزَاءِ الثَّانِيْ

(تو پھر کوئی پیچھے رہنے والا اس سے پیچھے نہ رہتا، اور جزا کا دوسرا گھر (جہنم) معطل اور خالی رہ جاتا،)

لٰكِنَّهَا حُجِبَتْ بِكُلِّ كَرِيْهَةٍ لِيَصُدَّ عَنْهَا الْعَاجِزُ الْمُتَوَانِيْ

(لیکن اسے ناپسندیدہ چیزوں کا حجاب اس لیے پہنایا گیا کہ عاجز اور سست آدمی کو اس سے روکا جاسکے،)

وَتَنَالَهَا الْهِمَمُ الْعَالِيَةُ الَّتِيْ تَسْمُوْ إِلٰى رَبِّ الْعُلٰى بِمَشِيْئَةِ الرَّحْمٰنِ

(اسے تو وہی بلند و عالی ہمتیں ہی حاصل کرینگی جو رحمان کی مشیت سے اپنے بلند و بالا رب کی طرف چڑھتی چلی جاتی ہیں،)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:

وَصَلَاحُهُ وَفَلَاحُهُ وَنَعِيْمُهُ تَجْرِيْدُ هٰذَا الْحُبِّ لِلرَّحْمٰنِ

(اور انسان کی فلاح، صلاح اور تمام تر نعمتیں تو اسی بات میں پوشیدہ ہیں کہ وہ اپنی محبتوں کو رحمان کیلئے خالص کردے)

اور حدیث میں آتا ہے: "یاتي على الناس زمان همتهم بطونهم وشرفهم متاعهم ونسائهم قبلتهم ودينهم دراهمهم ودينارهم، اولئك شرار الخلق، لا خلاق لهم عند الله، او كمال قال — (کنز العمال ۱۱/۱۹۲، وفی اسنادہ مقال)

(لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جب انکی تمام تر ہمتیں پیٹ تک محدود ہونگی، اور دنیا کے ساز و سامان کو باعثِ شرف سمجھا جائیگا، عورتیں انکا قبلہ ہو جائیں گی، اور بس درہم و دینار ہی انکا دین بن جائیں گے، یہ سب سے بدترین مخلوق ہیں، اللہ کے پاس انکے لیے کچھ نہیں)

اور آپ ﷺ اپنی دُعا میں کہا کرتے تھے:

" اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا"

(اے اللہ! دنیا کو ہماری سب سے بڑی فکر، اور دنیا کو ہی ہمارا مبلغ علم نہ بنانا)

ان پاکیزہ کلمات پر غور کیجئے!۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَفِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ (المطففین / ۲۶)

(سبقت لے جانے والوں کو اس میں سبقت کرنی چاہیے)

ہمتِ عالیہ اوقات کو غنیمت جانتی ہے، تا کہ ان میں باقی رہنے والی نیکیاں کما لے، اور کبھی بھی وقت کے ضیاع پر راضی نہیں ہوتی، بلکہ اگر کبھی کوئی وقت ایسا گذر جائے کہ جس میں علم وعمل کا حصول نہ ہو سکے تو اُس وقت کو اپنی عمر کا حصہ ہی شمار نہیں کرتی۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

اِذَا مَرَّ بِيْ يَوْمٌ وَلَمْ اَتَّخِذْ يَدًا وَلَمْ اَسْتَفِدْ عِلْمًا فَمَا ذَاكَ مِنْ عُمْرِيْ

(نفحة العرب)

(اگر مجھ پر کوئی ایسا دن گذرے کہ جس میں نہ تو میں کسی پر احسان کر سکوں اور نہ ہی علمی استفادہ کر سکوں تو وہ دن میری عمر کا حصہ ہی نہیں)

عالی ھمت وہ ہے جو تمام فکروں اور پریشانیوں کو چھوڑ کر بس ایک ہی فکر اور غم اپنے پیشِ نظر رکھے اور وہ ہے آخرت کا غم۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

" من جعل الھموم ھماً واحداً، ھم الآخرۃ کفاہ اللہ ھمّ دنیاہ وآخرتہ. الحدیث. (جو شخص تمام فکروں سے آزاد ہو کر بس آخرت کو ہی اپنی فکر کا محور بنالے، تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کی فکر سے کافی ہو جاتا ہے)

عنقریب ایک حدیث آرہی ہے جس میں اس بات کا بیان ہے کہ جو شخص آخرت کو ہی

اپنی فکر بنا لے تو اللہ تعالیٰ اسکے معاملات کو سمیٹ لیتا ہے۔

لوگوں میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جنکی تمامتر ہمت اور کوشش معمولی چیزوں کیلئے ہوتی ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑتے اور بحث کرتے ہیں، لایعنی امور پر غور وفکر کرتے ہیں اور ایسی چیزوں کا بہت اہتمام کرتے ہیں جنکی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی اور بڑے بڑے معاملات اور مسائل کو فراموش کر دیتے ہیں مثلاً اللہ پر ایمان، اسکی معرفت، محبت اور عظمت کا احساس، رسول اللہ ﷺ کی محبت، آپکا ادب اور توقیر، کتاب وسنت کی محبت، انکی نشر واشاعت اور ان پر عمل پیرا ہونا، اہل بدعت پر رد کرنا، جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

سبحان اُس رب کی قدرت کہ جس نے لوگوں کی ہمتوں میں اسقدر تفاوت رکھا ہے۔

جبکہ بعض تو ایسے لوگ بھی تھے کہ اگر ایک گھڑی بھی اللہ سے غافل ہوتے تو خود کو منافق شمار کرتے تھے۔ (نافق حنظلة)

وَلَوْ خَطَرَتْ لِيْ فِيْ سِوَاكَ اِرَادَةٌ لَحَكَمْتُ عِنْدَ ذَاكَ بِرِدَّتِيْ

(شرح فقہ اکبر)۔ (اور اگر تیرے سوا کس اور کا ارادہ بھی میرے وہم وگمان میں آئے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم صادر کرونگا)

اور اپنے رب کو پکارتے ہیں: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھنا، اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

اور اسی لیے آپ ﷺ دنیاوی امور کا زیادہ اہتمام نہ کیا کرتے تھے۔ اور جب کسی مسلمان کی ہمت بلند ہو جائے تو پھر اسے سردی، گرمی اور بھوک، پیاس وغیرہ کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، کپڑوں اور گھر کے معاملے میں بھی بے نیاز ہو جاتا ہے جبکہ بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ امورِ عالیہ کو چھوڑ کر صرف سردی گرمی اور بھوک پیاس وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں حالانکہ ان احساسات میں انسان اور جانور دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا انسان کو ہمیشہ بلند امور اور اعلیٰ درجات کے حصول کی فکر میں رہنا چاہیے۔ (واللہ المستعان)

نبی کریم ﷺ کی اس بات پر بھی غور کیجئے جو آپ نے اُس موقع پر کہی جب عمر رضی اللہ عنہ

نے کہا تھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ قیصر وکسریٰ اس قدر ناز ونعمت میں ہیں اور آپکی یہ حالت ہے؟ تو فرمایا: اے ابن خطاب! تم ان چیزوں میں پڑے ہو؟ یہ تو وہ لوگ ہیں کہ جنکی نیکیوں کا صلہ اور تمام طیبات انہیں دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں۔

اسی طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات پر بھی نظر ڈالیں کہ انہوں نے اپنی عالی ہمتی کی بنیاد پر کہا تھا کہ اُس شخص کی کیا شان ہے کہ جسے جنت کے ان تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ تو کیا ایسا بھی کوئی ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں سے ہو۔ (بخاری)

صحابہ کرام کی ہمتیں انتہائی بلند ہوا کرتی تھیں ایک سیاہ فام خاتون نے صحت کے مقابلے میں جنت کو ترجیح دی تھی۔

اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: لوگ فقر، موت اور مرض سے نفرت کرتے ہیں لیکن میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ اوکما قال۔

احادیثِ مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عالی ہمتی کا تذکرہ ملتا ہے۔

بدر کے موقع پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں گے، اور اگر آج ہمیں برکِ غماد تک بھی لے جانا چاہیں تو ہم اپنے اونٹوں کا جگر مار کر وہاں تک بھی پہنچ جائیں گے۔

ایک موقع پر جب ایک دیہاتی نے آپ ﷺ سے ایک اونٹنی اور بکریوں کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا عورت جیسا بننے سے بھی عاجز آ چکا ہے؟ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کی قبر کے متعلق دریافت کیا تو اس بوڑھی کے علاوہ کوئی نہ بتلا سکا لیکن اس نے قبر کی نشاندہی کرنے کیلئے جنت کی شرط رکھی تھی۔ (انظر المستدرك وهو حديث صحيح ذكره الشيخ في الصحيحة بتمامه)

(عالی ہمتوں کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے فائدہ () میں کیا ہے، اسکی طرف رجوع کیجئے!)

۵۲- فائدہ :- استقامت

استقامت ایک عزیز عمل ہے جسکا حکم قرآن وسنت نے دیا ہے اور یہ ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔ استقامت یہ ہے کہ آپ اللہ کے حکم پر مستقیم رہیں اور اس صراطِ مستقیم سے ہٹ کر لومڑیوں کی طرح دائیں بائیں چوکڑیاں نہ بھریں جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔

یا استقامت فرائض کی ادائیگی کو کہتے ہیں۔ (علی رضی اللہ عنہ)

یا پھر یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

استقامت کے کچھ ارکان اور بنیادیں ہیں

اگر ان میں سے کوئی رکن رہ جائے تو اسکی تکمیل نہیں ہوتی۔ اور وہ یہ ہیں: ۱- اصلاح ۲- اتباعِ سنت وجماعت (۳) میانہ روی (۴) حسن اخلاق (۵) اچھا ہمنشین۔

صلاح اور دُرستی سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنے اقوال، افعال اور مقاصد میں ظاہری وباطنی اصلاح کرے، ظاہری عبادات بجالائے، محرمات سے اجتناب کرے اور اللہ پر سچا ایمان لائے۔ اور اگر بندے کا دل درست ہو جائے تو اسکے اعمال بھی درست ہو جاتے ہیں۔ جبکہ ہر عمل کی قبولیت کا انحصار دو شرطوں پر ہے۔ اخلاص اور اتباع سنت۔

سنت اور جماعت کی پیروی سے مراد یہ ہے کہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں صحابہ وتابعین کے فہم اور سلف صالحین کے منہج کے مطابق نبی کریم ﷺ کی پیروی کرے۔

میانہ روی اور اعتدال کا معنی یہ ہے، انسان اپنے تمام امور میں افراط اور تفریط سے بچے، اپنی عبادات، معاملات، سلوک اور کلام وغیرہ میں نہ تو غلو اور تشدد اختیار کرے اور نہ ہی بالکل تساہل اور کوتاہی برتے، بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتِ وسط بنایا ہے، اور یہی صراطِ مستقیم ہے، جو یہود کی تفریط اور نصاریٰ کے افراط سے بالکل پاک ہے۔

حدیث میں آتا ہے:" ایاکم والغلو في الدین فانما هلك من قبلکم بالغلو في الدین "۔(رواہ احمد والنسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عباس مرفوعاً)

(دین میں غلو سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ بھی دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے)(احمد، نسائی، حاکم)

مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت آتی ہے کہ آپ ﷺ نے تین دفعہ اس بات کو دہرایا:" هلك المتنطعون "((بال کی کھال اتارنے والے) متشدد ہلاک ہوگئے)

حدیث میں آتا ہے: اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ بھی تم پر سختی کریگا۔

دوسری حدیث میں ہے:" ان الدین یسر "۔(دین آسان ہے)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: یقیناً آپکے نفس کا بھی آپ پر حق ہے، اور آپکی آنکھوں کا بھی آپ پر حق ہے۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ دعوے کرنیوالا ہلاک ہوگیا، خطرات میں کودنے والا تباہ ہوگیا، دائیں اور بائیں جانے والے راستے بھول بھلیاں ہیں جبکہ درمیان والا راستہ سیدھا اور واضح ہے۔

اور حسن اخلاق تو دین کی بنیادی اساس اور متقین کی تمام کوششوں کا پھل ہے، اسی کے ذریعے انسان کو اعلیٰ درجات حاصل ہوتے ہیں، حدیث میں آتا ہے:

" ما من شیءٍ اثقل في میزان المؤمن یوم القیامة من حسن الخلق، وان الله یبغض الفاحش والبذي "(رواہ الترمذی)

(مؤمن کے میزان میں قیامت کے دن حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی نیکی نہ ہوگی، اور بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو اور بدزبان سے نفرت کرتا ہے)(ترمذی)

اور فرمایا:" وخالق الناس بخلق حسن "(لوگوں کیساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ)

ایک اور حدیث میں ہے:" اکمل المؤمنین ایماناً احسنهم خلقاً "

(رواہ الترمذی وحسنہ)

(ایمان کے اعتبار سے کامل ترین مؤمن وہ ہیں جو اخلاق میں سب سے بہتر ہیں)۔

لہٰذا مؤمن کو چاہیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بناتے ہوئے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرے، لوگوں کو آسانی مہیا کرے، عدل وانصاف، احسان اور امانت داری برتے، اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔

حسن اخلاق کی کچھ علامات ہیں

جن میں سے واضح ترین علامات درج ذیل ہیں:

۱- **تواضع**: یہ علمِ صحیح کا ساتھی ہے، جس قدر کوئی بندہ علم میں بڑھتا ہے اتنی ہی اسکے تواضع میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ تکبر اور علو جہالت کی پیداوار ہیں اور اللہ کیلئے تواضع اختیار کرنے والے کو اللہ تعالیٰ خود ہی بلندی عطا فرماتا ہے۔

۲- **سچائی**: وہ یہ ہے کہ اپنے قول اور فعل سے ہر چیز کی اصل حقیقت کو بیان کیا جائے۔ سچائی انسان کو نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف۔

۳- **حیا**: حیا کا معنی یہ ہے کہ قبیح کاموں کا ارتکاب کرتے ہوئے طبیعت میں انقباض پیدا ہو اور اسی وجہ سے انہیں ترک کر دیا جائے۔

یہ ایک اچھی خصلت ہے، حیا ہمیشہ خیر و بھلائی کا باعث ہوتا ہے، بلکہ حیا تو سراپا خیر ہے، ایمان کی شاخوں میں سے ایک عظیم شاخ۔ لہٰذا سچا اور متقی مسلمان وہ ہے جو زندہ دل، مہذب، نرم خو اور حساس ہو، باحیا مسلمان سے کوئی ایسا قبیح فعل صادر نہیں ہوتا جس سے کسی کو تکلیف ہو، اور نہ ہی وہ کسی کی حق تلفی کرتا ہے۔

٤- **نرمی**: یعنی لوگوں سے نرم رویہ برتنا اور آسان بات اختیار کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: "لا یکون الرفق فی شیءٍ الا زانه ولا ینزع من شیءٍ الا شانه" (نرمی ہر چیز کو مزین اور سختی ہر چیز کو قبیح کر دیتی ہے)

﴿فبما رحمة من الله لنت لهم﴾ الآیۃ۔

(اللہ کی رحمت کی بناء پر آپ انکے لیے نرم ہیں)

سفیان ثوری رحمہ اللہ اپنے شاگردوں کو کہتے ہیں: کیا تم جانتے ہو کہ رفق (نرمی) کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اے ابومحمد! آپ بتادیجئے! تو فرمایا: ہر چیز کو اسکی مناسب جگہ پر رکھنا ہی رفق ہے، جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی، جہاں نرمی سے کام چلے وہاں نرمی، جہاں تلوار کی ضرورت ہو وہاں تلوار اور جہاں کوڑا ضروری ہو جائے وہاں کوڑے مارنا بھی عین رفق ہے۔(۱)

رفق بھی اچھے اخلاق کا ایک نتیجہ ہے، لیکن نرمی کا معنی یہ نہیں کہ انسان اپنے دین میں مداہنت اور کمزوری دکھائے بلکہ اسکا معنی یہ ہے کہ نرم بات اور خوش اسلوبی کا مظاہرہ کرے۔

۵- مهربانی: یعنی لوگوں کیساتھ مہربانی اور شفقت کا معاملہ کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: "لن تؤمنوا حتی تراحموا، قالوا یارسول اللہ! کلنا رحیم، قال: انہ لیس برحمۃ احدکم صاحبہ ولکنھا رحمۃ الناس رحمۃ العامۃ"۔ (رواہ الطبرانی بسند صحیح عن ابی موسی الاشعری مرفوعا)

(تم اُس وقت تک مؤمن ہرگز نہیں ہوسکتے جب تک کہ ایک دوسرے پر مہربان نہ ہوجاؤ۔ صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سب ہی رحم دل ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد اپنے ساتھیوں پر رحم دلی اور مہربانی نہیں بلکہ عام لوگوں کیساتھ مہربانی اور رحم دلی کا برتاؤ کرنا ہے) (طبرانی)

"من لا یرحم لا یرحم"۔ (جو رحم نہیں کرتا اُس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: "لا تنزع الرحمۃ الا من شقي، ارحم من في الارض یرحمك من في السماء" (اخرجہ الطبرانی بسند صحیح) (رحمت نہیں چھینی جاتی مگر بدبخت سے، زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر مہربان ہوگا) (طبرانی)

---

(۱) بالکل اُس طبیب کی طرح جو میٹھی دوا، پھر کڑوی اور پھر بتدریج انجکشن اور آپریشن تک کرڈالتا ہے۔ مترجم)

۶- صبر: صبر کا معنی یہ ہے کہ نفس کو قول وفعل میں حد پھلانگنے سے روکا جائے۔

حدیث میں آتا ہے: "عجباً لامر المؤمن، ان اصابته ضراء صبر فکان خیراً وان اصابته سراء شکر فکان خیراً له، (ملخصاً) (مسلم)

(مؤمن کا عجیب معاملہ ہے، اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کیلئے بہتر ہے، اور اگر خوشی پہنچے تو شکر کرتا ہے، تو یہ بھی اسکے لیے بہتر ہے) (مسلم)

صبر اور یقین کے ذریعے انسان کو امامت فی الدین کا درجہ ملتا ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾۔(السجدة/۲۴)

(اور ہم نے ان میں سے بعض کو ائمہ بنایا، رہنمائی کرتے تھے وہ ہمارے حکم کیساتھ، جب اُن لوگوں نے صبر کیا، اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے)

صبر کے فضائل مشہور ومعروف ہیں۔

۷- اہل فضل کی توقیر کرنا: حسن خلق کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اہل فضل کا احترام اور توقیر کی جائے۔ کیونکہ اللہ کے شعائر کی تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ لوگوں سے انکے مقام ومرتبے کے مطابق پیش آئیں۔ (مسلم نے اسے مقدمہ میں روایت کیا)

حدیث میں آتا ہے:

" ان من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم، وحامل القرآن غير الغالي فيه ولا الجافي عنه، وإكرام ذي السلطان المقسط "۔(رواہ ابوداود)

(بے شک یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے کہ سفید ریش مسلمان کا احترام کیا جائے، حاملِ قرآن جو نہ تو غلو کرتا ہے اور نہ ہی قرآن کے تقاضوں سے عاری سخت دل ہے، اسکی بھی عزت وتوقیر کی جائے، اور انصاف پسند بادشاہ کا بھی اکرام کیا جائے) (ابوداود)

ایک دوسری حدیث میں ہے: " لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا،

او لم یعرف شرف کبیرنا" (جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا، یا بڑوں کے شرف و مقام سے آگاہ نہیں، وہ ہم میں سے نہیں)

(جب کوئی نوجوان کسی عمر رسیدہ شخص کی عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے اسکا اکرام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکے عمر رسیدہ ہونے پر اسے ایسے لوگ مہیا کر دیتا ہے جو اسکا اکرام کریں)

۸- ایسی پاکیزہ صفات کو اپنانا جنکی طرف ہماری شریعت نے توجہ دلائی ہے مثلاً مروت، سخاوت، چہرے کی کشادگی، محتاجوں کی مدد، لوگوں کی ضروریات پوری کرنا وغیرہ، اس حوالے سے بہت سی نصوص آئی ہیں، یہ صفات استقامت کی دلیل بھی ہیں اور اسکے لیے مددگار بھی۔

۹- بے فائدہ چیزوں کو ترک کردینا:

ہر وہ قول اور فعل لایعنی ہے جسکا دنیا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، لہٰذا انسان کو بے فائدہ مذاق، لہو ولعب اور مباحات میں بانہماک اور ہر وقت شہوات میں ملوث رہ کر اپنے اوقات ضائع نہیں کرنے چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴾ (المؤمنون/۲) (اور وہ لوگ جو لغو سے اعراض کرتے ہیں)

اور فرمایا: ﴿ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾۔ (الفرقان/۷۲)

(اور جب انکا گذر کسی لغو کام پر ہو تو عزت کیساتھ آگے بڑھ جاتے ہیں)

اور یہ اس لیے کہ مسلمان کی ذمہ داریاں اسکے اوقات سے بڑھ کر ہیں، حسنؒ کہتے ہیں: انہیں آخرت کی محنت نے لغویات سے روک دیا ہے۔

۱۰- بُرے گمان سے اجتناب کرنا:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ، إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ﴾ (الحجرات/۱۲)

(اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو، یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں)

جبکہ حدیث میں آتا ہے: "ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث"۔

(بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے)

ایک مسلمان کا یہ اخلاق نہیں کہ وہ دوسروں کے متعلق بدگمانی کرے، انکے بھید کھولے، یا انکی عزت خراب کرنے کی کوشش کرے، بلکہ اگر اسکے سامنے کسی مسلمان بھائی کا عیب ظاہر ہو جائے تو اسکے لیے عذر تلاش کرے، ایک بزرگ کا قول ہے: میرے کسی بھائی سے کوئی خطا ہو جائے تو میں اسکے ایک سے لیکر ستر تک عذر تلاش کرتا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ ممکن ہے انکے علاوہ کوئی اور عذر بھی ہو جسے میں نہیں جانتا۔

لہٰذا انسان کو اپنے عیب چھوڑ کر دوسروں کے عیوب تلاش نہیں کرنے چاہئیں۔ بلکہ ظاہری حالت ہی دیکھنی چاہیے، جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے دور میں وحی نازل ہوتی تھی اور اسی کے مطابق لوگوں پر حکم لگتا تھا، لیکن اب کیونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا، لہٰذا ہم اب ظاہر پر حکم لگائیں گے الخ (بخاری، عبدالرزاق)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾۔ (الاسراء/۳۶)

(اور دیکھو، جس بات کا تمہیں علم نہیں اُس کے پیچھے مت پڑو، یاد رکھو، کان، آنکھ، عقل، ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے)

۱۱- حسد سے اجتناب کرنا

حسد کا معنی معروف ہے، یہ ایسی بد خصلت ہے جو انتہائی نقصان دہ ہے۔ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حاسد سے بڑھ کر کوئی ایسا ظالم نہیں دیکھا جو مظلوم کے مشابہ ہو، کیونکہ حاسد ہمیشہ غم میں مبتلا رہتا ہے اور مسلسل آہیں بھرتا ہے، اور حسد وہ گناہ ہے جسکے ذریعے زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی پہلی نافرمانی کی گئی، آسمان میں ابلیس اور زمین پر قابیل کا پہلا جرم یہی تھا۔

ابن حبان رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے: "لا يجتمع في جوف عبد الايمان والحسد" (کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے)

حسد انسان کی نیکیوں کو کھا جاتا ہے، اور اسکے متعلق بہت سی وعیدیں آئی ہیں۔

۱۲- زبان کی حفاظت:

زبان کے بہت سے نقصانات ہیں لہٰذا اسکی حفاظت کرنا واجب ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے: " لا يستقيم ايمان عبد حتى يستقيم قلبه، ولا يستقيم قلبه حتى يستقيم لسانه"۔ (رواہ احمد عن انس مرفوعا)

(کسی بندے کا ایمان اُس وقت تک درست نہیں ہو سکتا، جب تک اُسکا دل درست نہ ہو، اور دل اُس وقت تک مستقیم نہیں ہو سکتا، جب تک کہ زبان سیدھی نہ ہو) (احمد)

اور زبان کی حفاظت دخول جنت کا سبب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" من يضمن لي ما بين لحييه، وما بين رجليه أضمن له الجنة"۔ (جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے، میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں)

ایک اور حدیث کے الفاظ ہیں:" هل يكب الناس على وجوههم الا حصائد السنتهم " (لوگوں کو اُنکے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکنے والی چیز اُنکی زبانوں کی کمائی ہی تو ہے)

اور فرمایا:" المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده "۔

(مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)

زبان کی آفات بہت زیادہ ہیں، ان میں سے شدید تر یہ ہیں:

۱-غیبت، ۲-چغل خوری ۳- عورتوں کا تذکرہ، فساق کی باتیں اور جھوٹی وفحش حکایتیں۔ ۴- بحث مباحثہ اور جھگڑا۔

۵-گالی گلوچ اور کفر کے فتوے۔ ۶-استہزاء۔

یہ تو تھا حسن اخلاق، اسکے علاوہ جو چیز استقامت کیلئے انتہائی مفید اور مؤثر ہے وہ ہے اچھی صحبت۔ حدیث میں آتا ہے:

" المرء علی دین خلیله، فلینظر احدکم من یخالل! "

(انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو اچھی طرح دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کسے اپنا دوست بنا رہا ہے)

اور فرمایا:" انما مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر " الحدیث.

(اچھے اور برے ہم نشین کی مثال کستوری والے اور بھٹی جلانے والے کی سی ہے)

وھب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری طرف سے تین باتیں پلے باندھ لو، خواہشات کی پیروی سے بچو، بُرے ساتھی سے بھاگو، اور خود پسندی وغرور سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

استقامت کی عملی تطبیق کیلئے مندرجہ ذیل چیزیں معاون ہو سکتی ہیں:

۱- گھر۔

۲- مدرسہ۔

۳- علماء اور داعیانِ حق۔

۴- مسجد۔

۵- اجتماع۔

۶- الاعلام (شرعی ذرائع نشریات وابلاغ اور ایک دوسروے کو آگاہ کرنا)

۷- ذکر اذکار اور دعائیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
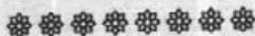
ایمان کی زیادہ اور مضبوط کرنے کے اسباب

ہر وہ مؤمن جسکو ایمان پیارا ہے، اُسے ضرور اس فائدے کو حاصل کرنا چاہیے۔ اس فائدے میں اُن اسباب کا بیان ہے جو ایمان کیلئے قوت بخش ہیں، اور اس میں زیادتی کا سبب ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت، ان پر غور وفکر کرنا، اور ان کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونا۔

۲- قرآن مجید پر تدبر کرنا۔ یہ اہم ترین سبب ہے۔

۳- اس وسیع کائنات پر غور وفکر کرنا، یہ وسیع آسمان، کشادہ زمین، سورج، چاند اور لیل ونہار کا یہ محکم نظام بھی غور کرنے والوں کے ایمان کو مضبوط کرتا ہے۔

۴- ایک دھاگے اور نقطے جیسی چیز میں بھی سنتِ نبوی کی پیروی کرنا۔

۵- کثرت کیساتھ اللہ کا ذکر کرنا۔

۶- خشوع وخضوع اور مکمل توجہ کیساتھ دعائیں کرنا۔

۷- اچھے اخلاق سے پیش آنا۔ بلکہ یہ تو افضل ترین ایمان ہے۔

۸- نبی کریم ﷺ کے معجزات کی معرفت رکھنا۔

۹- رسول اللہ ﷺ کی بے مثال شخصیت، کریمانہ اخلاق اور جاذب نظر صفات کی معرفت حاصل کرنا۔

۱۰- دینِ اسلام کی خوبیوں سے آگاہی۔

۱۱- کفر اور نفاق کی خصلتوں سے آگاہی حاصل کرنا اور پھر ان سے اجتناب کرنا، کیونکہ

تمام چیزیں اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۱۲- بعض اوقات خلوت میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرنا۔

۱۳- صالح علماء کے پاس بیٹھنا اور انکے عمدہ کلام سے مستفید ہونا۔

۱۴- قرآن وحدیث کا علم۔

۱۵- ہر عبادت میں احسان کے درجے پر پہنچنا۔

۱۶- اللہ کے سامنے متواضع اور باادب ہونا۔

۱۷- ایمان والوں سے اللہ کیلئے محبت کرنا۔

۱۸- اللہ سے دور کرنے والی ہر چیز سے اجتناب کرنا۔

۱۹- جہاد کرنا۔

۲۰- نیک اعمال کرنا، کیونکہ ہر نیک عمل مؤمن کے اعمال میں اضافے کا موجب ہے۔

یہ تمام امور تشریح اور دلیل طلب ہیں، لیکن ہم نے اجمالاً انکا تذکرہ کیا ہے، کیونکہ انکے دلائل واضح ہیں اور ہمارا مقصد یہاں تفصیل نہیں بلکہ صرف بیان ہے تاکہ انہیں یاد رکھنا آسان ہو۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مولیٰ ہمارے ایمان ویقین کو مضبوط فرمائے اور ہمیں اپنے سچے مؤمن بندوں میں شامل فرمالے۔ آمین۔

ان اسباب کی تفصیل ہم نے دروسِ رمضان کی کیسٹوں میں بیان کی ہے۔ والحمد للہ علی توفیقہ۔
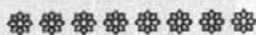
❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

علامات نفاق کی معرفت اور ان سے بچاؤ کی تدبیر

نفاق کی علامات کو جاننا ضروری ہے تا کہ ان سے بچا جا سکے، اور ان سے ڈرنا لازم ہے کیونکہ یہ بہت عام ہو چکی ہیں اور یہی بندے کی ہلاکت کی اسباب بھی ہیں۔ سلف صالحین ان علامات سے ڈرتے تھے اور ان سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " ما خافه الا مؤمن ولا امنه الا منافق"

(ذکرہ البخاری فی صحیحہ)

(مؤمن کو ہی نفاق کا خوف ہوتا ہے، اور منافق ہی نفاق سے بے خوف ہوتا ہے)

سیدنا عمر ﷛ اگرچہ پکے مؤمن اور جنتی تھے، لیکن اسکے باوجود نفاق سے ڈرتے تھے، لہٰذا حذیفہ ﷛ جو رسول اللہ ﷺ کے رازداں صحابی ہیں، اُن سے استفسار کیا کہ میرا نام منافقین میں تو نہیں؟ تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، اور آپکے بعد میں کسی اور کا تزکیہ نہیں کرونگا۔

ابن ابی مُلَیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " ادرکت ثلاثین من اصحاب النبی ﷺ کلهم یخاف علی نفسه النفاق "۔ (ذکرہ البخاری فی صحیحہ)

(میری ملاقات تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی ہے، اُن میں سے ہر ایک اپنے اوپر نفاق کا خدشہ محسوس کرتا تھا)۔

ایک شخص نے دُعا مانگی: " اللهم اهلك المنافقین "

(اے اللہ! منافقین کو ہلاک کر دے) تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "

اذاً تستوحش الطرق "۔ (پھر تو راستے ویران ہو جائیں گے)

یعنی اگر منافقین مر گئے تو بہت کم لوگ باقی بچیں گے، لہٰذا راستے خالی ہو جائیں گے۔

اور آپ ﷺ کی دُعا ہے: " اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ " (اے اللہ! بے شک میں گمراہی، نفاق اور برے اخلاق سے تیری پناہ چاہتا ہوں)

گویا یہ آپ کی امت کیلئے ایک تعلیم ہے کہ نفاق سے پناہ مانگیں۔

ایک شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں نفاق کا کوئی خطرہ نہیں۔ تو حسن بصری نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر مجھے علم ہو جائے کہ میں نفاق سے بری ہوں تو یہ بات مجھے زمین بھر سونے سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ (احیاء العلوم ۱/۲۱۷)

ایک آدمی نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے نفاق کا خوف ہے، تو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم منافق ہوتے تو یہ خوف نہ ہوتا۔ (احیاء ۱/۲۱۷)

لہٰذا ہر مسلمان جو نفاق سے ڈرتا ہے، آخرت پر ایمان رکھتا، اور حساب کتاب کا یقین رکھتا ہے، اُس پر واجب ہے کہ منافقین کی صفات کو پہچانے تاکہ ان سے بچ سکے۔ اب ہم اللہ کی توفیق سے کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں ان صفات کا تذکرہ کرتے ہیں:۔

صفاتِ منافقین میں سے واضح ترین تین صفات ھیں:

۱- خالق کے مقابلے میں مخلوق کو ترجیح دینا، اور اللہ کا لحاظ و پاس رکھنے کے بجائے بندوں کا لحاظ رکھنا۔

۲- جھوٹ۔

۳- اللہ کے ذکر کو فراموش کر دینا۔ (اصلی یہی تین صفات ہیں)

۴- ریاء کاری کرنا (یہ پہلی صفت میں شامل ہے) فرمانِ الٰہی ہے: ﴿يُرَاءُوْنَ النَّاسَ﴾ (النساء/۱۴۲) (منافقین اپنے اعمال لوگوں کو دکھلاتے ہیں)

۵- اللہ کے مقابلے میں لوگوں سے زیادہ حیا کرنا۔ (یہ پہلی صفت کی شاخ ہے)

۶- اسی طرح لوگوں سے چھپتے پھرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ﴾

(النساء/ ۱۰۸) (وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں، لیکن اللہ سے تو نہیں چھپ سکتے، جبکہ راتوں کو اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں، حالانکہ اُس وقت بھی اللہ اُن کے پاس ہوتا ہے)

۷- اسی طرح اللہ کے مقابلے میں لوگوں سے زیادہ ڈرتے ہیں: ﴿ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ (الحشر/ ۱۳)

((مسلمانو! یقین مانو) کہ تمہاری ہیبت انکے دلوں میں اللہ کی ہیبت سے بھی بہت زیادہ ہے، یہ اس لیے کہ یقیناً یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے)

۸- لوگوں کی طرف سے دی جانے والی تکلیف اور عذاب انکے نزدیک اللہ کے عذاب سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے، لہٰذا لوگوں کے دباؤ اور ملامت کی وجہ سے یہ دین چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ﴾۔ (العنکبوت/ ۱۰)۔

(اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے لیکن جب انہیں اللہ کی راہ میں تکلیف دی جاتی ہے تو وہ لوگوں کے ابتلاء کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ بیٹھتے ہیں) یعنی آزمائشوں کے موقع پر مرتد ہو جاتے اور دین کو چھوڑ دیتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

۹- منافقین کی واضح ترصفت جھوٹ ہے، بلکہ جھوٹ ہی نفاق کی اساس اور جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾ (البقرہ/ ۱۰)

(اور انکے جھوٹ بولنے کی وجہ سے انکے لیے دردناک عذاب ہے)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: "اربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً، اذا حدث کذب، واذا وعد أخلف، واذا ائتمن خان، واذا خاصم فجر" (متفق علیہ)۔

(چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب کوئی وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے، اور جب اسکے پاس کوئی چیز بطور امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے)۔

۱۰-وعدہ خلافی کرنا۔

۱۱-امانت میں خیانت کرنا۔

۱۲-جھگڑے کے وقت گالی گلوچ کرنا۔(جیسا کہ گذشتہ حدیث میں آیا ہے)

۱۳-جہاں تک اللہ کے ذکر کو فراموش کر دینا ہے تو اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

:﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ﴾
(المجادلۃ/۱۸)

(ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے، اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے، یہ شیطانی لشکر ہے)

اور فرمایا:﴿وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا﴾۔(النساء/۱۴۲)

(اور یہ (منافقین) اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم)

ایسے لوگوں کی کسقدر تعداد وجود میں آچکی ہے۔والعیاذ باللہ۔

جبکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:" من لم یکثر ذکر اللہ فھو منافق"

(کما فی الترغیب) (جو شخص کثرت کیساتھ اللہ کا ذکر نہ کرے، وہ منافق ہے)

۱۴-نمازوں کو انکے اوقات سے لیٹ کرنا۔

۱۵-نماز میں ٹھونگیں مارنا۔(یعنی بہت جلدی کرنا)

آپ ﷺ کا فرمان ہے:" تلك صلاة المنافق يجلس يرقب الشمس حتى اذا كانت بين قرني الشيطان قام فنقر اربعاً " متفق علیہ)۔

(یہ منافق کی نماز ہے، کہ بیٹھ کر سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آجاتا ہے (یعنی عین غروب کے وقت) تو پھر کھڑا ہوتا ہے اور چار ٹھونگیں مار لیتا ہے)۔

۱۶-نماز کے حوالے سے غفلت اور عدم توجہ کا مظاہرہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴾

(الماعون/۴) (ہلاکت ہے اُن نمازیوں کیلئے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں)

ایسے لوگ بھی بہت ہیں، مساجد کے اماموں کا ہی یہ حال ہے تو دوسروں کا کیا ہوگا؟

۱۷-باجماعت نماز سے پیچھے رہنا۔ ابن مسعود ﷛ فرماتے ہیں:" ولقد رأيتنا وما يتخلف عن الجماعة الا منافق معلوم النفاق"۔(رواہ مسلم)

(تحقیق میں نے اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا، ہم میں سے کوئی بھی باجماعت نماز سے پیچھے نہیں رہتا تھا، سوائے اس شخص کے جو منافق ہوتا، اور اسکا نفاق بھی ظاہر اور معلوم ہوتا)۔

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:" اثقل الصلوات على المنافقين صلاة العشاء وصلاة الفجر "۔(رواہ مسلم)

(عشاء اور فجر کی نماز منافقین پر تمام نمازوں سے زیادہ بھاری اور بوجھل پڑتی ہے)۔

یہاں بوجھ سے مراد دل کا بوجھل ہونا ہے، کیونکہ یہ لوگ نہ تو نماز سے محبت کرتے ہیں، نہ ہی اسکا اہتمام کرتے ہیں، اور نہ اسکے فوت ہونے پر انہیں کوئی افسوس ہوتا ہے۔

۱۸-اذان کے بعد مسجد سے باہر جانا بھی نفاق ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:" من ادركه الأذان في المسجد ثم خرج لم يخرج لحاجة وهو لا يريد الرجعة فهو منافق"۔(رواہ ابن ماجہ وہو فی المشکوۃ ۱/۹۷)

(جس شخص کو مسجد میں اذان نے آلیا اور پھر وہ بلاضرورت مسجد سے باہر نکل گیا، جبکہ واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتا، تو وہ منافق ہے)۔

۱۹-انکی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب انہیں دین میں دنیاوی فائدہ نظر آئے تو دین کا کام کریں گے، اور اگر دنیاوی فائدہ نہ ہو، بلکہ سختی اور مشکل پیش آئے تو وہ کام چھوڑ دیں گے، آپ انہیں دیکھیں گے کہ اذان، امامت، درسِ قرآن غرض ہر کام اجرت پر کریں گے اگر دنیاوی اجرت نہ ملے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا اَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ﴾ (البقرۃ/۲۰)

(جب بھی انکے لیے (راستہ) روشن کرے تو اس میں چلتے ہیں، اور جب (راستہ) ان پر

تاریک کردے تو کھڑے ہوجاتے ہیں)

اورر فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ﴾ الآية ۔(الحج/۱۱)

(اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے پر کھڑے ہوکر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اگر کوئی نفع مل جائے تو دلچسپی لینے لگتے ہیں اور اگر کوئی آفت آ جائے تو اسی وقت منہ پھیر لیتے ہیں)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: " مثل المنافق كالشاة العائرة بين الغنمين تعير الى هذه مرة والى هذه مرة " (رواہ مسلم)

(منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو گلوں کے درمیان پریشان ہو کہ کدھر جائے؟ کبھی اس طرف جاتی ہے تو کبھی اُس طرف)۔

(اسی کا نام خودغرضی ہے کہ جہاں دال روٹی اچھی ملے وہیں کا ہو رہے)

۲۰- انہیں اپنے علاوہ کسی کی فکر نہیں ہوتی، مسلمانوں کا کوئی احساس نہیں کرتے، علماء کا خیال نہیں رکھتے، اور نہ کسی اور کی کوئی پرواہ کرتے ہیں عام مسلمانوں پر جنگ مسلط ہو، قحط زدہ ہوں یا مشکلات کا شکار ہوں لیکن انہیں بس اپنی دال روٹی کی پڑی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ۔(آل عمران/۱۵۴)

(اور ایک گروہ ایسا ہے جسے اپنی ہی جانوں کی فکر ہے)

تو جو شخص اپنی دعاؤں وغیرہ میں مسلمانوں کے معاملات کا اہتمام نہیں کرتا وہ منافق ہے۔

۲۱- منافقین کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ سنت پر عمل پیرا نہیں ہوتے، جب ایک شخص نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منافقین کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: منافق وہ ہے جو اسلام کی خوبیاں تو بتلاتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔ (بخاری کتاب الفتن، السنۃ لعبداللہ بن الامام احمد، تفسیر القرطبی ۱۸/۱۲۲)

۲۲- انکی ایک علامت شح بھی ہے، شح کا معنی یہ ہے کہ دوسرے کیلئے بھلائی کا ارادہ نہ رکھنا۔ یہ نصح (خیر خواہی) کی ضد ہے۔

۲۳-فحاشی۔(الفحش)

۲۴-فحش گوئی (البذاء) ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ فحش افعال میں ظاہر ہوتا ہے اور "بذاء" اقوال میں۔

حدیث میں آتا ہے:" وان الشح والفحش والبذاءِ من النفاق"
(بے شک شح، فحش اور بذاء (فحش گوئی) نفاق کی علامات ہیں)

الصحیحة (۳۳۸۱) ص (۱۱۳۹)

۲۵- بے غیرتی بھی نفاق کی علامت ہے، کہ کوئی شخص اپنے گھر میں بیوی یا بیٹیوں کے پاس کسی غیر محرم مرد کو بٹھائے اور وہ آپس میں مذاق وغیرہ کریں، اور ایک دوسرے کو دیکھیں۔ایسا شخص بے غیرت ہے، جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ: بے شک غیرت ایمان میں سے ہے، اور بے غیرتی نفاق کی علامت ہے۔ (البیهقی ۲۲۶/۱۰، الضعیفة ۲۸۹/٤، رقم (۱۸۰۸) باسناد فیه مجهول ووثقه ابن حبان)

۲۶-منافق دین کی فقاہت سے محروم ہوتا ہے۔

۲۷-اور اسکی ظاہری سیرت بھی اچھی نہیں ہوتی۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:" خصلتان لا یجتمعان في منافق حسن سمت ولا فقه في الدین"۔(رواہ الترمذی وھو فی الصحیحۃ ۴۹۹/۱)

(دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں، ظاہری طور پر اچھی سیرت اور نہ ہی دین کی فقاہت)۔

۲۸-اور انکی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ دو چہروں والے ہوتے ہیں، یعنی دوغلی پالیسی چلتے ہیں، ایک فریق کے پاس جائیں تو اسکے گن گاتے ہیں اور دوسرے کے پاس جائیں تو اسکے قصیدے پڑھتے ہیں جبکہ در حقیقت کسی کے ساتھ نہیں ہوتے۔حدیث میں آتا ہے:" تجدون من شر الناس یوم القیامة عند الله ذا الوجهین، الذي یأتي هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه "(رواہ البخاری فی الادب المفرد ۱/۱۶۰)

(تم قیامت کے دن اللہ کے پاس سب سے بدترین لوگوں میں دو چہروں والے کو پاؤ گے، جو انہیں ایک چہرے سے ملتا ہیں اور اُنہیں دوسرے چہرے سے)۔

یعنی دوغلی پالیسی چلتا ہے اور سب کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

۲۹-مؤمن اور منافق میں ایک فرق عشاء اور فجر کی نمازوں میں حاضری اور عدم حاضری کا بھی ہے۔(کمافی الموطأ جنائز۵-وابن ماجہ مناسک:۷۸)

۳۰-منافقین کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انہیں آنسو بہانے کا ملکہ اور اختیار ہوتا ہے۔ (کنزالعمال:۱۶۹/۱) میں علی ﷛ سے روایت ہے:"**المنافق یملك عینیه یبکی کما یشاء**"۔(منافق کو اپنی آنکھوں پر اختیار ہوتا ہے، لہٰذا جب اور جیسے چاہے ٹسوے بہالیتا ہے)

کنزالعمال میں ہی حذیفہ ﷛ کا قول ہے:

"**وبکاء المؤمن من قلبه، وبکاء المنافق من هامته**"

(مؤمن کا رونا دل سے ہوتا ہے، جبکہ منافق فقط کھوپڑی سے روتا ہے)

عقبہ بن عامر ﷛ فرماتے ہیں:"**اذا تم فجور العبد ملك عینیه فبکی منهما متی شاء**"۔(جب کوئی بندہ گناہوں میں کمال حاصل کرلے تو اُسے اپنی آنکھوں پر کنٹرول حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا جب چاہے رولیتا ہے) (وروی ذلک مرفوعاً)

ایسے بہت سے لوگوں کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے جو دکھلاوے کے آنسو بہاتے ہیں۔

۳۱-جتنی خشیت اسکے دل میں ہے، لوگوں کے سامنے اس سے زیادہ خشیت اور تقوٰی ظاہر کرتا ہے۔ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:"**من اری الناس فوق ما عنده من الخشية فهو منافق**"۔ (اخرجه البخاری کما فی کنز العمال ۱۶۹/۱)

(جو شخص اپنے اندر موجود خشیت سے زیادہ لوگوں کو دکھانے کی کوشش کرے، وہ منافق ہے)

۳۲-مؤمن کے مقابلے میں منافق بہت کم ہی بیماری یا آزمائش کا شکار ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ مؤمن کی مثال نرم و نازک کھیتی کی طرح ہے، جس کو ہوائیں مسلسل (اِدھر اُدھر) جھکاتی رہتی ہیں، چنانچہ اسی طرح مؤمن کو ہمیشہ مصائب کا سامنا رہتا ہے، اور

منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی مانند ہے کہ کاٹنے کے وقت تک اسے ذرا جنبش نہیں ہوتی۔(متفق علیہ)

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ بات کہی کہ بیماری کیا ہوتی ہے؟ میں تو کبھی بیمار ہی نہیں ہوا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:" قم فلست منا "۔(تو تم ہماری مجلس سے اُٹھ جاؤ، کیونکہ تم ہم میں سے نہیں)۔(المشکوۃ ۱۴۰/۱)

ایک حدیث میں منافقین کی کچھ صفات کا تذکرہ ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۳۳- تحیتهم لعنة (انکا باہم سلام ہی لعنت پر مبنی ہوتا ہے)

۳۴- وطعامهم نهبة ۔(لوٹ مار کا مال کھاتے ہیں)

۳۵- وغنیمتهم غلول (انکی غنیمت بیت المال اور غنائم میں خیانت ہے)

۳۶- لا یقربون المساجد الا هجراً ۔(مساجد کے قریب بھی نہیں پھٹکتے)

۳۷- ولا یاتون الصلاۃ الا دبراً ۔(نماز میں بھی دیر سے آتے ہیں)

۳۸- مستکبرین (تکبر میں مبتلا رہتے ہیں)

۳۹- لا یالفون ۔(کسی سے محبت نہیں کرتے)

۴۰- ولا یؤلفون ۔(اور نہ ہی محبت کیے جاتے ہیں)

۴۱- خشب باللیل (رات کو سوکھی لکڑی کی طرح پڑے رہتے ہیں)

۴۲-صخب بالنهار (جبکہ دن کو بہت شور شرابا کرتے ہیں)

(رواه احمد وهو فی كنز العمال ۱۷۰/۱ ومجمع الزوائد ۱۰۷/۱، وتفسير الصابونی ۳۹۳/۳) واسناده فيه عبد الملك بن قدامة الجمحی وثقه يحيى بن معين وضعفه الدارقطنی وفی الفتح الربانی وذكره ابن كثير فی سورة المنافقين باسناده)

۴۳-نہ جہاد کرتے ہیں اور نہ ہی جہاد کا عزم وارادہ رکھتے ہیں۔حدیث میں آتا ہے:" من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق۔(رواہ مسلم)

(جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ نہ تو اس نے کسی غزوے میں شرکت کی اور نہ ہی

شرکت کا ارادہ رکھتا تھا تو اُسے نفاق کی ایک حالت پر موت آئی)۔

۴۴-مسلمان کی غیبت کرنا بھی نفاق ہے۔حدیث میں آتا ہے:

"یا معشر من أسلم بلسانه ولم یفض الایمان الی قلبه لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروهم الحدیث۔(المشکوة ۲/۲)

(اے اُن لوگوں کی جماعت جو زبان سے اسلام لائے ہیں، جبکہ ابھی انکے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں کو تکلیف مت پہنچاؤ، اور انہیں عار مت دلاؤ) (مشکوة)۔

مسند احمد اور طبرانی میں ایک روایت آتی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حجاج کے خلاف باتیں کرتے سنا، تو اُس سے کہا: اگر حجاج تمہاری بات سُن رہا ہوتا تو کیا تم پھر بھی یہ باتیں کرتے؟ اُس نے کہا: نہیں۔ تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کنا نعد هذا نفاقاً علی عهد رسول الله ﷺ" (رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہم اس چیز کو نفاق شمار کرتے تھے (احیاء العلوم ۱/۲۱۷)

۴۵-نفاق سے بے خوف ہونا بھی نفاق ہے۔حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے کہا تھا کہ اگر تم منافق ہوتے تو تمہیں نفاق کا خوف نہ ہوتا۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ نفاق سے بری ہے وہی نفاق کے سب سے زیادہ قریب ہے۔(احیاء العلوم ۱/۲۱۶، و۲۱۷، ونحوه عن ابن مسعود فی المجمع ۱/۱۱۲)

۴۶-بغیر کسی وجہ کے عورت کا اپنے خاوند سے خلع کا مطالبہ کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: "المختلعات والمنتزعات هن المنافقات"۔

(الصحیحة ۲/۲۱۰ رقم (۶۳۲) وصحیح الجامع (۲/۱۱۳۳)

(خلع لینے والی اور الگ ہو جانے والی عورتیں ہی منافقات ہیں)

۴۷-تین جمعے چھوڑ دینا۔

حدیث میں آتا ہے: "من ترك ثلاث جمع من غیر ضرورة کتب منافقاً في کتاب لا یمحی ولا یبدل"۔(رواه الشافعی (۱۲۱) وهو فی المشکوة

(١١٦/١) وجامع الصغير ١٠٥٨/٢)

(جس نے بلا ضرورت تین جمعے ترک کر دیئے تو اُسے ایسی کتاب میں منافق لکھ دیا جاتا ہے کہ جس میں نہ تو کوئی ردو بدل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی چیز مٹائی جاتی ہے)

۴۸-عورتوں کا اپنی خوبصورتی ظاہر کرنا اور تکبر کرنا بھی نفاق ہے۔حدیث میں آتا ہے:"

خیر نسائکم الودود الولود المواتیة المواسیة اذا اتقین الله، وشر نسائکم المتبرجات المتخیلات وهن المنافقات لا یدخل الجنة منهن الا مثل الغراب الاعصم" (رواه البیهقی ٨٢/٧، الصحیحة ٤٦٤/٤)

تمہاری بہترین عورتیں وہ ہیں جو اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والی، زیادہ بچے جننے والی اور موافقت وغمگساری کرنیوالی ہیں جبکہ وہ اللہ سے ڈرنے والی ہوں، اور تمہاری بدترین عورتیں وہ ہیں جو غیر محرموں کے سامنے بناؤ سنگھار ظاہر کرنے اور اکڑنے والی ہوں، اور یہ عورتیں منافقات ہیں، تو جس طرح کوؤں میں کوئی ایک آدھا کوا ہی سرخ چونچ اور سرخ پاؤں والا ہوتا ہے، اسی طرح ایسی عورتوں میں بھی شاذ ہی کوئی جنت میں داخل ہوگی)

۴۹-انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنا۔

حدیث میں آتا ہے:" آیة الایمان حب الانصار و آیة النفاق بغض الانصار" (رواه البخاری ٧/١)

(انصار سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی، اور انصار سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے)

۵۰-علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنا بھی نفاق کی نشانی ہے۔

حدیث میں آتا ہے:" لا یحبك الا مؤمن ولا یبغضك الا منافق" ۔(اخرجه مسلم ٦١/١، وهو فی الصحیحة ٢٩٨/٤)

(آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:) صرف مؤمن ہی تم سے محبت کرتا اور صرف منافق ہی تم سے بغض رکھتا ہے)

لیکن یہاں علی رضی اللہ عنہ سے محبت کا معنی یہ نہیں کہ انکی عبادت کی جائے، بلکہ شرعی محبت مراد

ہے، اہل ایمان اور شیعہ کے درمیان یہی فرق ہے، کیونکہ شیعہ حضرات تو علی رضی اللہ عنہ کی عبادت کرتے ہیں۔

۵۱- منافقین کی یہ عادت ہے کہ وہ علماء، سفید ریش بزرگوں اور عادل حکمرانوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: "**ثلاث لا یستخف بھم الا منافق، ذو الشیبة في الاسلام وذو علم وامام مقسط**" (رواہ الطبرانی کذا فی الترغیب ۱/۱۱۵، وہو ضعیف)

(تین اشخاص ایسے ہیں کہ منافق کے سوا کوئی بھی انہیں حقیر اور معمولی نہیں جانتا، سفید ریش مسلمان، عالم، اور عادل حکمران (طبرانی، حدیث ضعیف ہے)

۵۲- **امام مالك** رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "**الجدال في الدين من بقايا النفاق، وقال ابن القاسم : بل هو النفاق**"۔ (میزان ۱/۵۶)

دین میں بے جا بحث اور جھگڑا کرنا نفاق کے بقایا جات میں سے ہے، جبکہ (امام مالک کے شاگرد) ابن القاسم فرماتے ہیں: بلکہ یہی نفاق ہے۔

یہ تو چند احادیث وغیرہ کا بیان تھا، جہاں تک **قرآن مجید** کا تعلق ہے، تو قرآنِ مجید نے انتہائی تفصیل کیساتھ منافقین کا تذکرہ کیا ہے، اور ایمان والوں کو انکی خبر دی ہے تاکہ ان کی صفات سے آگاہ ہو کر ان سے ہوشیار رہیں اور انہیں اپنے راز نہ دیں، کیونکہ منافقین ہر دور میں کفار کے جاسوس رہے ہیں، اور قرآن نے اسقدر تفصیل بھی اسی وجہ سے بیان کی ہے کہ یہ ٹولہ مؤمنین کیلئے انتہائی خطرناک ہے، یہ آستین کے سانپ ہیں اور اسلام کے بد ترین دشمن، بھیڑ کے لباس میں بھیڑیے، اسلام کا نام لیکر اسلام ہی کی جڑیں کاٹنے والے۔ لہٰذا اس لیے بھی ان سے آگاہی ضروری ہے، اور اس لیے بھی کہ ان صفات سے بچنے کی کوشش کی جائے سورۃ البقرۃ کے آغاز میں ہی انکی پندرہ خصلتوں کا ذکر کیا گیا ہے:

۱- دل اور زبان کا اختلاف۔

" آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ "(البقرۃ/۸) (کہتے ہیں) ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ (دلی طور پر) وہ مؤمن نہیں ہیں)

حسن بصری فرماتے ہیں: دل اور زبان کا مختلف ہونا، خلوت اور جلوت کا اختلاف اور گھر اندر اور باہر کی زندگی میں فرق ہونا بھی نفاق ہے۔ (احیاء العلوم ۱/۲۱۷)

۲- دھوکہ دہی: یعنی یہ لوگ بظاہر تو اللہ کے حکم پر عمل کرتے اور نیکی کرتے ہیں لیکن انکی مراد اللہ کی رضا نہیں ہوتی بلکہ کوئی اور مقصد ہوتا ہے، جبکہ انکے دلوں میں فسق و فجور ہوتا ہے۔ فرمایا: "یُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"۔ (البقرہ/۹)

(یہ لوگ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں)

اور فرمایا: "اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ"۔ (النساء/۱۴۲)

بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ انکا دھوکہ انہی پر ڈالنے والا ہے

حدیث میں بھی آتا ہے: "المنافق خب لئیم" (المشکوۃ) (منافق دغاباز کمینہ ہوتا ہے)

۳- انہیں اپنی مصیبت (نفاق) کا شعور ہی نہیں ہوتا، یہ بھی عجیب سزا ہے، کیونکہ شعور اور احساس انسان کو توبہ پر اکساتا ہے، لیکن یہ احساس سے عاری ہوتے ہیں: "وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ"۔ (البقرہ/۱۰) (اور انہیں شعور ہی نہیں)

۴- یہ دل کے مریض ہے، یعنی انکے دلوں میں استقامت کے بجائے دورنگی، شک وشبہ، حسد اور دنیا کی محبت ہوتی ہے۔ "فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ" (البقرہ/۱۰)

(انکے دلوں میں مرض ہے)

۵- فساد پھیلاتے ہیں لیکن خود کو اصلاح پسند اور بہت بڑا مصلح سمجھتے ہیں، فساد سے مراد قتل وغارت کے علاوہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ایمان واطاعت اور کتابوں وسنت سے روکتے اور انکے دلوں میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آجکل کے بدعتی مقلدین میں انکی اکثریت ہے۔ والعیاذ باللہ۔

﴿وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾۔ (البقرہ/۱۱)

اور جب انہیں کہا جائے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ، تو کہتے ہیں: ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں

۶- ایمان والوں اور عقلمند مسلمانوں کو بے وقوف اور ناسمجھ قرار دیتے ہیں، کیونکہ ہر شخص دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ کہتے ہیں:

﴿أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ، أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ﴾ (البقرہ/۱۳)

(کیا ہم اُس طرح ایمان لائیں، جیسے بے وقوف ایمان لائے، سن لو! یقیناً یہی (منافقین) بے وقوف ہیں)

تو ہر وہ شخص جو صحابہ کرام اور علمائے حق کو بے وقوف یا نادان قرار دے، وہ منافق ہے، کیونکہ یہی لوگ تو رسول اللہ ﷺ اور ہمارے درمیان واسطہ ہیں جنکے ذریعے یہ دین ہم تک پہنچا، اسکی نشر واشاعت اور تعلیم وتبلیغ عام ہوئی۔

۷- حقیقی علم سے محروم ہوتے ہیں۔

۸- ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مزاح کرنا الگ چیز ہے یہ تو کبھی جائز ہوتا ہے لیکن مذاق اڑانا اور استہزاء کرنا بالکل حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ اس میں مؤمن کی تحقیر ہوتی ہے، لہٰذا اپنے آپ کو اس بری خصلت سے بچایئے، یہ خصلت تکبر اور خود پسندی پر دلالت کرتی ہے۔

۹- یہ لوگ ہدایت کے مقابلے میں گمراہی کو اختیار کرتے ہیں۔

۱۰- یہ لوگ ایمان کا دیا تو جلاتے ہیں، لیکن پھر اسکی روشنی بجھ جاتی ہے، اور انکے حصے میں فقط جلنا ہی آتا ہے، یعنی یہ لوگ ایمان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، اعمال بجا نہیں لاتے لہٰذا ایمان کی روشنی کمزور ہو کر بجھ جاتی ہے بالکل اُس شخص کی طرح جو آگ تو جلاتا ہے لیکن پھر اُس آگ کیلئے خشک لکڑیوں یا پٹرول وگیس وغیرہ کے ذریعے ایندھن مہیا نہیں کرتا، تو یقیناً عنقریب اُسکی آگ بجھ جائے گی۔ اس مثال پر تدبر کیجئے، آپکو اسکے تحت عجیب اسرار سے آگاہی ہوگی۔

۱۱- منافقین سخت جھگڑالو ہوتے ہیں، کسی مسلمان کا احترام اور توقیر نہیں کرتے، انکے حقوق اور عزتوں کو پامال کرتے ہیں، اور ہمیشہ بحث مباحثہ اور جھگڑا ہی کرتے رہتے ہیں۔

(وھو الد الخصام)۔(البقرہ/۲۰۴)

۱۲- جب انہیں نیکی کی نصیحت کی جائے تو غصے میں آ جاتے اور ناراض ہوتے ہیں۔

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ﴾ (البقرہ/۲۰۶)

(اور جب اُس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر! تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کرتا ہے)

۱۳- منافق بڑا فصیح و بلیغ اور بہت باتیں کرنے والا ہوتا ہے، دنیاوی امور میں ایسا ماہر ہوتا ہے، کہ بڑے بڑے علماء کو بھی ان باتوں کا علم نہیں ہوتا۔

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ﴾ (البقرۃ/۲۰۴)

(اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنکی باتیں آپکو دنیا کی زندگی میں اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل میں موجود باتوں پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں)

اور فرمایا: ﴿ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ﴾ (المنافقون/۴)

(اور اگر یہ بات کریں تو آپ انکی باتوں کو سنتے ہیں)

حدیث میں آتا ہے:" البذاء والبیان شعبتان من النفاق"(المشکوۃ)

(بیہودہ گوئی اور بیان کا ملکہ نفاق کی شاخیں ہیں)

جبکہ حیا اور عاجزانہ کلام ایمان کی شاخیں ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے:" ان اللہ یبغض کل جواظ جعظري، سخاب بالاسواق، جیفة باللیل، حمار بالنهار، عالم بأمر الدنیا، جاهل بأمر الآخرة"۔(رواہ ابن حبان علی شرط مسلم)

(بے شک اللہ تعالیٰ ہر اُس شخص سے بغض رکھتا ہے جو متکبر، پیٹو، بازاروں میں شور مچانے والا، رات کو مردار کی طرح سونے، اور دن کو گدھے کی طرح دنیا کی دوڑ دھوپ کرنیوالا، دنیاوی چیزوں سے خوب واقف، جبکہ آخرت کے معاملات سے بالکل جاہل ہے)

۱۴- منافقین کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کفار و فجار سے دوستی رکھتے، اور اہل

ایمان پر آفات ومصائب کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ ﴾۔ (المائدۃ/۵۲)

(آپ دیکھیں گے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، وہ دوڑ دوڑ کر ان (یہود ونصاریٰ) میں گھس رہے ہیں) (یعنی یہود ونصاریٰ سے دوستی کی دوڑ دھوپ کرتے ہیں)

اور فرمایا: ﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا، الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ ﴾ الآیۃ۔ (النساء/۱۳۹)

(منافقین کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان والوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں، تو کیا یہ انکے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں)

صرف یہی خصلت منافقین کو کفار میں شامل کر دیتی ہے، کیونکہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ کفار کیساتھ دوستی رکھنے والا شخص انہی میں سے ہے۔

۱۵- یہ لوگ عبادات میں سستی کرتے ہیں۔ ﴿ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾۔ (النساء/۱۴۲)

(اور جب یہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں)

۱۶- منافقین اپنے فیصلے کروانے کیلئے طاغوت کے پاس جاتے ہیں، اور قرآن وسنت کے علاوہ ہر باطل چیز طاغوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط ﴾ الآیۃ۔ (النساء/۶۰)

(کیا آپ نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اس پر ایمان لائے، لیکن وہ اپنے فیصلے طاغوت کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اسکا انکار کریں)

یہ خصلت آجکل خاص وعام پائی جاتی ہے، حتی کہ وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں جو اسلام کی قیادت کے دعویدار ہیں جبکہ انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں۔ اللھم عیاذاً بک

۱۷- منافقین چغلخوری کرتے اور ایمان والوں کے درمیان فساد ڈالتے ہیں۔

﴿ وَلَاَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ﴾ ۔(التوبۃ/۴۷)

(اور تمہارے درمیان خوب گھوڑے دوڑاتے ہیں، تمہیں فتنے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں)

۱۸-مسلمانوں سے کراہت کرتے ہیں: ﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغَارَاتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴾ (التوبۃ/۵۷)

(انکی مسلمانوں کیساتھ نفرت کا یہ عالم ہے کہ) اگر انہیں کوئی پناہ مل جائے، یا کوئی غار، یا کوئی اور سر چھپانے کی جگہ، تو فوراً اسکا رخ کریں گے، گویا رسی توڑ کر بھاگے جا رہے ہیں)

۱۹- اہل حق پر الزام اور عیب لگاتے ہیں اور دنیا کا مال ملے تو راضی اور خوش رہتے ہیں۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴾ ۔(التوبۃ/۵۸)

(اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب لگاتے ہیں، اگر انہیں اس میں سے حصہ ملے تو خوش ہیں، اور اگر اس میں سے کچھ نہ ملے تو فوراً ہی بگڑ جاتے ہیں)

۲۰- برائی کا حکم دیتے اور نیکی سے روکتے ہیں۔

۲۱- اپنے فرائض اور ذمہ داریاں ادا نہیں کرتے۔

۲۲- عہد شکنی کرتے ہیں۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُوْنَ ﴾ ۔(التوبۃ/۷۵/۷۶)

(اور ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر اس نے ہمیں اپنے فضل (مال) سے نوازا تو ہم ضرور صدقہ وخیرات کریں گے، اور پکے نیک بن جائیں گے، لیکن جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا تو بخل کرنے لگے، اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا)

۲۳- ایمان والوں پر عیب لگاتے، استہزاء کرتے اور کسی حال میں خوش نہیں ہوتے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا

يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ ﴾ (التوبۃ/۷۹)

(جولوگ ان اہلِ ایمان پر طعنہ زنی کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں، اور اُن لوگوں پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے اور کچھ میسّر ہی نہیں، پس یہ انکا مذاق اڑاتے ہیں)

کوئی مسلمان زیادہ مال اللہ کی راہ میں دیتا تو کہتے: ریا کار ہے، اور کوئی کم دیتا تو استہزاء کرتے اور کہتے: اتنے مال کی اللہ کو کیا ضرورت ہے۔

۲۴- ایک دوسرے کو جہاد نہ کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ﴾۔ (التوبۃ/۸۰)

(جہاد سے پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ ﷺ کے جانے کے بعد اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہیں، اور ناپسند کیا انہوں نے اس بات کو کہ اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور جانوں کیساتھ جہاد کریں، اور کہنے لگے کہ گرمی میں جہاد کیلئے مت نکلو)

۲۵- ایمان والوں کو ایذا پہنچانا اور کسی نیک اور مشروع کام کا بطور ڈھال اپنانا۔ جیسا کہ منافقین نے مسجد ضرار بنائی تھی، بظاہر تو یہ ایک اچھا کام تھا، لیکن انکا مقصد مسلمانوں کے خلاف سازش کرنا، کفر کی نشر واشاعت کا مرکز قائم کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تھا۔ تو ہر وہ مسجد جسکا یہ مقصد ہو، اسکا حکم بھی مسجدِ ضرار والا ہی ہے۔

۲۶- جھوٹی قسم اٹھانا۔ کیونکہ نہ تو انہیں اللہ سے حیا آتی ہے اور نہ ہی اسکے نام کی تعظیم کرتے ہیں۔

۲۷- جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کبھی نہیں کرتے۔

۲۸- جہادی تربیت اور تیاری بھی نہیں کرتے۔

۲۹- کفار کیلئے مؤمنین کی جاسوسی کرتے ہیں۔

۳۰- حق کے غلبے اور کتاب وسنت کی اشاعت کو ناپسند کرتے ہیں۔

۳۱- ان میں سے اکثر لوگ یہ زعم رکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنا فتنے کا باعث

ہے، لہٰذا آپکی سنتوں کا اظہار کرنا مناسب نہیں ہے، کتنے ہی ایسے لوگ اس دور میں آپکو ملیں گے جو یہی موقف رکھتے ہیں۔

۳۲- ایمان والوں کی خوشی انہیں کھٹکتی ہے، جبکہ اہل ایمان پر مصیبت نازل ہو تو بغلیں بجاتے ہیں۔ تو جو ایسا کرے وہ منافقین میں سے ہے۔

۳۳- منافقین ہمیشہ خوف کا شکار رہتے ہیں، اور انتہائی بزدل ہوتے ہیں ﴿ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴾۔ (التوبہ/۵۶) (لیکن یہ ڈرنے والی قوم ہیں)

۳۴- یہ لوگوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، جبکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی رضا جوئی کی انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔

۳۵- انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اسکے رسول ﷺ، اور اسکی آیات کا کوئی ادب اور پاس نہیں ہوتا، بلکہ انکا مذاق اڑاتے ہیں، عیاذاً باللہ تعالیٰ۔ جبکہ مؤمن انکا احترام کرتا ہے۔

۳۶- بخل بھی انکی علامت ہے۔

۳۷- عمل صالح سے اعراض کرنا اور منہ پھیرنا بھی منافقین کا شیوہ ہے۔

۳۸- کتاب وسنت اور احکام الٰہی سے کورے ہوتے ہیں، جبکہ دنیاوی چیزوں اور فنون میں ماہر۔ لیکن نماز اور ایمان تک سے نابلد۔

۳۹- اگر کبھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی پڑ جائے تو اسے بوجھ اور چٹی سمجھتے ہیں۔

۴۰- جب ان پر قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے تو انکے ایمان، نور اور عمل صالح میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ والعیاذ باللہ۔

۴۱- دروسِ قرآن اور قرآنی تعلیمات سے دور بھاگتے ہیں۔

۴۲- انکی مشہور ترین صفت یہ ہے کہ انکے قول وعمل میں مطابقت نہیں ہوتی۔

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (النور/۴۷)

(اور (زبانی کلامی) کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے، اور ہم نے اطاعت کی،

پھر اسکے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے، اور (حقیقت حال یہ ہے کہ) یہ لوگ ایمان والے ہی نہیں)

۴۳- جب حق ان پر ہو تو اعراض کرتے ہیں اور جب انکے لیے ہو تو بھاگ بھاگ کر آتے ہیں۔

۴۴- اللہ اور اسکے رسول پر بُرا گمان رکھتے ہیں، اور انکی طرف ظلم کی نسبت کرتے اور کہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں وحشت اور ظلم ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

۴۵- حالانکہ یہ لوگ خود بہت بڑے ظالم اور جابر ہوتے ہیں، نفاق، کفر اور سرکشی کا ارتکاب کرتے ہیں، اللہ اور اسکے رسول کی حدود کو پامال کرتے ہیں۔

۴۶- انکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب کسی اہم معاملے پر مشورہ ہو رہا ہو، تو یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور آپکے نائبین علماء کی اجازت کے بغیر ہی کھسک جاتے ہیں، جبکہ مؤمن صبر کرکے بیٹھا رہتا ہے، اور جب کوئی سخت ضرورت پیش آئے تو بھی اجازت طلب کرتا ہے، اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ بیٹھا رہتا ہے، مؤمن تو نکیل ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح ہے، اسے جہاں چلاؤ، چل پڑتا ہے، اور اگر کسی چٹان پر بھی بٹھاؤ تو بیٹھ جاتا ہے، اور یہ صفت منافقین کے برعکس ہے۔

۴۷- انہیں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے وعدوں پر شک وشبہ ہوتا ہے۔

﴿وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (الاحزاب/۱۲) ''اور جب منافقین، اور وہ لوگ جنکے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اسکے رسول نے جو وعدہ ہم سے کیا تھا وہ محض فریب تھا''

۴۸- مجاہدین کو جہاد سے روکتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ دشمن زبردست قوت کا مالک ہے، جبکہ اہل ایمان کمزور ہیں لہٰذا دشمن کا مقابلہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا جہاد سے لوٹ آنا چاہیے، یہ عین وہی بات ہے جو ہمارے دور کے ایک بڑے صوفی (بلکہ اکثر صوفیوں) نے کہی ہے۔

۴۹- میدانِ جہاد سے فرار ہو کر گھروں کی طرف لپکنا۔

۵۰-تھوڑی سی مار پڑنے پر فتنے میں مبتلا ہو جانا اور کفر اختیار کر لینا۔

۵۱-جب میدان جنگ گرم ہو جائے تو قدرت کے باوجود اس میں حصہ نہ لینا۔

۵۲-انتہائی بخیل اور بزدل ہوتے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ ایمان والوں کو اپنی زبانوں سے ایذا پہنچاتے ہیں۔ جنگ ہو تو بزدل، مال ہو تو بخیل اور امن ہو تو مسلمانوں کے خلاف پہلوان ہیں، اپنی تیز دھار زبانوں سے مومنین کو ایسا ادھیڑتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔

۵۳-جب ایمان اور کفر کا معرکہ بپا ہو یہ چاہتے ہیں کہ کسی دیہات یا جنگل میں جا بسیں، تاکہ اہل ایمان کی مدد یا اُن پر خرچ نہ کرنا پڑے۔

۵۴-نبی کریم ﷺ کی حدیث انکی سمجھ میں نہیں آتی، بلکہ اگر اسے بغور سُن بھی لیں تب بھی اسکے فہم اور حفظ سے محروم رہتے ہیں۔

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ (محمد/۱٦) (اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کان لگا کر آپکی بات سنتے ہیں، پھر جب آپ پاس سے باہر نکلتے ہیں، تو اُن لوگوں سے جو اہل علم ہیں (ازراہ تمسخر) پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا کہا تھا؟)

اور اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے نزدیک اللہ عزوجل اور اسکے رسول ﷺ کے کلام کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

۵۵-اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

۵٦-جو شخص قتال فی سبیل اللہ کا حکم دے، اسے یوں دیکھتے ہیں جیسے ان پر موت کی غشی طاری ہوگئی ہو، اور اسکی وجہ بزدلی اور ناپسندیدگی ہوتی ہے، لہٰذا یہ لوگ نہ تو قتال فی سبیل اللہ کو پسند کرتے ہیں اور نہ ہی اسکا حکم دینے والے کو۔

۵۷-یہ لوگ قرآنِ حکیم پر تدبر نہیں کرتے، اگر آپ لوگوں پر نگاہ ڈالیں تو اکثر کو اس صفت پر پائیں گے، کیا عالم اور کیا جاہل، سب اس حوالے سے غفلت کا شکار اور محروم در محروم ہیں۔ (واللہ المستعان)

۵۸-یہ لوگ کفار سے کہتے ہیں کہ ہم بعض چیزوں میں تمہاری اطاعت کریں گے۔

ثابت ہوا کہ بعض چیزوں میں بھی کفار کی اطاعت کرنا نفاق ہے۔

﴿سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ﴾ (محمد/۲۶)

۵۹-منافقین کی خاص الخاص نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ رب العزت کی ناراضگی والے کاموں میں مگن رہتے ہیں، جبکہ اللہ کی رضا جوئی کیلئے نہ تو کوشش کرتے ہیں اور نہ خواہش، بلکہ اللہ کی رضا انکے نزدیک معمولی چیز ہے۔

۶۰-انکی ایک علامت کینہ پروری اور حسد بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴾ (محمد/۲۹)

(جن کے دلوں میں بیماری ہے، کیا وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کینوں کو کبھی ظاہر نہیں کریگا)

حدیث میں ہے:" المؤمن يغبط والمنافق يحسد"۔(کشف الخفاء ۲/۲۹۵)

(مؤمن فقط رشک کرتا ہے، جبکہ منافق حسد کرتا ہے)

نوٹ:(یہ فضیل بن عیاض کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں)

۶۱-زبان دانی میں منفرد ہوتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾ (محمد/۲۹)

(اور آپ انکے اندازِ گفتگو سے انہیں اچھی طرح پہچان لیں گے)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:" اخوف ما اخاف على امتي كل منافق عليم اللسان"۔(رواہ فی صحیح الجامع ۱/۱۰۷، و ۱/۳۲۳ رقم ۳۲۹ ورقم (۱۵۵۶) وانظر المجمع ۱/۱۸۶)

(مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہر اُس منافق کا ہے جو زبان دان ہو)

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ (زبان دان منافق جو قرآن کے ذریعے جھگڑے)

(جامع بیان العلم ۲/۲۰۰ ۱۱ احمد ۱/۲۲)

۶۲- منافقین کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انکے لیے ایمان والوں کی مشقت اور ہلاکت مزین کردی گئی ہے۔ ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾۔ (الفتح/۱۲)

(بلکہ تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ رسول (ﷺ) اور ایمان والے (جہاد سے) کبھی اپنے گھروں کو (صحیح سلامت) نہیں لوٹیں گے، اور یہ بات تمہارے دلوں میں مزین کردی گئی)

۶۳- عجیب بات یہ ہے کہ منافق خود بڑا حاسد ہوتا ہے، لیکن ایمان والوں کو حاسد کہتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص دوسروں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔

۶۴- منافقین کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایمان کی مٹھاس، اطاعت کی حلاوت اور یقین کی ٹھنڈک کا مزا چکھا ہی نہیں۔

﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾۔ (الحجرات/۱۴)

(ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا)

یہ خصلت ایمان والوں کو بھی خوفزدہ کرتی ہے۔

۶۵- منافقین خود ہی اپنی جانوں کو گناہوں، شہوات اور کفر کے ذریعے فتنوں میں ڈالتے ہیں۔

۶۶- توبہ کی امید پر گناہ کرتے ہیں اور اہل ایمان پر مصائب کے منتظر رہتے ہیں۔

۶۷- انکے دل شکوک وشبہات سے بھرے پڑے ہیں۔

۶۸- آرزوؤں نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، انکی آرزوئیں اور امیدیں بھی کئی ہیں، مثلاً کفار کا مسلمانوں پر غلبہ، دنیاوی لذات اور اموال کا حصول۔ اور پھر یہ بھی کہ "سَيُغْفَرُ لَنَا" عنقریب ہمیں بخش دیا جائے گا۔

۶۹- یہ لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے دھوکے میں پڑے رہتے ہیں، شیطان نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے، دنیا اور شہوات بھی دھوکے میں مبتلا کرتی ہیں لہٰذا اللہ کی بالکل پرواہ نہیں کرتے، نہ ہی اُس سے شرماتے اور حیا کرتے ہیں اور نہ اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں حالانکہ یہ اللہ ہی کے کنٹرول اور قبضے میں ہیں۔

سبحان اللہ! اللہ کس قدر بردبار ہے، اور الحمد للہ وہ کتنا بخشنے والا مُحسن ہے۔

۷۰-منافق غرور اور تکبر کا شکار ہوتا ہے۔

۷۱-فخر کرتا ہے اور اپنے فضائل و مناقب لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔

۷۲-بخیل ہوتا ہے، دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتا ہے، اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔

۷۳-منافق کو جس چیز سے منع کیا جائے، جان بوجھ کر وہی کام کرتا ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ ﴾۔ (المجادلۃ/ ۸)

(کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف دیکھا ہے جنہیں سرگوشیوں سے منع کیا گیا تھا، لیکن یہ پھر بھی وہی کام کرتے ہیں جس سے روکے گئے)

۷۴-جب منافقین کسی مجلس میں جمع ہوتے ہیں تو پھر گناہ، سرکشی، اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی والی باتیں کرتے ہیں، آپ غور کیجئے! کیا آپکی مجالس ان باتوں پر مشتمل تو نہیں؟ میرے خیال کے مطابق تو اکثر لوگوں کی مجالس غیبت سے بھری ہوتی ہیں، حرام باتیں، گناہ، چغلی، جھوٹ اور قطع رحمی میں لت پت۔ (واللہ المستعان)

۷۵-انکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ " اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کا صیغہ بدل دیتے ہیں، یا تو " اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ" کہتے ہیں، یا صرف "السلام" یا سلام کو سرے سے ہی فراموش کر کے اسکے بجائے دوسرے الفاظ (ہیلو، ہائے وغیرہ) استعمال کرتے ہیں۔

۷۶-منافقین کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ کثرت کیساتھ قسمیں اٹھاتے ہیں، تاکہ یہ قسمیں انکے لیے ڈھال بن جائیں، اور انہیں اللہ کے پاکیزہ نام کی حرمت کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

۷۷-لوگوں کو حق اور کتاب وسنت سے روکتے ہیں، بدعتیوں، صوفیوں اور تبلیغی جماعت والوں میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے۔

۷۸- یہ لوگ اپنے گمان کے مطابق خود کو صحیح موقف پر سمجھتے ہیں، حالانکہ انکا مؤقف درست نہیں، نہ تو انکا عقیدہ اور ایمان درست ہے، نہ ہی عمل صالح، نہ انکی فکر صحیح منہج پر ہے اور نہ دین ٹھوس بنیادوں پر۔

۷۹- منافقین یہودیوں کیساتھ محبت رکھتے اور انکی اطاعت پر اصرار کرتے ہیں، جب رسول ﷺ کا فرمان اور یہودیوں کا حکم متعارض ہوں تو دوسرے کو پہلے پر ترجیح دیتے ہیں۔﴿وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا﴾ (الحشر/۱۱)

((یہود سے کہتے ہیں) تمہارے متعلق ہم کبھی کسی کی اطاعت نہیں کریں گے)

۸۰- منافقین کے دل باہم پھٹے ہوتے ہیں، لہٰذا ان میں باہمی طور پر کوئی اتفاق یا محبت نہیں ہوتی، انہیں اکٹھا کرنے والی چیز بس دنیا کی محبت اور نفاق ہے۔

۸۱- ان کے پاس دین کی فقاہت، عقل، علم کچھ نہیں ہوتا۔

۸۲- منافقین اگر کوئی نیکی کا کام کر بھی لیں تو پھر اس پر اتراتے اور اپنا تزکیہ کرنے لگتے ہیں، اور عام مؤمنین کو ایذا دیتے ہیں۔

۸۳- جہاد کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن جب جہاد کا موقع آئے تو فرار اختیار کرتے ہیں۔

۸۴- زبانی کلامی توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں، لیکن انکے دل میں تکذیب بھری ہوتی ہے۔

۸۵- انکے اعمال بدترین ہوتے ہیں۔

۸۶- اپنی خباثت اور بزدلی کی وجہ سے ہر آواز پر چونک اٹھتے ہیں اور اسے اپنے خلاف سمجھتے ہیں، اور یہ توقع کرتے ہیں کہ کہیں اسکی مراد ہم لوگ تو نہیں ہیں۔؟ غرض ذلت اور خباثت والی تمام صفات ان میں پائی جاتی ہیں۔

۸۷- یہ لوگ ٹیک لگا کر رکھی گئی خشک لکڑیوں کی مانند ہیں، یعنی قلبی حیات سے محروم ہیں، ثمر آور اور نتیجہ خیز بھی نہیں۔ یا اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور علماء کرام کی محفل میں ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں اور انکا ادب نہیں کرتے۔ العیاذ باللہ۔ یا پھر اس تشبیہ

کا مقصود یہ ہے کہ ان میں نرمی اور انابت وعبادت نہیں۔

۸۸- اور جب انہیں کہا جائے کہ توبہ اور استغفار کرو، تو اپنے سروں کو پھیر لیتے ہیں اور متکبرانہ انداز میں بے رُخی برتتے ہیں۔

۸۹- انکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ یتیموں پر رحم نہیں کرتے، بلکہ منافق تو یتیم بچوں کا حق غصب کر کے انہیں دھکے دیتے ہیں۔

۹۰- مساکین پر نہ تو خود خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، کیونکہ انکے دل انتہائی سخت اور رحم سے عاری ہوتے ہیں۔

۹۱- کسی مسلمان بھائی کو اگر کسی معمولی اور حقیر چیز کی ضرورت ہو، تو وہ بھی اُسے نہیں دیتے، حتی کہ عاریتاً بھی نہیں دیتے۔ ﴿وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ﴾ (الماعون/۴)

(معمولی اور عام برتنے کی چیزوں کا بھی منع کر دیتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سست اور غافل ہوتے ہیں اور اللہ کے بندوں پر سخت اور ظالم ہوتے ہیں، یہ خصائل کس قدر قبیح ہیں، جبکہ انکے مقابلے میں اہل ایمان تو اللہ کی عبادت کے بڑے حریص اور اللہ کے بندوں پر بڑے مہربان اور شفیق ہوتے ہیں۔ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾۔ (البلد/۱۷)

(اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی وصیت کرتے ہیں)

۹۲- انکی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کی تقدیر کے مقابلے میں "لو" (اگر) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ﴿لَوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾۔ (آل عمران/۱۵۶)

(اگر (یہ جہاد میں جانے والے) ہمارے پاس ہوتے (یعنی جہاد نہ کرتے) تو نہ انہیں موت آتی اور نہ ہی قتل کیے جاتے)

جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق کلمہ "لَوْ" شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے۔

۹۳- جب قتال فی سبیل اللہ کا وقت آئے تو قتال نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے مسلمان بھائیوں کا دفاع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہمیں قتال کا طریقہ آتا تو ہم ضرور تمہاری

پیروی کرتے۔

۹۴- اور انکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب انہیں مال وجاہ اور علم سے نوازتا ہے تو یہ لوگ بخل اور حسد کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو چھپاتے ہیں۔

۹۵- یہ لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہی چیز مذکورہ بالا تمام بد خصلتوں کی اساس ہے۔

۹۶- انکی ایک ظاہری صفت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ سے محبت نہیں کرتے، اور نہ ہی انکی طرف توجہ کرتے ہیں، بلکہ حواشی اور عجیب وغریب شروحات انکے لیے زیادہ اہم ہوتی ہیں، اگر آپ ان پر سینکڑوں آیات اور ہزاروں احادیث پڑھ ڈالیں تب بھی کوئی پرواہ نہ کریں گے، اور اگر یہ کہا جائے کہ متاخرین میں سے فلاں کا یہ فتوئی ہے تو فوراً اسے قبول کرلیں گے اور اسکی طرف متوجہ ہوجائیں گے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ علماء ہم سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ ہمیں عملی طور پر اس بات کا تجربہ ہے کہ مقلدین میں عام طور پر یہ بیماری پائی جاتی ہے۔ لہٰذا آپ مذکورہ کلام کو جھٹلانے کے بجائے تجربہ کیجئے! اس طرح آپکا تمام حسنِ ظن جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾۔ (النساء/۶۱)

(اور ان سے جب بھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام اور رسول اللہ (ﷺ) کی طرف آجاؤ، تو آپ دیکھتے ہیں کہ یہ منافقین آپ سے منہ پھیر کر روگردانی کرتے ہیں)

قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ہی دراصل نفاق کو مٹانے کا ذریعہ ہیں۔

(اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَسْاَلُكَ حُبَّ كِتَابِكَ وَسُنَّةِ نَبِيِّكَ وَالْعَمَلَ بِمَا دَعَيَا اِلَيْهِ)

۹۷- جب قتال وجہاد کا وقت آئے تو منافق پیچھے رہتا ہے، اگر اہل ایمان شکست کا شکار ہوں تو اسے خوشی ہوتی ہے اور کہتا ہے: اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں بھی انکے ہمراہ معرکے میں شامل نہ ہوا، اور جب مسلمانوں کو کوئی غنیمت ہاتھ لگے تو کہتا ہے: ہائے کاش کہ میں بھی

انکے ساتھ ہوتا، اور دنیا کو بڑی کامیابی قرار دیتا ہے۔

۹۸- اہل نفاق کا یہ وطیرہ ہے کہ جن اعمال صالحہ کا وقت اور موقع میسر آئے انہیں تو سرانجام نہیں دیتے اور نہ ہی انکی کوئی پرواہ کرتے ہیں اور جس عمل کی استطاعت نہ ہو اسکے متعلق کہتے ہیں کہ یہ عمل کرنا چاہیے مثلاً ایک شخص نہ نماز پڑھتا ہے، نہ زکاۃ ادا کرتا ہے، اور نہ کوئی اور نیک عمل کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ہمیں فلسطین اور فلاں فلاں علاقوں میں جہاد کرنا چاہیے، حالانکہ وہ فی الحال اُس علاقے میں پہنچنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ (النساء/ ۷۷)

(کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا کہ (فی الحال) اپنے ہاتھوں کو (جہاد سے) روکو، اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو......)

۹۹- اللہ سے زیادہ لوگوں کا ڈر، خشیت اور ہیبت انکے دلوں میں بیٹھ چکی ہوتی ہے، اس علامت پر غور کیجئے! کہیں آپ بھی انہی میں سے تو نہیں ہیں؟ کیونکہ آجکل اکثر مسلمان صلیبیوں سے ڈرتے ہیں، اور اللہ سے نہیں ڈرتے کہ اسکی راہ میں جہاد کریں، اور اسکی شریعت کو دنیا میں نافذ کریں۔

۱۰۰- یہ لوگ قتال فی سبیل اللہ سے نفرت کرتے ہیں، حتی کہ یہانتک کہتے ہیں: "رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ" (النساء/ ۷۷)

(اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کو کیوں فرض کیا ہے؟)

گویا یہ لوگ اللہ کے حکم پر اعتراض کرتے ہیں۔

۱۰۱- جب انہیں کوئی بھلائی ملے تو اسکی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کا شکریہ ادا نہیں کرتے کہ جنہوں نے یہ بہترین دین ہم تک پہنچایا ہے، اور اگر کوئی مصیبت آجائے تو اسکی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرتے ہیں کہ معاذ اللہ "آپ نہ ہوتے تو یہ مصائب بھی نازل نہ ہوتے۔

۱۰۲- یہ لوگ تحقیق وتفتیش سے پہلے ہی خفیہ رازوں کو آشکار کرتے اور خبروں کو پھیلاتے ہیں۔" کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع "۔
(اور کسی شخص کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی سنائی بات آگے بیان کرے)

۱۰۳- انکی صفات میں یہ بھی شامل ہے کہ یہ مسلمانوں کو بھی اپنے تمام معاملات میں یہود ونصاریٰ جیسا بنانا چاہتے ہیں، جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض لیڈر اس سلسلے میں کوششیں کررہے ہیں۔ (اللہ انہیں برباد کرے)

۱۰۴- یہ ان مجلسوں میں بیٹھتے ہیں جہاں اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے لیکن انہیں اسکی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، نہ انہیں روکتے ہیں اور نہ اس بری مجلس کو چھوڑتے ہیں۔

۱۰۵- منافقین ہمیشہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔

۱۰۶- اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اہل ایمان کے متعلق کہتے ہیں کہ انہیں انکے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، بھلا انہیں صلیبیوں اور کفار سے مقابلہ کرنے کی کیا طاقت؟

منافقین کے یہ تمام اوصاف کتاب اللہ اور سنت رسول سے ماخوذ ہیں لہٰذا اس میزان پر خود کو اور تمام لوگوں کو تولیں۔

اور یہ تمام علامات یا ان میں بعض علامات لوگوں کی اکثریت میں پائی جاتی ہیں، خصوصاً اُن لوگوں میں جو اپنی نسبت قرآن کیساتھ جوڑتے ہیں اور علم کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

" اکثر منافقي هذه الأمة قرّاؤها "۔ (رواہ احمد باسناد صحیح۔ صحیح الجامع ۱/۱۶۳)
(اس امت کے منافقین کی اکثریت قراء (پڑھے لکھے لوگوں) پر مشتمل ہے)

مجموعی طور پر ان خصائل کی تعداد (۱۵۷) بنتی ہے۔

اگر آپکو نفاق کا خدشہ ہے تو چند امور اختیار کیجئے!

۱- خالص اور سچی توبہ کیجئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی منافقین کو توبہ کی ترغیب دلائی ہے "فان یتوبوا یك خیراً لهم" (پس اگر توبہ کرلیں تو انکے حق میں بہتر ہے)

۲-ان آٹھ امور کو اختیار کریں جنکا تذکرہ فائدہ نمبر (۴۲) ص (۲۳۳) میں ہوا ہے۔

۳-ابوموسی اشعری ﷜ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: مجھے اپنے نفس پر نفاق کا خدشہ ہے۔ تو ابوموسی اشعری ﷜ نے اس سے دریافت کیا: کیا تم نے کبھی ایسی جگہ پر نماز پڑھی ہے جہاں اللہ کے علاوہ تمہیں دیکھنے والا کوئی نہ ہو؟ اُس نے کہا: جی ہاں۔ تو فرمایا: منافق تو ایسی جگہ پر نماز نہیں پڑھتا جہاں اسے اللہ کے علاوہ دیکھنے والا نہ ہو۔ (کتاب الآثار ص (۴۰)

حدیث میں آتا ہے: " من صلى اربعين يوماً في جماعة يدرك التكبيرة الاولىٰ كتب له براء تان، براءة من النار، وبراءة من النفاق" ۔(رواہ الترمذی ۱/۷۷، وابن ماجۃ باسناد حسن)

(جس شخص نے چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کیساتھ باجماعت نماز ادا کی تو اسے دو براءتیں مل جاتی ہیں، ایک تو جہنم کی آگ سے براءت (خلاصی) دوسری نفاق سے)۔
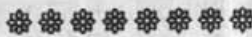
۵۵- فائدہ

عرش کے سائے میں جاگزین ہونے کے اسباب

حشر حق ہے اور قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ضروری۔ جبکہ روزِ قیامت انتہائی بھاری اور بوجھل ہے جسکا بوجھ اللہ کے سوا کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس دن کی گرمی شدید اور انتظار انتہائی طویل ہے، کہ جب سورج ایک میل کے فاصلے پر ہوگا، جسم پسینے سے شرابور ہونگے اور زمین کی حدت اسقدر بڑھ جائیگی کہ کوئی اس پر قدم نہ ٹکا سکے گا، عرش الرحمٰن کے سائے کے علاوہ کوئی جائے فرار یا جائے پناہ نہ ہوگی، اور یہ سایہ صرف اُن لوگوں کو نصیب ہوگا جو اسکے مستحق، یعنی سائے کو واجب کرنے والے اوصاف سے متصف ہونگے۔ ان اوصاف کی تعداد نوے سے زیادہ ہے جو کہ مختلف احادیث میں مذکور ہیں، ذیل میں ہم ان احادیث کو صحت اور ضعف کے بیان کیساتھ جمع کریں گے۔ یہ بحث اس شخص کیلئے مفید ہے جو آخرت کو اس دنیائے فانی پر ترجیح دیتا ہے۔

سات اوصاف بخاری، مسلم کی حدیث میں مذکور ہیں جسکے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظلم الا ظله**" سات قسم کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ مہیا فرمائے گا، اُس دن کہ جب اُسکے سائے کے سوا سایہ نہ ہوگا۔

۱- عدل کرنیوالا حکمران۔

۲- وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ہو۔

۳- وہ آدمی جسکا دل مسجدوں کیساتھ معلق رہے۔

۴- وہ دو شخص جو صرف اللہ کی خاطر آپس میں محبت کریں، اسی کی خاطر اکٹھے ہوں، اور اسی کی خاطر بچھڑیں۔

۵-وہ شخص جسے کوئی اونچے خاندان کی خوبصورت عورت برائی کی دعوت دے اور وہ کہے: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

۶-وہ شخص جو اسقدر چھپا کر صدقہ کرے کہ اسکے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

۷-وہ شخص جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے اور اسکی آنکھیں بہہ پڑیں۔ (مذکورہ حدیث یہاں مکمل ہوتی ہے)

۸-تنگ دست قرض دار کو مہلت دینا۔

۹-تنگ دست کا قرض معاف کر دینا۔

صحیح مسلم میں ابوالیسر ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من انظر معسراً او وضع عنه اظله الله يوم لا ظل الا ظله" (جس نے کسی تنگدست کو مہلت دی یا اُسکا قرض معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس دن اپنا سایہ عطا فرمائے گا، جس دن اسکے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا)

۱۰-غازی کو سایہ مہیا کرنا۔ ابن حبان (۷/۷۰) نے عمر ﷺ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من اظل رأس غاز اظله الله في ظله"۔ (جس نے غازی کے سر پر سایہ کیا، اللہ تعالیٰ اسے اپنا سایہ نصیب کریگا)

(واخرجه ايضاً الضياء فى المختارة و اسناده جيد، واحمد ۵۳/۱)

۱۱-مجاہد کی مدد کرنا۔

سہل بن حنیف ﷺ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجاہد فی سبیل اللہ کی مدد کی۔

۱۲-یا کسی تنگدست قرضدار کی مدد کی۔

۱۳-یا کسی مکاتب غلام کو آزادی کے حصول میں مدد دی، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اُس دن اپنا سایہ دیگا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (اخرجہ الحاکم واحمد ۳/ ۴۸۷، واسنادہ حسن)

۱۴- تجارت میں سچ بولنا۔

سلمان فارسی ﷛ فرماتے ہیں: سچا تاجر بھی قیامت کے دن اُن سات قسم کے لوگوں کیساتھ ہوگا جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا۔

(اخرجه البیهقی فی الاسماء والصفات رقم (۳۷) وسعید بن منصور کما فی فتح الباری ۱۶۹/۲ و(۱۱٤/۲، وهو فی شرح السنة ۱۱۷/۲ - واسناده حسن کما قال الحافظ) (یہ حدیث موقوف ہے لیکن مرفوع کا درجہ رکھتی ہے)

۱۵- مجاہدین کی پشت پناہی کرنا اور (کور فائر کے ذریعے) انکا دفاع کرنا۔

بیہی الہرثمیہ کی کتاب (جزء) میں محمد بن سیرین سے روایت ہے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور ایسا شخص جو کسی لشکر کیساتھ جاتا ہے، پھر انکا دشمن کیساتھ مقابلہ ہوتا ہے، پھر جب مقابلہ ختم ہوتا ہے تو وہ مجاہدین کے آثار، (اور ایک روایت کے مطابق) ادبار کی حفاظت کرتا ہے (یعنی نکلنے کا موقع دیتا ہے) یہانتک کہ سارے بھائی بحفاظت نکل جائیں اور پھر یہ بھی یا تو بچ نکلے یا شہید ہو جائے تو ایسا شخص بھی قیامت کے دن عرش کے سائے تلے ہوگا۔

۱۶- بچپن میں قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کرنا اور بڑی عمر میں اسے پڑھنا اور تلاوت کرنا۔ اس سلسلے میں ابو ہریرہ ﷛ والی مشہور حدیث جس میں سات قسم کے لوگوں کا تذکرہ ہے، اسکی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اُن میں ایک وہ آدمی بھی ہے جو بچپن میں قرآن سیکھے اور بڑھاپے میں اسکی تلاوت کرے۔

(اخرجہ الخطیب ۲۵۳/۹، کمافی الکنز ۱۵ر والحدیث صحیح غریب)

۱۷- نماز کے اوقات کی حفاظت کیلئے سورج کا لحاظ رکھنا۔

۱۸- علم کیساتھ کلام اور بردباری کیساتھ خاموشی اختیار کرنا۔

سلمان ﷛ فرماتے ہیں کہ سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سائے سے نوازے گا جبکہ اسکے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا، پھر ابو ہریرہ ﷛ والی حدیث کے مثل ان

اشخاص کو شمار کیا۔ البتہ اس میں اس شخص کا ذکر بھی کیا جو نماز کے اوقات کی خاطر سورج کا خیال کرتا ہے، اور اس آدمی کا بھی ذکر ہے جو اگر بات کرتا ہے، تو علم کیساتھ اور خاموش رہے تو انتہائی سنجیدگی اور بردباری کے ساتھ خاموش رہتا ہے۔

(اس قول کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کتاب الزہد/۱۸۹) (زہد سلمان) میں نقل کیا ہے اسکی سند جید ہے، اور یہ موقوف روایت بھی مرفوع کے حکم میں ہے)

۱۹۔ تجارت میں حق اور سچ کہنا: ابن عدی نے الکامل (۲۵۶۶/۷) میں انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا نقل کیا ہے کہ چار قسم کے لوگ اس دن اللہ کے سائے میں ہونگے جس دن اسکے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، ایک وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کیلئے ہبہ کر چکا ہے، دوسرا مخفی انداز میں صدقہ کرنے والا، اور تیسرا وہ تاجر جو حق بات کہتا ہے، اور چوتھا عادل حکمران۔

۲۰۔ مسند احمد (۷۳/۱) میں عثمان ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے سائے سے نوازے گا جبکہ اسکے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا، جو تنگدست آدمی کو مہلت دے یا قرضدار کو قرض چھوڑ دے۔ (واسنادہ جید قوی ان شاء اللہ ونحوہ عن ابی قتادہ فی الکامل لابن عدی (۲۲۸۰/۶)

۲۱۔ تجارت میں سچ بولنا۔

اصبہانی نے ترغیب اور دیلمی نے مسند الفردوس میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا۔ یہ روایت کنز العمال (۴/۷) میں بھی آئی ہے لیکن اسکی اسناد صحیح نہیں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے کمافی الضعیفۃ (۳۲۶/۵) اسکی سند میں یحیی بن شبیب راوی ہے لیکن ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: سچ بولنے والا امانت دار مسلمان تاجر قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہوگا۔ (رواہ الحاکم وابن ماجہ وفی اسنادہ ضعف) اور ترمذی نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ: امانت دار سچ، تاجر انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا (واسنادہ حسن لغیرہ اذا جمع بین الحدیثین کما فی غایۃ

السمرام ۱۶۶/، و ۱۶۷) اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ شہداء اور انبیاء عرش کے سائے میں ہونگے پس اس سے حدیث کا معنی ثابت ہوتا ہے والحمد للہ۔

۲۲- بے ہنر آدمی کی مدد کرنا۔

طبرانی اوسط میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُخرق کی مدد کرنیوالے کیلئے بھی یہی بشارت دی ہے۔ اُخرق اُس شخص کو کہتے ہیں جو نہ تو کوئی ہنر جانتا ہو، اور نہ ہی سیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۲۳- سخت سردی میں وضو کرنا۔

۲۴- اندھیروں میں مساجد کی طرف چلنا۔

۲۵- بھوکے کو کھانا کھلانا۔

(رواہ ابو القاسم التیمی فی ترغیبہ عن جابر وھو فی ضعیف الجامع رقم (۲۰۴۸))

۲۶- بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا۔ (رواہ الطبرانی عن جابر ﷺ)

۲۷- تاجروں کا سردار وہ ہے جو اُس تجارت کو لازم پکڑے جسکی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے، اور وہ یہ کہ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے اور جہاد فی سبیل اللہ کا کام کرے۔ وہ شخص جو خرید و فروخت والی تجارت کرتا ہے لیکن کچھ خریدتے ہوئے سامنے والے کی چیز کی مذمت نہیں کرتا، بیچتے ہوئے اپنی چیز کی تعریف نہیں کرتا، سچی بات کہتا ہے، امانت ادا کرتا ہے، اہل ایمان کیلئے سودا مہنگا نہیں کرتا، اگر ایسا ہے تو یہ بھی انہی سات قسم کے لوگوں کی طرح ہے جو قیامت کے دن عرش کے سائے تلے ہونگے۔

(رواہ ابو الشیخ فی کتاب الثواب عن علی مرفوعاً، قال القسطلانی : واسنادہ ضعیف)

۲۸- طبرانی اوسط میں ابو ہریرہ ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہم السلام کی طرف وحی فرمائی: اے میرے خلیل! اپنے اخلاق کو اس حد تک بہتر بنائیں کہ کفار کیساتھ بھی اچھا برتاؤ کریں، ایسا کرنے سے آپ ابرار کے راستے پر چل پڑیں گے، اور اچھے اخلاق والے کیلئے میری یہ بات طے ہو چکی کہ میں اُسے اپنے عرش کے سائے میں جگہ

دونگا، اپنی بزرگی کے تالاب سے اُسے پانی پلاؤنگا، اور اپنے پڑوس میں قرب عطا کرونگا۔

۲۹- یتیم کی کفالت کرنا۔

۳۰- یا بیوہ عورت کی امداد کرنا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط عن جابر مرفوعاً)۔

۳۱- عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ قیامت کے دن اللہ کے سائے کی طرف سبقت کرنے والے کون ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اسکا رسول (ﷺ) بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں حق دیا جائے تو قبول کرتے ہیں۔

۳۲- اور جب حق کا سوال ہو تو دے دیتے ہیں۔

۳۳- اور لوگوں کیلئے بھی اُسی طرح کا فیصلہ کرتے ہیں جیسا کہ اپنے نفسوں کیلئے کریں۔

(رواہ احمد ٦٧/٦) باسناد حسن وفیہ ابن لہیعة)

۳۴- غمگین آدمی بھی ان میں شامل ہے۔

امام حاکم نے مستدرک (۱/۳۷۷) میں اور ابن شاہین نے ترغیب میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قبروں کی زیارت کرو، اس سے تمہیں آخرت یاد آئے گی، مُردوں کو غسل دو کیونکہ مردہ جسم کی اصلاح کرنا بہت زیادہ نصیحت کا باعث ہے، اور نماز جنازہ پڑھا کرو، ممکن ہے کہ یہ بات تمہیں غمگین بنادے، یقیناً غمگین آدمی اللہ کے سائے میں خوب بھلائیاں سمیٹے گا۔

(امام حاکم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، لیکن امام ذہبیؒ فرماتے ہیں: بلکہ یہ روایت منکر ہے، اسکا راوی ابو مسلم خولانی مجہول ہے، منذری نے الترغیب (۴/۳۳۹) میں امام حاکم کی تقلید کرتے ہوئے اسکے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے)

۳۵- ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: "ظل المؤمن یوم القیامة صدقته"۔

(رواہ احمد ۴/۱۴۸- عن مرثد بن عبداللہ عن بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ)

(قیامت کے دن مؤمن کا صدقہ ہی اُسکا سایہ بن جائے گا)

جبکہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

"کل امرئ في ظل صدقته حتی یفصل بین الناس أو قال حتی یحکم بین الناس، وکان ابو الخیر لا یخطئه یوم لا یتصدق فیه بشئ ولو بکعکة ولو بصلة" (اخرجہ الحاکم ۱/۴۱۶) علی شرط مسلم)

(لوگوں کے درمیان فیصلہ ہونے تک ہر شخص اپنے صدقے کے سائے میں ہوگا۔ لہٰذا ابوالخیر کوئی دن ایسا نہ جانے دیتے کہ جس میں کسی چیز کا صدقہ نہ کریں، اگرچہ ایک کیک ہی کیوں نہ ہو، یا کچھ نہ ہو تو صلہ رحمی کی صورت میں صدقہ ضرور کرتے)

۳۶- صحیح مسلم (۱/۲۷۰) اور مشکوۃ (۱/۱۸۴) میں حدیث آتی ہے کہ: سورۃ البقرۃ اور آل عمران کی قراءت کیا کرو، کیونکہ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن سایہ فگن بادلوں یا پروں کو پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو غولوں کی صورت میں آئیں گے اور اپنے پڑھنے والے کے بارے میں جھگڑیں گی۔ الحدیث۔

۳۷- ابن شاہین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ انصاف پسند والی اللہ کا سایہ ہے، تو جو شخص خود اُس والی کی مزید اصلاح کیلئے اُسے نصیحت کرے یا اللہ کے بندوں کے حق میں اسے نصیحت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اُس دن اپنا سایہ نصیب کریگا جبکہ اسکے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۳۸- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنا سایہ نصیب کرے تو اسے چاہیے کہ ایمان والوں پر سختی نہ کرے، بلکہ انکے ساتھ نرم برتاؤ کرے۔

(رواہ ابن لال، وابو الشیخ فی کتاب الثواب)

۳۹- جس عورت کا بچہ گم ہو جائے یا مر جائے، اُس سے تعزیت کرنے والا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ربّ سے عرض کی: جو شخص ثکلی (بچہ گم کر دینے والی عورت) سے تعزیت کرے اسکا کیا بدلہ ہے؟ تو فرمایا: میں اُسے اُس دن اپنا سایہ عطا کرونگا جبکہ میرے سائے

کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(رواہ ابن شاھین والدارقطنی فی الافراد، وابن السنی رقم (۵۸۷) وھو حدیث ضعیف، فیہ ابوعبد الرحیم ۔ انظر ضعیف الجامع رقم (۴۰۷۱))

۴۰۔فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تو اُس دن کس خوش نصیب کو اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا جبکہ تیرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: اے موسیٰ! میں اُن لوگوں کو سایہ مہیا کرونگا جو بیمار کی عیادت کرتے اور جنازے کیساتھ چلتے ہیں۔

(رواہ ابن ابی الدنیا وھو اثر اسرائیلی کما تری ولا حرج فیہ)

۴۱۔علی ﷺ سے مرفوعاً روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کا گروہ اور انکے محبین کو بھی عرش کا سایہ ملے گا۔(اسے ابوسعید السکری نے الفوائد الکنجروذیات؟ میں روایت کیا ہے، اور اسکی سند ضعیف ہے،وذکرہ القسطلانی۔

۴۲۔ ابو الدرداء ﷺ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! تیرے ساتھ قدس کی باڑھ میں کون رہے گا، اور اُس دن تیرا سایہ کون حاصل کر پائے گا جس دن تیرے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا؟ فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آنکھوں سے زنا نہیں کرتے، اپنے مالوں میں سود تلاش نہیں کرتے، اور اپنے فیصلوں پر رشوت نہیں لیتے۔

(رواہ العیشونی فی فوائدہ، وعزاہ الزرقانی الی البیھقی، وابوالدرداء لم یأخذ عن بنی اسرئیل).

۴۳۔وہ شخص جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے۔

۴۵۔اور وہ شخص جو غیر حلال چیز کی طرف ہاتھ بھی نہ بڑھائے۔

۴۶۔اور وہ شخص جو حرام کی طرف نظر بھی نہ اٹھائے۔(رواہ ابوالقاسم فی ترغیبہ عن ابن عمر مرفوعاً،وفیہ عقبۃ وھو متروک کذا فی الاتحاف،وفی القسطلانی (عنبسہ)

۴۷۔وہ آدمی جو ہر صبح کو سورۃ الانعام شروع سے لیکر "وَیَعْلَمُ مَا تَکْسِبُوْنَ" تک

پڑھے۔ (اس روایت کو ابو القاسم نے اپنی ترغیب، اور جزء بن الصقر نے نقل کیا، ابن حجر کے قول کے مطابق اس میں ابراہیم بن اسحاق الصینی متہم ہے)

۴۸-انس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رشتہ داری کو جوڑنے والا شخص۔

۴۹-اور وہ عورت جسکا خاوند چھوٹے چھوٹے یتیم بچے چھوڑ کر مر جائے، اور وہ عورت یہ کہے کہ میں اپنے بچوں کی وجہ سے شادی نہیں کرونگی یہانتک کہ یہ مر جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ انہیں غنی کردے۔

۵۰-اور وہ بندہ جو اچھا خرچ کر کے بہترین کھانا تیار کرے اور پھر یتیموں اور مساکین کو اُس پر بلائے، اور صرف اللہ کی رضا کیلئے انہیں کھانا کھلائے (یعنی یہ تینوں بھی عرش کے سائے میں ہونگے) (رواہ ابو الشیخ والدیلمی فی مسندہ وھو فی الکنز رقم (٤٢٢٤٣) ٨١٦/١٦) وھو فی ضعیف الجامع رقم (٣٤٢٧)۔

۵۱-ایسا شخص جو جہاں بھی ہو لیکن ہمیشہ اس بات کو شعوری طور پر یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ اُسکے ساتھ ہے۔

۵۲-اور ایسا آدمی جو صرف اللہ کی بزرگی کی خاطر لوگوں سے محبت کرے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ مرفوعاً وفی اسنادہ بشر بن نمیر وھو متروک) گذشتہ روایت تو ضعیف ہے لیکن موطأ مالک (۳۴۲/۶ بشرح الاوجز) اور مشکوۃ ۲/ر) میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت آتی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ تبارك وتعالى يقول يوم القيامة اين المتحابون بجلالي؟ اليوم اظلهم في ظلي يوم لا ظل الا ظلي" (بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میرے جلال کیلئے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انہیں اپنا سایہ نصیب کرونگا جبکہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں) (اسکی سند صحیح ہے)

۵۳-ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ مؤذن جب تک اذان سے فارغ

نہیں ہوتا، اُس وقت تک اللہ کی رحمت کے سائے میں رہتا ہے۔

اسے حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں روایت کیا، اور اسکی سند میں میسرہ نامی راوی ہے، جس پر جھوٹ کا الزام ہے، جبکہ خطیب نے ابوسعید خدری سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ بے شک اذان دینے والے بھی اُن لوگوں میں شامل ہیں، جنہیں قیامت کے دن سایہ دیا جائے گا، لیکن اسکی سند بھی بہت زیادہ ضعیف ہے، البتہ اسکی تائید وہ حدیث کرتی جسے ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین اشخاص ایسے ہیں جو قیامت کے دن کستوری کے ٹیلوں پر ہونگے:

۵۴-ایک تو وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔

۵۵-اور دوسرا وہ شخص جو کسی قوم کی امامت کرتا ہے، جبکہ وہ قوم اُس پر راضی ہے، اور تیسرا وہ آدمی جو روزانہ پانچوں نمازوں کیلئے اذان دیتا ہے۔ (اسکی سند میں بھی ابوالیقظان نامی کمزور راوی ہے، اور اس حدیث کو طبرانی نے "الصغیر" اور "الاوسط" میں ایسی سند کیساتھ روایت کیا ہے، جس میں کوئی حرج نہیں، اور اسی طرح "الکبیر" میں بھی اسے روایت کیا ہے، (دیکھئے المرعاۃ ۲/۳۷۳) جبکہ البانیؒ نے ضعیف الجامع (۲۵۷۸) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے)

۵۶۔جس نے میری امت کے کسی پریشان حال شخص کی پریشانی دور کی۔

۵۷-اور میری سنت زندہ کی۔

۵۸-اور مجھ پر کثرت سے درود پڑھا۔ (رواہ الدیلمی عن انس مرفوعاً بلا اسناد)

۵۹-انس ؓ سے مرفوعاً روایت ہے: بے شک مریض عرش کے سائے میں ہوگا، (رواہ ابویعلی رقم (۳٤۱٦) واسنادہ فیہ عباد بن کثیر وھو رجل صالح ولکنہ ضعیف الحدیث لغفلتہ، کما فی المجمع (۲/۲۹۵)

۶۰-دیلمی نے علی ؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: حاملینِ قرآن بھی انبیاء کرام اور اولیاءِ عظام کے ہمراہ اللہ کے سائے میں ہوں گے۔

۶۱-دنیا میں بھوکے رہنے والے۔(رواہ ابن شاھین عن عمر مرفوعاً)

اور دیلمی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: دنیا میں اللہ کے خوف سے بھوکے رہنے والے بھی قیامت کے دن عرش کا سایہ حاصل کریں گے۔

۶۲-روزے دار بھی عرش کے سائے میں ہونگے۔

(ابن ابی الدنیا نے ''الاھوال'' میں مغیث بن سمی تابعی سے اُنہی کا یہ قول نقل کیا ہے) البتہ دیلمی نے ابودرداء ﷺ سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ روزے داروں کیلئے عرش کے نیچے سونے کے دستر خوان بچھائے جائیں گے)

۶۳-ایمان والوں کی اولاد جو بچپن میں فوت ہو جائے۔

دیلمی اور معجم کبیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کا بیٹا فوت ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اُس سے فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تیرا بیٹا و میرے بیٹے ابراہیم کیساتھ عرش کے نیچے کھیلے؟۔

۶۴-حلیہ میں وھب بن منبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی زبان اور دل سے اللہ کو یاد کرتا ہے، وہ عرش کے سائے میں ہوگا۔

۶۵-جو اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرے۔

۶۶-اور چغلی نہ کرے۔

۶۷-اور لوگوں کو جو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے، اُس پر حسد نہ کرے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ اور زرقانی نے ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: جو شخص لوگوں پر حسد نہیں کرتا اور چغلی نہیں کھاتا، وہ عرش کے سائے میں ہوگا۔

۶۸-جن لوگوں کے دل پاک ہیں۔

۶۹-اور جنکے بدن صاف ہوں۔

۷۰- اور وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر ہو، تو اس حوالے سے انکا بھی تذکرہ ہو۔

۷۱- اور جب انہیں یاد کیا جائے تو اللہ بھی یاد آ جائے۔

۷۲- جو اللہ کے ذکر کی طرف اسی طرح پلٹتے ہوں جیسے گدھ اپنے گھونسلوں کی طرف پلٹتے ہیں۔

۷۳- جب اللہ کی حرمتوں کو پامال کیا جائے تو انہیں ایسا غصہ آئے جیسا چیتے کو آتا ہے۔

۷۴- جو اللہ تعالیٰ سے ایسی والہانہ اور مخلصانہ محبت کرتے ہیں جیسی محبت ایک معصوم بچہ لوگوں کیساتھ کرتا ہے۔

(اسے امام احمد رحمہ اللہ نے ''الزہد'' میں عطاء بن یسار سے نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا: تُو کس خوش نصیب کو اپنے عرش کے سائے میں دیگا؟ تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا افراد کا ذکر کیا۔)

۷۵- جو لوگ مسجدوں کو آباد کریں۔

۷۶- اور جو سحری کے وقت استغفار کریں۔

(اسے ابن المبارک نے ''الزھد'' میں موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ہی روایت کیا ہے)

۷۷- جنکے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں یاد کرتا ہوں اور وہ مجھے یاد کرتے ہیں۔

(اسے ابونعیم نے ''حلیہ'' میں ابوادریس خولانی عن موسیٰ علیہ السلام کے طریق سے ذکر کیا ہے)

۷۸- لا الہ الا اللہ کہنے والے، انکے متعلق فرمایا: یہ لوگ میرے عرش کے سائے میں ہونگے، کیونکہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔

۷۹- شہداء احد: جیسا کہ ابوداؤد اور حاکم میں روایت ہے کہ انکی روحیں سبز پرندوں کے پیٹو میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں، جو کہ عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں، تو جب برزخ کا یہ عالم ہے، تو قیامت کے دن کیا مقام ہوگا؟

۸۰- عقبہ بن عبد السلمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس

شخص نے اپنی جان اور مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، یہانتک کہ جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو قتال کرتے ہوئے قتل ہو گیا، تو یہی وہ مخلص شہید ہے جو اللہ کے عرش کے سائے تلے، اللہ کے خصوصی خیمے میں ہوگا"۔ (اخرجہ الدارمی وصححہ ۲/۱۲۶، وابن حبان)

۸۱- حسن بن محمد الخلال نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دُعا فرمائی: "اللهم اغفر للمعلمين وأطل أعمارهم وأظلهم تحت ظل عرشك" (اے اللہ معلمین کو بخش دے، انکی عمریں دراز کردے، اور انہیں اپنے عرش کے سائے تلے جگہ عطا فرما۔)

(اس روایت کو خطیبؒ نے تاریخ بغداد میں ذکر کیا ہے، اسکی سند میں ابوالطیب ہے جو غیر ثقہ ہے، بلکہ ہمارے شیخ تو کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے)

۸۲- ابو نعیم نے حلیہ میں کعب اُحبار سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: جو شخص نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے، اور لوگوں کو میری اطاعت کی طرف بلائے، تو دنیا میں بھی میں اسکے ساتھ ہوں، قبر میں بھی ساتھ رہونگا اور قیامت کے دن اپنا سایہ نصیب کرونگا۔

۸۳- مناقب علی میں احمد کے ہاں مرفوع روایت ہے کہ علی رضی اللہ عنہ لواء الحمد کیساتھ چلیں گے۔

۸۴- اور حسن رضی اللہ عنہ انکے دائیں ہاتھ کی طرف ہونگے۔

۸۵- اور حسین رضی اللہ عنہ اُنکے بائیں ہاتھ کی طرف ہونگے، حتی کہ عرش کے سائے میں نبی کریم ﷺ۔

۸۶- اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اچھلیں کودیں گے۔ (ذکرہ القسطلانی)

۸۷- زرقانی میں ابوموسیٰ اشعریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ میں اور علی رضی اللہ عنہ۔

۸۸- اور فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم قیامت کے دن عرش کے نیچے ایک خیمے میں ہونگے۔

۸۹-طبرانی نے ثقہ رجال کیساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بے شک آپ ﷺ کا بیٹا ابراہیم بھی عرش کے سائے میں ہوگا۔

۹۰-قرآن مجید۔ ۹۱-امانت۔

۹۲-اور رشتہ داری۔ دیلمی اور ابن ابی الدنیا نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ تین چیزیں عرش کے سائے میں ہونگی:

قرآن جو بندوں سے جھگڑے گا، امانت، اور قریبی رشتہ۔

یہ حدیث ضعیف الجامع (۱۳۸۰) رقم (۲۵۷۷) میں ہے، اسکی سند میں ایک راوی حسن بن عبدالرحمٰن مجہول ہے، لیکن رحم (قریبی رشتہ) اور امانت کے الفاظ صحیح ہیں۔ جیسا کہ الضعیفہ (۱۳۳۷) میں مذکور ہے۔

۹۳-حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔ ان میں سے ایک امانت دار تاجر ہے۔

۹۴-اور میانہ روی اختیار کرنیوالا امام۔

۹۵-اور دن کو سورج کا لحاظ رکھنے والا۔ (یعنی اوقات نماز کی حفاظت کرنیوالا)

اخرجه الديلمي عن ابي هريره وهو في ضعيف الجامع رقم (٢٦١٢)

۹۶-ایک حدیث کے مطابق سات لوگوں میں وہ شخص بھی شامل ہے جو اپنی نگاہ کو حرام کردہ چیز دیکھنے سے جھکا لیتا ہے۔

۹۷-اور وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگ کر پہرہ دیتی ہے۔

۹۸-اور وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے آنسو بہائے۔

روه البيهقي في الاسماء والصفات عن ابي هريرة - وهو في الكنز برقم (٦٣٠٦٣) وضعيف الجامع (٣٢٣٨)

عرش کے سائے کی طرف سبقت لے جانے والے بہت ہیں، اور اللہ کا فضل بہت وسیع ہے، یہ چند افراد تھے جنہیں میں نے کچھ تحقیق کیساتھ چند دنوں میں جمع کیا ہے۔ زیادہ تر

استفادہ اس حوالے سے قسطلانی کی شرح البخاری (۳/۳۴، ۲۸) کتاب الزکوۃ، اور شیخ زکریا دیوبندی کی کتاب اوجز المسالک (۶/۲۴۴، ۳۴۶) سے کیا ہے، جبکہ بعض چیزوں کا اضافہ کنز العمال، الجامع الصغیر اور فتح الباری (۲/۱۱۳) سے بھی کیا ہے، اس سلسلے میں ریاض الصالحین کی شرح دلیل الفالحین بھی دیکھئے۔ لیکن ان کتابوں میں ایک جگہ پر اتنی تفصیل نہیں کی گئی جتنی کہ یہاں پر ہم نے کی ہے (والحمد للہ علی توفیقہ)

❁❁❁❁❁❁❁❁
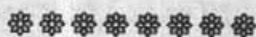
۵۶- فائدہ : - اسباب ثقل المیزان

جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا، وہ مکمل کامیاب ہے، میزان حق ہے، اور اسکے آسمانوں اور زمین کے مثل دو بڑے بڑے پلڑے بھی ہیں۔ جیسا کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز میزان رکھا جائے گا، اور وہ اسقدر بڑا ہوگا کہ اگر اُس میں آسمانوں اور زمین کا وزن کیا جائے تو انہیں بھی سمولے گا، فرشتے سوال کریں گے: اے رب! یہ میزان کس کا وزن کریگا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری مخلوق میں سے جسکے لیے میں چاہوں گا۔ تو فرشتے کہیں گے: تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا، پھر پلِ صراط رکھا جائیگا، جو استرے کی دھار کی طرح ہوگا۔ فرشتے پوچھیں گے: تو اِس پر سے کسے گذارے گا؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنی مخلوق میں سے جسے چاہوں گا۔ فرشتے کہیں گے: تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔

(اخرجه الحاكم ٤/٥٨٦، وهو في الصحيحة ٢/٦٥٦)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میزان ایک ہے، اور اسکا ظاہری معنی لیا جائیگا۔ اسکے دو پلڑے اور کانٹا بھی ہے، لہٰذا ہر مؤمن کو چاہیے کہ اپنے نیکیوں کے پلڑے کو اللہ اور اسکے رسول کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر بھرنے کی کوشش کرے، اور اپنے اعمال، اقوال اور احوال کی اصلاح کرے تا کہ یہ تمام افعال اسکے ترازو کو بھر ڈالیں۔

ترازو میں وزن کے اعتبار سے کئی چیزیں اہم ترین ہیں مندرجہ ذیل میں انکا مختصر بیان کیا جاتا ہے:

۱- توحید و اخلاص

امام ترمذی نے عبداللہ بن عمرو سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کے ایک آدمی کو قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے

لائے گا، پھر اسکے گناہوں کے ننانوے رجسٹر پھیلائے جائیں گے، ہر رجسٹر تاحد نگاہ پھیلا ہوا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اُس آدمی سے فرمائے گا: کیا تم ان گناہوں میں سے کسی گناہ کا انکار کرتے ہو؟ کیا میرے کاتبین نے تم پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، اے میرے رب!۔تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا: نہیں، اے میرے رب!۔تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا: ہاں تمہاری ایک نیکی البتہ موجود ہے اور یقیناً آج تم پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا۔تو اس شخص کیلئے ایک پرچی نکالی جائے گی، جس میں " اشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبده ورسوله" لکھا ہوگا۔پھر اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندے سے فرمائے گا: اپنے وزن پر حاضر ہو جاؤ! (یعنی خود وزن تولے جانے کا مشاہدہ کرلو)

تو وہ کہے گا: بھلا یہ چھوٹی سی پرچی اتنے بڑے بڑے رجسٹروں کا مقابلہ کہاں کر سکتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یقیناً آج تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔پھر وہ ننانوے رجسٹر ایک پلڑے میں، اور وہ پرچی دوسرے پلڑے میں رکھ کر وزن کیا جائیگا، وہ ننانوے رجسٹر اُس پرچی کے مقابلے میں ہلکے ہو جائیں گے، جبکہ وہ پرچی بھاری ہو جائے گی، کیونکہ اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔تو دیکھئے کہ اس شخص کا میزان کلمہ توحید کی بناء پر کیسے بھاری ہو گیا؟ یہ ایسا عظیم کلمہ ہے کہ اسکے مقابلے میں تمام آسمانوں اور زمین کا وزن کیا جائے تو یہ اُن پر بھاری ہو جائے گا۔

۲-ہر عمل میں کتاب وسنت کی پیروی کرنا۔

کیونکہ ہر وہ عمل جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں، اُسکا کوئی وزن اور قدر و قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ" (الاعراف/۳) (اُس چیز کی پیروی کرو، جو تمہارے رب نے تمہاری طرف نازل کی ہے، اور اللہ کو چھوڑ کر من گھڑت سرپرستوں کی اتباع مت کرو)

پھر اسکے بعد اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ﴾ (الاعراف/۷)

(اور اُس دن وزن بھی برحق ہے)

اس آیت میں اشارہ ہے اگر اپنے اعمال میں وزن پیدا کرنا چاہتے ہو تو توحید کو اختیار کرتے ہوئے کتاب وسنت کی پیروی کرو۔

اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے:

" من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد"۔(رواہ مسلم)

(جس نے ہمارے طریقے سے ہٹ کر کوئی عمل کیا، تو وہ مردود ہے)۔

اور آپ علیہ السلام کا ایک اور فرمان ہے:" كم من صائم ليس له من صيامه الا الظمأ و كم من قائم ليس له من قيامه الا السهر" ۔(رواہ الدارمی)

(کتنے ہی ایسے روزے دار ہیں جنہیں اپنے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور کتنے ہی راتوں کو قیام کرنیوالے ہیں جنہیں اپنے قیام سے رت جگے کے علاوہ کچھ نہیں ملتا)۔

ایوب السختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" ما ازداد صاحب بدعة اجتهاداً الا ازداد من الله بعداً"۔(کتاب البدع والنہی عنہا لابن وضاح)

(بدعتی آدمی جسقدر محنت میں بڑھتا ہے، اتنا ہی اللہ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے)

۳-اچھا اخلاق

۴-بیہودہ گوئی اور باطل کلام سے بچنے کیلئے طویل خاموشی اختیار کرنا

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" يا اباذر ! الا ادلك على خصلتين هما أخف على الظهر وأثقل في الميزان ؟ قال : قلت : بلى، قال : طول الصمت وحسن الخلق، والذى نفسى بيده ما عمل الخلائق بمثلهما "(اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان واسنادہ صحیح)

(اے ابوذر! میں تجھے دو ایسی خصلتیں نہ بتلاؤ جو پیٹھ پر بہت ہلکی (یعنی انہیں کرنا بہت آسان) اور میزان میں بہت بھاری ہیں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں۔تو فرمایا: طویل خاموشی اور اچھا اخلاق۔اُس ذات کی قسم کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،

ان دو اعمال جیسا کوئی عمل مخلوق نے نہیں کیا)۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے: " اثقل شیئ فی میزان المؤمن الخلق الحسن"۔(الصحیحہ رقم (۸۷۶)

۵-سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم" کا ورد کرنا

امام بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:" کلمتان خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان في المیزان، حبیبتان الی الرحمن، سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم" (دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے، میزان میں بہت بھاری، اور رحمان کو بہت محبوب ہیں، اور وہ ہیں: "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم") لہٰذا کثرت کیساتھ ان دو کلموں کا ورد کرنا چاہیے۔

۶-تندرست بچے کا مر جانا اور پھر اس پر صبر کرنا، اور اجر کی امید رکھنا۔

۷- سبحان اللہ

۸-الحمد للہ

۹-لا الہ الا اللہ۔

۱۰- اللہ اکبر.

مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو سلمٰی سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے پانچ کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: واہ کیا خوب ہے! میزان میں یہ پانچ چیزیں کتنی وزنی ہیں؟ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، اور کسی مسلمان کا تندرست بچہ فوت ہو جائے اور وہ اس پر اجر کی امید رکھے۔(الصحیحہ: ۱۲۰۴)

۱۱- ابومالك اشعری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" التسبیح نصف المیزان، والحمد للہ تملاہ

(اخرجہ مسلم وھو فی المشکوۃ ۳۸/۱)

(تسبیح (سبحان اللہ وغیرہ) نصف میزان کو بھر دیتی ہے، جبکہ "الحمد للہ" کہنے سے پورا

ترازو بھر جاتا ہے)

۱۲- فراء البغوی کی تفسیر معالم التنزیل میں مذکور ہے کہ ابوبکر صدیق ﷛ نے عمر ﷛ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جن لوگوں کی نیکیوں کا میزان بھاری ہوگا تو انکی وجہ حق کی پیروی ہوگی، کیونکہ میزان کیلئے یہ لائق ہے کہ جب اس میں حق رکھا جائے کہ وہ بھاری ہو جائے، اور جنکا نیکیوں والا میزان ہلکا ہوگیا انکی وجہ باطل کی پیروی ہوگی، کیونکہ میزان کیلئے یہ لائق ہے کہ جب اس میں باطل رکھا جائے کہ وہ ہلکا ہو جائے۔

(معالم التنزیل ۲/۱۴۹) سورۃ الاعراف۔

۱۳- معاذ ﷛ سے ایک طویل حدیث منقول ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

والذي نفس محمد بيده ما شحب وجه ولا اغبرت قدم في عمل تبتغى فيه درجات الجنة بعد الصلاة المفروضة كجهاد في سبيل الله، ولا ثقل ميزان عبد كدابة تنفق له في سبيل الله أو يحمل عليها في سبيل الله"۔ (مسند احمد ۵/۱۴۶، وفیہ شہر)

اُس ذات کی قسم، جسکے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، فرض نماز کے بعد درجاتِ جنت کے حصول کیلئے جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں کہ جسکے لیے چہرے کو متغیر اور قدموں کو خاک آلود کیا جائے، اور جہاد فی سبیل اللہ میں کسی سواری کو خرچ کرنے یا مجاہد کو اُس پر سوار کروانے سے بڑھ کر کسی بندے کے میزان میں کوئی چیز بھاری نہیں)۔

۱۴- طہارت اور پاکیزگی

بنوسلیم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انکے ہاتھ پر، یا ایک سلمی شخص کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: "سبحان الله"۔ نصف ترازو کو بھر دیتا ہے، "الحمد لله" مکمل ترازو کو بھرنے والا ہے، "الله اكبر"۔ آسمان وزمین کے تمام خلاء کو بھر دیتا ہے، اور طہارت بھی نصف میزان کو بھر دیتی ہے، جبکہ روزہ نصف صبر ہے۔ (اخرجہ احمد ۵/۳۷۰)

اس حدیث کو امام ترمذی نے: الطھور نصف الایمان (طہارت نصف ایمان ہے) کے الفاظ کیساتھ، جبکہ امام مسلم نے (الطھور شطر الایمان) کے الفاظ کیساتھ روایت کیا ہے۔ دیکھئے (مشکوۃ ۱/۳۸، ۳۹) واللہ اعلم۔

۱۵- جہاد فی سبیل اللہ کیلئے گھوڑا پالنا۔ اس گھوڑے کا کھانا، پینا، حتی کہ پیشاب اور لید جیسی چیزیں بھی قیامت کے دن مؤمن کے میزانِ حسنات میں ہوں گی جیسا کہ بخاری میں اسکی صراحت آتی ہے۔

۱۶- ایسا قرضدار جو ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہے

عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قرضدار کو بلا کر اپنے سامنے کھڑا کریگا، اور کہے گا: اے میرے بندے! تو نے لوگوں کا مال کہاں کیا؟ تو وہ کہے گا: اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میں نے جان بوجھ کر اُس مال کو تلف نہیں کیا، بلکہ وہ ڈوب گیا، یا جل گیا، یا چوری ہو گیا، یا کسی کو بطورِ امانت دے دیا اور پھر واپس نہ ملا۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی چیز منگوا کر اسکے میزان میں رکھ دے گا، اور اسکا میزانِ حسنات بھاری ہو جائے گا۔ جبکہ ایک روایت کے لفظ کچھ یوں ہیں: میرے بندے نے سچ کہا، میں اس بات کا زیادہ حقدار ہوں کہ آج تیرا قرض ادا کروں، اور پھر اللہ تعالیٰ کچھ منگوا کر اُسکے میزانِ حسنات میں رکھے گا...... اور پھر وہ بندہ اللہ کے فضل وکرم اور رحمت سے جنت میں داخل ہو جائے گا۔

۱۷- فرض نمازوں کے بعد تسبیحات پڑھنا

ترمذی اور ابوداؤد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان بندہ انہیں بجالائے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے، سن لو! سہولت کے اعتبار سے یہ دونوں عمل انتہائی آسان ہیں، لیکن ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ "سبحان اللہ" دس مرتبہ"

الحمد لله ''دس مرتبہ اللہ اکبر'' کہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے ہاتھ سے شمار کرتے ہوئے فرمایا: یہ پڑھنے کے اعتبار سے تو ڈیڑھ سو ہیں، لیکن میزان میں انکی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگی، اور دوسرا عمل یہ کہ جب رات کو بستر پر لیٹے تو (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، (۳۳) مرتبہ ''الحمد للہ'' اور (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر'' کہے، اس طرح زبان پر تو انکی تعداد ایک سو ہوگی، لیکن میزان میں ایک ہزار۔ تو تم میں سے ایسا کون ہوگا جو دن اور رات میں اڑھائی ہزار گناہ کرے۔ (یعنی اڑھائی ہزار نیکیاں اسطرح دن اور رات میں حاصل ہوئیں تو یقیناً گناہ تو کم ہی ہونگے اور نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا)

صحابہ نے عرض کی: ایسا کرنا ہمارے لیے ناممکن تو نہیں، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شیطان تمہارے پاس نماز میں آ کر کہتا ہے: فلاں بات کو یاد کر، فلاں بات کو یاد کر، یہاںتک کہ جب وہ نماز سے پلٹتا ہے تو ممکن ہے کہ وہ یہ تسبیحات نہ کر سکے، اور اسی طرح جب وہ اپنے بستر پر لیٹتا ہے تو تب بھی شیطان اسکے پاس آ کر اُسے مسلسل سُلانے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ ذکر کئے بغیر ہی سو جاتا ہے۔ اسکی سند صحیح ہے، اس ذکر پر دوام کیجیے، ممکن ہے کہ آپ نجات پا جائیں۔

۱۸- ہر عمل صالح:

جسے کوئی بندہ اسکی پوری شرائط کے ساتھ ادا کرتا ہے، ان شرائط کی تفصیل فائدہ نمبر (۳) میں دیکھیے۔ تو ہر وہ عمل جو اپنی شرائط کیساتھ کیا جائے وہ میزان میں بھاری ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، اگر چہ وہ عمل رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو، اللہ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال/۷) جو شخص ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے، اسکا بدلہ دیکھ لے گا، اور جو شخص ایک ذرہ برابر بھی بُرا عمل کرے، اسکا بدلہ بھی دیکھ لے گا۔

اور حدیث میں آتا ہے: " فلا تحقرن من المعروف شیئاً ولو أن تلقی أخاك بوجہٍ طلیقٍ " (کسی نیکی کو حقیر مت جانو، اگرچہ اپنے بھائی کیساتھ کشادہ چہرے کیساتھ ملاقات ہی کیوں نہ ہو)

بعض اوقات صرف ایک نیکی ہی نیکیوں والے پلڑے کے جھکاؤ کا باعث بن جاتی ہے، اور ممکن ہے کہ قیامت کے دن بندہ صرف ایک نیکی کا محتاج ہو، لیکن اُسے ایک نیکی نہ مل سکے اور اس وجہ سے اُسے جنت میں داخلے سے روک دیا جائے۔

لہٰذا اس ہولناک دن کی فکر کیجئے، یہ انتہائی لمبا دن ہوگا، اسکے لیے خوب محنت اور تیاری کیجئے، اور خوب اہتمام کیساتھ اسکے لیے نیکیاں سمیٹ لیجئے، یقیناً وزنِ اعمال کا معاملہ انتہائی خطرناک ہے، یا تو اسکی بناء پر انسان جنت میں پہنچ جائیگا جو خوشیوں کا گھر ہے، یا پھر اسکا ٹھکانہ جہنم کی آگ بنے گی جو بُرے لوگوں کا گھر ہے۔

اللهم احفظنا وجميع عبادك المؤمنين

❁❁❁❁❁❁❁❁
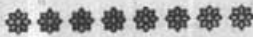
نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنیوالی چیزیں، خشوع کا طریقہ اور اس بارے میں صالحین کے قصے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على محمد وآله وصحبه أجمعين، اما بعد

یہ ایک اہم ترین مسئلہ ہے، کیونکہ خشوع ہی نماز کی روح، چہرے کا نور اور دل کا سرور ہے، یہی پہلا علم ہے جو اس امت سے قبض کیا جائے گا، جیسا کہ صحیح میں آتا ہے:" اول ما یرفع الخشوع" (سب سے پہلی چیز جو اٹھائی جائیگی، وہ خشوع ہے) صحیح الجامع (۲۵۶۹)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر آپ چاہیں تو میں آپکو اُس علم کے بارے میں بتلاؤں جو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا؟ وہ خشوع ہے، قریب ہے کہ تم کسی جامع مسجد میں داخل ہو، اور اس میں تمہیں ایک بھی خشوع والا آدمی نہ ملے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ نماز کے تمام ارکان میں خشوع واجب ہے، اور سنن میں ایک صحیح حدیث ہے کہ بعض نماز پڑھنے والوں کو فقط اسکا دسواں حصہ، یا نواں، یا آٹھواں، یا ساتواں، یا چھٹا، یا پانچواں، یا چوتھا، یا تیسرا، یا نصف حصہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی خشوع وغیرہ کی کمی یا زیادتی کے اعتبار سے اجر میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے:" ما من مسلم تحضره صلاة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها، وركوعها، الا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة وذلك الدهر كله"۔ (رواہ مسلم وہو فی المشکوۃ ۱/۳۸)

(جس مسلمان پر بھی فرض نماز کا وقت حاضر ہو جائے، اور وہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اس نماز کو خشوع اور اچھے رکوع کیساتھ بہترین انداز میں بجالائے، تو وہ نماز گذشتہ تمام

گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، جب تک کہ اُس نے کبیرہ گناہ نہ کئے ہوں، اور یہ ہمیشہ ہوتا ہے)(مسلم)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: من توضأ نحو وضوئي هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث نفسه فيهما بشيء غفر له ما تقدم من ذنبه"(متفق علیہ، مشکوۃ ۳۹/۱)

(جس شخص نے میرے اس وضو کے مثل وضو کیا، پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان میں اپنے نفس سے کوئی بات نہ کی، (یعنی اپنا دھیان مکمل طور پر اللہ کی طرف رکھا) تو اُسکے گذشتہ تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے)(متفق علیہ)

ایک اور حدیث میں کچھ یوں ہے: جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرے، اور پھر کھڑا ہو کر دو رکعتیں اس طرح ادا کرے کہ اپنے دل اور جسم کو نماز کی طرف ہی متوجہ رکھے، تو اسکے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔(مسلم)

خشوع کے حوالے سے بہت سی احادیث آتی ہیں، بلکہ قرآن مجید میں بھی جا بجا خشوع کا تذکرہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ، الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾۔(المؤمنون/۱-۲)

(تحقیق مؤمنین کامیاب ہو گئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں)

اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ ﴾۔(البقرۃ/۴۵)

(بے شک یہ (نماز) خاشعین کے علاوہ تمام لوگوں پر بہت شاق گذرتی ہے)

خشوع تو نماز اور غیر نماز میں اہل ایمان کی صفت ہے۔ فرمایا:

﴿ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ ﴾۔(الاحزاب/۳۵)

(اور خشوع کرنے والے، اور خشوع کرنے والیاں)

"خاشع" ڈرنے والے کو کہتے ہیں، جو اپنے معاملات میں توقف اختیار کرتا ہے، اور سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھاتا ہے کہ کہیں گناہ میں واقع نہ ہو جائے۔

(دیکھئے! تفسیر الخازن، سورۃ الانبیاء)

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو خشوع کیساتھ موصوف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ (الانبیاء/۹۰)

(وہ ہمیں رغبت اور خوف کیساتھ پکارتے تھے، اور وہ ہمارے لیے خشوع اختیار کرنے والے تھے)

اسی طرح اہل کتاب میں سے صالحین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ﴾ الآیۃ۔ (آل عمران/۱۹۹)

(اور یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اُس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور جو اُن پر اُتارا گیا، اس پر بھی اللہ سے ڈرتے ہیں) الآیۃ۔

اور نماز میں خشوع کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے لباس یا جسم کیساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرے، اپنی نگاہ آسمان کی طرف نہ اُٹھائے، دائیں بائیں کھڑے ہوئے لوگوں کو نہ پہچانے، کیونکہ یہ نماز عظمت کا مقام اور اللہ کیساتھ کلام ہے، اور یہ کہ سکون کیساتھ سر جھکا کر کھڑا ہو اور سجدے والی جگہ پر نظر رکھے، اللہ کی معرفت رکھنے والے علماء کا اتفاق ہے کہ خشوع کا مقام دل ہے، اور اسکا معنیٰ ڈر، ہیبت اور معبود کے سامنے ذلت وانکساری کا اظہار کرنا ہے، اور یہ کہ معبود کی تعظیم کے علاوہ کوئی چیز بھی اسکے دل ودماغ میں نہ آئے۔

خشوع پیدا کرنے کے بہت سے **اسباب** ہیں، جن میں سے چند اسباب درج ذیل ہیں:

۱- خشوع کا تقاضا کرنے والی قوت، اور وہ ہے اللہ عز وجل کا خوف، کیونکہ جب دل خوف سے آباد ہو جائے تو خشوع خود بخود پیدا ہو جاتا ہے، اور صرف یہی سبب کافی ہو جاتا ہے، سلف صالحین میں سے کوئی جب نماز کیلئے کھڑا ہوتا تو اُس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔

۲- جو چیزیں خشوع سے مانع ہیں، انہیں کمزور یا ناپید کرنا۔ مثلاً بھوک، پیاس، پیشاب پاخانہ وغیرہ۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " اذا حضر العشاء واقیمت الصلاۃ فابدأوا بالعشاء" (جب رات کا کھانا حاضر

ہو جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ)

اور فرمایا: "ولا هو يدافعه الأخبثان"۔ (اخرجہ الشیخان)

(جب پیشاب، پاخانہ زور لگا رہے ہوں، اُس وقت بھی نماز نہیں ہوتی)

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ بالکل فارغ البال ہو کر نماز شروع کرے۔

۳- قرآنِ مجید کو بلند آواز سے پڑھے، یا کم از کم اتنا تو ہو کہ اپنے آپ کو سنا سکے، کیونکہ دل اس سے بہت متاثر ہوتا ہے، جبکہ اُس شخص کی تو نماز ہی درست نہیں جو اپنے ہونٹوں کو بھی حرکت نہیں دیتا۔

(جیسا کہ الدین الخالص ۴/۴۸- میں ہے)

۴- اس بات پر تدبر کرے کہ وہ اپنی زبان سے کیا پڑھ رہا ہے، اور کہاں پہنچا ہے، ثناء پڑھ رہا ہے یا فاتحہ، یا کچھ اور؟

۵- قراءت، اذکار اور تسبیحات کے معانی کو جانتا ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ليس لك من صلاتك الا ما عقلت" (تمہارے لیے تمہاری نماز کا وہی حصہ ہے جو تم سمجھ کر پڑھو) (بخاری)

اور عربی زبان سیکھے بغیر نماز کو سمجھنا ممکن نہیں، خصوصاً نماز کے الفاظ کا ترجمہ اور مفہوم تو کم از کم معلوم ہونا چاہیے۔

۶- وہ آیات واحادیث پڑھے جو خشوع اور تضرع پر ابھارتی ہیں، یہ چیز بھی بہت مفید ہے۔

۷- یہ بات بھی اُس کے ذہن میں ہو کہ یہ نماز جسکے لیے میں اتنی محنت اور مشقت برداشت کررہا ہوں، اسکا ثواب تو خشوع کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوگا۔

۸- یہ قوی ترین سبب ہے، وہ یہ کہ تکلف اور مجاہدے کیساتھ خشوع پیدا کرے، پہلے تو یہ بہت مشکل ہوگا لیکن پھر اللہ کے حکم سے نمازی کی ہیئت ہی یہی بن جائے گی، انسان کو چاہیے کہ اسکا تجربہ کرے، جب انسان نماز شروع کردے تو پھر دنیاوی افکار اُمڈ آتے ہیں، اس موقع پر ان افکار سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، لہٰذا اسکے لیے محنت اور مجاہدے کی

ضرورت ہے۔

۹- انسان یہ تصور کرے کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: "صل صلاۃ مُوَدِّعٍ" ۔ (الوداع کہنے والے کی طرح نماز پڑھو) جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلَّذِیۡنَ یَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ وَاَنَّهُمۡ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴾ (البقرة/٤٦) (وہ لوگ جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں، اور یقیناً وہ اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

یہ سوچ بھی خشوع پیدا کرنے کیلئے انتہائی مؤثر ہے۔

۱۰- ارکانِ نماز میں جو ادعیہ اور اذکار ثابت ہیں، انہیں بدل بدل کر پڑھے، اس طرح بھی نماز پر دھیان رہتا ہے اور خشوع پیدا ہوتا ہے، جبکہ ایک ہی ذکر پر دوام اختیار کرنے سے دل سخت ہو جاتا اور فقط عادتاً زبان سے مخصوص اذکار جاری رہتے ہیں، لیکن تاثیر مفقود ہو جاتی ہے۔

۱۱- عبودیت کے آداب بجالائے، اُن آداب کا بھی خیال کرے جو رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ سے ثابت ہیں مثلاً تعدیلِ ارکان، طوالتِ نماز، طویل سجدے اور حیوانات کی مشابہت سے پرہیز وغیرہ۔

۱۲- خشوع پیدا کرنے والی چیزوں میں یہ بھی ہے کہ نماز میں طویل قیام اور طویل قراءت کرے، کیونکہ مختصر نماز میں کم ہی خشوع پیدا ہوتا ہے، تجربہ بھی اس بات کا شاہد ہے۔

۱۳- ایسی آیات، اذکار اور ادعیہ تکرار کے ساتھ پڑھے جو خوف دلانے والی، یا امید پیدا کرنے والی ہوں، جیسا کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام بعض اوقات پوری پوری رات ایک ہی آیت پڑھتے: ﴿ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ﴾ ۔ (المائدة/١١٨)

(اے اللہ) اگر تو انہیں عذاب دے، تو یقیناً یہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں بخش دے، تو یقیناً تو غالب حکمت والا ہے)

استاد احمد فرید نے ''تعظیم قدر الصلاة وطریق الخشوع فیھا'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا ہے، فائدے کے پیشِ نظر ہم اس رسالے کی آخری دو فصلیں یہاں نقل کرتے ہیں۔

فصل

نماز میں حضورِ قلب، خشوع اور رب تعالیٰ کی عظمت کا احساس پیدا کرنے کے بارے میں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: '' وَاَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِکْرِيْ (طٰہٰ/۱۴)

(اور مجھے یاد کرنے کیلئے نماز قائم کرو)

اُمر کا ظاہر وجوب ہوتا ہے، جبکہ غفلت ذکر (یادِ الٰہی) کی ضد ہے، جب کوئی بندہ اول سے آخر تک تمام نماز میں غافل رہا تو وہ اللہ کی یاد کیلئے نماز کی اقامت کرنے والا کیسے بن سکتا ہے؟۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: '' وَلَا تَکُنْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ ''۔ (الاعراف/۲۰۵)

(اور اہل غفلت میں سے مت ہونا)

یہ نہی ہے، جبکہ نہی کا ظاہر معنی تحریم ہی ہوتا ہے۔

اسی طرح فرمایا: '' لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ'' (النساء/۴۳)

(جب تم نشے کی حالت میں ہو، تو نماز کے قریب بھی مت جاؤ، جب تک کہ اپنی بات کو سمجھنے نہ لگو)

نشے میں مدہوش شخص کو نماز سے روکنے کی تعلیل یہی بیان کی گئی ہے کہ اُسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی زبان پر کیا جاری ہو رہا ہے، تو اسکے قریب قریب وہ شخص بھی ہے جو نماز میں اللہ کی یاد سے بالکل غافل اور دنیاوی مسائل اور وسوسوں میں مگن ہو، یہاں تک کہ اُسے یہ بھی پتہ نہ چلے کہ اُس نے کیا پڑھا اور کتنی رکعتیں ادا کیں؟۔

اور فرمایا: '' قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، الَّذِیْنَ ھُمْ فِيْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ''۔

(المومنون ۱/۱-۲)

(تحقیق مومنین کامیاب ہو گئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں)

اور فرمایا: " وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ " (البقرة / ۲۳۸)

(اور اللہ کیلئے خشوع و خضوع کیساتھ کھڑے ہو)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: جس مسلمان پر بھی فرض نماز کا وقت حاضر ہو جائے، اور وہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اس نماز کو بہترین خشوع اور رکوع کیساتھ بجالائے، تو وہ نماز گذشتہ تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، جب تک کہ اُس نے کبیرہ گناہ نہ کیے ہوں، اور یہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ (بخاری ۱/۲۲۸، الوضوء مسلم ۳/۱۱۲) الطہارۃ، مالک فی الموطا ۱/۳۰ الطہارۃ نسائی ۱/۹۱ الطہارۃ بمعناہ)

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: جو شخص دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں کوئی غفلت نہ کرے تو اسکے گذشتہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں)

اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، اور اسکا رب اُسکے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔

(بخاری ۱/۴۲۵، المساجد، مسلم ۵/۴۰ المساجد نسائی ۱/۹۱ الطهارة بمعناه)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے، نماز کی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو کسی حکمران کے پاس کسی ضرورت کیلئے جائے اور اسکی خوشنودی کیلئے اُسے کوئی تحفہ پیش کرے، اسی طرح جب کوئی آدمی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو وہ بہت عظیم مقام پر کھڑا ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور مناجات کا مقام ہے، اس مقام پر بندہ اپنی عبودیت اور دُعاؤں کے ذریعے اپنے رب کو راضی کرتا ہے، رحمٰن کے سامنے کھڑا ہوتا ہے جو اسکی بات کو سُن رہا ہے، عمل کو دیکھ رہا ہے، دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے آگاہ ہے، لہٰذا بندے کو چاہیے کہ اپنے جسم اور دل کیساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو،

اپنی نگاہ میں اللہ کا تصور پیدا کرے اور نگاہوں کو جھکا کر رکھے، اس طرح سہو کم ہوگا، اور دائیں بائیں التفات نہ کرے، ہاتھ، پاؤں یا دیگر اعضاء کے ذریعے کسی چیز سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے، اور اسی انداز میں اپنی نماز کو مکمل کرے، تو ایسا کرنے والے کو خوش ہو جانا چاہیے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو، تو بالکل اسی طرح خشوع وخضوع کیساتھ کھڑے ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، غفلت اور اِدھر اُدھر دیکھنے سے بچو، کہ اللہ آپکی طرف دیکھ رہا ہو اور آپ غیر کی طرف! آپ اللہ سے جنت کا سوال اور جہنم سے پناہ مانگ رہے ہوں جبکہ آپکا دل بالکل غافل ہو، اور آپکو پتہ بھی نہ چلے کہ زبان نے کیا کہا۔

ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف صالحین اس بات کو پسند کرتے تھے کہ آدمی نماز میں اپنی نظر سجدے والی جگہ پر رکھے۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا: خشوع کے حوالے سے علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ نماز کے فرائض میں سے ہے یا نماز کے مکملات (آداب وغیرہ) میں سے ہے؟ یہ دو قول ہوئے، جبکہ صحیح پہلا قول ہے، اور خشوع کا محل دل ہے، اور یہ وہ پہلا علم ہے جو لوگوں سے اُٹھالیا جائے گا۔ (الجامع لاحکام القرآن ۵/۴۳۹۶)

ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جان لیجئے کہ بے شک نماز کے کچھ ارکان ہیں کچھ واجبات اور کچھ سنتیں۔ جبکہ نماز کی روح نیت، اخلاص، خشوع اور حضورِ قلب ہے، یقیناً نماز کے کچھ اذکار، مناجات اور افعال پر مشتمل، اور دل حاضر نہ ہو تو ان اذکار اور مناجات کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ دل جب زبان کا ساتھ نہ دے تو کلام ہذیان گوئی بن جاتا ہے، اس طرح افعال کا مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اگر قیام سے مراد خدمت، اور رکوع وسجود سے مراد انکساری وتعظیم ہے جبکہ دل ہر قسم کے جذبے سے خالی ہے تو گویا وہ عمل بھی لاحاصل ہے، جو صورتاً تو موجود ہے لیکن حقیقتاً موجود نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ "۔(الحج/۳۷)

(اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے، نہ انکے خون، بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیز گاری پہنچتی ہے)

مقصود یہ کہ اللہ تک پہنچنے والی چیز تو دل کا جذبہ ہے، جو عمل کا اصل محرک ہوتا ہے، لہٰذا نماز میں حضورِ قلب ضروری ہے، لیکن شارع نے اچانک در آنے والی غفلت کے بارے میں مسامحت سے کام لیا ہے، اگر آغاز میں دل کو حاضر کیا جائے تو اسکا حکم باقی نماز کو بھی شامل ہوجاتا ہے۔ (مختصر منهاج القاصدين ۲۹/) دار الامام۔

لہٰذا بندے کو نماز کے ہر رکن میں دل کو حاضر کرنا، اور اس میں کی جانے والی قراءت، تسبیح، اور تکبیر وغیرہ کے معانی پر تدبر کرنا چاہیے، تاکہ اسکی نماز روح سے خالی مردہ لاش نہ بنے، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نماز کی زندگی دل کی زندگی اور ذہن کی پاکیزگی کے تابع ہے، اور اسکا حصول اسی طرح ممکن ہے کہ اُن شواغل اور وسوسوں کی جڑ کاٹ دی جائے جو انسان کو اپنی طرف کھینچتے اور توجہ ہٹانے کا باعث ہیں۔ اگر ان رکاوٹوں کا تعلق خارجی اور ظاہری حالت سے ہے، مثلاً سمع وبصر پر اثر انداز ہونے والی چیزیں ہیں تو انسان کو چاہیے کہ ایسی جگہ پر نماز پڑھے جہاں گانے، موسیقی، کھیل کود اور شور شرابا نہ ہو، اسی طرح اُس جگہ پر نماز پڑھنے سے بھی احتراز کرے جہاں قالینوں اور دیواروں وغیرہ پر رنگ برنگے ڈیزائن اور نقوش بنے ہوں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ نقوش والی چادر میں نماز پڑھی تو پھر اُسے اتار دیا اور کہا کہ اس نے ابھی مجھے میری نماز سے غافل کر دیا تھا، لہٰذا پڑھنے والا اپنے اردگرد کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے کہ جو اسکے حواس کی مشغولیت کا باعث ہو، اور اپنی نگاہ سجدے والی جگہ پر رکھے، تاکہ اسکی توجہ نہ بٹے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ چیزوں کا اہتمام اتنا مشکل نہیں، البتہ باطنی رکاوٹوں کا علاج ایسی چیز ہے جس نے پہلوں اور پچھلوں کو تھکا دیا ہے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔

باطن کی فراغت کے اسباب یہ ہیں کہ بندہ اپنے مشاغل مکمل کرنے کے بعد نماز شروع کرے، مثلاً کھانا تیار ہے تو پہلے کھانا کھا لے، باتھ روم جانے کی حاجت ہے تو پہلے فارغ ہو جائے، اور اگر اسکا دل دنیا کی محبت میں سرشار اور شہوات میں مگن رہتا ہے تو دنیا کی محبت کو اپنے دل سے کاٹ پھینکے، اور اپنے دل کو اللہ کی محبت سے بھر لے، اور اپنی تمام فکر آخرت کی طرف مبذول کر دے، بے شک قیمتی چیز کی محبت انسان کے دل سے حقیر چیز کی محبت کو مٹا دیتی ہے۔

موفق ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی بیماری جڑ پکڑ لے تو پھر تیز اور قوی دوا ہی اثر کرتی ہے، اسی طرح جب نمازی کے دل میں قوی مرض ہو تو پوری نماز میں کشمکش جاری رہتی ہے، یہاںتک کہ اسی ادھیڑ بن میں نماز مکمل ہو جاتی ہے۔

اسکی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو کسی درخت کے نیچے بیٹھا ہے اور مکمل توجہ کیساتھ کسی معاملے پر غور کرنا چاہتا ہے، لیکن درخت پر بیٹھی چڑیوں اور پرندوں کی چہچہاہٹ اُسے تشویش میں مبتلا کر رہی ہے، اس شخص کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہے جسکے ذریعے وہ پرندوں کو بھگاتا ہے، اور پھر اپنی سوچ میں مگن ہوتا ہی ہے کہ پھر پرندے آ بیٹھتے ہیں اور وہی معاملہ شروع ہو جاتا ہے، تو ایسے شخص کو کہا جائیگا کہ یہ چیز تو ختم نہیں ہوگی، اگر ان چڑیوں سے جان چھڑانی ہے تو درخت کو کاٹ ڈالو۔ اسی طرح شہوت کا درخت جب بلند ہو جائے اور اسکی شاخیں پھیل جائیں تو پھر اسکی ٹہنیوں پر الٹے سیدھے افکار اُمڈ آتے ہیں، جیسے چڑیاں درختوں کی طرف، اور مکھیاں گندگی کی طرف کھنچی چلی آتی ہیں، اور یہ عمرِ عزیز انہی افکار کو دفع کرنے میں گذر جاتی ہے جو جان چھوڑتے ہی نہیں، اور یہ شہوت جو ان افکار کی موجب ہے، اسکا بنیادی سبب دنیا کی محبت ہے۔

عامر بن قیس رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نماز میں آپکو دنیاوی امور کا خیال آتا ہے؟ تو فرمایا: مجھے نماز میں دنیا کے متعلق سوچنے سے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ مجھے دانتوں سے پکڑ کر جھنجوڑا جائے۔

اور یہ بھی جان لیجئے کہ دنیا کی محبت کو کلی طور پر دل سے کاٹ پھینکنا بہت مشکل اور نادر امر ہے، بہر حال جس حد تک ممکن ہو انسان کو کوشش کرنی چاہیے۔ واللہ الموفق۔

(مختصر منهاج القاصدين/ ۳۰)

فصل:

نماز کے ہر رکن اور ہیئت میں نمازی کو اپنا دل کس طرح متوجہ کرنا چاہیے؟ مثلاً اذان، طہارت، ستر ڈھانپنا، قبلہ رو ہونا، قیام، نیت، تکبیر، تعوذ، بسم اللہ، قراءتِ فاتحہ و دیگر سورتیں رکوع، سجدہ اور تشہد میں کیا کرے؟۔

اذان: جب آپ اذان سنیں تو اپنے دل میں قیامت والے دن کی پکار اور اسکی ہولناکی کا تصور پیدا کیجئے، اور اپنے ظاہر و باطن کیساتھ اس پکار کو فوری طور پر قبول کرتے ہوئے نماز کی طرف لپکیں، کیونکہ جو لوگ دنیا میں اللہ کی پکار پر لبیک کہتے ہیں، قیامت کے دن انہیں انتہائی محبت اور نرمی کیساتھ پکارا جائے گا۔

اور اس موقع پر منافقین کی اس صفت کو بھی یاد کریں جسکا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَإِذَا قَامُوٓا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ" (النساء/۱۴۲)

(اور جب یہ (منافقین) نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں، تو سستی کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں)

جبکہ اہل ایمان کی صفات انکے برعکس ہوتی ہیں، اور وہ نمازوں کیلئے خوشی نشاط اور توجہ کیساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔

طہارت: جب آپ نماز کیلئے اپنی جگہ، لباس اور جسم پاک صاف کرتے ہیں تو آپکو دل کی طہارت سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے، بلکہ گناہوں کے میل کو توبہ، ندامت، آئندہ نہ کرنے کے عزم اور مظالم کی تلافی کے ذریعے دھوڈالنا چاہیے، ظاہر کے مقابلے میں باطن کو طہارت اور پاکیزگی کی زیادہ ضرورت ہے۔

ستر ڈھانپنا: جب آپ اپنی قباحت والی جگہوں کو مخلوق کی نگاہوں سے چھپاتے ہیں تو آپکو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آپکی باطنی قباحتیں اور خلوت میں کیے ہوئے جرائم

تو کسی صورت اللہ سے مخفی نہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے بھی حیا کرنی چاہیے۔

قبلہ رو ہونا :اسکا معنی یہ ہے کہ ظاہری طور پر آپ اپنا چہرہ تمام جہات سے ہٹا کر بیت اللہ کی طرف پھیر لیتے ہیں، تو یہ بات بھی جان لیجئے کہ اپنے دل کو بھی تمام سمتوں سے موڑ کر اللہ عز وجل کی طرف متوجہ کرنا بھی ضروری ہے جیسا کہ دعائے استفتاح کے الفاظ ہیں:" وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا" ۔(میں نے اپنے چہرے کو یکسو ہو کر اُس ذات کی طرف متوجہ کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا)

اس سے مراد یہ ہے کہ بدن کے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو جانے کے بعد دل کی توجہ اور اخلاص اللہ کی طرف ہونا چاہیے۔

قیام :قیام کا معنی دل اور جسم کیساتھ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہونا ہے، تو اس موقع پر آپ قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑا ہونے اور سوالوں کا جواب دینے کا تصور کریں اور اپنے شعور میں اللہ کی عظمت اور جلال کا احساس پیدا کریں۔

نیت : اخلاص نیت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید، عذاب کے خوف اور اسکے قرب ومحبت کے حصول کیلئے نماز پڑھے، تو اس موقع پر اپنے نفس کو ہر قول وعمل میں اخلاصِ نیت کا عادی بنائیں۔

یہ بھی جان لیں کہ قیامت والے دن صرف مخلصین ہی نجات پائیں گے، اور ہر وہ عمل جسکے ذریعے غیر اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو، وہ کھوٹا اور قابلِ ملامت بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے متعلق فرماتا ہے:

﴿ وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴾۔(الفرقان/۲۳)

(اور جو جو انہوں نے عمل کیے، ہم انکی طرف بڑھ کر انہیں بکھرا ہوا غبار بنا ڈالیں گے)

تکبیر :جب آپ زبان سے اللہ کی کبریائی کو تسلیم کریں تو دل سے اسکی تصدیق بھی ہونی چاہیے، اگر آپکے دل میں اللہ سے بڑھ کر کسی کی تعظیم ہے، یا اللہ کے حکم کے مقابلے میں آپکی خواہشات آپ پر غالب ہیں، اور آپ اللہ سے بڑھ کر اپنی خواہشات کے

پیروکار رہیں، تو گویا آپ اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہیں، اور اپنے نفس کو زیادہ بڑا سمجھتے ہیں، پھر خالی زبان سے اللہ اکبر کہنے کا کیا فائدہ؟ جبکہ دل اسکی تصدیق نہ کرتا ہو۔

اگر اللہ کی بخشش اور اُس مالک کا کرم نہ ہو، اور وہ توبہ واستغفار کی توفیق نہ دے تو یہ معاملہ انتہائی خطرناک ہے۔

تعوذ : اسکا معنی یہ ہے کہ اللہ کی حفاظت اور پناہ میں آ کر شیطان سے بچا جائے، یہاں یہ بات آپکے ذہن میں ہو کہ شیطان آپکے لیے گھات لگائے بیٹھا ہے، کہ جونہی موقع ملے دنیا کے وسوسوں کے ذریعے آپکو لذتِ مناجات سے محروم کر دے اور آپکا روحانی تعلق اللہ تعالیٰ سے توڑ کر آپکے دل کو سعادت، شرف اور محبتِ الٰہی سے دور کر دے، کیونکہ وہ آپ سے حسد کرتا ہے، جب اُسے ایک سجدے کی توفیق نہ ملی تو آپکے رکوع اور سجدے وہ کیسے برداشت کر سکتا ہے؟

بسم اللہ : بسم اللہ پڑھتے ہوئے آپکی نیت میں یہ بات موجود ہو کہ آپ اُس بابرکت ذات کا نام لے رہے ہیں، جسکے نام کی برکت سے زمین وآسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، جو خوب سننے اور جاننے والا ہے۔ اور جب آپ ''الرحمٰن الرحیم'' کہیں تو آپکے دل میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور لطف وکرم کے مختلف مظاہر کا احساس پیدا ہو، تاکہ اس مہربان مالک کی رحمت آپ پر واضح ہو جائے اور آپکے دل سے امیدوں کے سوتے پھوٹ پڑیں۔

فاتحہ کی قراءت : اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان یاد کیجیے جو کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں پر تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کیلئے ہے جو کچھ وہ مانگے، جب بندہ کہتا ہے: **الحمد للہ رب العالمین** ''تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی، اور جب بندہ کہتا ہے: الرحمٰن الرحیم'' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثناء کی، اور

جب بندہ کہتا ہے:"مالك يوم الدين" ۔تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی (اور ایک روایت کے مطابق) میرے بندے نے اپنا معاملہ میرے سپرد کردیا۔اور جب بندہ کہتا ہے:" اياك نعبد و اياك نستعين "تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے،اور میرے بندے کیلئے ہے جو کچھ وہ مانگے، پھر جب بندہ کہتا ہے:" اهدنا الصراط المستقيم، صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کیلئے ہے،اور میرے بندے کیلئے وہی کچھ ہے جو وہ مانگے۔

(رواه مسلم ١٠١/٤، ومالك فى الموطأ ٨٦/١)

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں نماز سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے،صرف فاتحہ کو نماز کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، جیسا کہ حج کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:" الحج عرفة"۔(حج (وقوف) عرفہ کا نام ہے)

تو اس انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ بعینہ سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا ہر نماز میں فرض ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ فاتحہ کی تقسیم سے مراد معنوی تقسیم ہے کیونکہ اسکا نصف اول اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، تعریف وتوصیف، بزرگی اور تمام معاملات اللہ کی طرف تفویض پر مشتمل ہے، جبکہ آخری نصف میں بندے کی طلب،سوال، آہ وزاری اور محتاجی کا تذکرہ ہے۔(شرح مسلم ۱۳/۴)

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آپکی نماز میں اس کے سوا کچھ نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمامتر عظمت وجلال کے باوجود آپکو یاد کرتا ہے تو یہ بھی بڑی غنیمت ہے،اور جب کہ اسکے ساتھ ساتھ ثواب اور فضل کی توقع بھی ہے تو پھر تو نماز کی کیا شان ہے!(احیاء العلوم ۱۰۱/۱)

اور جہاں تک فاتحہ کے علاوہ دوسری سورتوں کی قراءت کا معاملہ ہے،تو اس حوالے سے بھی آپکا فرض ہے کہ ہر آیت پر ٹھہریں اور اسکے معنی ومفہوم پر غور کریں۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾ (محمد/۲۴)

(کیا یہ لوگ قرآن پر تدبر نہیں کرتے، یا انکے دلوں پر تالے پڑ چکے ہیں)

لہٰذا آپکو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ امر، نہی، وعدے، وعید، نصائح، انبیاء کے واقعات اور احسانات کے تذکرے سے غفلت نہ برتیں، ان میں سے ہر چیز کا ایک حق ہے، وعدے کا حق یہ ہے کہ امید کی جائے، وعید کا حق یہ ہے کہ اس سے ڈرا جائے، امر اور نہی کا حق یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کیا جائے، نصیحت کا حق یہ ہے کہ اُسکا اثر قبول کیا جائے، احسان کا حق یہ ہے کہ شکر ادا کیا جائے، اور واقعات کا حق یہ ہے کہ اُن سے عبرت پکڑی جائے (احیاء العلوم ۱/۳۰۱)

قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ معانی انسان کے دل میں صحیح فہم کے حساب سے ہی پیدا ہوتے ہیں، اور فہم کا تعلق بھی وفورِ علم اور طہارتِ قلب کیساتھ ہے، جسقدر دل پاکیزہ اور علم وافر ہوگا، اتنا ہی فہم کی درستی اور استقامت حاصل ہوگی، پھر اسکے بھی بے شمار درجات ہیں، اور نماز دلوں کی چابی ہے، اس میں کلمات کے بھید کھلتے ہیں، یہی قراءت اور ذکر و اذکار کا حق ہے۔ پھر اسکے ساتھ ساتھ نمازی کو قراءت میں ہیبت پیدا کرنی چاہیے، اور اُسے ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کیساتھ پڑھے اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، کیونکہ ٹھہر ٹھہر پڑھنا غور و فکر میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ (موعظة المتقين (٦٥))

رکوع وسجود: ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رکوع کرتے ہوئے اپنے دل میں بھی تواضع پیدا کریں اور سجدوں کے وقت اللہ کے سامنے اپنی ذلت اور عاجزی کا احساس پیدا کریں، کہ اب آپ نے اپنے نفس کو اسکی حقیقی جگہ پر رکھا ہے، اور سجدوں کے ذریعے فرع کو اسکی اصل کی طرف لوٹایا ہے، یعنی آپکا نفس جو مٹی سے بنا ہے، اسی مٹی میں ملایا ہے، اور ذکر کا معنی اُسے چکھ کر سمجھا ہے۔ (مختصر منہاج القاصدین (۳۲)

قاسمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رکوع اور سجدے کے موقع پر انسان کو اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے اپنے دل کو معمور کرنا چاہیے، تو اس موقع پر اپنے دل کو نرم کیجئے، اور خشوع کی تجدید کیجئے، اور اللہ تعالیٰ کی عزت و بلندی اور اپنی ذلت و پستی کا احساس پیدا کریں، زبان سے

اس بات کا اقرار، دل سے اس بات کی تصدیق اور اعضاء سے اسی جذبے کا اظہار ہو۔ رکوع میں اپنے رب کی تسبیح بیان کریں، اسکی عظمت کی گواہی دیں، کہ وہ سب سے عظیم ہے، باربار یہ احساس اپنے دل میں پیدا کریں، پھر رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے، اپنے دل میں قبولیت کی بھرپور امید پیدا کرتے ہوئے: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" ۔کہیں، کہ اللہ نے اپنا شکر کرنے والے کی بات کو قبول فرمالیا، اور پھر اس قبولیت پر مزید شکر بجالائیں اور کہیں "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" (اے ہمارے رب! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں)

پھر آپ سجدے کیلئے جُھک جائیں جو کہ عاجزی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے، اور اپنے معزز ترین عضو یعنی چہرے کو حقیر ترین چیز یعنی مٹی پر رکھ دیں، اور اللہ کی عظمت کا مزید احساس پیدا کریں اور کہیں: میرا رب پاک ہے، جو بلند و برتر ہے پھر تکبیر کہتے ہوئے اپنے سر کو اٹھائیں اور اپنی حاجات کا سوال یہ کہتے ہوئے کریں: اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور مجھ پر رحم فرما۔ پھر تواضع کی تاکید کیلئے اس عمل کو دُہرائیں اور دوبارہ سجدے میں چلے جائیں۔ (موعظة المتقين /٦٥)

تشہد: امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر جب آپ تشہد کیلئے بیٹھیں تو انتہائی ادب کا مظاہرہ کریں، اور اس بات کی صراحت کریں کہ آپکے تمام پاکیزہ اخلاق صرف اللہ کیلئے ہیں، الصلوات والطیبات کا یہی معنی ہے۔ اور اس بات کا بھی اقرار کریں کہ اُسی کیلئے تمام بادشاہت ہے، التحیات کا یہی معنی ہے۔ اور اپنے دل میں نبی کریم ﷺ کی پیاری شخصیت کو لائیے اور پھر کہیے: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" اور پھر اپنے نفس پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام کیجئے، پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دیجئے، اور اس میں "اَشْهَدُ" کا لفظ دہرا کر اللہ سے تجدید عہد کیجئے، پھر رسول اللہ ﷺ پر درودِ ابراہیمی پڑھیے، اور پھر چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگیں، جہنم کی آگ کا عذاب، قبر کا عذاب، زندگی اور موت کا فتنہ، مسیح دجال کا فتنہ۔ پھر سلام پھیر دیں اور اس موقع پر فرشتوں اور حاضرین پر سلام کا قصد کریں۔

اور جس مالک نے اس اطاعت کو مکمل کرنے کی توفیق بخشی اسکا شکر بجالائیں، اور نماز میں جو کوتاہی رہ گئی ہو اس پر شرمندگی اور حیا محسوس کریں، اور اس بات کا خوف رکھیں کہ کسی ظاہری یا باطنی عیب اور فساد کی وجہ سے آپکی نماز قبولیت سے محروم نہ ہو جائے اور اُسے مردود قرار دیکر آپکے چہرے پر نہ ماردیا جائے۔ اور اسکے ساتھ ساتھ یہ امید بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپکی نماز قبول فرمالے گا۔

یہ خاشعین کی نماز کا تفصیلی جائزہ تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے، نمازوں کی حفاظت کرتے، اور ان پر دوام اختیار کرتے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو عبودیت میں بقدرِ استطاعت مناجات شناس ہیں، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اپنی نماز کو اس نماز پر پیش کرے، پھر جس حد تک اسکی توفیق میسر آجائے اُس پر خوش ہو، جو رہ جائے اُس پر حسرت کرے اور اسکا علاج کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔

اور جہاں تک غافلین کی نماز ہے، تو وہ سخت خطرے سے دوچار ہے، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، کہ اسکی رحمت بہت وسیع، اور اسکا کرم بیش بہا ہے، لہٰذا ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنی رحمت اور بخشش سے ڈھانپ لے، کیونکہ اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ ہم اسکی اطاعت کا حق ادا کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں۔ (احیاء العلوم ۱/۴/۳۰، والدین الخالص ۴/ر)

ابن الخراط الاندلسی رحمہ اللہ اپنی کتاب "الصلاۃ و التھجد" ص (۱۷۹-۱۹۷) میں فرماتے ہیں: اللہ آپ پر رحم فرمائے، اس بات کو جان لیجیے کہ خشوع ہی نماز کی روح، زندگی، نور اور ضیاء ہے، اسی کے ذریعے نماز "اَلْمَلَأُ الْاَعْلٰی" کی طرف چڑھتی ہے اور بلند و بالا آسمانوں کی طرف پرواز کرتی ہے۔

خشوع دراصل دل کے انکسار، توجہ الی اللہ، تواضع اور اللہ کیلئے عاجزی و درماندگی کی اختیار کرنے کا نام ہے، جسکے نتیجے میں اعضاء وجوارح بھی ساکن ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی صفات میں سب سے پہلے خشوع کو ذکر کیا ہے، فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

﴿الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ﴾ (المؤمنون/۱-۲)

(تحقیق مؤمن کامیاب ہوگئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔)

اور ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ"۔ (ہود/۷۵)

(بے شک ابراہیم (علیہ السلام) بہت ہی بردبار، درمند اور انابت کرنیوالے تھے)

(اوّاہ'' کا معنی خشوع اور آہ وزاری کرنے والا، بہت دعائیں اور رغبت کرنیوالا ہے)

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: تم کیا سمجھتے ہو کہ میرا قبلہ اُس طرف ہے اور میں تمہیں دیکھ نہیں پاتا؟ اللہ کی قسم! تمہارا رکوع اور خشوع مجھ پر مخفی نہیں ہوتا، کیونکہ میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے تمہیں دیکھتا ہوں۔ (موطأ مالك من حديث ابی هريرة رضی الله عنه ۱/۱۶۷، بخاری ۱/۱۴۵، مسلم ۱/۳۱۹)

پہلے حدیث گذر چکی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خشوع نماز کی شرط ہے۔

کہا گیا ہے کہ بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والا اُس شخص کی طرح ہے جو بادشاہ کو مردہ لونڈی بطور تحفہ دیتا ہے، اور سچ ہی کہا ہے کیونکہ خشوع بھی نماز کی روح ہے اگر آپ اپنے جسم کو حاضر کریں اور رکوع وسجدہ کیلئے پیش کردیں لیکن آپکا دل ہی حاضر نہ ہو تو کیا فائدہ؟ حالانکہ حکم یہ ہے کہ آپ کلیتًا حاضر ہوں اور اہم ترین عضو جسے حاضر کرنا ضروری ہے، وہ دل ہے، کیونکہ اس کی زیادہ تاکید ہے اور اسی کے ذریعے باقی اعضاء میں بھی سکون پیدا ہوتا ہے۔

اسکے علاوہ نماز میں اطمینان بھی فرض ہے، جن اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم ہے انہیں زمین پر ٹکانا بھی واجب ہے، اسی طرح قبلہ رو ہونا بھی بالاتفاق لازم ہے۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: «اسكنوا في الصلاة»۔

(مسلم من حدیث جابر بن سمرہ) (نماز میں سکون اختیار کرو)۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ اچھی وضو کرے، اور پھر مکمل رکوع، سجود اور قراءت کیساتھ نماز ادا کرے، تو نماز اُسکو کہتی ہے: جس طرح تو نے میری حفاظت کی، اسی طرح اللہ تیری حفاظت فرمائے۔

پھر اُس نماز کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے، جبکہ اُس پر نور اور روشنی ہوتی ہے، اور اسکے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہانتک کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے اور اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرتی ہے۔ اور جب نماز کے وضو، رکوع، سجود اور قراءت کو ضائع کیا جائے، تو نماز کہتی ہے: جس طرح تو نے مجھے برباد کیا، اُسی طرح اللہ تجھے برباد کرے، پھر اُسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے، لیکن اُسکے لیے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر اُسے بوسیدہ کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر مارا جاتا ہے۔

اس حدیث میں بھی رکوع وسجود کے اتمام کا ذکر ہے، اس حوالے سے جو روایت پہلے گذر چکی ہے اُسکی سند اسکے مقابلے میں زیادہ مشہور اور اعلیٰ ہے۔

(اقول: وهو حديث حسن لغيره كما في كتاب الصلاة بتحقيق زبير عليزئي، راجعه)

جنید بن محمد رحمہ اللہ سے نماز کے فرض کے متعلق سوال ہوا، تو انہوں نے سوال کرنے والے کو فقہاء کی مجلس میں بھیج دیا، جب سائل چلا گیا تو جنید رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ نماز کا فرض کیا ہے؟ تو ساتھیوں نے کہا: شیخ ہی ذکر کریں گے۔ تو فرمایا: تمام چیزوں سے تعلق توڑ کر اپنے خیالات اور فکر کو مجتمع کرنا اور پھر اللہ کے حضور پیش ہو جانا نماز کا فرض ہے ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی قوم سے کہو: تم اپنے جسموں کو میری جناب میں حاضر کرتے ہو، اور اپنی زبانیں تو مجھے سونپتے ہو،

لیکن تم نے اپنے دلوں کو کہاں غائب کر رکھا ہے؟ لہٰذا تمہارے اعمال غارت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا آپ پر فرض ہے (اللہ آپ پر رحم فرمائے) کہ اپنی نمازوں میں اپنے دل کو حاضر رکھنے کی حتی الامکان کوشش کریں، اور اسے دائیں بائیں نہ بھٹکنے دیں، اور دل کو پھیر دینے والے خیالات اور باتوں کو دور کریں، جو کچھ پڑھیں، اُسے سننے کی سعی کریں اور جو کچھ کریں اُسے سمجھیں، کیونکہ آپکے لیے آپکی نماز میں سے وہی ہے جسے آپ نے سمجھا، اور

آپکے لیے وہی لکھا جائے گا جس میں آپ حاضر رہے۔

ابوداؤد نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: «ان الرجل لینصرف وما کتب لہ الا عشر صلاتہ، تسعها، ثمنها، سبعها، سدسها، خمسها، ربعها، ثلثها، نصفها»۔

((بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ) ایک آدمی اپنی نماز سے پھرتا ہے، جبکہ اسکے لیے اسکی نماز میں سے صرف دسواں، نواں، آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھا، تیسرا، یا نصف اجر لکھا جاتا ہے)

نسائی نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ابوالیسر سے روایت کی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «منکم من یصلی الصلاۃ کاملۃ، ومنکم من یصلی النصف والثلث والربع والخمس حتی (بلغ) العشر»۔

(تم میں سے بعض لوگ تو کامل نماز پڑھتے ہیں، جبکہ بعض نصف، تیسرا حصہ چوتھا حصہ، پانچواں حصہ یہاںتک کہ آپ نے دسویں حصے تک بیان فرمایا)

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک ایک بندہ نماز پڑھتا ہے لیکن بعض اوقات اسکے لیے اسکی نماز کا صرف دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، بعض اوقات نواں، آٹھواں، یا ساتواں حصہ لکھا جاتا ہے، یہاںتک کہ بعض اوقات مکمل نماز کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے۔ تو گذشتہ احادیث سے یہ بات سامنے آئی کہ آپکے لیے آپکی نماز میں سے اتنا ہی اجر وثواب اور حصہ ہے کہ جس حصے میں آپکا دل حاضر رہا، اور آپکی عقل نے اُسے سمجھا۔

سلمان فارسی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نماز ایک پیمانہ ہے، جس نے اسے پورا اور مکمل کیا اُسکے لیے مکمل اجر وثواب ہے، اور جس نے اس میں کمی اور کوتاہی کی، تو تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے «مُطَفِّفِین» ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے متعلق کیا فرمایا ہے۔

آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کھڑا ہو کر اپنے جسم اور دل کی مکمل توجہ کیساتھ دو رکعتیں ادا کرتا ہے، تو اسکے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ (مسلم من حدیث عقبہ بن عامر)

اس حدیث میں آپ علیہ السلام نے نماز میں حضورِ قلب کو شرط قرار دیا ہے اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: «ان المصلي يناجي ربه فلينظر بما ذا يناجيه»

(بے شک نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، لہٰذا اُسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا مناجات کر رہا ہے؟)

اور جان لیجئے کہ کوئی شخص اُس وقت تک مناجی (مناجات کرنیوالا) نہیں بن سکتا، جب تک کہ اُسے یہ علم نہ ہو کہ وہ کس سے مناجات کر رہا ہے؟ اور کیا مناجات کر رہا ہے؟ اور حضورِ قلب بھی ضروری ہے، جب کوئی غلام اپنے آقا سے مناجات کرتا ہے تو اسکی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ یا کوئی آزاد شخص بھی جب اپنے شہر کے امیر، یا بستی کے چوہدری سے بات کرتا ہے تو اُسکا کیا انداز ہوتا ہے؟ کس قدر توجہ سے اسکی بات سنتا ہے، اور انکساری کیساتھ پیش آتا ہے، بدن پر خشوع اور اعضاء پر سکون طاری ہوتا ہے، دل اسکا کلام سننے کیلئے تیار اور اسکی بات قبول کرنے کیلئے حاضر ہوتا ہے، بلکہ عام لوگ آپس میں اپنے ساتھیوں اور بھائیوں سے کتنی توجہ کیساتھ بات کرتے ہیں۔

تو اے شخص! کم از کم تو اتنا تو کر سکتا ہے کہ اتنی ہی توجہ کیساتھ رب تعالیٰ سے بات کر سکے، جبکہ یہ کمتر درجہ اور نچلا مقام ہے، ورنہ اللہ تو بادشاہوں کا بادشاہ، اور عظیموں سے بڑھ کر عظیم ہے، اور جس طرح یہ واجب ہے کہ آپ اپنے چہرے کو نماز میں اسکے قبلے سے نہ پھیریں، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنے دل کو بھی اپنے رب سے نہ ہٹنے دیں۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بعض اوقات ایک آدمی کی کنپٹیاں سفید ہو جاتی ہیں لیکن اسکی نماز ابھی کامل نہیں ہوتی، پوچھا گیا: وہ کس طرح؟ فرمایا: وہ اس طرح کہ نماز کے خشوع، تواضع اور اللہ کی طرف توجہ کو مکمل طور پر ادا نہیں کرتا۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے لوگوں سے خشوع کو اٹھایا جائیگا، قریب ہے کہ آپ ایک جامع مسجد میں داخل ہوں لیکن آپ اُس میں ایک بھی خاشع آدمی کو نہ پائیں۔

ہاں اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ نماز میں وسوسوں کا آنا ایک غالب امر ہے، اور کلی طور پر ان سے بچنا ممکن نہیں، اور آپ اس بات کے مکلف نہیں کہ ان خیالات کو جڑ سے رکھ پھینکیں اور دل میں آنے سے ہی روک دیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ انہیں دور کرنے کی کوشش کریں، اگر آپ حتی الامکان سعی کرتے ہیں تو ان شاء اللہ آپ پر کوئی ملامت نہیں۔

احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ ابوسلیمان الدارانی نے مجھ سے فرمایا: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو اس بات کو یاد رکھو کہ تم کس کے سامنے کھڑے ہو رہے ہو، اور نماز میں آنے والے افکار مذمومہ کو کاٹ پھینکنے کا عزم رکھو، اور جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ عزوجل سے استغفار کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے اور آخری عقد کو قبول فرماتا ہے اور درمیان والی باتوں کو اپنی رحمت سے بخش دیتا ہے۔

ابو حمزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وسوسوں کو رد کرنے کیلئے یہ احساس پیدا کرنا بھی مددگار ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکے دل پر قائم ہے اور دشمن پر غلبہ وقدرت رکھتا ہے۔

صحابہ وتابعین میں سے ایک جماعت کا موقف یہ تھا کہ وسوسوں کی کثرت کے خوف سے نماز ہلکی پڑھی جائے تا کہ اللہ کی طرف بھر پور توجہ کی جاسکے۔ لہٰذا آپکو چاہیے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اُن اسباب پر نظر ڈالیں جو آپکو اپنی طرف مائل یا مشغول کر سکتے ہیں یا آپکے ذہن میں آنے کے بعد آپکو کسی اور وادی میں پہنچا سکتے ہیں اور پھر ان اسباب کو مکمل طور پر دور کر دیجئے، اور کسی غلط تاویل یا آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان اسباب کو باقی نہ رکھیں بلکہ انہیں کاٹ پھینکیں۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: جب کھانا حاضر ہو جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ اس حدیث میں اس بات کا اشارہ ہے کہ نماز میں انسان کا دل کھانے کی طرف متوجہ نہ ہو، اور بندہ کامل توجہ کیساتھ فارغ البال ہو کر اللہ

کی طرف متوجہ ہو سکے، اسی طرح جب قضائے حاجت کی ضرورت ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ فارغ ہونے کے بعد نماز کیلئے جانا ہے، اس میں بھی یہی علت ہے اور یہ بھی کہ اس سے انسان کو ضرر اور مشقت لاحق ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(ان دونوں احادیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ذکر کی ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں: ابوجہم بن حذیفہ نے رسول اللہ ﷺ کو بطور تحفہ ایک نقوش والی قمیص دی، اور اسے پہن کر آپ نے نماز پڑھی اور نماز مکمل کرنے کے بعد فرمایا: یہ قمیص ابوجہم کو واپس لوٹا دو، کیونکہ نماز میں میری نظر اسکے نقوش پر پڑی اور قریب تھا کہ یہ نقوش مجھے فتنے میں مبتلا کر دیتے۔

ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اُس قمیص کے نقوش پر نظر ڈالنا اس لیے ہو کہ اگر امت سے بھی کوئی ایسا معاملہ صادر ہو جائے تو اللہ کے ہاں معذور ہو سکے، یا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ امت اس حوالے سے آپکی اقتدا کرے اور نماز سے توجہ ہٹانے والے اسباب کو زائل کرے، یہ زیادہ صحیح توجیہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں عبداللہ بن ابی بکر سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ابوطلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک کبوتر اڑتا ہوا آیا اور درختوں کے درمیان پھنس گیا باغ گھنا ہونے کی وجہ سے، اُسے راستہ نہیں مل رہا تھا اور وہ پھڑ پھڑانے لگا، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ اسکی طرف اُٹھی اور یہ منظر انکے دل کو بہت بھایا، تھوڑی دیر اسے دیکھتے رہ گئے اور پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ بھول چکے تھے کہ کتنی رکعات پڑھ چکے ہیں؟ پھر نماز کے بعد فرمانے لگے کہ اس مال نے تو مجھے فتنے میں ڈال دیا ہے، اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپکو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا، اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں اس باغ کو اللہ کی رضا کیلئے صدقہ کرتا ہوں، لہٰذا آپ جہاں چاہیں اسے خرچ کر دیجئے۔

اسی طرح عبداللہ بن ابی بکر سے ہی روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی "قُف" نامی مدینہ کی وادی میں واقع اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، جبکہ یہ پھلوں اور کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا اور درختوں کی ٹہنیاں پھلوں کے بوجھ سے لٹک رہی تھیں تو اچانک انکی نگاہ ان پھلوں سے بھری ٹہنیوں کی طرف اٹھی اور انہیں یہ منظر بہت اچھا لگا، پھر نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ بھول چکے تھے کہ کونسی رکعت میں ہیں؟ پھر نماز کے بعد کہنے لگے کہ اس مال کی وجہ سے ہی مجھے یہ فتنہ پہنچا ہے، اور پھر اُس وقت کے خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تمام ماجرا اُنہیں بتایا اور کہا کہ یہ باغ میری طرف سے صدقہ ہے، لہٰذا آپ اسے بھلائی کے کاموں میں صرف کر دیجئے، تو عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ باغ پچاس ہزار کا بیچ دیا اور پھر اُس مال کا نام ہی "خمسین" پڑ گیا۔

دیکھئے کہ اِن لوگوں کی کیا عزیمت ہے، دنیا سے کس قدر بے رغبت اور آخرت کی کتنی رغبت رکھتے ہیں کہ آخرت کے حوالے سے تھوڑی سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

یوسف بن حبیب سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ ہمیں وصیت کیجئے! تو انہوں نے فرمایا: میں تمہیں قرآن کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ یقیناً یہ سیاہ رات کا نور اور روشن دن کی ہدایت ہے، اور میں تمہیں دین کے راستے میں سخت محنت کی وصیت کرتا ہوں کہ جو کوتاہیاں ہو چکیں اُنکی تلافی کرو، اور آئندہ کیلئے خوب محنت کرو، اور اگر کوئی آفت آ پڑے تو پہلے اپنے مال کے ذریعے اُسے ٹالنے کی کوشش کرو، اگر اس میں کامیاب نہ ہو سکو تو اپنے نفوس اور پھر ابدان کے ذریعے اسکا مقابلہ کرو، جنگ زدہ تو وہ شخص ہے جسکا دین حملہ آور کی زد میں ہو، اور حقیقی سلب شدہ تو وہ ہے جسکا دین سلب کر لیا جائے، اور جب تم نماز کیلئے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہو، تو جنت اور جہنم کو اپنے سامنے، جبکہ میزان اور پل صراط کو اپنے دائیں بائیں تصور کرو، گویا کہ تم کہہ رہے ہو:

﴿رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ (الم السجدة/۱۲)

(اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا، پس ہمیں واپس لوٹا دے (اب

ہم) نیک عمل کریں گے، یقیناً ہم یقین کرنے والے ہیں)

ابوالقاسم منصور بن احمد بن علی بن حفص کہتے ہیں: میں نے ابوسعید الخراز سے کہا: بے شک ہمارے ہاں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ اگر کوئی آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو، اور نماز کی حقیقت کو جان لے، پھر اسکے سامنے آگ بھی آجائے تو اسکی طرف متوجہ نہ ہوگا، حتی کہ وہ آگ اُسے جلاڈالے۔ تو ابوسعید الخراز نے کہا: اُس نے سچ کہا، اور اس بارے میں ایک بات میں بھی کہتا ہوں، وہ یہ کہ جب کوئی شخص اللہ کو پہچان لے تو آسمانوں اور زمین کا بوجھ اُس پر پڑجاتا ہے۔

اویس قرنی نے ایک شخص سے کہا: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو گویا ایسے بن جاؤ جیسے تم نے آسمانوں اور زمین والوں کو قتل کردیا ہے۔ (یعنی اللہ کے سامنے ایسا خوف اور خشوع ظاہر کرے جیسے یہ کوئی بڑا مجرم ہے)

مروان بن محمد کہتے ہیں: جب بھی میں نے سعید بن عبدالعزیز کو نماز پڑھتے دیکھا، تو یہی دیکھا کہ اُنکے آنسو بہہ کر چٹائی پر گر رہے ہیں، ابوعبدالرحمٰن الاسدی نے ایک بار اُن سے پوچھا: یہ رونا کیسا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: تم کیوں پوچھتے ہو؟ کہنے لگے: اے چچا جان! ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکی بات سے مجھے فائدہ پہنچائے، تو فرمانے لگے: اے بھتیجے! میں جب بھی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہوں، تو جہنم کا تصور میرے سامنے آجاتا ہے۔

ایك انصاری نے اپنے بیٹے کو کچھ وصیتیں کیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہمیشہ الوداعی نماز پڑھو، اور یہی سمجھو کہ اس نماز کے بعد تمہیں کبھی نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملے گا۔

اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نماز تو کہتے ہی خشوع وخضوع، تضرع، مسکین صورت بنانے، اور ہاتھوں کو اپنے رب کے سامنے پھیلا کر، "یارب یارب" کہنے کو ہیں (اسے ترمذی نے فضل بن عباس ﷺ کی حدیث سے ذکر کیا ہے، (جبکہ اسکی سند ضعیف ہے)

ابوبکر البزار نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں صرف اُس شخص کی نماز قبول

کرتا ہوں جو نماز میں میری عظمت کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے، اور میری مخلوق پر ظلم نہیں کرتا، گناہ پر اصرار نہیں کرتا، اپنا دن میرے ذکر میں گذارتا ہے، مسکین اور مسافر پر رحم کرتا ہے، بیوہ اور مصیبت زدہ لوگوں کا خیال رکھتا ہے، تو اس شخص کا نور سورج کے نور کی طرح ہوتا ہے، میں اپنی عزت کیساتھ اسکی نگرانی کرتا اور اپنے فرشتوں کے ذریعے اسکی حفاظت کرتا ہوں، میں اسکے لیے اندھیرے میں بھی روشنی، اور جہالت میں بھی بُردباری پیدا کردیتا ہوں، باقی مخلوق میں اسکی مثال اسی طرح ہے جیسے فردوس کا مقام باقی جنت میں۔

اس حدیث میں تواضع کیساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے، اور تواضع اُسی وقت پیدا ہو جاتا جب انسان خشوع وخضوع اختیار کرے اور حضورِ قلب کیساتھ نماز پڑھے گا۔ یوں تو اللہ بہتر جانتا ہے، لیکن ہمارے خیال میں اسکا معنی یہ ہے کہ جب کوئی بندہ ان تمام صفات کیساتھ نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت اور رحمت واجب ہوجاتی ہے، اگرچہ درحقیقت تو اللہ پر کچھ واجب نہیں، لیکن یہ محض اسکا فضل اور احسان ہے کہ وہ خود ہی اپنے آپ پر واجب کرلیتا ہے اور جب کوئی بندہ اس انداز میں نماز ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے اور وہ بندہ قبولیت کی امید وانتظار رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملہ اور فیض کامل جو کبھی ختم ہونے والا نہیں، اسکی بدولت اسکے ٹوٹے پھوٹے عمل بھی قبول ہوجائیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرتی ہیں کہ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو رسول اللہ کی یہ کیفیت ہو جاتی کہ گویا آپ ہمیں جانتے ہیں نہیں۔ یعنی مکمل طور پر نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اسکا اہتمام فرماتے۔

اور آپ ﷺ فرماتے ہیں: «جعلت قرة عيني في الصلاة» (نسائی)

(میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)

اور جب آپ ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیتے تو فرماتے: «ارحنا بالصلاة»۔ (نماز کے ذریعے ہمیں راحت پہنچاؤ) کیونکہ آپکی راحت نماز میں تھی اور آپ ﷺ سے

جب نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ ہونے کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد»

(ذكره البخاري من حديث عائشة رضي الله عنها)

(یہ اُچکنا ہے، جو شیطان بندے کی نماز میں سے اُچک لیتا ہے)

ابو طالب المکی کہتے ہیں: ایک عارف سے بیان کیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سحر کے وقت دو رکعت نماز پڑھی اور پھر تھوڑی دیر کیلئے میری آنکھ لگ گئی، تو میں نے ایک بلند و بالا محل دیکھا، جسکی ستاروں کی طرح روشن اور سفید بالکونیاں تھیں، وہ محل مجھے بہت پسند آیا، میں نے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ تو مجھے کہا گیا: یہ دو رکعتوں کا ثواب ہے، تو میں بہت خوش ہوا اور اس محل کے اردگرد گھومنے لگا، پھر میں نے دیکھا کہ محل کے ایک کونے میں ایک بالکونی زمین پر ڈھیر ہو چکی ہے، اور اسکی وجہ سے وہ محل کچھ معیوب ہو چکا ہے، مجھے اس بات کا بہت غم ہوا اور میں نے کہا: اگر یہ بالکونی بھی اپنی جگہ پر ہوتی تو اس محل کا حسن کامل ہو جاتا، تو وہاں موجود ایک غلام نے کہا: یہ بالکونی اپنی جگہ پر ہی تھی، لیکن جب تم نے نماز میں بے توجہی کی تو یہ گر گئی۔

یہ تو نماز میں دائیں بائیں مباح چیزوں کو دیکھنے کا معاملہ ہے اور اگر بندہ نماز میں جان بوجھ کر محرمات کی طرف دیکھے تو نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے، اور بندہ حرام کا مرتکب اور گناہ گار ہو جاتا ہے، اور پھر اسکا معاملہ اللہ کے سپرد ہوتا ہے۔

ابو یعقوب یوسف بن حسین رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں اور ذوالنون المصری ایک مرتبہ بعض زیارات کیلئے جا رہے تھے کہ جمعے کا دن آ پہنچا، نمازِ جمعہ کی ادائیگی کیلئے ہم ایک بستی میں داخل ہوئے، جمعہ پڑھا اور عصر کی نماز تک وہاں قیام کیا، پھر وہاں سے نکلے تو ذوالنون نے ایک نابینا شخص کو سلام کہا، اس نابینا شخص پر محنت و خدمت کے آثار اور اطاعت کی رونق نظر آ رہی تھی، ذوالنون کو اسکے نابینا ہونے کا بہت افسوس ہوا تو اُس شخص نے کہا: اے ذوالنون! اللہ عادل کے کسی حکم پر اعتراض مت کرو، کیونکہ جو شخص غیر اللہ کی

طرف دیکھے، اسکا یہی بدلہ ہے، پھر جب ہم وہاں سے نکلے تو میں نے ذوالنون سے اُس شخص کے متعلق سوال کیا، تو فرمایا: اس شخص نے ایک دن نماز کے دوران ایسے شخص پر نگاہ ڈالی کہ جسے دیکھنا اس پر حرام تھا اور پھر اسے اس پر ندامت ہوئی اور اس ایک نگاہ پر اسقدر رویا کہ بینائی جاتی رہی۔

یحیی بن زکریا علیہما السلام سے روایت ہے کہ اُنہوں نے بنی اسرائیل سے کہا: اور میں تمہیں نماز کا حکم دیتا ہوں، پس جب تم میں سے کوئی نماز کیلئے کھڑا ہو تو دائیں بائیں مت دیکھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی اُس وقت تک بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک کہ بندہ دائیں بائیں نہیں دیکھتا، جبکہ وہ شخص جو نماز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اسکی مثال اُس شخص کی طرح ہے جو کسی بادشاہ کے پاس جائے اور بادشاہ اُسے علیحدگی میں ملے اور کہے: اپنی ضرورت بتلاؤ!۔ اور وہ شخص دائیں بائیں دیکھنے لگے، بادشاہ پھر کہے کہ اپنی حاجت بیان کرو! اور وہ پھر دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ آخر کار بادشاہ اُسے کہے کہ یہاں سے نکل جاؤ، اور وہ شخص نامراد ہو کر واپس چلا آئے۔

احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں: جب بندہ نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے اور میرے بندے کے درمیان سے حجاب اُٹھا دو!

اور جب بندہ کسی اور طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حجاب گرا دو، اور بندے کو اُس چیز کیساتھ چھوڑ دو جسے بندے نے اپنے لیے پسند کیا۔

عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا: جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے وہ رحمٰن کے سامنے ہوتا ہے، اور جب وہ دائیں بائیں متوجہ ہو تو رب تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! تو کس کی طرف متوجہ ہو رہا ہے؟ میرے علاوہ کوئی اور رب ہے، جو مجھ سے بہتر ہے، جسکی طرف تو متوجہ ہوتا ہے؟ میری طرف متوجہ ہو جا، کیونکہ میں تیرے لیے اُس سے بہتر ہوں جسکی طرف تو متوجہ ہو رہا ہے۔

اور جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾

۔(المعارج/۳۴)(اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر نگہبان ہیں)

اس میں نمازوں کے اوقات کی حفاظت کا احتمال بھی ہے اور قراءت، قیام، رکوع وسجود، اطمینان، سکون، حضورِ قلب اور دیگر اعمالِ نماز بھی مراد ہو سکتے ہیں تو جو آدمی انکی حفاظت کرتا ہے اور انہیں صحیح طور پر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے دین کے باقی معاملات کی زیادہ حفاظت کریگا، اور جو نماز کو ضائع کردے وہ باقی چیزوں کو زیادہ ضائع کرنیوالا ہے۔ جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:«ان اهم امورکم عندي الصلاة، فمن حفظها وحافظ عليها، حفظ دينه، ومن ضيّعها فهو لما سواها أضيع»۔

(بے شک میرے نزدیک تمہارا اہم ترین عمل نماز ہے، جس شخص نے نماز کی حفاظت اور نگہداشت کی، اُس نے اپنے دین کی حفاظت کی، اور جس نے نماز کو ضائع کردیا، تو وہ باقی اعمال کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے)

اور نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں آتا ہے:«من هانت عليه صلاته كانت على الله أهون»۔

(جو شخص اپنی نماز کو معمولی سمجھتا اور ہلکے انداز میں لیتا ہے تو اللہ کے نزدیک بھی اسکی نماز بے قیمت اور معمولی ہوتی ہے)

حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:يا ابن آدم ! ما ذا يعز عليك من دينك اذا هانت عليك صلاتك" ۔(اے آدم کے بیٹے !اگر تم نماز کو ہی معمولی سمجھتے ہو، تو پھر تم اپنے دین کے کونسے عمل کو اہم اور قابل قدر جانتے ہو؟)

اور یہ بات بھی آپکے علم میں ہونی چاہیے کہ خشوع صرف نماز کیساتھ خاص نہیں بلکہ ہر وقت، ہر حالت میں انسان کو خشوع اختیار کرنا چاہیے، البتہ نماز خشوع کی زیادہ مستحق ہے، کیونکہ خشوع اللہ کی تعظیم اور ہیبت سے پیدا ہوتا ہے اور نماز اللہ کی تعظیم اور اجلال کا مقام ہے۔

ایک روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے داود! جب تم مجھے یاد کرو تو تمہارے اعضاء کانپ رہے ہوں اور میرے ذکر کے موقع پر خشوع اور

طمانینت اختیار کرو، اور جب میرے سامنے کھڑے ہو تو حقیر اور ذلیل غلام کی طرح کھڑے ہو، اور اپنے نفس کو ملامت کرو، کیونکہ وہ ملامت کا زیادہ حقدار ہے، اور جب میرے ساتھ مناجات کرو تو سچی زبان اور ڈرنے والے دل کیساتھ مناجات کرو۔

اور ایک روایت ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں اپنے ہاتھ سے داڑھی کو چھیڑ رہا تھا۔ تو فرمایا: اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا، تو ہاتھ میں بھی خشوع ہوتا۔

اور ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز میں بیٹھا کنکروں سے کھیل رہا ہے اور دُعا مانگ رہا ہے کہ اے اللہ! حورِ عین سے میری شادی کروا دے تو حسن بصری رحمہ اللہ نے اُس سے فرمایا: تو بہت بُرا پیغام بھیجنے والا ہے، حوروں سے نکاح کا امیدوار ہے اور پتھروں سے کھیل رہا ہے؟۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴾ (الحج/۳۴)

(اور مخبتین کو خوشخبری سنا دیجئے)

مخبتین کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد متواضعین "تواضع اختیار کرنے والے ہیں۔ "اخبت الی اللہ"۔ کا معنی اللہ کیلئے تواضع اور تضرع اختیار کرنا ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَاَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ ﴾ (ھود/۲۳) (اُنہوں نے اپنے رب کیلئے تواضع اور تضرع اختیار کیا) اسکا معنی نفوس کا اللہ کیلئے سکون اور اطمینان اختیار کرنا بھی کیا گیا ہے۔ "اخبت الرجل"۔ کا معنی یہ بھی ہوتا ہے کہ "آدمی گناہ سے بچا" ایک قول کے مطابق: "بَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ" بھی اسی سے ہے۔

بعض صوفیاء کا قول ہے: اِخبات کا معنی صفات کا حرکات سے رُک جانا ہے۔ اُن سے پوچھا گیا کہ اسکی حقیقت کیا ہے؟ تو فرمایا: دل کی باتوں کو غیر اللہ پر منقسم ہونے سے روکنا۔ لوگوں نے کہا: مزید وضاحت کیجئے! تو فرمایا: میرے نزدیک اس سے بڑھ کر مزید وضاحت نہیں ہوسکتی۔

روایت کیا جاتا ہے کہ رباح القیسی کہتے ہیں: ایک دن میں رابعہ عدویہ سے ملاقات کرنے

گیا، تو میں نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا، جب انہوں نے سلام پھیرا تو مجھ سے کہا: اے رباح! مجھے اپنی آنکھوں میں کچھ کھردار پن سا محسوس ہو رہا ہے، میں نے دیکھا تو ایک بڑا سا تنکا آنکھ میں دھنسا ہوا تھا، دراصل وہ چٹائی پر نماز پڑھتی تھیں، تو رات کو سجدہ کرتے وقت یہ تنکا آنکھ میں چبھ گیا تھا لیکن خشوع وخضوع اور سجدے کے موقع پر لذتِ مناجات کی وجہ سے انہیں اُسکا احساس تک نہ ہوا۔ رباح کہتے ہیں کہ میں نے بڑی مشقت سے اُس تنکے کو نکالا اور انکی اس حالت پر تعجب ہوا۔

رابعہ کا دل اُس موقع پر اللہ کیساتھ لگ چکا تھا لہٰذا انہیں جسمانی کیفیت کا احساس نہ ہوا۔

خلف بن ایوب سے کہا گیا کہ آپ نماز میں اپنے جسم پر بیٹھنے والی مکھیوں کو نہیں اڑاتے، اسکی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا: میں اپنے نفس کو ایسی چیز کی عادت نہیں ڈالنا چاہتا جو میری نماز کو بگاڑ دے۔ پوچھا گیا: تو آپ مکھیوں کی تکلیف پر صبر کیسے کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: میں نے سنا ہے کہ بعض لوگ کوڑوں کی مار بھی صبر کیساتھ برداشت کرتے ہیں تاکہ انہیں مضبوط اور صابر کہا جائے اور وہ اس بات پر فخر کرتے ہیں، تو کیا میں صرف ایک مکھی کی وجہ سے حرکت کرنے لگوں؟ حالانکہ اس وقت تو میں اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر اُس سے مناجات اور اسکی کتاب کی تلاوت کر رہا ہوتا ہوں۔

اور یہ بات کوئی بعید نہیں، کیونکہ جب دل کسی چیز میں مستغرق ہو تو اور کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا، کبھی کسی کو پکارا جاتا ہے لیکن وہ نہیں سنتا، کبھی کسی کو سخت چوٹ یا تکلیف وہ چیز پہنچتی ہے لیکن اُسے احساس تک نہیں ہوتا اور نہ اسکے وقوع کی خبر ہوتی ہے، ایسے بہت سے واقعات لوگوں کے مشاہدے میں آ چکے ہیں۔

ابن جھضم نے اپنی کتاب میں ابوالقاسم سمنون المحب سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میرے پڑوس میں ایک آدمی رہتا تھا جسکی ایک لونڈی تھی، اور وہ اپنی اس لونڈی سے شدید محبت کرتا تھا، ایک مرتبہ وہ لونڈی سخت بیمار ہوگئی تو قدیم وجدید محبت نے یکجا ہو کر اس شخص کو سخت پریشان کر دیا، اسی دوران ایک دن وہ شخص اس لونڈی کیلئے سوپ تیار کر رہا تھا اور اسکے

ہاتھ میں ایک چمچ تھا جسکے ذریعے وہ سوپ کو حرکت دے رہا تھا کہ لونڈی نے تکلیف کی شدت سے "اوہ" کہا، تو وہ چمچ اسکے ہاتھ سے گر گیا اور وہ اپنے ہاتھ سے سوپ کو حرکت دینے لگا حتی کہ اسکی انگلیوں کا گوشت اُدھڑ کر گر گیا لیکن اُسے احساس تک نہ ہوا، پھر اچانک اُس لونڈی کی نگاہ اس پر پڑی اور اُس نے کہا: یہ کیا ہے؟ تو اُس وقت اُسے ہوش آیا اور اُس نے دیکھا کہ اُسکی انگلیوں کا گوشت گر چکا ہے، تو اُس نے لونڈی سے کہا: یہ سب تمہاری "اوہ" کا کمال ہے۔

ایک روایت ہے کہ ایک شخص کو بہت کوڑے مارے گئے لیکن نہ تو اُس نے کوئی حرکت کی، نہ چلایا، اور پھر اُسے ایک کوڑا مارا گیا تو وہ چلایا، چیخا اور مضطرب ہوا، اُس سے پوچھا گیا کہ تمہیں اتنے اِتنے کوڑے لگے لیکن تم نے کوئی حرکت نہیں کی اور اُف تک نہیں کہا، پھر ایک کوڑے پر تمہارے لیے قیامت قائم ہوگئی، کیا وجہ ہے؟ تو اُس نے کہا: پہلے جب مجھے مارا جا رہا تھا تو اُس وقت میرا محبوب جسکی وجہ سے مجھے مار پڑ رہی تھی، وہ مجھے دیکھ رہا تھا لہٰذا میں اسکی خاطر صبر کا مظاہرہ کر کے اسکی محبت اور خوشنودی چاہ رہا تھا، لیکن جب مجھے یہ آخری کوڑا مارا گیا تو اسکی نظر مجھ سے ہٹ چکی تھی، اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ اب مجھے نہیں دیکھ رہا تو پھر مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور وہی کچھ ہوا جو تم دیکھ چکے ہو۔

مکھیوں پر صبر والا واقعہ پیچھے گذر چکا ہے، اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے: قرطبہ میں ایک بڑا سردار رہتا تھا جو انتہائی باوقار اور تحمل و سکون والا تھا، جب بھی کسی مجلس میں بیٹھتا تو کوئی حرکت نہ کرتا، اور نہ ہی دائیں بائیں متوجہ ہوتا تھا، ایک دن وہ ایک جنازے میں شریک ہوا جس میں شہر کے بڑے بڑے لوگ شریک تھے، تو وہ انکے ہمراہ قبرستان میں بیٹھ گیا، اسی دوران اسکے کپڑوں میں کچھ بھڑیں داخل ہوگئیں اور اُسے ڈنگ مارنے لگیں لیکن اس نے کسی اضطراب یا بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی انکی طرف کوئی توجہ کی، گویا کہ وہ کسی انسان کو نہیں بلکہ چٹان کو ڈنگ مار رہی ہیں، البتہ اُس شخص کا رنگ متغیر ہو رہا تھا، اور اسکا چہرہ لال پیلا ہو رہا تھا، یہانتک کہ جب وہ لوگ تدفین سے فارغ ہوئے اور یہ شخص اپنے گھر

میں پہنچا اور کپڑے اتارے تو دیکھا کہ اسکا جسم بھڑوں کے ڈنگ مارنے کی وجہ سے سوج چکا تھا۔

مذکورہ آدمی قاضی ابوعبداللہ محمد بن اصبغ رحمہ اللہ تھے جو بیتہ کے مقام سے تعلق رکھتے تھے، انکے خاندان کو وہاں بنی مناصف" کے نام سے پہچانا جاتا تھا، اور یہ فقہائے شوریٰ میں سے ایک تھے۔ بہت فاضل اور صدقہ خیرات کرنے والے انسان تھے، سینکڑوں فقراء کی کفالت کیا کرتے تھے، یہ بات بھی انکی موت کے دن ظاہر ہوئی تھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

جب ایک شخص لوگوں میں وقار اور حیا کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسقدر مشقت اٹھا سکتا ہے تو پھر اللہ کے سامنے کس انداز میں کھڑا ہوتا ہوگا، پہلے لوگوں کی یہی شان تھی، وہ ادب اور لحاظ والے لوگ تھے، اللہ کی تعظیم اور ہیبت انکے دلوں میں قائم تھی۔

مسلم بن یسار رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جب وہ نماز کا ارادہ کرتے تو اپنے اہل خانہ سے فرماتے: جیسے چاہو، بات چیت کرو، کیونکہ اب میں تمہاری بات نہیں سُن پاؤں گا۔

اور اُنہی سے روایت ہے کہ وہ بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے کہ مسجد کا ایک حصہ منہدم ہو گیا، لیکن انہیں احساس بھی نہ ہوا۔

ایک اور روایت کے مطابق انکے گھر میں آگ لگ گئی جبکہ یہ نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں نے فوراً آکر آگ کو بجھایا، جبکہ آپ اسی طرح اطمینان اور سکون سے نماز پڑھتے رہے، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو آپکی اہلیہ نے آپکو اس واقعے کی خبر دی، آپ نے کہا: مجھے تو اس آگ کا شعور تک نہ ہوا۔

عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما جب نماز پڑھتے تو بعض آیات مسلسل دہراتے اور ایسی آہ وزاری کرتے کہ اگر کوئی انجان آدمی انہیں دیکھ لے تو کہے: یہ تو مجنون ہے۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ منجنیق کا ایک پتھر آیا جو آپکے لباس کا ایک حصہ اڑا کر لے گیا، لیکن آپ رضی اللہ عنہ اُسی طرح نماز پڑھتے رہے، جب آپ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی تنا ہے، کیونکہ آپ پر مکمل خشوع

طاری ہوتا اور کوئی حرکت نہ کرتے، اور اسی طرح کا معاملہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا۔

ابو مصعب کہتے ہیں: مالک بن انس رحمہ اللہ اپنی نماز کے دوران طویل رکوع و سجود کیا کرتے تھے، اور قیام اسطرح کرتے، گویا کہ خشک لکڑی ہیں، جب انہیں کوڑے مارے گئے اور آپ بیمار ہو گئے تو آپ سے کہا گیا: اگر آپ اپنی نماز میں کچھ تخفیف کر دیں تو بہتر ہوگا۔ تو فرمایا: جب بھی انسان کوئی عمل کرے تو اس عمل کو بہترین انداز میں کرنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملک/۲)
(تا کہ تمہیں آزمائے، کہ تم میں سے اچھے کام کون کرتا ہے)

ابو یزید بسطامی جب نماز میں داخل ہوتے تو انکے اعضاء سے ایسی حرکت کی آواز آتی جیسے وہ چمڑے کے تھیلے میں پڑی ہڈیاں ہوں۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نماز کا وقت آ جاتا تو انکا چہرہ متغیر ہو جاتا اور فرماتے: اُس امانت کو ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے، جو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی، لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔

سلیمان بن طرخان التیمی رحمہ اللہ تعالیٰ جب نماز کیلئے تیار ہوتے تو انکا رنگ لال پیلا ہو جاتا، اور فرماتے: میں اللہ عزوجل کے سامنے کھڑا ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تم منصور بن معتمر رحمہ اللہ کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ ابھی مر جائیں گے۔

مجاھد بن جبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب میں عرب لوگوں کو دیکھتا، تو وہ لوگ مجھے کرخت معلوم ہوتے، لیکن جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اُن پر ایسی خشیت طاری ہوتی کہ یوں محسوس ہوتا کہ یہ ایسے جسم ہیں جن میں روح نہیں ہے۔ (عرب سے انکی مراد صحابہ اور تابعین ﷭ اجمعین ہیں)

ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے حبیب بن ابی ثابت کو نماز پڑھتے دیکھا تو یوں لگا جیسے وہ مردہ ہیں۔

یحیی بن وثاب ؒ جب نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو جتنی دیر تک اللہ چاہتا اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے، نماز کا حزن اور غم اُن پر ظاہر ہوتا۔

ابراھیم نخعی نماز کے بعد کچھ دیر یوں بیٹھے رہتے، جیسے وہ مریض ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ((رکعتان فی تفکر خیر من قیام لیلة والقلب ساہ))۔ (غور وفکر اور توجہ کیساتھ دو رکعتیں پڑھ لینا، غافل دل کیساتھ پوری رات کے قیام سے بہتر ہے)

ابوطالب مکی، بشر بن حارث سے اور وہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ((من لم یخشع فسدت صلاته))۔ (جو شخص خشوع اختیار نہ کرے، اسکی نماز فاسد ہو جاتی ہے)

حسن بصری سے منقول ہے: ہر وہ نماز جس میں دل حاضر نہ ہو، وہ سزا کی زیادہ مستحق ہے۔

معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں: جو شخص نماز میں اپنے دائیں بائیں کھڑے ہونے والے کو جان بوجھ کر پہچاننے کی کوشش کرتا ہے، اسکی کوئی نماز نہیں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چالیس سال اس بات کو گذر چکے ہیں کہ مجھے اپنے دائیں بائیں نماز پڑھنے والوں کی پہچان نہیں ہوتی کہ وہ کون ہیں؟ یہ اُس وقت سے ہوا ہے کہ جب سے میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا: ((الخشوع فی الصلاۃ ألا یعرف المصلي من علی یمینه وشماله))۔

(نماز میں خشوع یہ ہے کہ نمازی اپنے دائیں بائیں والوں کو نہ پہچانے)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف صالحین آدمی کیلئے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ جب وہ نماز میں کھڑا ہو تو اپنی نگاہ کو سجدے والی جگہ سے آگے نہ جانے دے، اور اگر آگے دیکھنے کی عادت پڑ چکی ہے تو آنکھیں بند کر لے تاکہ اِدھر اُدھر دیکھنے سے بچ سکے۔

عبد اللہ بن مسعود ؓ جب نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو اپنی نگاہیں، آواز اور ہاتھ

بالکل جُھکا لیتے۔

منصور بن معتمر جب نماز میں کھڑے ہوتے تو داڑھی کو سینے کیساتھ لگا دیتے۔

ربیع بن خیثم جو خاشعین میں سے تھے، فرماتے ہیں: جب بھی میں نماز میں داخل ہوتا ہوں تو مجھے صرف اس بات کی فکر ہوتی ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اور مجھے کیا کہا جا رہا ہے۔

عامر بن عبد اللہ بن قیس بھی اس امت کے خاشعین میں سے تھے، جب نماز پڑھتے تو انکی بیٹی دف بجاتی، اور عورتیں اپنی باتیں کرتیں، لیکن اِنہیں اُنکے اقوال وافعال کی کوئی خبر نہ ہوتی۔

ایک دن ان سے پوچھا گیا کہ آپکو نماز میں کچھ خیالات وغیرہ بھی آتے ہیں؟ تو فرمایا: ہاں! مجھے اپنے اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا خیال رہتا ہے، اور اس بات کا خیال آتا ہے کہ میں نے جنت یا جہنم کی طرف جانا ہے۔ تو کہا گیا کہ ہم اس بارے میں استفسار نہیں کررہے بلکہ دنیاوی خیالات اور شیطانی وسوسوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ تو فرمایا: ان خیالات کے آنے سے زیادہ مجھے یہ پسند ہوگا کہ درندے اپنے دانتوں سے میرے سینے کو بھنبھوڑ ڈالیں۔

سعد بن معاذ ؓ جو کہ نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں، فرماتے ہیں: جب کسی نماز میں میرا دل کسی اور بات کی طرف متوجہ ہو جائے تو میں اُس نماز کی قضاء دیتا ہوں، اور جب بھی کسی نمازِ جنازہ میں میرا نفس اُس بات کے علاوہ کچھ سوچتا ہے جو وہ نفس کہہ رہا ہے، یا اُس سے کہا جا رہا ہے، تو میں سلام پھیر دیتا ہوں۔

ایسی اور بھی بہت سی حکایات ہیں جو مذکورہ فاضلین اور انکے علاوہ دیگر بزرگوں سے منقول ہیں یہ اللہ کا فضل ہے، جسے وہ چاہتا ہے عنایت فرما دیتا ہے، ممکن ہے کہ اکثر اوقات انکی یہی حالت رہتی ہو یا ہمیشہ اسی طرح کی نمازیں ادا کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

بعض کا کہنا ہے کہ نماز کا تعلق آخرت کیساتھ ہے، جب آپ نماز میں داخل ہو گئے تو گویا

دنیا سے نکل گئے۔

کسی سے کہا گیا: کیا آپ نماز میں کسی اور چیز بھی یاد کرتے ہیں؟ تو فرمایا: کیا نماز سے زیادہ بھی میرے لیے کوئی محبوب چیز ہے کہ اُسے یاد کروں؟

جب آپکے دل میں خشوع ہو اور نماز کے موقع پر دل حاضر رہے، تو وسوسے خود بخود بھاگ جائیں گے، مناجات میں لذت محسوس ہوگی، اور دوسروں کے نزدیک لمبی اور طویل نماز آپکے لیے انتہائی مختصر اور خفیف ہوگی۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اسقدر طویل سجدہ کرتے تھے کہ پرندے آپکی پیٹھ پر آ کر بیٹھ جاتے اور یہی سمجھتے کہ یہ بھی دیوار کا کوئی حصہ ہے۔

حماد بن زید کہتے ہیں کہ عبداللہ بن غالب الحدانی جب سجدہ کرتے تو چارے کیلئے جانے والا جاتا اور چارہ لیکر پلٹ آتا، لیکن وہ اپنے حال پر ہوتے۔

یہ عبداللہ بن غالب بہت بڑے عبادت گزار تھے، یہی وہ شخص ہیں جنکی قبر سے کستوری کی خوشبو پھوٹ پڑی تھی اور کافی عرصے تک رہی، بہت سے علماء اور ثقات اسکا مشاہدہ کرنے کیلئے گئے تھے، لیکن جب انکی قبر پر لوگوں کا آنا جانا بڑھ گیا تو فتنے کا خوف ہوا، لہٰذا قبر کو برابر کر دیا گیا اور اسکے نشانات مٹا دیے گئے۔

ابن مغیث نے اپنی سند کیساتھ عبداللہ بن وہب سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ عید کے دن جب ہم نمازِ عید پڑھ کر پلٹے تو میں سلیمان بن قاسم رحمہ اللہ کے پیچھے ہولیا تاکہ دیکھوں کہ وہ ناشتہ کہاں کرتے ہیں، تو سلیمان رحمہ اللہ جامع مسجد میں داخل ہو گئے، میں بھی آپکے پیچھے پیچھے داخل ہو گیا، پھر وہ پہلی صف کی طرف گئے، تکبیر کہی اور نماز میں داخل ہو گئے، میں نے بھی انکے پیچھے ہلکی آواز میں تکبیر کہی اور دو رکعت نماز پڑھ کر تشہد میں بیٹھ گیا، اور سلیمان رحمہ اللہ سجدے میں گر پڑے، پھر میں نے انہیں سنا، وہ سجدے میں یہ کہہ رہے تھے: اے میرے رب! تیرے بندے آج دنیا کی رونقوں، زیب و زینت اور کھانوں کی طرف پلٹ گئے ہیں، اور تیرا بندہ سلیمان تیری طرف پلٹ آیا ہے اور تجھ سے

اس بات کا سوال کرتا ہے کہ تو اسکی گردن کو جہنم کی آگ سے آزاد کردے، اور تجھے تیری رحمت کا واسطہ دیکر تیری بخشش مانگتا ہے، ہائے! مجھے کیا معلوم کہ تو نے اپنے اس بندے کیساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ کیا اسکی دُعا سن لی ہے اور اس سے تجاوز کرلیا ہے؟ اگر ایسا ہے، تو پھر یہ بندہ آسودہ خاطر، سعادت مند اور کامیاب ہوگیا، اور اگر تو نے اسکی دُعائیں نہ سنیں اور اسے معاف نہ کیا تو یہ بندہ بدحال و نامراد ہوگیا اور اسکا بیڑا غرق ہوگیا،

اور پھر پھوٹ کر رو پڑے۔ کافی دیر تک میں انکے اٹھنے کا انتظار کرتا رہا، پھر جب انتظار طویل ہوگیا تو میں نے دل میں کہا کہ اب میں گھر جاتا ہوں کیونکہ جن لوگوں کیساتھ ملکر میں عید مناتا ہوں، وہ میرے منتظر ہوں گے اور اگر میں زیادہ لیٹ گیا تو وہ چلے جائیں گے، تو سجدے کی حالت میں ہی میں نے انکے کپڑے پر ایک علامت رکھ لی پھر اپنے گھر چلا گیا، ساتھیوں کیساتھ صبح کا کھانا تناول کیا، پھر کافی دیر تک انکے ساتھ بات چیت کرتا رہا، پھر وہ چلے گئے اور مجھے نیند نے آلیا اور میں کافی دیر تک سویا رہا، پھر بیدار ہوکر وضو کیا، نماز کیلئے لباس پہنا اور زوال کے قریب مسجد کی طرف چل پڑا، وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اسی حال میں سجدہ ریز ہیں اور میری علامت انکے کپڑوں پر اُسی طرح باقی ہے، جبکہ وہ رو رہے ہیں اور آہ وزاری کررہے ہیں یہانتک کہ اسی حال میں ظہر کا وقت ہوگیا۔

اور جہاں تک نماز میں رونے کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ بھی نماز میں رویا کرتے تھے، عبد اللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، اور آپکے سینے سے رونے کی بناء پر ہنڈیا کے کھولنے کی طرح کی آواز آرہی تھی۔ (نسائی)

آپ علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ابوبکر بہت نرم دل آدمی ہیں، جب قرآن پڑھتے ہیں تو اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہتا۔ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپکو خبر دی کہ وہ نماز میں روتے ہیں۔ (اس روایت کو مسلم بن حجاج نے ذکر کیا)

عبد اللہ بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی ہچکیوں کی آواز سنی، حالانکہ میں آخری صف میں کھڑا تھا، جبکہ وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ۔ یوسف/۸۶)

(میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں) (بخاری)

ان دونوں صحابہ کے علاوہ دیگر صحابہ بھی نماز میں رویا کرتے تھے، اور مسلمان بھی روتے تھے، اس حوالے سے بہت سی احادیث موجود ہیں۔

اور جان لیجئے کہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو نماز میں کوئی نیکی کا کام یاد آجاتا ہے جو کہ نماز کا حصہ نہیں ہوتا، اور اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نماز سے پہلے انسان مصروف ہوتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن عصر کی نماز پڑھی اور سلام پھیرنے کے فوراً بعد جلدی سے گھر چلے گئے، لوگوں کو تعجب ہوا، پھر آپ ﷺ نے واپس آکر اُنہیں بتلایا کہ مجھے نماز میں یہ بات یاد آگئی تھی کہ میرے گھر میں سونے کا ایک ٹکڑا پڑا ہے تو مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ وہ ہمارے پاس شام یا رات گذارے، لہٰذا میں نے اُسے تقسیم کرنے کا حکم دے دیا۔(بخاری)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: «اني لأجهز جيشي وانا في الصلاة »۔(بے شک میں نماز کی حالت میں لشکر تیار کرتا ہو)

اور اسکی وجہ یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ سرحدوں کی حفاظت، دشمنوں کے خلاف جہاد اور مسلمانوں کی اصلاح کے دیگر کاموں میں بہت زیادہ مصروف رہتے تھے اور یہ باتیں آپ پر غالب تھیں لہٰذا نماز میں بھی انکا خیال آجاتا تھا انتہی۔

❁❁❁❁❁❁❁❁
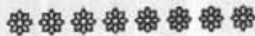
۵۸- ایک نادر فائدہ

ایمان کی زیادت کے اسباب

ایسا فائدہ جسکی ضرورت ہر اُس مؤمن کو ہے جسے ایمان پیارا ہے۔

یہ ان اسباب کی معرفت سے متعلق ہے جو ایمان کی قوت اور زیادتی کا باعث ہیں:

۱- اللہ تعالٰی کے اسماء وصفات کی معرفت، اُن پر تدبر اور انکے تقاضوں پر عمل کرنا۔

۲- قرآنِ حکیم پر تدبر کرنا۔ یہ اہم ترین سبب ہے۔

۳- اس وسیع وعریض کائنات پر غور وفکر کرنا، مثلاً آسمان، زمین، سورج، چاند، لیل ونہار وغیرہ۔

۴- ایک نقطے اور دھاگے میں بھی سنتِ نبوی کی اتباع کرنا۔

۵- اللہ عزوجل کا کثرت کیساتھ ذکر کرنا۔

۶- خشوعِ قلب کیساتھ اللہ تعالٰی کی طرف متوجہ ہونا اور کثرت کیساتھ دعائیں کرنا۔

۷- اچھا اخلاق۔ بلکہ یہ تو خود افضل ایمان ہے۔

۸- نبی کریم ﷺ کے معجزات کی معرفت۔

۹- نبی کریم ﷺ کی مثالی شخصیت، میٹھے اخلاق اور پیاری موہنی عادات کی معرفت۔

۱۰- دین اسلام کی خوبیوں کی معرفت۔

۱۱- کفر اور نفاق کی شاخوں سے اجتناب کرنا، کیونکہ تمام چیزیں اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۱۲- بعض اوقات اللہ تعالٰی کیساتھ خلوت اختیار کرنا۔

۱۳- صالح علماء کیساتھ بیٹھنا اور انکے عمدہ کلام کو چننا۔

۱۴- قرآن وحدیث کا علم۔

۱۵- ہر عبادت میں احسان کے درجے پر پہنچنے کی سعی کرنا۔

۱۶- اللہ کیلئے تواضع اور حسنِ ادب اختیار کرنا۔

۱۷- اہل ایمان سے اللہ کیلئے محبت کرنا۔

۱۸- اللہ سے دور کرنیوالی ہر چیز سے اجتناب کرنا۔

۱۹- جہاد فی سبیل اللہ۔

۲۰- نیک عمل۔ کیونکہ ہر نیک عمل مؤمن کے ایمان میں اضافہ کرتا ہے۔

یہ تمام امور تفصیل اور دلیل طلب ہیں، لیکن ہم نے یہاں اجمالاً انکا تذکرہ کیا ہے کیونکہ یہ انتہائی واضح امور ہے اور اختصار سے حفظ میں آسانی رہتی ہے میں اللہ مالک ومولیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ایمان ویقین کو قوی کردے اور ہمیں اپنے سچے مؤمن بندوں میں شامل فرمالے۔ آمین۔
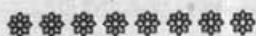
اللہ کا خوف کیسے حاصل ہوگا؟

بندے کے ایمان کے حوالے سے یہ عزیز ترین چیز ہے، اور آجکل کے زمانے میں شاذ ونادر ہی پایا جاتا ہے۔

جان لیجئے کہ خوف اُس وقت پایا جاتا ہے جب انسان کیلئے کوئی ناپسندیدہ چیز متوقع ہو اور وہ ناپسندیدہ چیز فی ذاتہ بھی مکروہ ہو سکتی ہے جیسے آگ، اور کسی ناپسندیدہ چیز تک پہنچانے والی بھی ہو سکتی ہے جیسے گناہ۔ کیونکہ گناہوں کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے مریض اُن پھلوں سے پرہیز کرتا ہے جو اسکے مرض کو بڑھا کر موت کا باعث بن جاتے ہیں۔

ہر خائف کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دل میں دونوں قسموں کا خوف پیدا کر دے، اور مکروہ کا تصور اس حد تک بڑھ جائے کہ اسکا انتظار دل کو جلا ڈالے۔ تو وہ لوگ جنکے دلوں میں اس چیز کا خوف غالب ہو جو فی نفسہ ناپسندیدہ نہ ہو، لیکن ناپسندیدہ تک پہنچانے کا باعث ہے، مثلاً:

۱- وہ لوگ جن پر توبہ سے پہلے موت کا خوف طاری ہو۔

۲- یا توبہ اور عہد کے ٹوٹ جانے کا خوف ہو۔

۳- یا اللہ کے حقوق کو ٹھیک طور پر ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو۔

۴- یا رقتِ قلب کے زوال اور قساوت پیدا ہو جانے کا خوف ہو۔

۵- یا راہِ استقامت سے ہٹ جانے کا خوف ہو۔

۶- یا ان خواہشات کے غلبے کا خوف جو کہ انسان کی عادت بن چکی ہیں۔

۷- یا اس بات کا خوف کہ اللہ تعالیٰ اُسے اسکی اُن نیکیوں کے سپرد ہی نہ کردے، جن پر وہ تکیہ کئے بیٹھا ہے، اور اللہ کے بندوں پر فخر جتلاتا ہے۔

۸- یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت پر اکڑ اور غرور پیدا ہو جانے کا خوف۔

۹- یا اللہ سے ہٹ کر غیر اللہ کیساتھ مشغولیت کا خوف۔

۱۰- یا مسلسل اور متواتر نعمتوں پر استدراج کا خوف۔

۱۱- یا نیکیوں میں چھپے فساد کے ظاہر ہو جانے کا خوف، کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکے اعمال کے ایسے نتائج پیدا کردے جو اسکے وہم وگمان میں بھی نہ ہوں۔

۱۲- یا لوگوں کیساتھ کی گئی حق تلفیوں مثلاً غیبت، خیانت، دھوکہ اور بلا جواز دشمنی کے تاوان کا خوف۔

۱۳- یا بقیہ عمر میں کیا ہونے والا ہے؟ اس بات کا خوف۔

۱۴- یا دنیا میں جلدی ملنے والی سزا، اور موت سے پہلے رسوائی کا خوف۔

۱۵- یا دنیا کی چمک دمک پر دھوکے میں پڑ جانے کا خوف۔

۱۶- یا غفلت کی حالت میں کئے گئے پوشیدہ اعمال پر اللہ کی اطلاع کا خوف۔

۱۷- یا بُرے خاتمے کا خوف۔

۱۸- یا ازل سے لکھ دی جانے والی تقدیر کا خوف۔

یہ تمام خوف عارفین کو لاحق ہوتے ہیں، اور انکے لیے عمل کی راہیں متعین کرتے ہیں، ان میں سے ہر خوف کا ایک مخصوص فائدہ ہے، اور وہ یہ کہ انسان جس چیز سے خوفزدہ ہو اُس سے بچاؤ کا راستہ اختیار کرے، جو شخص عادت کے غلبے کا خوف رکھتا ہے اُسے عادات ترک کردینی چاہئیں، جو شخص اپنے بھیدوں پر اللہ کی اطلاع کا خوف رکھتا ہو، اسے اپنے دل کو پاک صاف رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، اسی طرح دیگر معاملات ہوں گے۔ لیکن ان میں شدید ترین خوف بُرے خاتمے اور قضاء وقدر کا خوف ہے۔ اسکے لیے تقدیر سے متعلقہ احادیث کا مطالعہ کیجئے۔ (الاحیاء ۵/۸، ۹)

مومن اپنے رب تعالیٰ سے کیوں ڈرے؟

اللہ تعالیٰ کا خوف دراصل اسکی بادشاہت، ملکیت، اور مخلوق پر اسکی مشیعت کے نفوذ کا اعتراف ہے، اور اس سے غفلت عبودیت سے غفلت ہے، کیونکہ مملوک پر حق ہے کہ اپنے مولیٰ سے ڈرے، کیونکہ مولیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے، اور بندہ اسکے مقابلے سے عاجز ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے خوف کی کئی اقسام ہیں:

ا- وہ خوف جو بندے کو خود آگاہی سے حاصل ہوتا ہے کہ بندہ کس قدر کمزور، درماندہ، عاجز اور قاصر ہے، اگر اللہ اسے نقصان پہنچانا چاہے تو بندے کی مجال نہیں کہ اللہ کی مشیت سے بھاگ سکے، یہ ایسا ہی خوف ہے جیسا اولاد کو والد سے، غلاموں کو آقا اور لوگوں کو بادشاہوں سے ہوتا ہے اگر چہ بادشاہ نیک اور عادل ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا آپکو چاہیے کہ اپنے عجز اور ضعف، اور مالک کی قوت، کبریائی، عظمت اور آپ سے بے پرواہی کا تصور پیدا کریں، یہ تصور آپکے دل میں خوف پیدا کردے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (یس/۷۷)

(کیا انسان دیکھتا نہیں کہ ہم نے اُسے ایک نطفے سے پیدا کیا، پھر ناگہاں وہ صریح جھگڑالو بن گیا)

اور فرمایا: ﴿ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴾ (نوح/۱۳)

(تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے)

اور فرمایا: ﴿ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴾۔ (الاسراء/۶۸)

(کیا تم اس بات سے بے خوف ہو چکے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب زمین میں دھنسا دے، یا تم پر پتھروں کی بارش نازل کر دے، پھر تم اپنے لیے کوئی نگہبان نہ پاسکو)

اور فرمایا: ﴿ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ، اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴾ (الملک/۱۶-۱۷)

(کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تمہیں زمین میں دھنسا دے، اور اچانک زمین لرزنے لگے، یا کیا تم اس بات سے نڈر ہو گئے ہو کہ آسمانوں والا تم پر پتھر برسا دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا تھا)

اس خوف کا شعور پیدا کرنے کیلئے یہ آیات آپکے لیے مفید ہونگی۔

۲- وہ خوف جسکا باعث محبت ہو، یعنی بندے کو تمام اوقات میں اس بات کا خوف لاحق رہے کہ کہیں اسکا مہربان اور محسن مالک اس سے ناراض نہ ہو جائے اور اسکی محبت تک پہنچنے کے راستے مسدود نہ ہو جائیں۔

یہ انداز اور اخلاق ہر اس غلام کا بھی ہوتا ہے جسکا آقا اسکے ساتھ حسن سلوک کرتا ہو اور غلام اسکے احسانات کی قدر کرتا ہو، اور اپنے مالک سے محبت کی وجہ سے اسکے حقوق کی ادائیگی تندہی سے کرے اور پھر بھی ڈرتا ہے کہ میرا آقا کسی وجہ سے ناراض نہ ہو جائے۔

اسی وجہ سے اہل ایمان اور راسخین یہ دُعائیں پڑھتے ہیں:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ﴾۔(آل عمران/۸)

(اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا مت کرنا)

«يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ، وَيَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ»۔(اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کی اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے، اور اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ)

اس حوالے سے بہت سی دُعائیں آئی ہیں جو اہل ایمان کے اسی خوف پر دلالت کرتی

ہیں، بلکہ ان دعاؤں کا صحیح تصور اور شعور خود خوف کو پیدا کرتا ہے۔

۳-ان شدید وعیدوں سے بھی خوف پیدا ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب میں دی ہیں۔ مثلاً: ﴿ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ ﴾ (آل عمران/۱۳۱)

(اور اُس آگ سے بچو، جو کفار کیلئے تیار کی گئی ہے)

﴿ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم/۶)

(اپنے نفسوں اور اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ)

اور کہیں فرمایا کہ مجھ سے ہی ڈرو، میرا ہی خوف کرو، وغیرہ۔ بہت سی آیات ہیں جو بندوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتی ہیں۔

اسی طرح احادیث نبوی میں بھی اس حوالے سے بہت سی وعیدیں ہیں جن میں سے بعض کا مطالعہ کرنے کیلئے شعب الایمان (۴۶۷/۱) کی طرف رجوع کیجئے۔

جنید بغدادی فرماتے ہیں: بندے سے خوف ساقط نہیں ہوتا، جو شخص جتنی زیادہ اللہ کی معرفت رکھے اتنا ہی اُسے خوف بھی شدید تر لاحق ہوتا ہے۔

پھر ڈرنے والوں کی بھی اقسام ہیں:

۱-وہ لوگ جو اپنے جرائم سے ڈرتے ہیں۔

۲-وہ لوگ جو اپنی نیکیوں کی عدم قبولیت کا خوف رکھتے ہیں۔

۳-وہ لوگ جو برے انجام سے ڈرتے ہیں۔ (قوت القلوب ۵۰۴/۱)

عمر ﷛ نے فرمایا: ((مزاح مروت کو ختم کر دیتا ہے اور دلوں کو غصے سے بھڑکا دیتا ہے))

اور عمر ﷛ نے اپنے عمال کو یہ بات لکھی، اور کہا کہ لوگوں کو مزاح سے منع کرو۔

اور اسی طرح یہ بھی فرمایا: جو شخص زیادہ ہنستا ہے اسکی ہیبت کم ہو جاتی ہے، اور جو مزاح کرتا ہے اُسے ہلکا اور معمولی سمجھا جاتا ہے، جو شخص کثرت کیساتھ کوئی چیز کرے تو وہی چیز اسکی پہچان بن جاتی ہے اور جس شخص کا کلام زیادہ ہو، اسکی غلطیاں بھی زیادہ ہونگی، اور جسکی

غلطیاں زیادہ ہوں اسکا حیا کم ہوجائیگا، اور جسکا حیا کم ہوجائے، اسکا ورع بھی کم ہوجاتا ہے، اور جسکا ورع وتقویٰ کم ہوجائے، اسکا دل مردہ ہوجاتا ہے، اور جسکا دل ہی مردہ ہوجائے تو آگ ہی اسکے زیادہ لائق ہے۔ (قوت القلوب ۱/۲۰۶)

ایک دانا شخص نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! کسی معزز شخص سے مزاح مت کرنا، کہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے: اور نہ ہی کسی گھٹیا شخص سے مزاح کرنا، کہ وہ تم پر جری ہوجائے۔ (تنبیہ ۱/۲۱۷)

ایک اور دانا کا قول ہے: «لکل شيء بذر وبذر العداوة المزاح» (قوت القلوب ۱/۲۰۷) (ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور دشمنی کا بیج مزاح ہے)۔

محمد بن عبد الله العابد کہتے ہیں: جو فضول نظر کو ترک کردے، اسے خشوع کی توفیق مل جاتی ہے، اور جو تکبر سے باز آجائے اسے تواضع حاصل ہوجاتا ہے، اور جو فضول کلام چھوڑدے اُسے حکمت ملتی ہے، اور جو غیر ضروری کھانا نہ کھائے اسے عبادت کی مٹھاس نصیب ہوتی ہے، اور جو مزاح سے بچ جائے اُسے رونق عطا کی جاتی ہے، اور جو ہنسی ترک کردے اسے ہیبت حاصل ہوتی ہے، اور جو لوگوں سے امیدیں کاٹ ڈالے اُسے لوگوں کی محبت حاصل ہوتی ہے، اور جو جاسوسی سے پرہیز کرے اس کو اپنی خامیوں کی اصلاح کرنے کی توفیق ملتی ہے، اور جو اللہ کی صفات کے بارے میں وہم نہ کرے اُسے شک اور نفاق سے نجات مل جاتی ہے۔ (تنبیہ ۱/۲۱۵۔ کلام نفیس جداً)

یحیی بن معاذ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چار چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے مؤمن کیلئے ہنسی اور خوشی کو باقی ہی نہیں چھوڑا: قیامت کی فکر، معاش کی مصروفیت، گناہوں کا غم اور مصائب کا نزول۔ (تنبیہ ۱/۲۱۳)

کہا جاتا ہے کہ تین چیزیں دل کو سخت کردیتی ہیں: کسی تعجب والی بات کے بغیر ہنسنا، بھوک کے بغیر کھانے، ضرورت کے بغیر بولنا۔ (تنبیہ ۱/۲۱۶)

ابو عبیدہ بن جراح ﷛ فرماتے ہیں: ابن آدم کا دل چڑیا کی طرح ہے، جو دن میں

سات دفعہ بدلتا ہے۔ (وروی مرفوعاً کمافی شعب الایمان ۱/۴۷۴)

بعض علماء کا قول ہے: اس امت کے بہترین افراد وہ ہیں جو لوگوں کے سامنے تو اپنے رب کی وسعتِ رحمت پر مسکراتے اور ہنستے ہیں، لیکن تنہائیوں میں اپنے رب کے سخت ترین عذاب کے خوف سے روتے ہیں، اور صبح شام پاکیزہ گھروں (مساجد) میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں، لوگوں پر بہت کم تکلیف ڈالتے اور اپنی جانوں پر بھاری مشقتیں ڈالتے ہیں۔

عقبہ بن عبد السلمی رضی اللہ عنہ اور محمد بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کسی بندے کو یومِ پیدائش سے لیکر بوڑھا ہو کر مرنے تک اللہ کی رضا کیلئے منہ کے بل گھسیٹا جائے، تو بھی قیامت کے دن وہ اس تکلیف کو حقیر سمجھے گا اور چاہے گا کہ اُسے دوبارہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تاکہ مزید اجر و ثواب حاصل ہو۔ (شعب الایمان ۱/۴۷۹)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: اے میرے بیٹو! گھٹیا آدمی سے دور رہو۔ بیٹوں نے پوچھا: گھٹیا کون ہوتا ہے؟ فرمایا: گھٹیا انسان وہ ہے جو اللہ عز و جل سے نہ ڈرے۔ (سابقہ حوالہ)

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپکو کس چیز نے بوڑھا کر دیا ہے؟ فرمایا: سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔

(مستدرك حاكم ٤٧٦/٢، شعب الايمان للبيهقي ٤٧٢/١، باسناد صحيح)

ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«انما يدخل الجنة من يرجوها، وانما يجتنب النار من يخافها، وانما يرحم الله من يرحم»۔ (الشعب ۱/۴۸۳)

(جنت میں صرف وہی جائے گا جو اسکا امیدوار ہے، اور جہنم سے وہی بچے گا جو اُس سے ڈرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اُس پر رحم فرماتا ہے جو بندوں پر رحم کرے)

ابوبکر صدیق ﷛ فرماتے ہیں: اے پرندے! تو کامیاب ہے کہ درختوں پر بسیرا کرتا اور پھل وچگتا پھرتا ہے، نہ تجھ پر عذاب ہے نہ حساب۔

عمر ﷛ فرماتے ہیں: «یا لیتنی کنت کبشاً»۔ (کاش کہ میں مینڈھا ہوتا)

ابوالدرداء ﷛ فرماتے ہیں: کاش کہ میں درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا اور میرا پھل کھالیا جاتا اور میں بشر نہ ہوتا۔ ایسا ہی قول ابوذر رضی اللہ عنہ سے بھی ملتا ہے۔

(الشعب ۴۸۵/۱)

عمر ﷛ نے ایک مرتبہ بھوسے کا ایک تنکا اٹھایا اور کہا: کاش کہ میں تنکا ہوتا، اور کچھ نہ ہوتا۔ کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی، کاش کہ میں بھولی بسری کوئی چیز ہوتا۔

عمران بن حصین ﷛ فرماتے ہیں: میری خواہش ہے کہ میں کسی ٹیلے پر پڑی خاک ہوتا اور سخت آندھی والے دن ہوائیں مجھے اڑا کر بکھیر دیتیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کاش کہ میں کوئی بھولی بسری چیز ہوتی۔ (یعنی خوف الٰہی کا یہ عالم تھا)

ابن مسعود ﷛ نے فرمایا: کاش کہ میں یہ درخت ہوتا۔ (الشعب ۴۸۶/۱)

عمر ﷛ کے چہرے پر رونے کی کثرت کی بناء پر دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔

(الشعب ۴۹۳/۱)

علی ﷛ فرماتے ہیں: جب تم میں سے کوئی اللہ کے خوف سے روئے تو اپنے کپڑے سے آنسو نہ پونچھے، بلکہ انہیں یونہی رخساروں پر بہنے دے، تا کہ انہی آنسوؤں کیساتھ اسکی ملاقات رب تعالیٰ سے ہو۔ (الشعب ۴۹۴/۱)

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس آنکھ میں اللہ کے خوف سے آنسو بھر آتے ہیں، اسکے پورے بدن کو اللہ تعالیٰ آگ پر حرام کر دیتا ہے، اور اگر آنسو رخسار پر بہہ پڑیں تو اس چہرے کو کبھی سیاہی یا ذلت نہیں ڈھانپ سکتی، ہر عمل کا کوئی نہ کوئی وزن یا ثواب ہے سوائے آنسو کے، کیونکہ یہ تو آگ کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے، کسی امت میں اگر ایک

آدمی بھی اللہ کی خشیت سے روتا ہے تو مجھے امید ہے کہ صرف اُس ایک شخص کے رونے کی وجہ سے پوری پر رحم کیا جائیگا۔ (الشعب ۱/۴۹۵، وروی مرفوعا مرسلا)

سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں: زیادہ مت ہنسو! کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دانا آدمی کا دل بھی کمزور ہو جاتا ہے، اور اللہ کی خشیت کو لازم پکڑو، کیونکہ یہ ہر چیز کی منزل ہے۔ (الشعب ۱/۴۹۹)

عبد اللہ بن ثعلبہ فرماتے ہیں: تم ہنستے ہو، جبکہ ممکن ہے کہ تمہارا کفن دھوبی سے دھل کر بھی آ چکا ہو۔

آدم علیہ السلام نے فرمایا: ہم تو جنت کے اسیر تھے، لیکن شیطان نے ایک خطا کی وجہ سے ہمیں دنیا میں قید کروا دیا، اب ہمیں اُس وقت تک رونا اور غمگین رہنا ہوگا جب تک کہ ہم اُس گھر میں نہیں پہنچ جاتے کہ جس سے ہم اغوا کیے گئے ہیں۔ (شعب الایمان ۱/۵۰۰)

سعید نے غفیرہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے پوچھا: کیا تم اتنا رونے سے اکتاتی نہیں ہو؟ تو انہوں نے کہا: اے سعید! کوئی مریض اُس دوا سے کیونکر اُکتا سکتا ہے کہ جس دوا میں وہ اپنی بیماری کی شفا سمجھے۔ (شعب ۱/۵۰۱)

جب معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت حاضر ہوا تو وہ رونے لگے، تو لوگوں نے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو کر بھی روتے ہیں؟ جبکہ آپ کی تو یہ اور یہ شان اور مقام ہے؟ تو فرمانے لگے: میں نہ تو موت کی گھبراہٹ پر روتا ہوں اور نہ ہی دنیا کو چھوڑنے پر، لیکن میں تو اس بات پر روتا ہوں کہ لوگ دو مٹھیاں ہیں، ایک مٹھی جنت میں اور دوسری مٹھی جہنم میں۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میرا تعلق کس مٹھی کیساتھ ہے۔

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «لأن أدمع دمعة من خشية الله أحب الي من أن أتصدق بألف دينار» (الشعب ۱/۵۰۲)

(اللہ کی خشیت سے ایک آنسو رولینا مجھے ہزار دینار صدقہ کر دینے سے زیادہ محبوب ہے)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی موت کے وقت عبد الرحمٰن کو وصیت فرمائی: میں تمہیں اس

بات کی وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے گھر میں ٹکے رہو، اپنی زبان کی حفاظت کرو، اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔ (الشعب ۱/۵۰۳)

یحیی بن معاذ الرازی فرماتے ہیں: ایک مؤمن دنیا میں کیسے خوش رہ سکتا ہے، کہ اگر گناہ کرے تو مؤاخذے کا خوف، اور نیکی کرے تو عدم قبولیت کا خوف اُس پر طاری رہتا ہے۔ (شعب ۱/۵۰۴)

اور اسی طرح فرمایا: مجھے میرا عمل کیسے نجات دلا سکتا ہے؟ کیونکہ میں کبھی نیکی کرتا ہوں اور کبھی برائی۔ میری برائیوں میں تو نیکی کا تصور ہی نہیں جبکہ میری نیکیاں برائیوں کیساتھ ملی ہوئی ہیں۔ (اور اے میرے مالک) تو صرف اخلاص والا عمل ہی قبول فرماتا ہے، تو اب تیری سخاوت اور احسان کے سوا کس چیز کا سہارا باقی رہا!۔

ابو ھریرہ ﷺ فرماتے ہیں: اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد زنا یا کوئی کبیرہ گناہ کروں، اُن سے کہا گیا: کیا آپ جیسا شخص بھی یہ بات کہتا ہے یا اس بات سے ڈرتا ہے، حالانکہ آپ اتنے عمر رسیدہ ہو چکے، خواہشات منقطع ہو چکیں، اور آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اور آپ ﷺ سے علم حاصل کیا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کونسی چیز بے خوف کر سکتی ہے جبکہ ابلیس ابھی زندہ ہے؟۔

ابو الدرداء ﷺ جب نماز پڑھتے تو تشہد میں نفاق سے پناہ مانگتے، جبیر بن نفیر نے کہا: آپ کا نفاق سے کیا واسطہ؟ تو فرمایا: اے اللہ مجھے بخش دے (تین مرتبہ یہ بات کہی) اور فرمایا: فتنے سے کون بے خوف ہو سکتا ہے؟ فتنے سے کون بے خوف ہو سکتا ہے؟ اللہ کی قسم! بے شک ایک شخص تھوڑی ہی دیر میں فتنے میں مبتلا ہو کر اپنے دین سے برگشتہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان ۱/۵۰۶)

ابو الدرداء ﷺ فرماتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ میں ایمان کی مٹھاس کا اثر تم پر نہیں دیکھتا، اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر جنگل کا ریچھ بھی ایمان کا ذائقہ چکھ لے،

تو اس پر بھی حلاوتِ ایمان کے اثرات ظاہر ہو جائیں، جو بندہ اپنے ایمان پر خوف رکھتا ہے اُسے ایمان کی توفیق ملتی ہے اور جو ایمان کے حوالے سے بے خوف ہو جاتا ہے، اس سے ایمان سلب کر لیا جاتا ہے۔ (شعب ۵۰۶/۱)

حسن بصری کا قول پیچھے گذر چکا ہے کہ ایمان کے حوالے سے بے خوف ہو جانے والا منافق ہے۔ اور فرمایا: اللہ کی قسم! اس زمین کی پشت پر صبح اور شام کرنے والا کوئی مؤمن ایسا نہیں جو نفاق کا خوف نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ صرف منافق ہی نفاق سے بے خوف ہوتا ہے۔ (شعب الایمان ۵۰۶/۱)

ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بصیرت چار چیزوں سے بے خوف نہیں رہ سکتے: وہ گناہ جو ہو چکا، معلوم نہیں کہ رب تعالٰی اُسکا کیا بدلہ دے؟۔ اور وہ عمر جو ابھی باقی ہے، معلوم نہیں کہ اُس میں کیا کیا آفتیں آنے والی ہیں؟۔ اور وہ مال و منال جو انسان کو عطا ہوا، ممکن ہے کہ وہ مکر اور استدراج ہو۔ اور وہ گمراہی جو اسکے لیے مزین کر دی گئی اور وہ اُسے ہدایت سمجھتا ہے۔

اور ان چیزوں کے علاوہ ایک اور اہم ترین چیز ہے، اور وہ یہ کہ انسان اس بات کا خوف بھی رکھے کہ اسکا دل آہستہ آہستہ ٹیڑھا نہ ہوتا جائے کہ پھر اچانک پلک جھپکنے سے بھی پہلے اُسکا دین سلب کر لیا جائے اور اسے شعور بھی نہ ہو۔ (یہ انتہائی مفید کلام ہے) (شعب ۵۰۲/۱)

بلال بن سعد رحمہ اللہ اپنی دعاؤں میں کہا کرتے: اے اللہ! بے شک میں دل کے ٹیڑھ، گناہوں کے انجامِ بد، اعمال کی ہلاکت خیزیوں، اور نفس کے گمراہ کن وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

سری رحمہ اللہ کہا کرتے: اے اللہ! تو مجھے کوئی بھی عذاب دے مگر دل پر حجاب کی ذلت نہ دینا۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ بہت کثرت کیساتھ رویا کرتے تھے، پوچھا گیا: کیا آپ گناہوں کی وجہ سے روتے ہیں؟ تو انہوں نے سامان میں سے ایک ٹہنی اُٹھا کر اُسے پھینک دیا اور کہا

: میرے گناہ تو میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہیں، لیکن مجھے تو اس بات کا خوف ہے کہ مجھ سے توحید ہی سلب کرلی جائے۔

اسحق بن خلف فرماتے ہیں: بندے کا یہ کہنا کہ، کاش مجھے اپنے خاتمے کا علم ہو جائے کہ میرا انجام کیا ہوگا؟ اس سے بڑھ کر ابلیس کی کمر توڑنے والی اور کوئی چیز نہیں، اس موقع پر ابلیس اس سے مایوس ہو جاتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ بندہ اپنے عمل پر فخر وتعجب کب کریگا؟۔ (شعب الایمان ۱/۵۰۸)

سری رحمہ اللہ کہتے ہیں: نیک لوگوں کے دل خاتمے کیساتھ معلق رہتے ہیں، جبکہ مقربین کے دل قضاء وقدر کیساتھ معلق رہتے ہیں۔ اول الذکر کہتے ہیں: ہمارا انجام نجانے کیا ہو؟ اور ثانی الذکر کہتے ہیں: اللہ نے ہمارے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟۔

کتانی رحمہ اللہ نے فرمایا: غفلت سے انتباہ کے وقت تھوڑی دیر کا خوف اور اس موقع پر اپنی خواہشاتِ نفس سے کٹ کر بدن کا کانپ جانا قطعی طور پر جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ (شعب الایمان ۱/۵۰۹)

احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں: افضل ترین رونا اُس بندے کا رونا ہے جو اپنے اُن اوقات پر آنسو بہائے جو غیر موافق کاموں میں صرف ہوگئے، یا مخالفت میں گذر گئے۔ (یہ بھی انتہائی مفید کلام ہے)

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کا غضب ایسی چیز ہے جسکی کوئی دوا نہیں۔ (شعب الایمان ۱/۵۰۹)

دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، آخرت کی چابی بھوک ہے، اور دنیا کی چابی پیٹ بھر کر کھانا ہے۔ (قالہ ابو سلیمان رحمہ اللہ۔ شعب الایمان ۱/۵۱۱)

ابراهیم بن ادهم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خواہش انسان کو سیراب کرتی ہے، اور اللہ کا خوف شفا دیتا ہے، اور جان لیجئے کہ جب آپ اُس ذات سے ڈر جائیں گے جو آپکو دیکھنے والی ہے تو آپکے دل سے خواہشات خود زائل ہو جائیں گی۔

رزین ابو اسماء کہتے ہیں: ایک شخص گھنے جنگل میں داخل ہوا اور کہنے لگا: اگر میں یہاں تنہائی میں کوئی برائی کرلوں تو مجھے کون دیکھے گا؟ تو جنگل کے اطراف سے ایک جماعت کی آواز آئی: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الملک/۱۴)

(کیا وہ نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا، وہ تو باریک بین، بہت خبر رکھنے والا ہے)

ایک دیہاتی نے ایک دیہاتی عورت سے برائی کرنا چاہی تو اُس عورت نے کہا: تمہاری ماں تمہیں گم پائے، کیا تمہارے پاس کوئی شرافت اور دین نہیں جو تمہیں برائی سے روک سکے؟ تو دیہاتی شخص نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں تو صرف ستارے ہی دیکھ رہے ہیں۔ تو اس دیہاتن نے کہا: تو ان ستاروں کو بنانے اور چلانے والا کہاں گیا؟۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «من خاف ادلج، ومن ادلج بلغ المنزل ، الا ان سلعة الله لغالية الا وان سلعة الله الجنة»

(رواه البيهقى فى الشعب عن ابى هريرة رضى الله عنه)

جو شخص خوفزدہ ہو وہ رات کو سفر کرتا ہے، اور جو رات کو سفر کرے، وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے، سن لو! یقیناً اللہ کا سامان بہت مہنگا ہے، اور سن لو! کہ اللہ کا سامان جنت ہے)

(بیہقی شعب الایمان) (یہ صحیح حدیث ہے جو باقی اقوال سے مستغنی کردیتی ہے)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جسقدر کوئی بندہ اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے اتنی ہی خشیت اسکے دل میں پیدا ہوتی ہے، اور جس قدر جنت کا شوق پیدا ہو، اتنی ہی دنیا سے بے رغبتی بڑھ جاتی ہے۔

داؤد طائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوف کی کچھ حرکات ہیں جو خائفین میں پہچانی جاسکتی ہیں، اور کچھ مقامات ہیں جو محبین میں جانے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح کچھ بے قراریاں ہیں جو مشتاقین میں نظر آتی ہیں۔ اِن لوگوں کا کیا مقام ہے؟ یہی تو کامیاب لوگ ہیں۔

سری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دو چیزیں مفقود ہو چکی ہیں: بے قرار کردینے والا خوف، اور اضطراب میں ڈالنے والا شوق۔

ذوا النون بن ابراھیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فرض نماز خوف کی چابی ہے، نفل نماز امید کی چابی ہے، اور ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا شوق کے دروازے کی چابی ہے، خوف کے ذریعے فرض حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ فرض کے ذریعے خوف حاصل ہوتا ہے۔ اور امید کے ذریعے نفل کو نہیں پایا جاسکتا، لیکن نفل کے ذریعے امید پائی جاتی ہے، اور جو شخص اپنے دل اور زبان کو اللہ کے ذکر کیساتھ مشغول رکھے، اللہ تعالیٰ اسکے دل میں اپنی طرف شوق کا نور ڈال دیتا ہے، یہ اس کائنات کا عظیم راز ہے اسے سمجھ لو اور پلے باندھ لو۔ (شعب الایمان ۱/۵۱۳)

ابراھیم بن شیبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«الخوف اذا سكن القلب أحرق مواضع الشهوات فيه وطرد عنه رغبة الدنيا وأسكت اللسان عن ذكر الدنيا»۔

(جب خوف دل میں بسیرا کرلے تو شہوات والی جگہوں کو جلا ڈالتا ہے، اور دنیا کی رغبت کو دل سے مار بھگاتا ہے، اور زبان کو دنیا کے تذکرے سے خاموش کردیتا ہے۔

یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ خوف کے باوجود آنکھ کیسے سوتی ہے؟ اور حساب کتاب کا یقین ہونے کے بعد بھی دل کیسے غافل ہوجاتا ہے؟ جو شخص بندوں پر واجب ہونے والے اللہ کے حقوق کو پہچان لے، تو اسکی آنکھیں اُسے ہر وقت انتہائی جدوجہد اور کوشش کرتا ہوا دیکھیں گی، اللہ تعالیٰ نے تو دلوں کو اپنے ذکر کے مسکن کے طور پر پیدا کیا تھا، لیکن یہ دل شہوات کا مسکن بن چکے ہیں، جبکہ شہوات دلوں کے بگاڑ اور اموال کے تلف وضیاع کا باعث ہیں، اور شہوات کو دل سے مٹانے والی چیز صرف بے قرار دینے والا خوف اور مضطرب کردینے والا شوق ہے۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے ہارون رشید سے کہا: اے امیر المؤمنین! اپنے دل کو حزن اور خوف کیلئے خالی رکھو یہانتک کہ یہ دونوں تمہارے دل میں بسیرا کرلیں، تمہیں اللہ کی نافرمانیوں سے روک دیں اور جہنم کے عذاب سے دور کردیں۔

احمد بن عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوف کی قلت کا سبب دل میں غم کی قلت ہے،

اور جب دل میں غم اور حزن کی قلت ہو جائے تو وہ ویران ہو جاتا ہے، جیسا کہ جس گھر میں کوئی رہنے والا نہ ہو ویرانیاں وہاں بسیرا کر لیتی ہیں۔ (وروی نحوہ عن مالک بن دینار رحمہ اللہ شعب الایمان (۱/۴۱۵)

اسی طرح فرمایا: حزن وملال کے نتیجے میں عمل صالح پیدا ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے: «ان اللہ یحب کل قلب حزین»۔ (بے شک اللہ تعالیٰ ہر غمزدہ دل کو پسند کرتا ہے)

(اخرجه الحاكم ٤/٣١٥، والبيهقي في الشعب ١/٥١٥ وابو نعيم في الحلية ٦/٧٠ باسناد منقطع، ثم ذكر البيهقي اسناداً آخر فقال: وهذا اصح)

ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کیلئے عظیم ترین مصیبت یہ ہے کہ اُسے اپنی کسی کوتاہی کا علم ہو لیکن اسکے باوجود وہ اسکی کوئی پرواہ نہ کرے اور نہ اُس پر غمگین ہو۔ (یہ بہت عجیب کلام ہے)

شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فکر اور خوف سے بڑھ کر کسی بندے کیلئے کوئی بہترین ساتھی نہیں ہو سکتا، فکر ماضی کے گناہوں کی ہو اور خوف آئندہ کے پیش آمدہ حالات پر ہو کہ جن سے وہ ناواقف ہے۔

سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کوئی بھی شخص اُس وقت تک خوف کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ وہ ان تمام باتوں کا خوف نہ رکھے اور اُن پر غمگین نہ ہو کہ جو اسکے حوالے سے اللہ کے علم میں ہیں۔

استاذ ابو سہل الصعلوکی سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں سوال ہوا: «فبذلك فليفرحوا»۔ (پس اسی چیز پر انہیں خوش ہونا چاہیے) پوچھا گیا: جس شخص کو اپنے انجام کا علم نہیں وہ کیسے خوش ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا: جب اللہ کے فضل اور اسکی رحمت پر نظر ڈالے گا تو خوش ہوگا، اور جب اسکی نظر پلٹے گی تو غمگین ہوگا، یعنی بعض اوقات خوش اور بعض اوقات غمگین ہوگا۔ اسی کا نام خوف اور امید ہے۔

ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدائش سے پہلے ہی اُن میں

سے بعض کو عزت بخشی اور بعض کو ذلیل کر دیا، جنت اور جہنم میں سکونت دینے سے پہلے ہی بعض کو اطاعت کی توفیق بخشی اور بعض کو معصیت میں مبتلا کیا اور یہ سب عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہوا، اور اللہ کے پیاروں پر فضل واحسان ہوا۔ پاک ہے وہ کریم، اسکے فضل وکرم کے کیا کہنے! اُسے پالینے والے پر تعجب ہے کہ اُسے پا کر کیسے کھودیا؟ اور اُسے نہ پانے والے پر بھی تعجب ہے کہ وہ اُسے پانے کی سعی کیوں نہیں کرتا؟

(یہ بھی بڑا عجیب کلام ہے)

پھر فرمایا: بے شک بادل ہواؤں کے دوش پر چلتے ہیں، اور بندے توفیق ملنے پر ہی غمگین ہوتے ہیں، اور توفیق بھی قربت کے مطابق ہی ملتی ہے۔ واللہ المستعان۔

ابراهیم التیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص غمگین نہیں ہوتا اُسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اسکا شمار اہل جنت میں نہ ہو، کیونکہ جنتی تو قیامت والے دن یہ کہیں گے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ﴾ (فاطر/۳۴)

(تمام تعریفیں اُس اللہ کیلئے ہیں جس نے ہم سے غم دور کر دیا) اور جو شخص ڈرتا نہیں ہے اسے بھی اس بات کا خوف ہونا چاہیے کہ اُسکا شمار بھی اہل جنت میں نہ ہو، کیونکہ جنتی تو قیامت والے دن کہیں گے: ﴿اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ﴾۔ (الطور/۲۶)

(بے شک ہم اس سے پہلے اپنی گھر والوں میں (یعنی دنیا میں) بہت ڈرا کرتے تھے)

عبیدہ بنت ابی کلاب چالیس سال تک روتی رہیں، اُن سے پوچھا گیا کہ تمہاری کیا خواہش ہے؟ فرمایا: موت۔ پوچھا گیا کیوں؟ کہا: اس لیے کہ مجھے ہر روز اس بات کا خدشہ ہوتا ہے کہ میں کوئی ایسا جُرم کر بیٹھوں کہ جسکی وجہ سے میری آخرت تباہ ہو جائے۔

(یہ ہوتا ہے خوف)۔

یزید بن مرثد سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کہ آپکی آنکھیں کبھی آنسوؤں سے خشک نہیں ہوتیں؟ فرمایا: تم کیوں پوچھتے ہو؟ کہا: شاید مجھے کچھ نفع ہو۔ تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے گناہ کرنے پر جہنم کی آگ میں قید کرنے کی دھمکی دی ہے، اگر تو وہ حمام میں قید کرنے کی دھمکی

دیتا تو بھی میرے لائق یہ تھا کہ آنکھیں خشک نہ ہوں۔ پوچھا: خلوت میں بھی آپکی یہی حالت ہوتی ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم ہمارے سامنے کھانے کا پیالہ رکھا جاتا ہے تب بھی میں رو پڑتا ہوں، میری اہلیہ بھی رو پڑتی ہے اور ہمارے بچے بھی رونے لگتے، اگرچہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیوں رو رہے ہیں، اللہ کی قسم میں اپنی اہلیہ کے پاس جاتا ہوتا کہ سکون حاصل کروں مگر بعض اوقات اس موقع پر بھی یہ خوف لاحق ہو جاتا ہے اور مجھے میرے مطلوب سے روک دیتا ہے، اور میری اہلیہ کہتی ہے: افسوس ہے اس آنکھ پر جو کبھی آپکو معاف نہیں رکھتی، اور میری آنکھیں بھی آپکے ہمراہ کبھی قرار نہیں پاتیں۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی عاقل اس حال میں صبح شام کرے کہ اسکے نامہ اعمال میں ریت کے ذرات جتنے گناہ ہوں، تو پھر بھی وہ قریب ہے کہ ان گناہوں سے نجات اور چھٹکارا پالے، اور اگر کوئی جاہل اس حال میں صبح شام کرے کہ اسکے نامہ اعمال میں ریت کے ذرات کے برابر نیکیاں ہوں، تو بھی قریب ہے کہ ان نیکیوں میں سے ذرہ برابر نیکی بھی سلامت نہ رہے۔

پوچھا گیا: یہ کسطرح؟ فرمایا: عاقل جب کوئی خطا کرے تو فوراً اللہ کی عطا کردہ عقل اور توبہ کے ذریعے اسکا تدارک کر لیتا ہے، اور جاہل تو اس شخص کی طرح ہے جو عمارت بنا کر پھر اُسے گرا دیتا ہے، تو جاہل بھی اپنی جہالت کی وجہ سے کوئی ایسا عمل کر بیٹھتا ہے جو اسکے نیک اعمال ضائع اور برباد کر دیتا ہے۔ (محبۃ اللہ لابن القیم/۶۲)

یحیی بن معاذ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کے گناہ پر راضی نہیں ہوتا بلکہ اُسے ڈھانپ دیتا ہے، اور صرف ڈھانپنے پر راضی نہیں ہوتا بلکہ بخش دیتا ہے، اور صرف بخشش پر بس نہیں کرتا، بلکہ گناہ کو نیکی سے بدل دیتا ہے۔ «اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ» (ہود/۱۱۴) (بے شک نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں)

اور فرمایا: ﴿فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ﴾۔ (الفرقان/۷۰)

(تو ان لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے) (روح المعانی ۱۲/۱۶۹)

حسن بصری رحمہ اللہ کھانے کے وقت موت کے تذکرے کو ناپسند کرتے تھے۔
(شعب ۱/۵۱۹)

سری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خوف کی تین اقسام ہیں: وہ خوف جو دین میں ہے، یہ عام لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اللہ سے ڈرنا واجب ہے، دوسرا وہ خوف جو تلاوتِ قرآن اور وعظ ونصیحت کے وقت طاری ہوتا، یہ اسی طرح ہوتا ہے جیسے عورتیں واقعات کا اثر قبول کرتی ہیں اور یہ خوف کچھ عرصہ باقی رہتا ہے، اور تیسرا مضطرب اور بے قرار کردینے والا خوف جو دل اور بدن کو لاغر کردیتا ہے، نیند اُڑا دیتا اور ذائقہ چھین لیتا ہے، اور کسی ڈرنے والے کا خوف اُس وقت تک دور نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اُس چیز سے امن میں نہ آجائے جسکا اُسے خوف ہے۔ (شعب الایمان ۱/۵۱۹)

ربیع بن حراش نے قسم اٹھائی تھی کہ وہ اپنے دانت ظاہر کر کے اس وقت تک نہ ہنسیں گے جب تک کہ اپنے ٹھکانے سے آگاہ نہ ہوجائیں، تو پھر وہ موت کے بعد ہی ہنسے، اور انکے بعد انکے بھائی ربعی بن حراش نے بھی قسم اٹھائی کہ میں اُس وقت تک نہ ہنسوں گا جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ میں جنتی ہوں یا جہنمی۔

حارث الغنوی کہتے ہیں: انہیں غسل دینے والے نے مجھے بتلایا کہ جب تک ہم انہیں غسل دیتے رہے، اُس وقت تک وہ مسلسل مسکراتے رہے، یہانتک کہ ہم انکے غسل سے فارغ ہوگئے (یہ موت کے بعد ظاہر ہونے والی کرامت ہے)

غزوان الرقاشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ وہ مجھے اُس وقت تک ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گا جب تک کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ دونوں گھروں میں سے میرا گھر کونسا ہے؟ حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ غزوان الرقاشی رحمہ اللہ کا یہ عزم بہت پختہ تھا، اللہ کی قسم! پھر پوری زندگی اُنہیں ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا، حتیٰ کہ وہ اللہ سے جا ملے۔

مطرف بن عبد اللہ بن شخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر میرے رب کی طرف سے کوئی آنے والا میری پاس آئے اور مجھے دو باتوں میں سے ایک کو چننے کا اختیار دے، پہلی

بات یہ کہ مجھے یہ خبر دے کہ میں جنتی ہوں یا جہنمی، اور دوسری یہ کہ میں مٹی ہو جاؤں، تو میں مٹی ہو جانے کو پسند کرونگا۔

اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے جبریل سے پوچھا: اے جبریل! کیا وجہ ہے کہ میں اسرافیل کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھتا، جبکہ دوسرا جو بھی فرشتہ میرے پاس آتا ہے اُسے میں ہنستے ہوئے دیکھتا ہوں؟ جبریل نے کہا: جب سے جہنم کی آگ پیدا کی گئی ہے، اُس وقت سے ہم نے بھی اس فرشتے کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ (شعب الایمان ۱/۵۲۱)

کعب فرماتے ہیں: اِبۡرَاهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ" کا معنی یہ ہے کہ جب بھی جہنم کی آگ کا ذکر ہوتا تو آپ اُوّہ" کہتے۔ (یہ درد کی شدت کے وقت کہا جانے والا کلمہ ہے)

سری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بے شک میں روزانہ کئی مرتبہ اپنے ناک پر اس خوف سے نظر ڈالتا ہوں کہ کہیں میرا چہرہ سیاہ تو نہیں ہو گیا۔

اور فرمایا: مجھے کسی ایسی جگہ پر مرنا پسند نہیں ہے جہاں میری جان پہچان ہو۔

پوچھا گیا: اے ابو الحسن! اسکی کیا وجہ ہے؟ مجھے اس بات کا خوف ہے کی میری قبر مجھے قبول نہ کرے اور میں رسوا ہو جاؤں۔

اویس قرنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے تم نے تمام لوگوں کا قتل کر دیا ہو۔

صلت بن مسعود کہتے ہیں: ایک دن حسن بن صالح میرے گھر سے نکلے تو انہوں نے ایک ٹڈی کو اڑتے دیکھا تو یہ آیت پڑھی: «يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌ» (القمر/۷) (لوگ اپنی قبروں سے یوں نکلیں گے، گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں) اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

رابعہ رحمہا اللہ فرماتی ہیں: میں جب بھی برف باری کا منظر دیکھتی ہوں تو مجھے قیامت کے دن صحیفوں کا اڑنا یاد آ جاتا ہے، اور میں جب بھی ٹڈیوں کو دیکھتی ہوں تو مجھے حشر یاد آ جاتا ہے، اور جب میں اذان کی آواز سنتی ہوں تو مجھے روزِ قیامت کی پکار یاد آ جاتی ہے،

اور میں اپنے نفس سے کہتی ہوں: دنیا میں ایک گرے ہوئے پرندے کی طرح رہو یہانتک کہ موت کا وقت آ جائے۔

لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹا! میں نے تمہیں اتنی نصیحتیں کی ہیں کہ اگر تم پتھر بھی ہوتے تو بھی تم سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑتا۔ ایک دن وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہے تھے کہ بچے کا دل پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ (شعب الایمان ۱/۵۳۱)

زرارہ بن ابی اوفی نے بنو قشیر کی مسجد میں سورۃ المدثر کی تلاوت کی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے: ﴿فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ﴾۔ (آیت:۸) (پھر جب صور میں پھونکا جائے گا) تو گر کر جان دے دی۔ بھز رحمہ اللہ کہتے ہیں: زرارہ بن ابی اوفی قاضی اور امام تھے اور میں اُن لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے انکی میت کو اٹھایا۔ (اسے ترمذی اور بیہقی نے روایت کیا، شعب ۱/۵۳۱)

ابن عبید اللہ کی اولاد میں سے ایک شخص توبہ بن صمہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنا بہت محاسبہ کرنے والے تھے، جب انکی عمر ساٹھ سال ہوئی تو انہوں نے ساٹھ سال کا دنوں کے لحاظ سے حساب لگایا تو اکیس ہزار دن ہوئے، پھر فرمانے لگے کہ میں اپنے رب سے اکیس ہزار گناہوں کیساتھ ملاقات کرونگا؟ بلکہ ایک ایک دن میں ہزاروں گناہ مجھ سے ہوئے ہیں! پھر وہ غشی کھا کر گر پڑے اور دم توڑ دیا۔ (شعب ۱/۵۳۳)

صفوان کے بارے میں آتا ہے کہ انکی ایک سرنگ تھی جس میں بیٹھ کر وہ رویا کرتے تھے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ جب آخرت کو یاد کرتے تو انکے پیشاب میں خون آنے لگتا، اور ایک روایت کے مطابق شدت کیساتھ فکر آخرت اور غور وخوض کرنے کی بناء پر انہیں پیشاب میں خون آتا تھا۔ (الحلیہ ۶۳/۲، الشعب ۱/۵۳۵)

اور فرماتے ہیں: مجھے ایسا شدید خوف الٰہی لاحق ہو گیا ہے کہ میں چاہنے لگا ہوں کہ اب اس میں کچھ تخفیف ہو جائے۔

اور فرمایا: اللہ رب العزت کا اسقدر خوف مجھ پر طاری ہو گیا ہے کہ مجھے خود پر تعجب ہوتا ہے

کہ میں اب تک مرا کیوں نہیں؟ دراصل موت کا وقت تو مقرر ہے لہٰذا اس وقت تک مجھے جینا ہوگا۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ ایک دن رو پڑے اور پھر کہنے لگے: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب کسی شخص کا نفاق کامل ہو جائے تو وہ اپنی آنکھوں کا مالک بن جاتا ہے، اور پھر رو پڑے۔

ایک مرتبہ طبیب نے سفیان رحمہ اللہ کی نبض چیک کی تو کہا: یہ ایسا شخص ہے جسکے جگر کو غم اور حزن نے کاٹ ڈالا ہے۔

اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب جہنم کا تذکرہ کیا جائے تو ہر رونے والے کو رونا چاہیے۔

آمنہ رحمہا اللہ بھی بہت ڈرنے والوں میں سے تھیں، جب جہنم کی آگ کا ذکر ہوتا تو فرمانے لگتیں: اہل جہنم آگ میں داخل کیے جائیں گے، آگ ہی انکا کھانا ہوگا اور آگ ہی پئیں گے اور آگ میں ہی زندگی بسر کریں گے اور پھر رو پڑتیں۔

ہم کہتے ہیں کہ صرف یہی نہیں بلکہ آگ کا لباس پہنیں گے، آگ کے طوق ڈالے جائیں گے، اور آگ کے صندوقوں میں بند کیے جائیں گے۔ (العیاذ باللہ)

ایک عابد کا قول ہے: کس چیز نے لوگوں کو ڈرا رکھا اور تھکا مارا ہے؟ اللہ کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہونے اور حساب کتاب کے خوف نے۔

مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں: خوف الٰہی مجھ پر ایسا غالب آچکا ہے کہ وہ قریب ہے کہ میرے اور جنت کے سوال کے درمیان رکاوٹ بن جائے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے کم گناہوں والے وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں کیونکہ انکے دل سب سے زیادہ پاک اور شفاف ہوتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مؤمن کی مثال تو اس بکری کی طرح ہے جسے سوئی کھلا دی گئی ہو، یہ سوئی کھا تو لیتی ہے لیکن وہ سوئی مسلسل اُسے چبھتی رہتی ہے، اسی طرح

مؤمن کو بھی آئندہ درپیش آنے والی مشکل ترین گھاٹیوں کے حوالے سے فکر اور غم لاحق رہتا ہے۔(بہت عجیب بات ہے)(شعب الایمان ۱/۵۳۸)

عامر بن عبد الله سے کہا گیا کہ آپ شیر کی کچھار میں جاتے ہیں لہٰذا ہمیں آپ پر شیر کا بہت اندیشہ رہتا ہے، تو فرمایا: مجھے اللہ سے حیا آتی ہے کہ میں اسکے علاوہ کسی اور سے ڈروں۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگی کی سردیوں میں وضو اور طہارت ان کیلئے آسان ہو جائے تو اُس دُعا کا یہ اثر ہوا کہ جب پانی انکے پاس لایا جاتا تو اُس سے بھاپ اُٹھ رہی ہوتی، اور انہوں نے دُعا فرمائی کہ انکے دل سے عورتوں کی چاہت سلب ہو جائے تو اُسکا یہ اثر ہوا کہ مرد وزن سے ملنا انکے لیے برابر ہو گیا، اور یہ بھی دُعا کی کہ نماز کے دوران شیطان اور انکے دل کے درمیان رکاوٹ حائل ہو جائے لیکن اس پر قادر نہ ہو سکے۔

علی بن فضیل بن عیاض کا نام "قَتِيلُ الْقُرْآن" پڑ گیا تھا، کیونکہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ان پر غشی طاری ہو جاتی، یہ اپنے والد سے کہا کرتے: اے ابو جان! دُعا کیجئے کہ میں ایک مرتبہ قرآن کی تلاوت مکمل کرلوں۔اور اسکی وجہ یہ تھی کہ وہ شدتِ خوف کی وجہ سے آگے پڑھ ہی نہ پاتے تھے۔

فضیل بن عیاض سے پوچھا گیا کہ آپکے بیٹے کی موت کا سبب کیا تھا؟ تو فرمایا: رات وہ تلاوت کر رہا تھا اور صبح محراب میں مردہ حالت میں ملا۔(شعب الایمان ۱/۵۴۰)

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ سے ڈر جائے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کے دل میں اُسکا خوف ڈال دیتا ہے، اور جو اللہ سے نہ ڈرے، وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔ (بہت مفید بات ہے)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اللہ سے ڈر جائے، اُسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور جو غیر اللہ سے ڈرے اُسے کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

ابو عمرو الدمشقی کہتے ہیں: خوف کی حقیقت یہ ہے کہ آپ اللہ کے ساتھ کسی اور

سے نہ ڈریں۔

یحیی بن معاذ الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جسقدر آپکو اللہ سے محبت ہوگی اتنی ہی اللہ کی مخلوق آپ سے محبت کرے گی، اور جتنا آپ اللہ سے ڈریں گے، اتنا ہی لوگ آپ سے ڈریں گے، اور جتنا آپ اللہ کے کاموں میں مشغول رہیں گے اتنا ہی مخلوق آپکے کاموں میں لگی رہے گی۔

ابراهیم بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا تو اُس موقع پر محمد بن قیس رحمہ اللہ اُن سے بات کر رہے تھے اور عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ رو رہے ہیں، یہاںتک کہ انکی پسلیاں ایک دوسرے کیساتھ جُڑ گئیں۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی زوجہ محترمہ فاطمہ کہتی ہیں: ایسے لوگ تو موجود ہیں جو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ نفلی روزے اور نفلی نماز کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن میں نے عمر سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔

جب یہ عشاء کی نماز پڑھ لیتے ہیں تو گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور ہاتھوں کو اُٹھا کر رونا شروع کر دیتے ہیں، پھر مسلسل روتے رہتے ہیں، یہاںتک کہ انکی آنکھیں غالب آجائیں، پھر جب متنبہ ہوجائیں تو دوبارہ ہاتھ اٹھا کر رونا شروع کر دیتے ہیں اور نیند کے غالب آنے تک مسلسل روتے رہتے ہیں۔

میمون بن مهران رحمہ اللہ کہتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک مرتبہ چقندر اور روٹی کی ٹکیاں پیش کی گئیں، انہوں نے یہ کھانا تناول فرمایا اور لیٹ گئے، پھر چادر کے ایک کنارے سے چہرے کو بھی ڈھانپ لیا اور کہا: یہ بندہ بڑا است رو اور پیٹو ہے، عمل میں پیچھے ہے لیکن اللہ پر تمنا رکھتا ہے کہ وہ اسے منازل الصالحین پر پہنچادیگا۔ (گویا کہ عمر رحمہ اللہ ہمارے حال کی خبر دے رہے ہیں)

اس شعر پر عمر رحمہ اللہ کے آنسو خشک نہیں ہوتے تھے:

وَلَا خَيْرَ فِي عَيْشِ امْرِئٍ لَمْ يَكُنْ لَهُ ... مِنَ اللهِ فِي دَارِ الْقَرَارِ نَصِيبُ

(اس شخص کی زندگی میں کوئی خیر نہیں، جسکے لیے اللہ کی طرف سے دار القرار میں کوئی حصہ نہ ہو)

رَبِیْع بن خَیْثَم رحمہ اللہ کی بیٹی نے اُن سے پوچھا: اے ابو جان! کیا بات ہے کہ لوگ تو سوتے ہیں لیکن آپ نہیں سوتے؟ تو فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! جسے رات کو حملے کا خوف ہو وہ کس طرح سو سکتا ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق فرمایا: بے شک جہنم کی آگ کا خوف تمہارے ابو کو سونے نہیں دیتا۔ (شعب الایمان ۱/۵۴۳)

ذو النون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین چیزیں خوف کی علامات ہیں: وعید کا لحاظ رکھتے ہوئے شبہات سے بچ جانا، اللہ عظیم کی نگاہ کا احساس کرتے ہوئے زبان کی حفاظت کرنا، اور حلیم و بردبار کے غضب سے ڈرتے ہوئے ہمیشہ غم و اندوہ کا شکار رہنا۔ (بہت مفید بات ہے)

ابو الفتح البغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک رات میں مسجد میں رہا اور وہاں میں نے ایک شخص کی آواز سنی، جبکہ میں اُسے دیکھ نہیں پایا، وہ کہہ رہا تھا:

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيْرَةٌ ۔۔۔ وَلَمْ تَدْرِ فِيْ اَيِّ الْمَحَلَّيْنِ تَنْزِلُ

(اور آنکھ ٹھنڈی ہو کر کیسے سو سکتی ہے، جبکہ وہ یہ نہیں جانتی کہ اس نے دو اترنے کے مقامات میں سے کونسے محل (جگہ) پر اترنا ہے)

تو اُس شخص کی یہ بات سُن کر میری نیند اُڑ گئی۔

ابن مبارك رحمہ اللہ جب "کتاب الرقاق" پڑھتے، تو رونے کی وجہ سے انکی ایسی حالت ہو جاتی جیسے کوئی نحر شدہ بیل یا گائے ہوں، اگر ہم میں سے کوئی انکے قریب جانے یا سوال کرنے کی جرأت کرتا تو اُسے دھکا دے کر پرے ہٹا دیتے۔

(علماء کو اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے)

ابن مبارك رحمہ اللہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو بہت گھبرا گئے، آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ اتنا گھبراہٹ کا شکار ہو گئے ہیں؟ تو فرمایا: اسکی وجہ یہ ہے کہ میں جس حال پر آجکل زندگی بسر کر رہا ہوں وہ مجھے پسند نہیں۔

ابن مبارک رحمہ اللہ سے دو اشخاص کے متعلق پوچھا گیا کہ ایک شخص اللہ سے ڈرنے والا ہے، جبکہ دوسرا شہید فی سبیل اللہ ہے؟ تو فرمایا: مجھے ان دونوں میں سے وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو اللہ رب العزت سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

دیندار شخص عذاب اور سزا سے ڈرتا ہے، عزت دار آدمی عار سے ڈرتا ہے اور عقلمند شخص گناہوں کے نتیجے اور انجام سے ڈرتا ہے۔

ایک بزرگ شخص ابن مبارک رحمہ اللہ کے پاس گئے جبکہ ابن مبارک بیمار تھے اور ایک کھر درے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے اُن سے کچھ کہنے کا ارادہ کیا، لیکن جب میں نے انکی خشیت کا مشاہدہ کیا تو بجائے کچھ کہنے کے میں اُن پر رحم کھانے لگا، پھر اچانک ابن مبارک رحمہ اللہ یہ فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ایمان والوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں جھکا کر رکھیں" اللہ تعالیٰ تو عورتوں کی طرف دیکھنے پر بھی راضی نہیں تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو زنا کرتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے ہلاکت ہے" تو اُس شخص کا کیا حال ہوگا جو کسی کا پورا مال ہی ہتھیا لیتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ فرمان ہے: تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کریں، تو پھر قتل کرنے والے کا کیا حال ہوگا؟ وہ بزرگ کہتے ہیں کہ میں اُن کی حالت پر رحم کرتے ہوئے کچھ بھی کہے بغیر واپس آ گیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے حلیمی رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے: لوگ اپنے دلوں میں بہت سی چیزوں کا خوف محسوس کرتے ہیں، مثلاً باپ اپنی اولاد کی موت سے ڈرتا ہے، یا انسان اپنے مال کے چلے جانے، یا کسی عزیز کی جدائی کا خوف رکھتا ہے، اسی طرح جل جانے، دب کر مر جانے، سماعت وبصارت کے چھن جانے، ظالم بادشاہ کے ہاتھ لگ جانے، درندے یا دشمن کا شکار ہو جانے، اور اس طرح کی کئی ناپسندیدہ چیزوں سے خوف کھاتا ہے، اور یہ خوف محمود بھی ہوسکتا ہے اور مذموم بھی۔

محمود صورت یہ ہے کہ انسان انہیں اللہ کی ناراضگی کا نتیجہ سمجھے اور ان سے بچنے

کی کوشش کرے، کیونکہ یہ صورتیں اللہ کی طرف سے سزا اور عقاب بھی ہو سکتی ہیں، اور اسکے لیے بندہ گناہوں سے بچے تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی جہنم کی آگ سے بچاؤ کی خاطر گناہوں سے بچتا ہے، اسی طرح جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ چیزیں آزمائش کا درجہ رکھتی ہیں اور وہ صبر کی طاقت نہیں رکھتا تو اسکا خوف بھی محمود ہے۔

البتہ جو شخص اللہ کی رضا اور ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر صرف دنیا اور اسکی لذات کی حرص کی بناء پر ان چیزوں کا خوف رکھتا ہے تو یہ خوف قابل مذمت ہے، کیونکہ یہ تمام چیزیں تو بندے کے پاس اللہ کی امانت ہیں، اور امانتوں کی جانب جھک جانا اور انہیں اپنا سمجھ بیٹھنا عقلمند اور مخلص لوگوں کا کام نہیں۔

اسی وجہ سے آپ ﷺ بھی بادلوں اور آندھی سے ڈرا کرتے تھے لیکن آپکا یہ خوف محمود تھا۔

ابوزکریا الھمدانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ علی بن بکار کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک بدلی کا گذر ہوا، اور اسی دوران میں نے اُن سے کوئی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: اس بدلی کے گذر جانے تک خاموش رہو، تمہیں اس بات کا ڈر نہیں کہ اس بدلی میں پتھر ہوں جو ہم پر دے مارے جائیں؟

حارث المحاسبی نے ایک مرتبہ تکالیف اور آزمائشوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: یہ آزمائشیں گناہ گاروں کیلیے سزا، توبہ تائب ہو جانے والوں کیلئے باعثِ طہارت اور پاک سیرت لوگوں کیلئے حصول درجات کا ذریعہ ہیں۔

علی بن غنام رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: اے اللہ! آزمائشوں میں مبتلا کر کے ہماری حالت کو مت جانچنا۔

(گذشتہ اقوال میں سے اکثر امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب شعب الایمان سے ماخوذ ہیں)

ابوبکر الوراق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بندوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہی اکثر اوقات ایمان دل سے سلب کر لیا جاتا ہے۔

ابوالقاسم الحکیم رحمہ اللہ سے ایک آدمی نے سوال کیا: کیا کوئی ایسا گناہ بھی ہے

جسکی وجہ سے ایمان سلب ہو جاتا ہے؟ تو فرمایا: ہاں! تین چیزوں کی وجہ سے ایمان سلب ہو جاتا ہے:

۱-اسلام جیسی عظیم نعمت پر اللہ کا شکر گذار نہ ہونا۔

۲-اسلام کے چلے جانے کا خوف نہ رکھنا۔

۳-اہل اسلام پر ظلم کرنا۔ (دیکھئے التنبیہ ۱/۴۰۹-یہ مجرب بات ہے)

مالك بن دينار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص نے اپنے نفس میں خوف اور امید کی علامت پہچان لی، تو پھر اُس نے مضبوط چیز کو پکڑ لیا، خوف کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیز سے اجتناب کیا جائے، اور امید کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جائے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«وعزتي وجلالي لا اجمع على عبدي خوفين ولا أمنين، من خافني في الدنيا أمنته يوم القيامة، ومن امنني في الدنيا خوفته في الآخرة»

(حدیث صحیح، اخرجہ ابن حبان وغیرہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کما فی صحیح الجامع)

(میری عزت اور جلال کی قسم! میں اپنے بندے پر دو خوف اور دو امن جمع نہیں کرونگا، جو بندہ دنیا میں مجھ سے ڈرے گا میں قیامت کے دن اسے امن دونگا، اور جو دنیا میں مجھ سے بے خوف (یعنی امن میں) رہے گا تو میں آخرت میں اُسے مبتلائے خوف کرونگا) (یہ صحیح حدیث ہے، ابن حبان وغیرہ نے اسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل فرمایا)

ایک روایت ہے کہ ابو میسرہ جب اپنے بستر پر آتے تو کہتے: ہائے کاش کہ میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ انکی اہلیہ نے ان سے کہا: اے ابو میسرہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا اور اسلام کی ہدایت نصیب کی، پھر بھلا آپ ایسا کیوں کہتے ہیں:؟ تو فرمایا: ہاں یہ تو ضرور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی بیان کردی ہے کہ ہم سب لوگ جہنم کی آگ پر وارد ہونگے اور یہ نہیں بتلایا کہ اس سے بچ نکلنے میں کامیاب ہونگے یا نہیں؟۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا ضرور بیان فرمایا ہے کہ متقین اسکی توفیق سے جہنم سے بچ نکلیں گے)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: بے شک میں نہ تو کسی مقرب فرشتے پر رشک کرتا ہوں اور نہ کسی مرسل نبی پر۔ کیا یہ بھی عتاب کا شکار نہیں ہوتے؟ مجھے تو اُس چیز پر رشک آتا ہے جسے وجود ہی نہیں ملا۔

ایک دانا کا قول ہے: غم انسان کو کھانے سے روک دیتا ہے، اور خوف گناہوں سے روک دیتا ہے، امید انسان کو اطاعت پر کمر بستہ کرتی ہے اور موت کا ذکر فضولیات سے بے رغبت کر دیتا ہے۔

ایک صحیح اور مرفوع حدیث میں آتا ہے: تین چیزیں ہلاک کرنے والی، اور تین چیزیں نجات کا باعث ہیں: ہلاک کرنے والی چیزیں یہ ہیں: دنیا کی حرص ولالچ جسکی پیروی کی جائے، خواہشاتِ نفس جنکی اتباع کی جائے، اور خود پسندی کا شکار ہو جانا۔

جبکہ نجات کا باعث تین چیزیں یہ ہیں: خوشی اور غصہ دونوں حالتوں میں انصاف کرنا، فقر اور غناء دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا، اور جلوت وخلوت دونوں حالتوں میں اللہ کی خشیت اختیار کرنا۔ (کما فی الصحیحة، وھو فی المشکوة ایضاً)

بعض علماء کا کہنا ہے کہ خوف کی علامت سات چیزوں میں ظاہر ہوتی ہے:

۱- خوف زبان میں ظاہر ہو کر اُسے جھوٹ، غیبت اور فضول کلام سے روک دیتا ہے۔

۲- پیٹ کے معاملے میں اسکا ظہور یوں ہوتا ہے کہ انسان اپنے پیٹ میں صرف حلال اور پاکیزہ چیز داخل کرے اور حلال بھی بقدر حاجت استعمال کرے۔

۳- نگاہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرے اور حرام کی طرف نہ دیکھے، اسی طرح دنیا کی طرف بھی رغبت وحرص کیساتھ نہ دیکھے، بلکہ دنیا پر عبرت کی نگاہ ڈالے۔

۴- اپنے ہاتھوں کے معاملے میں بھی خوف کرے اور حرام چیز کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔

۵- اپنے قدموں کے حوالے سے بھی خوف کا شکار ہو اور انکے ذریعے معصیت کی طرف

نہ چلے۔

۶-اپنے دل کے معاملے میں بھی اللہ سے ڈرے اور اُس میں سے شرک، حسد، اور مسلمانوں کیلئے بغض وعداوت نکال باہر کرے اور مسلمانوں کی خیر خواہی دل میں پیدا کرے۔

۷-اور اپنی اطاعت اور نیکیوں کے معاملے میں بھی اللہ سے ڈرے اور ریاکاری، نفاق، اور عدم قبولیت کا خوف رکھے، تو جو شخص ایسا کرلے تو وہ ان شاء اللہ متقین میں شمار ہو جائے گا۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «المرء مع من احب» (ہر آدمی قیامت کے دن اُسکے ساتھ ہوگا جس سے اُسے محبت ہے) یہ بات آپکو دھوکے میں نہ ڈال دے، بے شک آپ ابرار (نیک لوگ) کیساتھ اسی وقت مل سکتے ہیں، جب اُن جیسا عمل کریں۔ بے شک یہود ونصاریٰ اور اہل بدعت بھی اپنے انبیاء کیساتھ محبت کرتے ہیں، لیکن یہ انکے ساتھ نہ ہونگے۔

اس سے بھی بڑھ کر عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جس میں وہ اس آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ﴾ (المؤمنون/۶۰) (اور وہ لوگ جو اعمال (صالحہ) بھی سرانجام دیتے ہیں لیکن اسکے باوجود انکے دل خوفزدہ رہتے ہیں کہ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے) کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے استفسار کرتی ہیں کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے، زنا اور چوری کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «لا یا بنت الصدیق، ولکن هم الذین یصومون ویصلون ویتصدقون ویخافون ان لا یقبل منهم» (نہیں! اے صدیق کی بیٹی، لیکن یہ تو وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نمازیں پڑھتے اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، لیکن اسکے باوجود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ انکے اعمال قبول نہ کیے جائیں۔ (یہ حدیث صحیح ہے)

علماء کہتے ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے اُسے چار چیزوں سے ڈرنا چاہیے (تو برے اعمال کرنے والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟)

۱-عدم قبولیت کا خوف۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (المائدۃ/۲۷) (اللہ تعالیٰ تو صرف متقین کے اعمال قبول کرتا ہے)۔

۲-ریاکاری کا خوف۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾۔ (البینۃ/۵) (اور ان کو اسکے سوا کوئی حکم نہ دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کی بندگی کریں، خالص اُسی کی اطاعت کرتے ہوئے)

۳-اُس نیکی کی سلامتی اور حفاظت کا خوف۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ﴾ (الانعام/۱۶۰)

(جو شخص نیکی لیکر آیا تو اسکے لیے دس گنا اجر وثواب ہے)

یہاں پر نیکی کو قیامت کے دن تک بجا لانے سے مشروط کیا گیا ہے۔

۴-نیکی کی راہ پر بے یار و مددگار رہ جانے کا خوف۔ کیونکہ انسان نہیں جانتا کہ آئندہ اُسے نیکی کی توفیق حاصل ہوگی یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴾۔ (ہود/۸۸) (اور میری توفیق تو اللہ ہی کی مہربانی سے ہے، میں اُسی پر توکل کرتا، اور اسکی طرف ہی انابت کرتا ہوں) (التنبیہ ۲/۴۲۴)

علماء کہتے ہیں کہ خوف کی تین اقسام ہیں:

۱-وقتی اور عارضی خوف، جو نہ اعمال کو بدلتا ہے نہ ہی دلوں کو۔ ایسے خوف کا وجود اور عدم برابر ہیں۔

۲-ایسا خوف جو انسان کو اللہ کی رحمت سے مایوس اور نا امید کردے۔ یا ایسا بیمار کردے کہ وہ اللہ عزوجل کی اطاعت سے ہی عاجز آجائے، یہ خوف بھی ناجائز ہے۔

۳-وہ خوف جو اللہ کی اطاعت پر اُبھارے، دلوں کو نرم کرے، گناہوں سے روکے، اوقات کو آباد کرے، خشوع وخضوع پیدا کرے، اور کئی انواع پر مشتمل طاعات کو جنم دے، تو یہی وہ خوف محمود ہے جو شریعت مطہرہ کا مطلوب ہے، اور کتاب وسنت نے اسی کا حکم

دیا ہے، جبکہ اول الذکر خوف اسی طرح ہے جیسے عورتیں نصیحت کے وقت بہت روتی ہیں لیکن انکے اعمال میں کوئی تغیر یا تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، یہ ایک عارضی خوف ہوتا ہے جسکا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔ (التسہیل)

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی طرف جانے والے راستے کی منازل میں سے خوف ایک اہم ترین منزل ہے جو دل کیلئے انتہائی مفید ہے اور ہر شخص پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران/۱۷۵)

(پس ان سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ہی ڈرو اگر تم مومن ہو)

اور فرمایا: ﴿فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ﴾ (البقرۃ/۴۰) (خاص مجھ سے ہی ڈرو)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خشیت اور ڈر رکھنے والوں کی مدح وتعریف فرمائی ہے۔

فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ﴾۔ (المؤمنون/ ۵۷)

(یقیناً جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں)

خوف سے متعلق کچھ کلمات:

خوف اس اضطراب اور حرکت کا نام ہے جو خوفناک چیز کی یاددہانی سے پیدا ہو۔

اور کہا گیا ہے کہ خوف نام ہے احکام کے جاری ہونے پر علم کی قوت کا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ خوف کہتے ہیں ناپسندیدہ چیز کا احساس پیدا ہونے پر اُسکے وقوع سے دل کے بھاگنے کو۔

جنید کہتے ہیں: خوف کا معنی یہ ہے کہ سانسوں کے جاری رہنے پر بھی عقوبت کی توقع کی جائے۔

کہا گیا ہے کہ خوف خشیت سے زیادہ عام ہے کیونکہ خشیت اُن علماء کیساتھ خاص ہے جو اللہ کی معرفت رکھتے ہیں، تو خشیت وہ خوف ہوا کہ جو معرفت کیساتھ ملا ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا﴾ (فاطر/ ۲۸)

(اللہ کے بندوں میں اُس سے خشیت رکھنے والے تو علماء ہی ہیں)

اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: ﴿ إني أتقاكم لله وأشدكم له خشية ﴾۔

(بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا، اور اسکی شدید تر خشیت رکھنے والا ہوں)

خوف حرکت کا نام ہے، جبکہ خشیت سمٹنے، سکڑنے اور سکون کو کہتے ہیں۔

تو جو شخص دشمن یا سیلاب وغیرہ کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھے اسکی دو حالتیں ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ اُس سے بچاؤ اور فرار کی تگ ودو کرتا ہے، یہ خوف ہے۔ اور دوسری یہ کہ کسی پر اُمن جگہ پر پہنچ کر سکون اور قرار پکڑنا، یہ خشیت ہے۔

اور تفسیر خازن کے مطابق ''رھبت'' وہ خوف ہے جو حزن واضطراب کیساتھ ملا ہوا ہو۔ رہبت کے معنی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رہبت کسی مکروہ چیز سے بچاؤ اور فرار میں مبالغہ کرنے کو کہتے ہیں، اور یہ رغبت کی ضد ہے جسکا مطلب، مرغوب چیز کی طلب میں دل کا سفر کرنا ہے۔

''وجل'' کا معنی یہ ہے کہ جسکی عقوبت وسلطان کا خوف ہو اُسے یاد کر کے یا دیکھ کر دل پر کپکی طاری ہونا اور دل کا پھٹ جانا۔

اجلال'' وہ خوف جو محبت کیساتھ ملا ہو۔

ھیبت وہ خوف ہے جو تعظیم واجلال کے مقارن ہو، اکثر اوقات یہ محبت ومعرفت کے ساتھ ہوتا ہے۔

اشفاق: وہ خوف ہے جس میں رحم بھی شامل ہو، یا بدن پر خوف کا اثر ظاہر ہونے کو اشفاق کہتے ہیں۔

تو خوف عام مؤمنین کو ہوتا ہے، خشیت علماء عارفین کیساتھ خاص ہے، اور ہیبت واجلال مقربین کا وصف ہے۔ پھر علم اور معرفت میں جس قدر اضافہ ہوگا، خوف وخشیت میں بھی اتنا ہی بڑھاوا ہوگا۔

اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: «انی اعلمکم باللہ واشدکم له خشية»

(بے شک میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا، اور تم میں سب سے شدید اسکی

خشیت بھی رکھتا ہوں)

اور فرمایا: اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو تمہاری ہنسی کم ہو جائے اور کثرت کیساتھ رونے لگو، اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل کرنا چھوڑ دو، اور اللہ کے آگے آہ وزاریاں کرتے ہوئے پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف نکل جاؤ۔

ابوحفص کہتے ہیں: خوف اللہ کا کوڑا ہے جسکے ذریعے وہ اپنے در سے بھٹک جانے والوں کو سیدھا کرتا ہے۔ اور فرمایا: خوف تو دل میں موجود وہ چراغ ہے جسکے ذریعے خیر اور شر میں تمیز پیدا ہوتی ہے۔

اور اللہ کے علاوہ آپ جس سے بھی خوف کھاتے ہیں، اُس سے دور بھاگتے ہیں، لیکن جب آپ اللہ سے ڈرتے ہیں تو اُسی کی طرف بھاگتے ہیں۔

ذو النون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگ اُس وقت تک سیدھے راستے پر چلتے رہتے ہیں، جب تک کہ خوف اُن سے زائل نہ ہو اور جب خوف زائل ہو جائے تو پھر رستہ کھو دیتے ہیں۔

ابو عثمان کہتے ہیں: سچا خوف یہ ہے کہ انسان ظاہری و باطنی گناہوں سے بچ جائے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قابلِ تعریف خوف وہ ہے جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے روک دے۔

پھر خوف کی کئی اقسام ہیں:

۱۔ سزا کا خوف۔ یہ خوف وعید کی تصدیق اور جرم اور اسکے بُرے انجام کو یاد کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ خوف سے پہلے شعور اور علم ہوتا ہے، جس شخص کو شعور ہی نہیں تو وہ خوف بھی نہیں کر سکتا۔

۲۔ تعلق باللہ کے زوال کا خوف۔ یعنی مؤمن اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں اُس سے اللہ عزوجل کے ذکر کی حلاوت، اسکی طرف افتقار و انکساری کی لذت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا

لطف وکرم سلب نہ ہو جائے۔

۳- ہیبت اور اجلال والا خوف۔ یہ خوف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسکی صفات سے متعلق ہے۔

علماء کہتے ہیں: دل اللہ عزوجل کی طرف سفر کرنے میں پرندے کی طرح ہے، محبت اسکا سر ہے، جبکہ خوف اور امید اسکے دو پر ہیں، جب تک پرندے کا سر اور پر سلامت رہیں، اُس وقت تک پرندہ بہترین انداز میں اڑتا رہتا ہے، اور جب سر کٹ جائے تو وہ مر جاتا ہے، یا جب بازو کٹ جائیں تو گر پڑتا ہے اور آسانی کیساتھ شکار ہو جاتا ہے۔

لیکن سلف صالحین اس بات کو پسند کرتے تھے کہ صحت اور تندرستی میں خوف کا پر غالب رہے اور دنیا سے جاتے ہوئے امید کا پر خوف پر غالب ہو، محبت سواری ہے، امید شوق کیساتھ اللہ کی طرف ہانکنے والی چیز اور خوف زبردستی پکڑ کر سیدھے راستے پر چلا دیتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے منزل پر پہنچانے والا ہے۔ انتہی۔

عجیب وغریب نصیحتوں کے بارے میں

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے کمزور ابن آدم! تو جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈر جا، اور دنیا میں ضعیف بن کر رہ، مساجد کو اپنا گھر بنا لے، اپنی آنکھوں کو رونا سکھا، اپنے جسم کو صبر کی تعلیم دے، اپنے دل کو غور وفکر کا سبق پڑھا، اور کل کی روزی کی فکر نہ کر، کیونکہ کل کی فکر کرنا ایک غلطی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۸۲/۲)

اسی طرح فرمایا: جس طرح پانی اور آگ ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے، اسی طرح دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مؤمن کے دل میں اکٹھی جمع نہیں ہو سکتی۔

احمد بن ابی الحواری نے ابوصفوان الرعینی سے سوال کیا: وہ کونسی دنیا ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے؟ تو فرمایا: ہر وہ دنیا جو صرف دنیا بنانے کیلئے حاصل کی جائے، قابلِ مذمت ہے، اور جو دنیا آخرت بنانے کیلئے حاصل کی جائے، اسکا دنیا کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں۔ (الحلیہ ۵/۱۰)

احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں: جب بھی میں نے ابوسلیمان سے دل کی سختی کا شکوہ کیا یا رات کے مقرر نوافل وتلاوت سے سویا رہ جانے یا ایسی ہی کسی اور کوتاہی کی شکایت کی تو انہوں نے یہی فرمایا کہ یہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے، اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، ضرور کوئی شہوت ہے جس کو تم نے سرانجام دیا ہوگا۔ (الحلیہ ۶/۱۰)

یہی احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص دنیا پر محبت وارادت کی نگاہ ڈالے تو اللہ تعالیٰ یقین اور زہد کا نور اُس کے دل سے نکال لیتا ہے۔

اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی ذات پر اُسکے سوا کوئی دلیل نہیں، جبکہ علم تو اس لیے طلب کیا جاتا ہے

کہ اُسکی خدمت کے آداب معلوم ہوں۔

اور فرمایا: اللہ سے محبت کی علامت اسکی اطاعت اور ذکر کی محبت ہے، جس نے دنیا کی حقیقت جان لی وہ اس سے بے رغبت ہوگیا، جس نے آخرت کو پہچان لیا وہ اسکی طرف راغب ہوگیا، جس نے اللہ کو پہچان لیا اُس نے اسکی رضا کو ترجیح دی، اور جس نے اپنے نفس کو ہی نہ پہچانا وہ اپنے دین کے حوالے سے دھوکے میں مبتلا ہوگیا۔ (حلیہ ۱۰/۷)

اور فرمایا: جب دنیا ہاتھ سے جارہی ہو اُس وقت اگر آپکا نفس ترکِ دنیا کی بات کرے تو یہ دھوکہ ہے، اور جب دنیا آرہی ہو اُس وقت یہ بات ہو تو پھر بات ہے۔ (حلیہ ۱۰/۷)

اور فرمایا: جب کوئی بندہ قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے درمیان میں اِدھر اُدھر کی فالتو باتیں کرنے لگے اور پھر تلاوت کی طرف پلٹے تو اللہ تعالیٰ اُس سے فرماتا ہے: میرے کلام کیساتھ تمہارا یہ رویہ کیسا ہے؟ (حلیہ ۱۰/۷)

عیسیٰ علیہ السلام کا گذر تین آدمیوں پر ہوا جنکا رنگ متغیر ہو چکا تھا، تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ وہ کہنے لگے: جہنم کی آگ کے خوف سے ہمارا یہ حال ہوا ہے، تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم مخلوق سے ہی ڈرے ہو، اللہ پر حق ہے کہ وہ تمہاری امید کردہ چیز تمہیں دے، پھر اُنکا گذران جیسے ہی تین آدمیوں پر ہوا، سوال کرنے پر انہوں نے کہا: جنتوں کے شوق نے ہماری یہ حالت بنادی ہے، تو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم نے مخلوق کی ہی امید کی، اور اللہ پر حق ہے کہ تمہاری امیدوں کو بر لائے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا گذر تین اشخاص پر ہوا جنکا رنگ پہلے لوگوں سے بھی زیادہ بدل چکا تھا۔ اُن سے بھی پوچھا کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تو وہ کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہمارا یہ حال ہوگیا ہے۔ تو فرمایا: تم ہی مقربین ہو، تم ہی مقربین ہو۔ حلیہ ۱۰/۷، ۸)

اسی طرح احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ میں نے ابو صفوان سے پوچھا کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت کیوں کرے؟ تو فرمایا: اس وجہ سے محبت کرے کہ اُسے اپنے رب کی اچھی طرح خدمت کرتا ہوا دیکھے۔ (۱۰/۸)

اور فرمایا: توکل سے استقامت پھوٹتی ہے، استقامت سے معرفت، معرفت سے ذکر، ذکر سے حلاوت اور تلذذ، تلذذ سے اُنس، اُنس سے حیا، حیا کے بعد خوف ہے، اور خوف کی علامت استعداد اور تیاری ہے۔ (۱۰/۸، ۹- مفصلاً)

اور فرماتے ہیں: کہ میں نے عبد العزیز رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا: اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے والوں کو اچھی آوازیں نہ بھی دی ہوں تو بھی اُنہیں اپنی اطاعت میں ایسی لذت نصیب کرتا ہے کہ اچھی آواز نہ ہونے کے باوجود وہ اپنی آوازوں پر لذت یاب ہوتے ہیں۔ (۱۰/۸، ۹)

احمد کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان سے اُس حدیث کے بارے میں مناظرہ کیا جس میں یہ آتا ہے کہ سب سے پہلے جنت کی طرف جانے والا طائفہ اُن لوگوں پر مشتمل ہوگا جو کثرت کیساتھ حمد باری تعالیٰ کرنے والے ہیں: تو ابو سلیمان نے کہا: تم پر افسوس ہو! اسکا معنی یہ نہیں کہ تم زبان سے تو اللہ کی حمد بیان کرو، لیکن تمہارا دل معصیت پر مصر ہو، اگر ایسی حالت ہے تو پھر اس بات کی امید رکھو کہ پل صراط کو ہی بمشکل پار کر سکو، لیکن اسکا معنی تو یہ ہے کہ زبان اللہ کی حمد بیان کرے اور آپکا دل بھی مطیع اور راضی ہو۔ (۱۰/۱۰)

محمود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پاک ہے وہ ذات جسے اُسکی عظیم سلطنت بھی حقیر مخلوق پر نظرِ کرم سے نہیں روک پاتی۔

سباع الموصلی سے سوال ہوا کہ زہد انسانوں کو کہاں تک جا پہنچاتا ہے؟ فرمایا: اللہ کیساتھ اُنس تک پہنچا دیتا ہے۔ (۱۰/۱۰)

مضاء بن عیسی کہتے ہیں: جب لوگ اُس تک پہنچ جائیں تو پھر ہرگز نہیں پلٹتے، پلٹنے والے تو وہی ہیں جو رستے سے پلٹ آئیں۔ (۱۰/۱۰) (عجیب کلام ہے)

محمد بن ثابت القاری کہتے ہیں: جس شخص کی ہمت اور دوڑ دھوپ فرائض کی ادائیگی ہو، اسکی لذت دنیا میں مکمل نہیں ہو پاتی۔

عتبہ الغلام کہتے ہیں: بیس سال تک میں بہت مشقت کیساتھ نماز پڑھتا رہا، اور پھر

بیس سال تک نماز ہی میری عیش اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئی۔ (۱۰/۱۰)

مضاء بن عیسی کہتے ہیں: اللہ سے ڈر جاؤ، وہ تمہیں الہام فرمائے گا، اسکے لیے عمل کرو، وہ تمہیں دلیل کا محتاج نہیں کرے گا۔ (۱۰/۱۱)

اللہ کی معرفت کی مثال بھی آسمان کی طرح ہے، جو آسمان کے زیادہ قریب ہیں وہی اُس سے زیادہ واقف بھی ہیں۔ (۱۰/۱۱)

عبد الرحمن بن زیاد بن انعم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ قرآن کی مثال اُس برتن کی طرح ہے جس میں دودھ ہے، آپ اُسے جتنا بلوئیں گے اتنا ہی مکھن نکلے گا۔ (۱۰/۱۱)
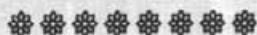
کیا آپ اولیاء اللہ کی علامات پہچانتے ہیں؟

اولیاء اللہ کی علامات کو پہچاننا بہت ضروری ہے، اور ممکن ہے کہ اس طرح آپ بھی ان میں شامل ہو جائیں اور مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں، انکی معرفت اللہ کی محبت کا باعث ہے، لہٰذا انکی علامات کو بیان کرنا ضروری ہے۔

۱- انکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے، جیسا کہ طبرانی کی حدیث میں آتا ہے۔

۲- انکی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کیلئے محبت اور اُسی کیلئے نفرت کرتے ہیں، جیسا کہ مسند احمد ۳ر۴۳۰، میں آتا ہے۔

۳- انکی محبتوں کا مرکز اللہ کی ذات ہوتی ہے۔

۴- ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: بے شک میرے بندوں میں سے میرے اولیاء وہ ہیں کہ جب میرا تذکرہ ہو تو اُنکا بھی تذکرہ ہو، اور جہاں انہیں یاد کیا جائے، وہاں مجھے بھی یاد کیا جائے۔ (ذکرہ الخازن وھو فی الحلیہ ۶/۱)

۵- اللہ کا ولی وہ ہے جو ہر فریضے کو ادا کر کے اللہ کے قرب کا متلاشی رہتا ہے، اسکا بدن ہر وقت اللہ کیساتھ مصروف، اور اُسکا دل اللہ کے نورِ جلال کی معرفت میں مستغرق رہتا ہے، جب وہ دیکھے تو اسکے دلائلِ قدرت دیکھتا ہے، اگر سنے تو اسکی آیات سنتا ہے، اگر بولے تو اسکی حمد وثناء بیان کرتا ہے، حرکت کرے تو اسکی اطاعت میں حرکت کرتا ہے، اور محنت کرے تو اللہ کا قرب تلاش کرنے کی کوشش وسعی کرتا ہے، کبھی اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتا، اور اپنے دل کی آنکھ سے کبھی غیر اللہ کو نہیں دیکھتا۔

کسی عارف کا قول ہے: ولایت کا مقام اللہ کے قرب اور ہمیشہ اسکی رضاجوئی میں مصروف رہنے سے عبارت ہے۔ (خازن ۳۲۲/۲)

بیضاء بنت الفضلؒ اللہ سے محبت کرنے والے کی علامات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتی ہیں: اگر آپ اللہ کے سچے مُحب کو دیکھ لیں تو عجیب منظر دیکھیں گے، انتہائی غمزدہ سی صورت جسے زمین پر قرار نہیں آتا، ایسا پرندہ جسے بھیڑ سے وحشت ہوتی ہے اور تنہائی میں اُنس محسوس کرتا ہے، محبوب کے شوق اور غم نے اسکی راحت چھین لی ہے، بھوک کے وقت اسکا طعام اور پیاس کے وقت اُسکا مشروب محبت ہے، وصال کی فکر کرنا ہی اسکی نیند، اور غفلت سے یادِ الٰہی کی طرف پلٹ آنا ہی اسکی بیدارُ ہے، اسے کسی پل سکون نہیں آتا، اور دل تسلی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا، اگر اس سے تعزیت کی جائے تو بھی اسے قرار نہیں آتا، صبر کا کہا جائے تو صبر نہیں ہوتا، جب خدمتگار تھک جائیں تو بھی یہ اللہ تعالیٰ کی طویل ترین خدمت سے نہیں اُکتاتا، یہانتک کہ اپنی والہانہ محبتوں، طویل خدمتوں اور پے در پے غموں کیساتھ وہ راہِ شوق کی سیڑھیاں چڑھتا چلا جاتا ہے اور بالآخر اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں اسکے مضطرب دل کو قرار آجاتا ہے۔ (الحلیہ ملخصاً ۱۳/۱)

حمزہ نیشاپوری فرماتے ہیں: بے شک دیندار آدمی غور و فکر کرتا ہے، اسکا فعل سکینت ہوتی ہے، اللہ پر راضی رہتا ہے لہٰذا فکرمند نہیں ہوتا، دنیا کو چھوڑ کر شر سے نجات پاتا ہے، اکیلا رہ کر کافی ہوجاتا ہے، شہوات ترک کر کے آزاد ہوجاتا ہے، حسد سے باز آجاتا ہے لہٰذا اسے محبت حاصل ہوجاتی ہے، ہر فانی چیز سے اپنے نفس کو ہٹالیتا ہے لہٰذا اسکی عقل مکمل ہوجاتی ہے۔ (حلیہ ۱۴/۱۰) (عجیب ترین کلام ہے)

۶- حدیث میں آتا ہے کہ وہ لوگ جو بغیر کسی نسبی تعلق یا مال کے لین دین کے تعلق کے، صرف اللہ کے تعلق سے آپس میں محبت کرتے ہیں اللہ کی قسم انکے چہرے نورانی ہونگے اور یہ لوگ قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہونگے، جب لوگ خوفزدہ ہونگے تو انہیں کوئی خوف نہ ہوگا، اور جب لوگ غمزدہ ہونگے تو یہ غمگین نہیں ہونگے پھر آپ نے اس آیت کی

تلاوت فرمائی: ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (یونس/٦٢) (سن لو! یقیناً اللہ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے) الحدیث۔ (اور یہ حدیث بھی صحیح ہے)

٧- انکی ایک علامت یہ بھی ہے کہ انہیں آزمائشوں اور فتنوں میں سلامتی نصیب ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ خاص بندے ہیں جنہیں وہ اپنی رحمت کی غذا دیتا اور عافیت میں بساتا ہے، جب وفات دے تو اپنی جنت کی طرف لے جاتا ہے، یہ وہ لوگ کہ جن پر فتنے سیاہ رات کے حصوں کی طرح گذرتے ہیں لیکن وہ پھر بھی عافیت میں رہتے ہیں۔ (الحلیہ ١/٦)

٨- انکی علامت یہ بھی ہے کہ کھانے اور لباس میں مبالغہ نہیں کرتے، اور مصائب اور سختیوں کے مواقع پر انکی قسمیں پوری ہوتی ہے: «لو أقسم على الله لأبره» ۔ (اگر اللہ پر قسم اٹھالے تو اللہ اُسکی قسم پوری کرتا ہے)

٩- انکا یقین چٹانوں کو توڑ دیتا ہے، اور انکی قسمیں سمندروں کو چیر دیتی ہیں۔

١٠- یہ لوگ ہر خیر کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہر دور میں کچھ سبقت لے جانے والے ہیں...... الحدیث۔

بے شک ان لوگوں نے دنیا کے باطن کا مشاہدہ کر کے اُسے پھینک دیا ہے اور ظاہری رونقوں کو دیکھ کر اُسے گرا دیا ہے۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔

١٢- موسیٰ علیہ السلام کے ایک اثر میں آتا ہے کہ انہوں نے کہا: اے میرے رب! تیری مخلوق میں تیرے نزدیک سب سے معزز کون ہے؟ تو فرمایا: جو میری خواہشات کی پیروی میں ایسی ہی جلدی کرے جیسی کہ چیل اپنی مرغوبات کے حصول کیلئے کرتی ہے، اور جو میرے نیک بندوں سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی والہانہ محبت بچہ لوگوں سے کرتا ہے، اور جو میری حرمتوں کی پامالی پر ایسے ہی غضبناک ہوتا ہے جیسا چیتا اپنے نفس کیلئے غضب ناک ہوتا ہے اور جب چیتے کو غصہ آجائے تو اُسے یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ لوگ کم ہیں یا زیادہ

۔(الحلیہ ۱/۱۳)

۱۳- ذو النون المصری رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اسکے کچھ چنیدہ بندے ہیں۔ پوچھا گیا: اے ابوالفیض! ایسے لوگوں کی علامت کیا ہے؟ تو فرمایا: جب بندہ راحت کو اتار پھینکے، اطاعتِ الٰہی میں اپنی تمام توانایاں صرف کر دے اور دنیاوی قدر و منزلت میں کمی کو پسند کرے۔

۱۴- بے شک اللہ تعالیٰ اپنے متقی، مخفی اور دنیا سے بے پرواہ بندے سے محبت کرتا ہے۔ (مسلم) یہ صفات جلیلہ کے مالک اور ہر نیک عمل میں مسابقت کرنے والے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے۔
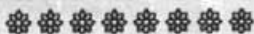
٦٣- فائدہ

توبہ اور اس کی شروط

ایک عظیم ترین عبادت جس سے اکثر لوگ غافل ہیں، جبکہ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف گناہ گاروں کیلئے ہے۔ یہ عظیم عبادت پکی اور سچی توبہ ہے جو اللہ کے ہر بندے اور بندی پر واجب ہے، اور اللہ کی طرف گامزن بندے کی منازل میں سے پہلی منزل ہے۔

علماء نے تفصیل کیساتھ اسکی شروط، آداب اور احکام کا تذکرہ کیا ہے، جبکہ ہم اتمام فائدہ کیلئے اختصار کے ساتھ انکا تذکرہ کریں گے۔

١-فوری طور پر گناہ سے باز آجائے۔

٢-گناہ پر ندامت کا احساس ہو۔

٣-آئندہ وہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔

٤-اگر لوگوں پر ظلم سے متعلق گناہ ہو تو انکے حقوق لوٹا دے یا اُن سے معافی تلافی کرلے۔

٥-گناہ چھوڑنے کا محرک صرف اللہ کا خوف ہو، جبکہ لوگوں کے طعنوں، اپنی شہرت اور مقام کی حفاظت، صحت کے بچاؤ یا گناہ سے عاجز آکر پھر گناہوں کو چھوڑ دینا توبہ نہیں کہلاتا۔

٦-گناہوں کی قباحت اور نقصانات کا شعور رکھے، کیونکہ اگر صرف گناہوں سے حاصل ہونے والی لذت اور سرور کا احساس رہے گا تو پھر صحیح توبہ کی توفیق نہیں ملے گی۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی دو کتابوں ''الجواب الکافی'' اور ''الفوائد'' میں گناہوں کے بہت سے نقصانات ذکر کئے ہیں، انہی میں سے یہ چند یہ ہیں، علم سے محرومی، دل کی وحشت، معاملات میں تنگی اور مشکل، بدن کی کمزوری، اطاعت سے محرومی، برکت کا مٹ

جانا، توفیق کا کم ہو جانا، سینے کا تنگ ہو جانا، گناہوں کی افزائش ہونا اور عادت پڑ جانا، گناہ گار کا اللہ اور لوگوں کی نظر سے گر جانا، چوپایوں کا اُسے لعنت کرنا، ذلت کا لباس پہنا دیا جانا، دل پر مہر لگ جانا، لعنت کا مستحق بن جانا، دعاؤں کا قبول نہ ہونا، بر و بحر میں فساد پھیل جانا، غیرت کا ختم ہو جانا، حیا رخصت ہو جانا، نعمتیں زائل ہو جانا، عذابوں کا نزول، گناہ گار کے دل میں رعب بیٹھ جانا، شیطان کے چنگل میں پھنس جانا، بُری موت کا شکار ہونا اور آخرت کے عذاب کا مستحق بن جانا.

جب انسان کو ان نقصانات سے آگاہی حاصل ہوگی تو وہ کلی طور پر گناہوں سے دور بھاگے گا۔ بعض لوگ ایک گناہ ترک کر کے دوسرے کی طرف جاتے ہیں، اسکے بھی کچھ اسباب ہیں، یا تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسرا گناہ پہلے سے کمتر ہے، یا نفس اسکی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، یا پھر اس دوسرے گناہ کیلئے حالات سازگار ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

۷- توبہ کی طرف جلدی کرنا، کیونکہ توبہ میں تاخیر بھی ایک گناہ ہے جو خود توبہ کا محتاج ہے۔

۸- اللہ تعالیٰ کے جو حقوق رہ گئے ہیں انکی تلافی کرنا مثلاً زکوۃ وغیرہ۔

۹- گناہوں والی جگہ کو چھوڑ دے، کیونکہ وہاں موجود رہنے سے مزید گناہ متوقع ہوتے ہیں۔

۱۰- گناہوں پر تعاون کرنے والوں سے الگ ہو جانا۔ جیسا کہ سو اشخاص کے قاتل والی حدیث میں آتا ہے۔

۱۱- اپنے پاس موجود حرام اشیاء کو تلف کر دے، مثلاً ٹیلیوژن، آلات موسیقی، حرام فلمیں اور لیلیٰ مجنون طرز کی داستانیں۔

۱۲- نیک ساتھیوں اور بھلائی پر تعاون کرنے والوں کو اپنا ساتھی بنائے، ذکر، علم اور وعظ ونصیحت کی مجالس کا شوق رکھے، ہمیشہ اپنی اصلاح اور تربیت کیلئے کوئی کتاب ساتھ رکھے اور اپنے تمام اوقات کو مفید کاموں سے پُر کیے رکھے تاکہ شیطان کو اسکی طرف آنے کا کوئی راستہ ہی نہ ملے، اور افضل ترین کتاب قرآنِ کریم ہے، ہمیشہ اسے پڑھے، تدبر کرے اور اس پر عمل پیرا ہو۔

۱۳- اپنے بدن کو اللہ کی اطاعت میں مصروف رکھے، اور وہ جسم جس نے رزقِ حرام پر پرورش پائی ہے وہ حلال کاموں اور اطاعت میں کیسے مصروف ہو سکتا ہے۔

۱۴- جان حلق پر آ جانے اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لے۔

۱۵- گناہوں کو معمولی نہ سمجھے، انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«انکم لتعملون أعمالاً هي أدقُّ في اعينكم من الشعرة كنا نعدها على عهد رسول الله ﷺ من الموبقات» (رواه البخاري)

(بے شک تم لوگ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظر میں تو بال سے بھی باریک اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں انہیں تباہ کر دینے والے اعمال شمار کرتے تھے) (بخاری)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مؤمن اپنے گناہوں کو یوں خیال کرتا ہے، جیسے وہ پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے اور وہ پہاڑ اُس پر گرنے والا ہے، جبکہ فاجر آدمی اپنے گناہوں پر ایسا رویہ اختیار کرتا ہے جیسے کوئی مکھی ناک پر بیٹھ جائے اور وہ ہاتھ کے اشارے سے اُسے اڑا دے۔

حدیث میں آتا ہے: حقیر اور معمولی سمجھے جانے والے گناہوں سے بچو، انکی مثال اسی طرح ہے جیسے کوئی قوم بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ جلاتی اور پھر اُس پر گوشت بھی پکا لیتی ہے۔ (او کما قال)

تو اے محترم بھائی! جلد از جلد توبہ کیجئے، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے جو عنقریب بند ہو جائے گا، پھر آپ حسرت کریں گے، لیکن اُس دن حسرت کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اور جان لیجئے کہ جب دل سختی اور بگاڑ کا شکار ہو کر اللہ سے دور ہو جائے تو توبہ اور رجوع الی اللہ سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾۔ (التحریم/۴)

(اے نبی کی دونوں بیویو!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کر لو (تو بہتر ہے) کیونکہ یقیناً تمہارے دل (حق سے) ہٹ چکے ہے)

اس میں اشارہ ہے کہ پکی اور سچی توبہ کے ذریعے ٹیڑھے دل بھی سیدھے ہو جاتے ہیں جیسا کہ ''حیات القلب'' والے فائدے میں گذر چکا ہے۔ اور یقیناً توبہ دل کا نور اور ضیاء ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿نورھم یسعی بین ایدیھم و بأیمانھم﴾ (انکا نور انکے آگے اور دائیں دوڑ رہا ہوگا) یہ بات اللہ تعالیٰ نے توبہ کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمائی ہے، اگر آپ توبہ کے فوائد اور اسکے وجوب کے دلائل دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر مشکوۃ، ریاض الصالحین اور مدارج السالکین کے متعلقہ ابواب مثلاً استغفار اور توبہ کے ابواب کا مطالعہ کیجئے۔

٦٤- قیمتی فائدہ

اچھا خاتمہ اور اسکی اسباب

ایک مرتبہ (۱۴۲۲/۱۲/۲۰ھ کو میں نے ایک درس دیا تو میرے دل میں ایک نکتہ پیدا ہوا، وہ یہ کہ انسان کا اچھا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں میرے دل میں ڈال دیں کہ جو شخص انہیں اختیار کریگا وہ اللہ کی توفیق سے ارتداد اور کفار کی طرف پلٹ جانے سے بچ جائے گا۔

۱- اللہ تعالیٰ کی شدید ترین محبت جو دل کی گہرائیوں میں اتر چکی ہو، اور اعضاء پر اثر انداز ہو۔

۲- اہل ایمان پر شفقت اور نرمی، جبکہ اہل کفر کیلئے شدت اور سختی اختیار کی جائے، اسی کا نام الولاء والبراء ہے، اور یہ افضل ترین عمل ہے جیسا کہ اس حوالے سے نصوص وارد ہوئی ہیں۔

۳- اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، یہ ایمان اور دنیا کی بقا کا اہم ترین وسیلہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ﴾۔ (محمد/۲۲)

(قریب ہے کہ اگر تم جہاد سے پھر جاؤ تو زمین میں فساد برپا کردو، اور رشتے ناطے توڑ ڈالو)

۴- بندہ حق کی طرف دعوت یا حق پر عمل پیرا ہونے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈرے۔

کوئی بندہ بھی اللہ کریم کے فضل کے بغیر یہ امور سرانجام نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ الآية (المائدة/٥٤)

(اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائیگا تو بہت جلد اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائیگا جو اسکی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت کرتے ہونگے، مؤمنین پر نرم و مہربان اور کفار پر سخت ہونگے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہیں کریں گے)

یعنی جب دوسرے لوگ مرتد ہونگے تو ان صفات کے حاملین ارتداد سے بچ جائیں گے، ان آیات میں مذکورہ صفاتِ کریمہ کی ترغیب دلائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ان صفات سے متصف فرمائے۔ آمین۔

٥- پھر ١٤٢٢/١٢/٢٧ھ کو قرآنِ مجید کی تفسیر کے دوران میں نے اس حوالے سے ایک اور چیز دریافت کی، اور وہ ہے یہود و نصاریٰ کے اقوال، احوال اور افعال میں انکی اطاعت نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تُطِيعُوا۟ فَرِيقًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَـٰبَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَـٰنِكُمْ كَـٰفِرِينَ﴾ (آل عمران/١٠٠)

(اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کی باتیں مانو گے تو وہ ایمان لانے کے بعد اُس سے پھیر کر کافر و مرتد بنا دیں گے)

اور نجات تو صرف اللہ کیساتھ پختہ تعلق میں ہی ہے، اللہ کیساتھ اعتصام کی دو تفسیریں کی گئی ہیں:

١- اللہ پر ایمان لانا اور اسکے دین پر تمسک اختیار کرنا۔

٢- اللہ پر بھروسہ اور توکل کرنا، اُسی کی طرف التجا و انابت اختیار کرنا، جس نے ایسا کر لیا تو گویا اُسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت مل گئی۔

حکیم ترمذی اپنی کتاب میں امام زہری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: جو بندہ مخلوق کو چھوڑ کر میرے ساتھ پختہ تعلق اختیار کر لے، تو اگر آسمان و زمین بھی اسکے خلاف ہو جائیں تب بھی میں اسکے لیے بچاؤ کی راہ پیدا

کر دیتا ہوں، اور جو بندہ مجھے چھوڑ کر مخلوق کیساتھ رابطہ استوار کرلے تو میں اوپر کے اسباب بھی اسکے ہاتھوں سے کاٹ ڈالتا ہوں اور زمین بھی اسکے قدموں کے نیچے سے کھینچ لیتا ہوں۔ (روح المعانی ۴/۱۷)

۶- انہی امور میں شرعی اذکار بھی شامل ہیں مثلاً سید الاستغفار اور سوتے ہوئے پڑھنے کی دُعا: «اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ الخ»۔ اس میں یہ ہے کہ اگر اُس رات فوت ہو گئے تو فطرتِ اسلام پر وفات پاؤ گے۔ سید الاستغفار کے حوالے سے بھی یہ آتا ہے کہ یہ پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طرح اذان کے بعد پڑھنے کی دعا:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ......» اس میں یہ ہے کہ یہ دُعا پڑھنے والے کیلئے شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وضو کے بعد کی دُعا :

«سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ»۔

اس میں یہ ہے کہ یہ دُعا ایک چمڑے پر لکھ کر قیامت تک کیلئے محفوظ کر دی جاتی ہے۔ حسن خاتمہ کے اسباب ایک دوسرے تفصیلی فائدے میں گذر چکے ہیں۔

نصائح کے بارے میں

ابو طلحہ سے سوال ہوا کہ "زہد فی الدنیا" کیا چیز ہے؟ تو فرمایا: اپنی تمام تر توانائیاں آخرت کیلئے خرچ کردینا، راحت تج دینا، اور آرزوئیں کاٹ ڈالنا۔ (الحلیہ ۱۰/۲۰)

ھرم بن حبان نے اویس قرنی رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپکے ذریعے اپنی وحشت دور کرکے اُنس حاصل کرنا چاہتا ہوں تو فرمایا: میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اللہ کیساتھ تعلق میں وحشت محسوس کرے، انہوں نے کہا: مجھے وصیت کیجئے! تو فرمایا: سمندر کے ساحلوں پر بسیرا کرو۔ تو کہا: پھر ذریعہ معاش کا کیا ہوگا؟ تو فرمایا: تم پر اُف ہے، تم پر اُف ہے، اپنا دین بچا کر اللہ کی طرف فرار بھی چاہتے ہو اور اُسے رزق کا الزام بھی دیتے ہو کہ وہ تمہاری روزی کا بندوبست کیسے کریگا؟ (حلیہ ۱۰/۲۰)

ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: بے شک میں نے شہوات کو اپنی کمزور مخلوق کیلئے پیدا کیا ہے، لہٰذا تم اپنے دل کو ہر قسم کی شہوات سے بچانا، ورنہ میری ہلکی ترین سزا یہ ہوگی کہ میں تمہارے دل سے اپنی محبت کی مٹھاس کھینچ لوں گا۔ (حلیہ ۱۰/۲۱) (اہل عقل کیلئے یہ انتہائی سخت وعید ہے)

عارفین کی کچھ علامات ہوتی ہیں: اور وہ ہیں مصائب کو چھپانا اور کرامتوں کی حفاظت کرنا۔ (حلیہ ۱۰/۲۱ قالہ ابو سلیمان رحمہ اللہ)

ابو سلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب امید خوف پر غالب آجائے تو دل فاسد ہو جاتا ہے اللہ کو جاننے والوں پر یہ بات بہت شاق گذرتی ہے کہ معصیت کے مقابلے میں انہیں ہلکا (دنیاوی) عذاب دیا جائے۔ (حلیہ ۱۰/۲۱)

ابو سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قیامت کے دن جبکہ ایک بندہ یہ گمان کرلے گا کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے تو اچانک کچھ مہر بند صحیفے لائے جائیں گے اور اسے کہا جائیگا کہ انکی مہر کھولو اور اس میں لکھے ہوئے اعمال صالحہ کو پڑھو، تو وہ بندہ اُن صحیفوں کو دیکھنے کے بعد عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ تو وہ اعمال ہیں جو نہ میں نے کئے اور نہ میں انہیں جانتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا: یہ تمہاری اچھی نیتیں ہیں جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے، میں نے یہ تمہارے لیے لکھ رکھی اور شمار کر رکھی ہیں، پھر اُس بندے کو جنت کی طرف لے جانے کا حکم ہوگا۔

احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اُسے نیکیوں اور ذکر اذکار کیساتھ پہچانیں تو اُس نے عبادت میں شرک کیا ہے کیونکہ جو محبت کی بنیاد پر عبادت کرے وہ تو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اسکے مخدوم اور محبوب کے سوا کوئی دوسرا اسکی خدمتوں کا مشاہدہ کرے۔ (حلیہ ۱۰/۲۲)

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص دنیا سے محبت کرے اور اس پر خوش ہو تو آخرت کا خوف اُس کے دل نکال لیا جاتا ہے۔ (۱۰/۲۲)

علی بن فضیل رحمہ اللہ نے اپنے والد سے کہا: اے ابو جان! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا کلام کس قدر میٹھا اور شیرین ہے۔! تو والد نے اُن سے استفسار کیا کہ اے بیٹا! کیا تم جانتے ہو کہ اس میں مٹھاس کس طرح پیدا ہوئی ہے؟ بیٹے نے کہا: نہیں، اے ابو جان! تو فرمایا: اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکے کلام کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہوا کرتی تھی۔ (حلیہ ۱۰/۲۲)

حدیث میں آتا ہے: صرف تمہارے اموال ہی لوگوں کیلئے کافی اور وسیع نہیں ہو سکتے، بلکہ چہرے کی کشادگی اور حسنِ اخلاق کے ذریعے تم دوسرے لوگ کیلئے کشادہ اور کافی ہو سکتے ہو۔ (۱۰/۲۵)

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لوگوں کا نام ابرار اُس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اولاد اپنے آباء اور آباء اپنی اولاد کیساتھ حسنِ سلوک نہ کریں، تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اپنے والدین اور اولاد کیساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے ہی ایسے لوگوں کو ابرار کہا گیا ہے۔

ایک مرتبہ خواب میں میری ملاقات جامعہ اسلامیہ کے مدرس عبدالرزاق سے ہوئی اور میں نے انہیں کہا: جب ذکرِ الٰہی کیساتھ لغو باتیں بھی شامل ہو جائیں تو اسکا نور اڑ جاتا ہے، اور وہ ویران و بے آباد راہوں کی طرح ہو جاتا ہے، تو انہوں نے میری بات کی تصدیق کی اور مجھے بخاری کے کچھ سبق بھی پڑھائے۔ مجھے اس خواب پر بہت خوشی ہوئی۔

ابو یزید البسطامی کہتے ہیں: (اگر چہ یہ وحدت الوجودی ہیں لیکن ہم انکے کلام میں سے وہی بات لیں گے جو حق کے موافق ہے) تیس سال تک میری یہ حالت رہی کہ جب بھی میں نے اللہ کا ذکر کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے پیشِ نظر میں نے کلی کی اور اپنی زبان کو دھویا۔

اور اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے ہوئے کہتے ہیں: میرا تجھ سے محبت کرنا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ میں تیرا بند محتاج ہوں، تعجب تو اس بات پر ہے کہ تو مجھ سے محبت کرے حالانکہ تو قادر بادشاہ ہے۔ (۳۴/۱۰، ۳۵)

ایک شخص ابو یزید کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے وصیت کیجئے! تو ابو یزید نے اُس سے کہا: آسمان کی طرف دیکھو۔ اُس نے آسمان کی جانب دیکھا، پھر ابو یزید نے اُس سے پوچھا: جانتے ہو کہ آسمان کس نے پیدا کیا ہے؟ اُس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ تو ابو یزید نے کہا: اس آسمان کا خالق ہر جگہ تمہاری ہر بات پر مطلع ہے لہٰذا اُس سے ڈرو۔ (۱۰/۳۵)

ابو یزید کا ہی ایک اور قول ہے: بے شک طاعات میں بھی ایسی آفات پائی جاتی ہیں کہ تمہیں گناہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ (۱۰/۳۶) (یہ بہت عجیب کلام ہے لیکن اسکی صحیح معرفت رکھنے والے کم ہی لوگ ہیں)

اور کہتے ہیں: جب تک کوئی بندہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اور شخص اُس سے زیادہ بُرا ہے تو اُس وقت تک وہ متکبر ہے۔ (اگر انکی یہ بات اہل ایمان کیساتھ مخصوص ہو تو ٹھیک ورنہ غلط ہے کیونکہ کافر اور ابلیس تو یقیناً فاسق مؤمن سے زیادہ بُرے ہیں)

اور کہا: جو شخص اللہ کو پہچان لے وہ اللہ سے مشغول کر دینے والی ہر چیز سے بے رغبت

ہو جاتا ہے۔(۱۰/۳۷)

جو شخص اس لیے کلام سنتا ہے کہ لوگوں کیساتھ کلام کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے ایسا فہم دے دیتا ہے جسکے ذریعے وہ لوگوں سے کلام کرتا ہے، اور جو اس لیے کلام سنے کہ اللہ کیساتھ اُسکا معاملہ درست ہو، تو اللہ تعالیٰ اُسے ایسا فہم عطا فرماتا ہے جسکے ذریعے وہ اللہ کیساتھ مناجات کرتا ہے۔(۱۰/۳۸)

ابو یزید سے سوال ہوا کہ عارف کی علامت کیا ہے؟ تو کہا: عارف وہ ہے جو اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہو، اسکا حق ادا کرنے سے کبھی نہ اُکتائے، اور اُسکے علاوہ کسی کیساتھ مانوس نہ ہو۔(۱۰/۳۹)

اور انکا ایک قول یہ بھی ہے کہ بھوک تو بادل کی مانند ہے، جب بندہ بھوکا ہو تو اُسکا دل حکمت کی برکھا برساتا ہے۔(۱۰/۳۹)

اور کہا: اگر کسی شخص کو اس حد تک کرامات دی جائیں کہ وہ فضاؤں میں اُڑنے لگے تو جب تک تم احکامات کی پابندی، حدود کی حفاظت اور شریعت کی ادائیگی جیسی چیزوں کو اُس میں نہ پاؤ، اُس سے دھوکہ مت کھانا۔(۱۰/۴۰)

ابراهیم الهروی کہتے ہیں: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسکی دُعا اور آسمان کے درمیان کوئی آڑ نہ آئے تو اُسے اپنے نفس کے حوالے سے پانچ چیزوں کا خیال رکھنا ہوگا:

۱-کھانا اُس پر غالب نہ ہو، بلکہ صرف ضرورت کے تحت ہی کھائے۔

۲-اسی طرح لباس میں اسراف سے بچے۔

۳-اور نیند بھی بقدر ضرورت ہی لے۔

۴-نیز کلام میں بھی کثرت سے پرہیز کرے۔

۵-اللہ کے سامنے آہ وزاری کرے اور ہمیشہ اپنے ارادوں اور تمام اعضاء کی حفاظت کرے(۱۰/۴۳)

اور فرمایا: جس شخص کو یہ تین چیزیں حاصل ہو گئیں، اُسے دنیا و آخرت کا شرف مل گیا:

۱-اللہ کے ذکر اور اُس سے مناجات کیلئے دل کا کشادہ ہو جانا۔

۲-نیکی کو غنیمت سمجھتے ہوئے فوری طور پر اُسے کر ڈالنا اور پھر اسکی حفاظت کرنا۔

۳-دشمن پر غالب آ جانا، تا کہ اللہ کی اطاعت پر مستقیم ہو سکے۔ (۱۰/۴۴)

وهبؒ فرماتے ہیں: تین چیزیں علم میں سے ہیں:

۱-ایسا ورع اور تقویٰ جو گناہوں سے آڑ بن جائے۔

۲-ایسا بہترین اخلاق جسکے ذریعے لوگوں کی مدارات کر سکے۔

۳-ایسی بردباری جسکے ذریعے جاہل کی جہالت رو کر سکے۔ (۱۰/۴۷)

ابو تراب النخشی کہتے ہیں: استاد کیلئے چار چیزیں ضروری ہیں:

۱-اللہ کے فعل کی لوگوں کے فعل سے تمیز کر سکے۔

۲-ہر عمل کے مقام و مرتبے کو پہچان سکے۔

۳-لوگوں کی طبائع ونفسیات سے آگاہ ہو۔

۴-اختلافی مسائل کی تمیز بھی رکھتا ہو۔ (۱۰/۴۷)

شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کیساتھ ایسی ہی صحبت اختیار کرو جیسی کہ آگ کیساتھ صحبت رکھتے ہو، کہ اسکا فائدہ تو حاصل کرتے رہو لیکن اس بات سے بچو کہ وہ تمہیں جلا ڈالے۔ (۱۰/۴۷)

حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غم کی دو قسمیں ہے، ایک آپکے لیے مفید اور دوسری نقصان دہ ہے، اگر تو دنیا کے جانے کا غم ہو تو نقصان دہ، اور اگر دین میں کسی کوتاہی پر غم ہو تو مفید ہے۔ (۱۰/۴۹)

حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دنیا کی مثال آپکے سائے کی طرح ہے، کہ جتنا آپ اس کے پیچھے بھاگیں گے یہ دور ہوتی جائے گی اور جتنا اس سے دور بھاگیں گے اتنی ہی آپکے پیچھے پیچھے آئے گی۔ (۱۰/۴۹)

ابو ترابؒ کہتے ہیں: تم تین چیزوں کو پسند کرتے ہو، حالانکہ وہ تمہاری نہیں:

۱-نفس، یہ بھی اللہ کا ہے۔

۲-روح، یہ بھی اللہ کی ہے۔

۳-مال، یہ وارثوں کا ہے۔

اور تم دو چیزوں کو طلب کرتے ہو لیکن حاصل نہیں کر پاتے:

۱- خوشی ۔۲-سکون وراحت، کیونکہ یہ دونوں چیزیں تو جنت میں ہیں۔

اور فرمایا: جب دل اللہ سے اعراض کے عادی ہو جائیں تو پھر اولیاء اللہ پر عیب جوئی کرنے لگتے ہیں۔(۱۰/۴۹)

اور فرمایا: جو شخص اللہ کے ساتھ مشغول کسی بندے کو اللہ سے ہٹا کر کسی اور طرف مشغول کردے تو گویا اُسی وقت اُسے موت آجاتی ہے۔(۱۰/۵۰)

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں گناہوں کی وجہ سے آپ سے امیدیں کیوں کاٹوں جبکہ آپ گناہوں کے باوجود اپنی عطاؤں سے محروم نہیں کرتے۔(۱۰/۵۱)

اور فرمایا: جب کوئی بندہ دنیا کی طرف جھک جاتا ہے تو دلوں کے عیب اُس کیساتھ چمٹ جاتے ہیں، اور جب دنیا کسی کے دل میں گھر کر جاتی ہے تو وہ گناہوں کے سمندر میں گر پڑتا ہے۔(۱۰/۵۲)

اور فرمایا: لوگ زہد کو کتابوں کے اوراق میں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ زہد تو توکل میں ہے، کاش کہ لوگ جان لیتے۔(۱۰/۵۳)

اُن سے پوچھا گیا کہ یہ بات کیسے معلوم ہوگی کہ کوئی شخص درست راستے پر چل پڑا ہے اور مخلوق سے امن میں آ گیا ہے؟ تو فرمایا: جب لوگ اسے شیریں اور یہ لوگوں کو کڑوا سمجھے، اور لوگ اس کیساتھ ملاقات کو پسند کریں جبکہ وہ لوگوں کیساتھ ملاقات کو ناپسند کرے۔ (بہت مفید بات ہے)

اور فرمایا: دُعائیں کس طرح قبول ہوں کہ انکے راستے ہی مسدود کردیے گئے ہیں۔ (۱۰/۵۳)

اور فرمایا: اگر لوگوں کی عقلیں ایمان کی آنکھوں سے جنت کی رونق دیکھ لیں تو انکے نفوس جنت کے شوق سے پگھل جائیں، اور اگر لوگوں کے دل اپنے خالق کی محبت کا حقیقی اور گہرا ادراک کرلیں تو انکی والہانہ محبت میں انکے جوڑ الگ ہو جائیں اور انکی روحیں انکی دہشت سے انکے جسموں سے پرواز کر جائیں، پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کو ان چیزوں کے حقائق سے غافل کر کے صرف اوصاف کا علم دیا ہے۔ (۵۳/۱۰)

دانا شخص کیلئے عظیم ترین مصیبت یہ ہے کہ اُس پر کوئی ایسا دن گذرے کہ جس میں اسکے پاس اسکے رب کی طرف سے حکمت کی شکل میں کوئی نیا تحفہ نہ آئے۔ (۵۳/۱۰)

اور فرمایا: دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی، جو اسے طلب کرے، اُسے پھینک دیتی ہے، اور جو اسے پھینک دے، اُسے طلب کرتی ہے۔ (۵۳/۱۰)

اور فرمایا: تائب کو اُسکا گناہ رُلاتا ہے، زاھد کو اسکی غربت (اجنبیت) رُلاتی ہے، اور صدیق کو زوالِ ایمان کا خوف رُلاتا ہے۔ (۵۴/۱۰)

اور فرمایا: دنیا کی فکر ہی آپکو آپکے رب اور دین سے غافل کر دیتی ہے، تو اگر آپ اپنے تمام اعضاء کیساتھ دُنیا میں مشغول ہو جائیں تو پھر کیا حال ہوگا؟۔ (عجیب بات ہے)

اور فرمایا: لوگوں کی تین اقسام ہیں: ایک وہ شخص جسکو اسکی آخرت نے معاش سے مشغول کر دیا ہو، یہ علماء کا درجہ ہے۔ دوسرا وہ آدمی ہے جسکو اُسکے معاش نے معاد (آخرت) کی طرف لگا دیا ہو، (یعنی وہ دنیا کی دوڑ دھوپ ضرور کریں لیکن اسے آخرت کے کام میں لائیں مثلاً یتیموں مسکینوں کی کفالت، جہاد و قتال کی تیاری اور دعوت و تبلیغ میں مال خرچ کرنا) یہ کامیاب لوگوں کا درجہ ہے، اور تیسرا وہ شخص ہے، جسے اُسکے معاش نے معاد سے غافل کر دیا ہو، یہ ہلاک ہونے والوں کا درجہ ہے۔ (۵۶/۱۰)

اور فرمایا: ہائے کتنی شرمناک بات ہوگی کہ (اے اللہ!) تو میری ہمتوں کو تیرے سوا کسی اور کی طرف سبقت کرتا ہوا دیکھے۔ (۵۷/۱۰)

اور فرمایا: جو شخص اپنے دل کی تسکین کیلئے اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کیساتھ تعلق

پکڑتا ہے، تو وہ جس قدر اس تعلق میں بڑھتا جائے گا اسی قدر اسکا اضطراب بھی بڑھتا جائیگا۔(۱۰/۵۷)

دو نعمتیں عارفین کیلئے بہت عظیم ہیں: جب بھی اپنے رب کی طرف رجوع کریں اُسے پالیتے ہیں، اور جب بھی چاہیں اُسکا ذکر کرلیتے ہیں۔(۱۰/۵۷)

اور فرمایا: عارف کی صفت یہ ہے کہ اسکا دل محبتِ الٰہی سے معمور، جسم ملائم، شوق دائم اور ذکر لازم ہوتا ہے۔

اور فرمایا: عارف کی عبادت تین اشیاء میں ہوتی ہے: مخلوق کیساتھ اچھا برتاؤ کرنا، ہمیشہ رب جلیل کا ذکر کرنا، صحت مند جسم کے درمیان بیمار دل ہونا۔(۱۰/۵۷)

اور فرمایا: کامیابی اور خوشخبری ہے اُس بندے کیلئے کہ عبادت جسکا پیشہ اور ہنر بن جائے، فقر اسکی آرزو، خلوت اسکی خواہش اور آخرت اسکی ہمتوں کا مرکز بن جائے، دنیا صرف اتنی ہی طلب کرے جو اُسے منزل پر پہنچادے، موت کو اپنی فکر بنالے، اپنی نیتوں کو زھد میں مشغول کردے، اپنی عزت کو ذلت کیساتھ مار ڈالے، اپنی تمام حاجتیں اپنے رب کے سامنے رکھے، خلوتوں میں گناہوں کو یاد کرے، اور اپنے رخساروں پر آنسو بہائے، اپنی اجنبیت کا شکوہ اللہ ہی سے کرے، اور توبہ کے ذریعے اُس سے اُسکی رحمت کا سوال کرے۔(۱۰/۵۸)

اور فرمایا: عقلمند اور دانا وہ شخص ہے جس میں تین خصلتیں ہوں، عمل صالح میں جلدی کرے، دنیاوی آرزوؤں میں تاخیر سے کام لے، اور موت کی تیاری کرے۔(۱۰/۵۸)

اور فرمایا: بے شک کوئی بندہ جس قدر اپنے مولیٰ سے محبت کرتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ اسکی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے، اور جتنا وہ اللہ کے احکامات کی توقیر کرتا ہے، اتنا ہی لوگ اُسکی توقیر کرتے ہیں اور جس قدر وہ اللہ کے کاموں میں مصروف رہتا ہے، اسی قدر لوگ اسکے کاموں میں مصروف رہتے ہیں، اور جس قدر اسکے دل میں اللہ کے وعدوں پر اعتماد اور سکون ہوتا ہے، اسی قدر اسکی زندگی پاکیزہ ہوجاتی ہے۔

اور جس قدر وہ اللہ کی اطاعت پر دوام اختیار کرے اتنا ہی اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔
اور جتنا وہ اللہ کے ذکر میں لگا رہے اتنی ہی اس بندے پر اللہ کے لطف وکرم کی بارش برستی ہے، اور جتنا وہ بندہ دوسرے لوگوں سے دور بھاگتا ہے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ اُسے اپنی عطاؤں اور نوازشات کیساتھ اُنس اور قرب عطا فرماتا ہے، اگر ابن آدم کیلئے اور کچھ نہ ہو تو یہی اسکے لیے کافی ہے۔(۱۰/۵۹)

اور فرمایا: تم اُس وقت تک اُسے نہیں پہچان سکتے، جب تک کہ مخلوق سے اندھے نہ ہو جاؤ۔ اور فرمایا :اے ابن آدم ! بے شک تم اُس وقت تک اپنے رب کے مشتاق نہیں ہو سکتے جب تک کہ مخلوق سے وحشت محسوس نہ کرو۔(۱۰/۵۹)
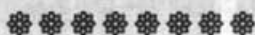
٦٦- جلیل القدر فائدہ : صحیح فکر

غور وفکر کے نتیجے میں، میں اس بات پر پہنچا ہوں کہ دنیا وآخرت کی بھلائیاں صحیح فکر کی تابع ہیں، جب تک کوئی انسان غور وفکر کیلئے کچھ وقت مخصوص نہ کرے، اُس وقت تک اُسے سعادت کبھی نہیں مل سکتی اور نہ ہی وہ کسی خیر تک پہنچ سکتا ہے۔

اسی لیے بہت سی آیات اور احادیث انسان کو غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔

اور ہماری پاکیزہ شریعت ہمیں کثرتِ کلام، بے فائدہ چیزوں میں مشغولیت، مال اور اہل کیساتھ زیادہ لگاؤ اور مصروفیت سے بھی اسی لیے روکتی ہے کہ ہماری فکر کی حفاظت ہو سکے، اور شیطان کی تمام جدوجہد یہی ہوتی ہے کہ انسان کی فکر میں بگاڑ پیدا ہو جائے، کیونکہ فکر میں بگاڑ ہی ہر مصیبت اور معصیت کی اساس ہے۔
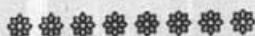
بعض حکمتوں کے بیان میں

روضة المحبین ص(۴۰۹) میں آتا ہے: محبت دل میں موجود ایک درخت ہے، جسکی جڑیں محبوب کیلئے عاجزی وانکساری، جسکا تنا محبوب کی معرفت، جسکی شاخیں محبوب کی خشیت، جسکے پتے محبوب سے حیا، اور جسکا پھل محبوب کی اطاعت ہے، اور وہ مادہ جس سے اس درخت کی آبیاری ہوتی ہے، وہ محبوب کا ذکر ہے، جب بھی محبت ان تمام امور یا ان میں سے بعض امور سے خالی ہوگی تو سمجھئے کہ محبت میں بھی اُتنا ہی نقص ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: میرے لیے ایسے بن جاؤ، جیسا میں چاہتا ہوں، تو میں بھی تمہارے لیے ویسا ہی بن جاؤنگا جیسا تم چاہتے ہو۔

(روضة المحبین (٤٠١)

ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں تمہارے رب کو نہیں دیکھتا کہ وہ تمہاری بات نہ مانے، تو آپ نے فرمایا: اے چچا! اگر آپ بھی اسکی اطاعت کر لیں تو وہ آپکی بات بھی مانے گا۔ (روضة المحبین ۴۱۰)

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تائب کیلئے ایسا فخر ہے جسکے مقابلے میں کوئی فخر نہیں، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکی توبہ پر خوش ہوتا ہے۔ (الحلیہ ۵۹/۱۰)

اور فرمایا: وہ شخص اللہ تک نہیں پہنچ سکتا، جو اُسکی تقسیم پر راضی نہ ہو، اور وہ شخص اللہ کو نہیں پہچان سکتا جو اُسکی نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھائے، اور وہ شخص اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کر سکتا، جو اسکے جودو کرم میں غوطے نہ کھائے۔ (۵۹/۱۰)

اور فرمایا: لوگوں کے منہ انکی دکانیں ہیں اور ہونٹ انکے تالے، جبکہ دانت درانتیاں ہیں،

جب کوئی شخص دُکان کھولتا ہے تو پھر آپکو علم ہوتا ہے کہ وہ عطر فروش ہے یا جانوروں کا معالج۔ (۶۰/۱۰)

اور فرمایا: دنیا تو اللہ کی طرف سے ایسا زہر ہے جو اُسکے بندوں کیلئے انتہائی مہلک ہے، لہٰذا یہ زہر اتنا ہی لو کہ جتنا دواؤں میں ڈالنے کیلئے ضروری ہوتا ہے، تاکہ تم اُسکے مضر اثرات سے محفوظ اور سلامت رہ سکو۔ (۶۰/۱۰)

اور فرمایا: اللہ کے اولیاء تو اسکی نعمتوں کے اسرار ہیں، اور اسکے اصفیاء (چنیدہ لوگ) اسکے لطف وکرم کے مرھون ہیں، اور احبار اسکے احسانات کے غلام ہیں، لہٰذا یہ لوگ تو اسکی محبت کے غلام ہیں جو آزاد نہیں ہو سکتے، اور دوسرے اسکے کرم کے مرہون ہیں لہٰذا وہ بھی مقید رہتے ہیں، اور اول الذکر تو اسکی نعمتوں کے بھید ہیں، تو اُنہیں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ (۶۰/۱۰)

اور فرمایا: اہل معرفت وہ ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور سے مانوس نہیں ہوتے۔ (۶۰/۱۰)

اور فرمایا: اُس شخص پر تعجب ہے جو اللہ کے ذکر سے رُکا ہوا ہے، اور اُس پر اس سے بھی زیادہ تعجب ہے جو ذکر کرتا ہے لیکن اسکی ہیبت سے ٹوٹ کر بکھرتا نہیں۔ (۶۰/۱۰) (بہت زبردست بات ہے)

روضة المحبین ص (۴۱۶) میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے حواریوں کی جماعت! اہل معاصی کے بغض میں اللہ کی محبت تلاش کرو، اور اُن سے بغض کر کے اللہ کا قرب پاؤ، اور انکی ناراضگی میں اللہ کی رضا چاہو۔ حواریوں نے سوال کیا: اے اللہ کے نبی! پھر ہم کس کیساتھ مجالست اختیار کریں؟ تو فرمایا: جسکے بولنے سے تمہارے علم میں اضافہ ہو، جسے دیکھنے سے تمہیں اللہ یاد آ جائے، اور جسکے اعمال (یا علم) کی وجہ سے تمہارے اندر دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اُن معطر احادیث کے بیان میں جو دلوں کو نرم کرنیوالی اور حکمتوں سے پُر ہیں

ان احادیث پر تدبر کرنا چاہیے اور ایمان وعمل میں ان سے استفادہ کرنا چاہیے اور خصائل الایمان مثلاً محبت، اخبات، ورع اور زہد وغیرہ میں ان احادیث سے مدد لینی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اُن تمام اچھی باتوں پر عمل کی توفیق دے جو ہم نے کہی یا لکھی ہیں، یا پھر جو بھی آیات واحادیث اور اقوال سلف ہم نے دیکھے اور پڑھے ہیں۔

(۱) — ابوھریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:«ابن آدم اتفرغ لعبادتي املأ صدرك غنى وأسد فقرك، وان لا تفعل ملأت يدك شغلاً ولم أسد فقرك»۔

(اخرجه احمد وابن ماجه وهو في المشكوة ۲/۴٤۰)

(اے ابن آدم! تو میری عبادت کیلئے فارغ ہوجا، میں تیرے سینے کو غنا سے بھردونگا اور تیرے فقر کو ختم کردونگا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے ہاتھوں کو مصروفیات سے بھردونگا اور تیری محتاجی کو بھی دور نہ کرونگا)۔

غور کیجئے! یہ ایک سچا وعدہ ہے۔ عبادت رزق حلال کے حصول کا اہم ترین وسیلہ ہے، دنیا پر نظر دوڑایئے، اسکی مصروفیات، رنج وقلق اور بے سکونی کا مشاہدہ کیجئے، اسکا سبب یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض اور غفلت کا شکار ہوچکے ہیں:

هَرَبُوا مِنَ الرِّقِ الَّذِي خُلِقُوا لَهُ ... فَبُلُوا بِرِقِ النَّفْسِ وَالشَّيْطَانِ

(جب لوگ اُس غلامی سے بھاگے، جسکے لیے وہ پیدا کئے گئے تھے (یعنی عبادت) تو نفس

اورشیطان کی غلامی کا شکار ہو گئے) (القصیدة النونیة لابن القیم رحمه الله)

(۲)– ابو امامه ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سیکون رجال من امتي یاکلون ألوان الطعام ویشربون ألوان الشراب، ویلبسون ألوان الثیاب ویتشدقون بالکلام، اولئك شرار أمتي»۔

(ذکره فی الصحیحة ٤١٢/٤) (١٨٩١)

(عنقریب میری امت میں ایسے آدمی پیدا ہونگے ، جو انواع واقسام کے کھانے کھائیں گے، انواع واقسام کے مشروبات پئیں گے، انواع واقسام کے لباس پہنیں گے، اور باچھیں کھول کر باتیں کریں گے، (یعنی تکلف کیساتھ فصاحت و بلاغت اور زبان آواری کا مظاہرہ کریں گے) یہ میری امت کے بدترین لوگ ہونگے)۔

(۳)– معاذ ﷺ کی حدیث میں آتا ہے: « ایاك والتنعم ، فان عباد الله لیسوا بالمتنعمین»۔(اخرجه احمد، وهو فی المشکوة ٤٤٢/٢)

(ناز ونعمت اور عیش پسندی سے بچو، کیونکہ اللہ کے بندے تو عیش پسند نہیں ہوتے) (احمد)

(٤) – انس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ابوذر ﷺ سے ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا میں تمہیں ایسی دو خصلتیں نہ بتلاؤں جو انسان کی پیٹھ پر انتہائی ہلکی اور دوسرے اعمال کے مقابلے میں میزان پر بہت بھاری ہیں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں! اے اللہ کے رسول ﷺ! بتلایئے۔ تو آپ نے فرمایا:

«علیك بحسن الخلق وطول الصمت فو الذي نفسي بیده ما عمل الخلائق بمثلها»۔(اچھے اخلاق اور طویل خاموشی کو لازم پکڑو، اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے،ان دو اعمال جیسا عمل پوری مخلوق نے نہ کیا ہوگا)

(ابویعلی (٨٣٤/٢) ، الصحیحة (٥٧٦/٤) المشکوة (٢/ باب الرقاق)

(٥) –ابوھریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو مجھ سے یہ کلمات سیکھے، خود بھی ان پر عمل کرے اور عمل کرنے والوں کو انکی تعلیم بھی دے؟

ابوھریرہ ﷛ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ایسا کرونگا! تو آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور شمار کر کے پانچ باتیں بتلائیں:

«اتق المحارم تکن أعبد الناس، وارض بما قسم الله لك تكن اغنى الناس، واحسن الى جارك تكن مؤمنا، واحب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلماً، ولا تكثر الضحك فان كثرة الضحك تميت القلب»

(اخرجه الترمذی، واحمد (۳۱۰/۲) وهو فی المشکوة ۲ ــ والصحيحة (۶۳۷/۲)

(حرام چیزوں سے بچو، تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گذار بن جاؤ گے، اللہ نے جو تقسیم آپکے لیے کی ہے، اُس پر راضی رہو، سب سے زیادہ غنی بن جاؤ گے، اپنے پڑوسی کیساتھ حسن سلوک کرو، مؤمن بن جاؤ گے، لوگوں کیلئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، مسلمان بن جاؤ گے، اور زیادہ مت ہنسو، کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے)۔

یہ صحیح اور جامع ترین حدیث ہے، اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ رزقِ حرام عبادت کے منافی ہے، اور افضل ترین عبادت ترکِ حرام ہے۔

(۶)ــ ابوذر ﷛ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! بندے کو آگ سے نجات دلانے والی کونسی چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا۔ میں نے کہا: اے کے رسول! ایمان کے ساتھ کوئی عمل بھی ہے جو آگ سے نجات کا باعث ہو؟ تو فرمایا: اللہ کے عطا کردہ مال میں سے کچھ خرچ کرے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر فقیر ہو اور خرچ کیلئے کچھ نہ پائے تو پھر؟ آپ نے فرمایا: تو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص گفتگو سے ہی عاجز ہو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ فرمایا: تو پھر ایسے شخص کا کام کر دے جو کام کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے کہا؟ اگر وہ خود ہی کچھ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو کیا کرے؟ فرمایا: مغلوب کی مدد ہی کر دے۔

میں نے کہا: اگر وہ اس حد تک کمزور ہو کہ کسی مظلوم کی مدد بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ فرمایا:

تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھی میں کوئی خیر ہو! پھر یوں کرو کہ لوگوں کو تکلیف دینے سے رُک جاؤ۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص ایسا کرلے تو جنت میں داخل ہو جائے گا؟ فرمایا: جو مسلمان بھی مذکورہ اوصاف میں سے کسی ایک خصلت کیساتھ بھی متصف ہوا تو تم اُسکا ہاتھ پکڑ کر اُسے جنت میں لے جاؤ گے۔

(طبراني كبير (٨٢/١)، الصحيحة (٣٦٩٦) رقم (٢٦٦٩)

مذکورہ حدیث بھی انتہائی جامع اور مفید ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل صالح کی کیا قدر ہے۔

(٧) — ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کونسا شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اور کونسا عمل اللہ کے ہاں محبوب ترین ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ دے، اور اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل یہ ہے کہ انسان کسی مسلمان کو خوشی مہیا کردے، یا اُسکا غم دور کردے، یا اُسکا قرض ادا کردے، یا اسکی بھوک مٹادے، اگر میں اپنے کسی بھائی کی ضرورت پوری کرنے کیلئے اسکے ساتھ چلوں تو یہ بات مجھے اس مسجد (مسجد نبوی) میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے، جو شخص اپنے غضب پر قابو پالے، اللہ تعالیٰ اسکی پوشیدہ باتوں کو چھپالیتا ہے، اور جو شخص اپنے غصّے کو دبالے اگرچہ وہ اپنا غصہ اتار سکتا تھا، تو اللہ قیامت کے دن اُسکے دل کو امیدوں سے بھر دیگا، اور جو اپنے بھائی کی کسی ضرورت کیلئے اسکے ہمراہ جاتا ہے، یہانتک کہ اسکی ضرورت پوری ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اُس دن اُسے ثابت قدم رکھے گا جب قدم پھسل جائیں گے، اور یقیناً بُرا اخلاق عمل کو اسی طرح فاسد کردیتا ہے جیسے سرکہ شہد کو فاسد کردیتا ہے)۔

اخلاقیات اور حقوق العباد کے باب میں مذکورہ حدیث انتہائی مفید ہے اور اس حوالے سے اسکا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۸)- ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے مہاجرین کے گروہ! پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہو گئے اور یہ تم پر نازل ہو گئیں (تو برا ہوگا) میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ۔ جب بھی کسی قوم میں فحاشی سرعام پھیل جائے گی تو اُن میں ایسی ایسی بیماریاں ظاہر ہونگی جو اُن سے پہلے لوگوں میں نہ تھیں، اور جب لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے تو قحط سالی، مشقت اور حکمرانوں کے ظلم وستم کا شکار ہو جائیں گے، اور جب لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ روک لیں گے تو آسمان سے بارش برسنا بھی بند ہو جائے گی، اور اگر جانور نہ ہوں تو اس صورت میں بارش بالکل ہی ختم ہو جائے، اور جب لوگ اللہ اور اسکے رسول کے عہد کو توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر غیر مسلم اقوام میں سے کوئی دشمن مسلط کر دیگا جو انکی بعض اشیاء پر قبضہ کر لے گا، اور جب انکے حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں آپس کی لڑائیوں میں مبتلا کر دیگا۔ (امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح سند کیساتھ روایت کیا ہے دیکھئے: الترغیب والترہیب ۱/۵۴۳)

یہ پیشین گوئیاں بھی نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے ہیں، آجکل ایسے امراض وجود میں آچکے ہیں، جنکا پہلے کوئی نام ونشان تک نہیں تھا، بارش کا نظام بھی تبدیل ہو چکا ہے اور قتل وغارت گری بھی عام ہو چکی ہے ہم ان تمام مصائب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(۹)-انس بن مالك ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إن من الناس مفاتيح للخير مغاليق للشر، وان من الناس مفاتيح للشر مغاليق للخير، فطوبى لمن جعل الله مفاتيح الخير على يديه، وويل لمن جعل الله مفاتيح الشر على يديه» (اخرجه ابن ماجه ٤٦/١ (٢٣٧)

(بے شک بعض لوگ خیر کی چابیاں اور شر کے تالے ہیں، اور بے شک بعض لوگ شر کی چابیاں اور خیر کے تالے ہیں، تو کامیابی ہے اُس شخص کیلئے جسکے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے خیر کی چابیاں رکھ دی ہیں، اور ہلاکت ہے اُس شخص کیلئے جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے شر

کی چابیاں رکھ چھوڑی ہیں)۔

(۱۰) - علی ﷺ س ے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أتاني جبرئيل، فقال : يا محمد ! عش ما شئت فانك ميت، واحبب من شئت فانك مفارقه، واعمل ما شئت فانك مجزى به، واعلم أن شرف المؤمن قيامه بالليل، وعزه استغناءه عن الناس»۔

(میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا: اے محمد! جتنا چاہو زندہ رہو، لیکن بالآخر آپ نے مرنا ہے، جس سے چاہو محبت کرو، لیکن بالآخر اُسے چھوڑنا ہے، جو چاہو کرو، یقیناً تم اپنے اعمال کا بدلہ دیئے جاؤ گے، اور جان لو مؤمن کا شرف رات کو قیام کرنے اور اسکی عزت لوگوں سے مستغنی ہوجانے میں ہے)۔

(مستدرک حاکم ۴/۳۲۴، ابونعیم ۳/۲۵۳، الصحیحہ ۲/۵۰۵ رقم (۸۳۱))

(۱۱) - عمرو بن عاص ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ان الايمان ليخلق في جوف احدكم كما يخلق الثوب فاسئلوا الله أن يجدد الايمان في قلوبكم»۔ (رواه الحاكم ٤/١، الصحيحه ١١٣/٤)

(بے شک ایمان بھی تمہارے دلوں میں اسی طرح بوسیدہ ہوجاتا ہے، جیسے کپڑا بوسیدہ اور پرانا ہوتا ہے، لہٰذا اللہ سے اس بات کا سوال کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید کرے)۔

تدبر کرنے والوں کیلئے مذکورہ حدیث میں بہت عجائب ہیں۔

(۱۲)- عمرو بن عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان آدمی اپنے بھائی کو حکمت سے بہتر تحفہ نہیں دیتا، کہ جس حکمت کے ذریعے وہ اُسکی ہدایت میں اضافہ کرتا، یا کسی رذیل کام سے روک دیتا ہے۔

(بیہقی شعب الایمان، ابونعیم فی الحلیہ)

(۱۳)- ابوالدرداء ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «من اخرج من طريق المسلمين شيئاً يؤذيهم، كتب الله له به حسنة ومن كتب

له عنده حسنة ادخله الله بها الجنة»۔

(رواه الطبراني والحديث صحيح، الصحيحه ٣٨٦/٥، رقم (٢٣٠٦))

(جس شخص نے مسلمانوں کے راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹادیا، اللہ تعالیٰ اسکے اس عمل کی بناء پر ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اور جس کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے پاس ایک نیکی بھی لکھ دے تو اُسے جنت میں داخل کر دیتا ہے۔).

اس حدیث میں عظیم امید وآس دلائی گئی ہے۔

(۱۴) – ابو الدرداء ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ہماری مجلس میں تشریف لائے، جبکہ ہم فقر کا تذکرہ کر رہے تھے، اور اُس سے خوف کا اظہار کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: «آلفقر تخافون ؟والذي نفسي بيده لتصبن عليكم الدنيا صبأ حتى لا يزيغ قلب أحدكم ازاغة الا هيه، وايم الله لقد تركتكم على مثل البيضاء ليلها ونهارها سواء»۔

(رواه ابن ماجه رقم (٥) وهو في صحيح الجامع برقم (٩) واسناده حسن)

کیا تم لوگ فقر سے ڈرتے ہو؟ اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں میری جان ہے، دنیا تم پر انڈیل دی جائے گی، یہانتک کہ تم میں سے کسی کے دل کو ٹیڑھا کرنے والی یہی دنیا ہوگی، اور اللہ کی قسم! میں تمہیں ایسی روشن شریعت پر چھوڑے جا رہا ہوں جسکی رات اور دن برابر ہیں۔ پھر ابودرداء ﷛ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے سچ کہا تھا، اللہ کی قسم! آپ نے ہمیں ایسی روشن شریعت پر چھوڑا جسکی راتیں اور دن برابر ہیں۔

(۱۵)– زید بن ثابت ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«من كانت الدنيا همه فرق الله عليه امره، وجعل فقره بين عينيه ولم يأته من الدنيا الا ما كتب له ومن كانت الآخرة نيته جمع الله له أمره، وجعل غناه في قلبه، وأتته الدنيا وهي راغمة»

(رواہ ابن ماجه وابن حبان وهو فی الصحيحة (٩٥٠))

(جس شخص کی تمام تر ہمتیں اور فکریں دنیا سے متعلق ہوں، اللہ تعالیٰ اُسکے معاملات کو بکھیر دیتا ہے، اور اسکی آنکھوں کے درمیان محتاجی اور فقر ظاہر کر دیتا ہے، جبکہ دنیا بھی اُسے اتنی ہی مل پاتی ہے جتنی کہ اُسکے لیے لکھ دی گئی، اور جس شخص کی نیتیں اور ارادے آخرت کیلئے ہوں تو اللہ تعالیٰ اُسکے معاملات کو سمیٹ دیتا ہے، اور اُسکے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے، اور دنیا اسکے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے)۔

یہ حدیث بھی غور و فکر کرنے والوں کیلئے بہت عظیم اور مفید ہے۔

(١٦) — زبیر بن عوام ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«من احب أن تسرّه صحيفته فليكثر فيها من الاستغفار»۔

(اخرجه الضياء فی المختارة، والطبرانی كما فی الصحيحة ٣٧٧/٥)

(جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اُسکا نامہ اعمال اسکے لیے باعثِ مسرت ہو، تو اُسے استغفار زیادہ کرنا چاہیے)۔

(١٧) — ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ما من عبد مؤمن الا وله ذنب يعتاده الفينة بعد الفينة أو ذنب هو مقيم عليه لا يفارقه حتى يفارق الدنيا، إن المؤمن خلق مفتنا توابا نساءً اذا ذكر ذكر»۔ (رواه الطبرانی ١٣٦/٣ – وهو فی الصحيحة ٣٤٦/٥)

(ہر مؤمن بندے کا کوئی نہ کوئی گناہ ایسا ضرور ہوتا ہے جسے وقتاً فوقتاً کرنے کا وہ عادی ہوتا ہے، یا ایسا گناہ جس پر وہ مقیم رہتا ہے اور اُس وقت تک اُسے نہیں چھوڑتا جب تک کہ وہ دنیا نہ چھوڑے، بے شک مؤمن کی پیدائش ہی ایسی ہے کہ وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے، توبہ کر لیتا ہے، اور بہت بھلکڑ ہے، لیکن جب اُسے نصیحت اور یاد دہانی کی جائے تو نصیحت بھی قبول کر لیتا ہے)۔

(١٨)— انس، ابوہریرہ اور سمرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«من أراد أن يعلم ما له عند الله جل ذكره، فلينظر ما لله عزوجل عنده»۔ (اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ ۶/۱۸۶، وھو فی الصحیحہ ۵/۳۹۱)

(جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے یہ بات معلوم ہو کہ اللہ کے ہاں اسکے لیے کیا ہے؟ تو اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ اُسکے پاس اللہ تعالیٰ کیلئے کیا ہے) (الحلیہ، الصحیحہ)

یہ بھی بہت عجیب اور زبردست حدیث ہے۔

(۱۹)- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ایمان کی سب سے مضبوط کڑی کونسی ہے؟ تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کیلئے دوستی اور اللہ کیلئے دشمنی رکھنا، اللہ کیلئے محبت کرنا اور اللہ ہی کیلئے نفرت کرنا۔

(اخرجه احمد ٢٨٦/٤، والطبراني (١١٥٣٧) الصحيحة ٣٠٦/٤ و ٧٣٤/٢)

(۲۰)- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جنہیں دیکھنے سے اللہ یاد آ جائے۔

(طبراني (١٢٣٢٥) الصحيحه ٣١١/٤)

(۲۱) — عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! سب سے بہتر کون ہے؟ فرمایا: ہر وہ شخص جو زبان کا سچا اور مخموم القلب ہو، صحابہ نے عرض کیا: یہ مخموم القلب کیا ہے؟ فرمایا: ہر وہ شخص جو دنیا سے بغض رکھے اور آخرت سے محبت کرے۔ تو صحابہ نے کہا کہ یہ صفت تو ہم میں صرف ابورافع میں ہے جو رسول اللہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ پھر عرض کیا: اسکے بعد کس کا مقام ہے؟ فرمایا: وہ مؤمن جو اچھے اخلاق کا مالک ہو۔ (ابن ماجہ (۴۲۱۶) ابن عساکر بأتم منہ، الصحیحہ ۲/۶۶۹)

(۲۲)- ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«انكم اليوم في زمان كثير علماء ه قليل خطباء ه، من ترك عشر ما يعرف فقد هوى، ويأتي من بعد زمان كثير خطباء ه قليل علماء ه، من استمسك

بعشر ما یعرف فقد نجا»۔

(رواہ الھروی فی ذم الکلام ١/١٤-١٥، الصحیحہ ٦/٤٠ رقم (٢٥١٠)

(بے شک آجکل تم ایسے زمانے میں ہو، جس میں علماء زیادہ، اور خطباء کم ہیں، تو اس زمانے میں جو معروف کاموں کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دیگا وہ ہلاک ہو جائیگا، اور بعد میں ایسا زمانہ آنے والا ہے جب علماء کم ہونگے اور خطباء زیادہ ہونگے، تو اُس وقت جو اپنے معروف دین کا دسواں حصہ بھی تھام لے گا وہ نجات پا جائیگا)۔

(۲۳) — ابن عمر اور ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أربع اذا کن فیك فلا علیك ما فاتك من الدنیا، صدق حدیث، وحفظ أمانة، وحسن خلیقة، وعفة مطعم»۔

(اخرجہ احمد، والطبرانی والحاکم)

(جب چار خصلتیں تجھ میں ہوں تو پھر تم پر کوئی حرج نہیں کہ دنیا تم سے رہ جائے، سچ کہنا، امانت کی حفاظت کرنا، اچھے اخلاق سے پیش آنا، اور حلال و پاکیزہ روزی کھانا)۔

(۲۴)- ابی بن کعب ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسے دشمن کا خوف ہو، وہ رات کو سفر کرتا ہے، اور جو راتوں کو چلا وہ منزل پر پہنچ گیا، سُن لو کہ اللہ کا سامان بہت مہنگا ہے اور اللہ کا سامان تو جنت ہے، کپکپانے والی آ چکی، اور اسکے پیچھے آنے والی آ رہی ہے، موت اپنے مُہیب نتائج کیساتھ آ چکی ہے۔

(الحلیہ ٨/٣٧٧، احمد ٥/١٣٦، الصحیحہ ٢/٦٧٥)

(۲۵)- ابن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لا تزول قدما ابن آدم یوم القیامة عند ربه حتی یسأل عن خمس عن عمره فیما أفناه وعن شبابه فیما أبلاه وماله من این اکتسبه وفیما أنفقه وماذا عمل فیما علم»۔ (اخرجہ الترمذی والدارمی وھو فی الصحیحة ٢/٦٦٦)

(قیامت کے دن ابن آدم کے قدم اپنے رب کے پاس سے ہٹ نہیں سکیں گے جب

تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا جائے، اسکی عمر کے بارے میں، کہ کس چیز میں گذاری؟ جوانی کے متعلق، کہ کن کاموں میں لگادی؟ اور اسکے مال کے بارے میں، کہ کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ اور اپنے علم پر کس حد تک عمل کیا؟)۔

(۲۶)- ابوذر غفاری ﷛ سے روایت ہے کہ مجھے میرے خلیل ﷺ نے سات باتوں کی وصیت فرمائی: آپ نے مجھے غرباء ومساکین سے محبت کرنے اور انکے قریب رہنے کا حکم دیا، اور آپ نے مجھے دنیاوی طور پر اپنے سے کمتر لوگوں کی طرف دیکھنے، اور برتر کی طرف نہ دیکھنے کا حکم دیا، اور مجھے حکم دیا کہ میں رشتہ داری کو جوڑوں، اگرچہ وہ دور کی ہی کیوں نہ ہو، (یا اگرچہ وہ نہیں جوڑتے) اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروں، اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں، اگرچہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو، اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کی راہ میں ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں، اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں کثرت کیساتھ «**لا حول ولا قوة الا بالله**» پڑھوں کیونکہ یہ عرش کے نیچے موجود خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

غور وفکر اور تدبر کرنے والوں کیلئے یہ انتہائی مفید حدیث ہے۔

(۲۷)- انس الجهنی ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«**من ترك اللباس (وفي روية : لبس ثوب جمال) تواضعاً لله وهو يقدر عليه دعاه الله يوم القيامة على رؤوس الخلائق حتى يخير من اي حلل الايمان شاء يلبسها**»۔(رواه الترمذي والحاكم ۱۸۳/٤، واحمد ٤۳۹/۳، الصحيحه ۳٤٦/۲ مشكوة ۳۷٥/۲)

جس نے اللہ کیلئے تواضع اور انکساری اختیار کرتے ہوئے کوئی لباس (اور ایک روایت کے مطابق خوبصورت لباس) ترک کردیا، حالانکہ وہ اُسے پہننے پر قادر تھا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے اختیار دیگا کہ ایمان کی پوشاکوں میں سے جو چاہے پہن لے)۔

ایمان کی پوشاکوں سے مراد یہ ہے کہ وہ پوشاکیں جو اہلِ ایمان پہنیں گے، اس حدیث

میں اس بات کا اشارہ بھی ہے کہ فاخر لباس کو ترک کر دینا بھی اللہ کیلئے تواضع کا ایک حصہ ہے، اس سے ایمان کو تقویت ملتی ہے اور یہ اللہ سے حیا کی بھی ایک نشانی ہے، جیسا کہ آگے والی حدیث میں اسکا بیان ہے۔

(۲۸)- ابن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالی سے ایسی حیا کرو جیسی حیا کرنے کا حق ہے، تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! الحمد للہ ہم لوگ تو اللہ سے حیا کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: میری مراد یہ نہیں ہے، بلکہ اللہ سے حیا کرنے کا حق تو یہ ہے کہ انسان اپنے سر (دماغ) کی، اور جن باتوں کو سر نے محفوظ کیا (یا سر اور اس کا ماحول کان، آنکھ وغیرہ مراد ہے)، انکی حفاظت کرے، اسی طرح پیٹ اور اس سے متعلقہ چیزوں کی نگہبانی کرے، موت اور بوسیدہ ہو جانے کو یاد کر لے، اور جو آخرت کا ارادہ رکھے، وہ دنیاوی زندگی کی زینتوں کو ترک کر دیتا ہے، تو جو شخص مذکورہ کام کر لے تو یقیناً اُس نے اللہ سے حیا کا حق ادا کر دیا۔

(مسند احمد، ترمذی، اسکی اسناد حسن ہے، جیسا کہ الصحیحہ ۶ر میں مذکور ہے، دیکھئے مشکوۃ ۱ر۱۴۰)

(۲۹)- ابو امامہ الحارثی ﷺ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دن آپکے پاس دنیا کا تذکرہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الا تسمعون، الا تسمعون! ان البذاذة من الایمان ان البذاذة من الایمان»

(اخرجه ابو داود (٤١٦١) والحديث صحيح، كما في الصحيحة ١/١ ٦٠ رقم (٣٤١)

(کیا تم نہیں سنتے! کیا تم نہیں سنتے! کہ یقیناً سادگی ایمان کی علامت ہے، یقیناً سادگی ایمان کی علامت ہے)۔

(۳۰)- انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُس وقت تک کسی بندے کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُسکا دل درست نہ ہو، اور اُس وقت تک کسی کا دل درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اُسکی زبان درست نہ ہو، اور وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا، جسکے پڑوسی اسکی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہوں۔

(مسند احمد ۱۹۸/۳، الصحيحه (۲۸٤١)

(۳۱)- ابورزین العقیلی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کریگا؟ تو آپ نے فرمایا: کیا آپ قحط زدہ زمین پر گذرے ہیں پھر اس ایسی زمین پر آپکا گذر ہوا ہے جو قحط کے بعد سرسبز وشاداب ہوگئی ہو؟۔ تو ابورزین نے کہا: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: موت کے بعد اٹھایا جانا بھی اسی طرح ہے۔ پھر ابورزین نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اور محمد (ﷺ) اُسکے بندے اور رسول ہیں، اور یہ کہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت باقی تمام محبتوں پر غالب ہو، اور یہ کہ آگ میں جل مرنا تمہارے نزدیک شرک کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو، اور یہ کہ کسی نسبی تعلق کے بغیر ہی تم صرف اللہ عزوجل کی خاطر کسی سے محبت کرو، اگر تم ایسے بن گئے تو سمجھ لو کہ ایمان کی محبت تمہارے دل میں اسی طرح داخل ہو چکی ہے جیسے سخت گرمی والے دن پیاسے کے دل میں پانی کی محبت ہوتی ہے، (ابورزین ﷺ کہتے ہیں) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ میں مؤمن ہوں؟ فرمایا: میری امت کا (یا اس امت کا) جو بندہ بھی نیکی کرتا ہے، اُس نیکی کو نیکی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ عزوجل اُس نیکی کا بہتر صلہ دینے والا ہے، اور جب کوئی گناہ کرے تو اُسے گناہ سمجھتا اور اُس پر استغفار کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اسکے سوا کوئی بھی گناہ کو بخشنے والا نہیں، تو ایسا بندہ مؤمن ہے۔ (مسند احمد ۱۱/۴) بہت عجیب اور مفید حدیث ہے۔

(۳۲)-ابوھریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أكثروا من شهادة أن لا اله الا الله قبل أن يحال بينكم وبينها ولقنوها موتاكم»۔

(لا الہ الا اللہ" کی گواہی کثرت کیساتھ دو، اس سے پہلے کہ تمہارے اور اسکے درمیان کوئی آڑ پیدا ہو جائے اور اپنے قریب المرگ ساتھیوں کو بھی اسکی تلقین کرو)

(مسند ابى يعلى ١٤٦٠/٤، الصحيحه ٧٥٧/١، رقم (٤٦٧))

(۳۳) - ابوذر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کونسا جہاد سب سے افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: افضل ترین جہاد یہ ہے کہ تم اللہ عزوجل کی خاطر اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرو۔

(ابو نعیم ۲٤۹/۳، الصحیحه ۱٤۹٦/۳)

(۳۴)- جابر ﷺ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کونسان ایمان سب سے بہتر ہے؟ فرمایا: صبر کرنا، اور درگذر کرنا۔ (الصحیحہ ۴۸۲/۳)

(۳۵)- ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے ابودرداء ﷺ سے کہا: کیا وجہ ہے کہ آپ وہ (مال ومنال) طلب نہیں کرتے، جو فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ تمہارے آگے دشوارترین گھاٹیاں آنے والی ہیں جنہیں بوجھل لوگ پار نہیں کرسکیں گے" تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اُن گھاٹیوں کو پار کرنے کیلئے ہلکا رہوں۔ (اسے طبرانی نے صحیح سند کیساتھ روایت کیا، الصحیحہ ٦٢٧/٥)

(۳٦)- عبد الرحمن بن عبد رب الکعبه سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوا تو وہاں خانہ کعبہ کے سائے میں عبداللہ بن عمرو بن العاص تشریف فرما تھے، جبکہ انکے اردگرد لوگ جمع تھے، تو میں نے انہیں یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ ہم نے ایک مرتبہ دورانِ سفر ایک جگہ پڑاوڈالا، تو ہم میں سے کچھ اپنے خیموں کی اصلاح کرنے لگے، کچھ تیراندازی کرنے لگے، اور کچھ اپنے جانوروں کے چارے وغیرہ کا انتظام کرنے لگے، کہ یکا یک رسول اللہ ﷺ کے منادی نے لوگوں کو جمع کرنے کیلئے ندا لگائی، تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے، ہمارے جمع ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک مجھ سے پہلے ہر نبی نے اپنی امت کی رہنمائی ہر اُس بھلائی کی طرف کی، جیسے وہ جانتا تھا اور ہر اُس برائی سے ڈرایا جس سے وہ نبی آگاہ تھا، اور یقیناً تمہاری اس امت کی عافیت اسکے اول طبقے میں ہے، جبکہ عنقریب اس امت کے آخری طبقے کے لوگوں کو آفات اور منکر امور پہنچیں گے، ایسے ایسے فتنے آئیں گے کہ ہر بعد میں آنے والا فتنہ پہلے والے

فتنے کو معمولی کر دیگا، ایک فتنہ آیگا تو مؤمن کہے گا: یہی فتنہ میرے لیے باعثِ ہلاکت ہے، پھر وہ زائل ہو جائیگا اور دوسرا فتنہ آ جائیگا تو مؤمن کہے گا، یہی ہے، یہی ہے وہ فتنہ جو مجھے تباہ کرنیوالا ہے، تو جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اُسے جہنم کی آگ سے بچالیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اُسے اس حال میں موت آئے کہ وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اور لوگوں کیساتھ ایسا سلوک کرے، جیسا اپنے ساتھ چاہتا ہے، اور جس نے کسی امام کے ہاتھ پر بیعت کی تو گویا اُس نے اپنے ہاتھ کا سودا اور دل کا پھل اُسکے حوالے کر دیا، اب جہاں تک استطاعت ہو اُس امام کی اطاعت کرے، اور اگر کوئی دوسرا شخص آ کر اُس امام کی جگہ لینا چاہیے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔ (مسلم)

(۳۷)- عبادہ بن صامت ﷺ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا: اے اللہ کے نبی! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، اسکی تصدیق کرنا، اور اسکی راہ میں جہاد کرنا، اُس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس سے آسان عمل دریافت کرنا چاہتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: درگذر کرنا اور صبر کرنا، اُس نے کہا: میں اس سے بھی زیادہ آسان عمل پوچھنا چاہتا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق جس چیز کا بھی فیصلہ کر دے، اُس پر اللہ کو الزام نہ دو۔

(مسند احمد ٣١٨/٥، الصحیحہ ١٠٠١/٧ رقم (٣٣٣٤)

(۳۸)- سہم بن معتمر رحمہ اللہ، الہجیمی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مدینہ میں تشریف لائے اور مدینہ کی ایک گلی میں انکا سامنا نبی کریم ﷺ سے ہوا، جبکہ آپ کپاس سے بنا ایک تہہ بند باندھے ہوئے تھے جسکے کنارے پھیلے ہوئے تھے، تو ہجیمی رضی اللہ عنہ نے کہا: علیک السلام یا رسول اللہ! (آپ پر سلامتی ہو، اے اللہ کے رسول!) تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: علیک السلام تو مُردوں کو کیا جانے والا سلام ہے۔ اُس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وصیت کیجئے! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو، اگرچہ ایک رسی ہی بطور عطیہ کسی کو دو، یا پانی پینے والے کیلئے اپنا ڈول جھکا دو، یا اپنے

بھائی کیساتھ کشادہ چہرے سے ملاقات کرو، یا کسی وحشت زدہ شخص کی غمخواری اور ہمدردی ہی کیوں نہ ہو، یا جوتے کا تسمہ ہی کسی کو ہبہ کردو)۔

(۳۹) - آپ ﷺ کا فرمان ہے: تم میں سے کسی کا عمل اُسے نہ جنت میں داخل کرسکتا ہے اور نہ جہنم سے نجات دلاسکتا ہے، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپکا عمل بھی آپکو جنت میں نہیں لے جاسکتا؟ فرمایا: نہیں، پھر اپنے سر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دو یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا: میرا عمل بھی مجھے جنت میں نہیں لے جاسکتا، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے مجھے ڈھانپ لے، تو درست رہو، یا درستی کے قریب رہو، اور خوش ہو جاؤ۔ صبح، شام اور رات کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں نکلو، میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، اس طرح تم اپنی منزل پر پہنچ جاؤ گے، اور جان لو یقیناً اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اگر چہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کو کئی صحابہ نے روایت کیا ہے، جن میں ابوھریرہ، عائشہ، جابر، ابوسعید اور اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ (الصحیحہ (۲۶۰۲)

(۴۰) - ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: مجھے نصیحت کیجئے! اور نصیحت میں اختصار سے کام لیجئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو، تو اُس نماز کو الوداعی نماز سمجھ کر پڑھو، اور ایسا کلام نہ کرو کہ کل جس سے معذرت کرنی پڑے، اور جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے بالکل ناامید اور مایوس ہو جاؤ۔ (مسند احمد)

❁❁❁❁❁❁❁❁
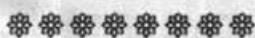
٦٩- فائدہ

ایمان کی متضاد اشیاء کا بیان

اُن امور کی معرفت کے بارے میں جنکی بناء پر نبی کریم ﷺ نے ایمان کی نفی فرمائی تا کہ ہر مؤمن ان سے اجتناب کر کے اپنے ایمان کی حفاظت کر سکے اور جیسا کہ پہلے یہ بات گذری ہے کہ ہر ایسے سبب سے دور رہنا جو بندے اور اسکے ایمان کے درمیان آڑ بن جاتا ہے، یہ دوری ایمان کو مضبوط کرنے کا باعث ہے، یہ انتہائی نادر فائدہ ہے شاید کہ آپ اس کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب میں ان امور کو ایک جگہ جمع شدہ نہ پائیں:

۱- امانت میں خیانت کرنا۔

۲- عہد کی خلاف ورزی کرنا۔

کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لا ایمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له» اُس شخص کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں، اور اُس شخص کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پاسدار نہیں۔ (ابن ابی شیبہ، کتاب الایمان ص (٥) مسند احمد ٢٥١/٣، ابن حبان (٤٧) وغیرھم)

عــروہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کسی شخص کی نمازیں اور روزے تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں، جو بھی چاہے روزہ رکھ لے، اور جو چاہے نماز پڑھ لے، لیکن اُس شخص کا کوئی دین نہیں جس میں امانت داری نہیں۔ (ابن ابی شیبہ ر ۷)

۳- زنا۔

۴- چوری

۵- شراب نوشی

۶-ڈاکہ زنی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ کوئی زانی جب زنا کرے تو مؤمن نہیں ہوتا...... الحدیث۔ (بخاری، ابن ابی شیبہ/۱۳)

۷-قتل۔

۸-مال غنیمت میں خیانت۔ (اسکا تذکرہ بھی گذشتہ حدیث میں گذرا ہے)

۹-نماز ترک کردینا۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جو نماز نہیں پڑھتا۔ (ابن ابی شیبہ/۳۴)

۱۰-طعنہ زنی

۱۱-لعنت ملامت۔

۱۲-فحش کام کرنا۔

۱۳-فحش وبیہودہ گوئی کرنا۔

۱۴-جھوٹ بولنا۔

مؤمن سب کچھ کرسکتا ہے لیکن جھوٹ نہیں بول سکتا اور خیانت نہیں کرسکتا۔ یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً نقل کی گئی ہے۔ ابن ابی شیبہ/۲۶ قالہ ابن مسعود وسعد رضی اللہ عنہما)۔

۱۵-وہ مؤمن نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے، لیکن اُسکا پڑوسی بھوکا رہے۔

(ابن ابی شیبہ/۳۳)

۱۶-مؤمن کے دل میں تو رسول اللہ ﷺ کی محبت تمام محبتوں پر غالب ہوتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے: «لا یؤمن احدکم حتی أکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین»۔ (متفق علیہ)

(تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اسکے نزدیک اسکے والد، اُسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں) (متفق علیہ)

۱۷-وہ شخص مؤمن نہیں جسکا پڑوسی اسکی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو۔ (مسلم)

۱۸- جب تک اہل ایمان باہم محبت نہ کریں، مؤمن نہیں ہو سکتے۔

حدیث میں آتا ہے: «لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتی تحابوا أولا ادلکم علی شیء اذا فعلتموه تحاببتم، افشوا السلام بینکم» (مسلم)

(تم اُس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے، جب تک ایمان نہ لے آؤ، اور اُس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے، جب تک کہ باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ جب تم وہ کرلو گے تو باہم محبت پیدا ہو جائیگی، سلام کو اپنے درمیان پھیلاؤ).

۱۹- اللہ پر ایمان نہ لانا۔

۲۰- اللہ کیساتھ کسی کو شریک کرنا۔

۲۱- رمضان کے روزے چھوڑ دینا۔

۲۲- حج نہ کرنا۔

۲۳- امر بالمعروف نہ کرنا۔

۲۴- برائی سے نہ روکنا۔

۲۵- اہل خانہ کو سلام نہ کہنا۔

۲۶- لوگوں کو سلام نہ کرنا۔

۲۷- زکوٰۃ روک لینا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اسلام کی بھی ایسی ہی علامات ہیں، جیسی راستوں کی ہوا کرتی ہیں، اُن میں سے یہ بھی ہیں کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، حج بیت اللہ کا شرف حاصل کرو، نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو، جب بھی اپنے اہل خانہ کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کہو، اور جب کسی قوم پر گذر ہو، تو سلام کرتے ہوئے گذرو، جس نے ان باتوں میں سے کسی بات کو ترک کر دیا تو گویا اُس نے اسلام کا ایک حصہ ترک کیا، اور جس نے ان سب چیزوں کو چھوڑ دیا، گویا اُس نے اسلام کو ہی پیٹھ پھینک

دیا۔ (الصحیحه للألبانی)

۲۸-تقدیر پر ایمان نہ لانا۔

حدیث میں آتا ہے:«ان لکل شیء حقیقة ولا یبلغ عبد حقیقة الایمان حتی یعلم أن ما أصابه لم یکن لیخطئه وما أخطاه لم یکن لیصیبه»۔

(رواه احمد ٤٤١/٦، الصحیحه ٦٠٧/٥)

(بے شک ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے، اور کوئی بندہ ایمان کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، جب تک کہ وہ یہ بات اچھی طرح نہ جان لے کہ یقیناً جو چیز اُسے پہنچی ہے وہ چوکنے والی نہ تھی، اور جو چیز اُس سے رہ گئی ہے وہ ہرگز ملنے والی نہ تھی)۔

۲۹-بعث بعد الموت کو تسلیم نہ کرنا۔

۳۰-موت کو اللہ عزوجل کے ہاتھ میں نہ ماننا۔

۳۱-رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانا۔

حدیث میں آتا ہے: جب تک کوئی بندہ چار چیزوں پر ایمان نہ لائے، اُس وقت تک ایمان کا ذرا لقمہ نہیں پا سکتا، اللہ کی توحید اور میری رسالت پر ایمان لانا، اس بات کا یقین رکھنا کہ اُس نے مرنا ہے، اور مرنے کے بعد پھر جی اُٹھنا ہے، اور پوری تقدیر پر ایمان لانا۔

(ابن ابی شیبہ ۳/ر، ابن حبان (۲۳) موارد)

۳۲- بے حیائی کا مظاہرہ کرنا۔

ابن عمر ﷺ فرماتے ہیں:«الحیاء والایمان قرنا جمیعاً فاذا فارق احدهما فارق الآخر»۔(المشکوۃ ۲/ر ابن ابی شیبہ وروی مرفوعاً)

(حیا اور ایمان کو اکٹھا کر دیا گیا ہے، جب ان میں سے ایک بھی انسان سے الگ ہو جائے تو دوسرا خود بخود جُدا ہو جاتا ہے)۔

۳۳-دھوکہ دہی اور غداری کرنا۔

حدیث میں آتا ہے:«الایمان قید الفتك لا یفتك مؤمن»

(رواہ ابو داود والحاکم ورواہ ابو عبید ص (۸٤) باسناد صحیح)

(ایمان دھوکہ دہی کی قید ہے، مؤمن کبھی دھوکہ نہیں دیتا)۔

(ابوداؤد، حاکم، ابوعبید نے اسے صحیح سند کیساتھ روایت کیا ہے)

۳۴-انصار سے بغض رکھنا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا یبغض الانصار رجل یؤمن باللہ والیوم الآخر»۔

(اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا)

۳۵- مزاح میں جھوٹ بولنا۔

۳۶-حق دار ہونے کے باوجود جھگڑے اور بحث کو نہ چھوڑنا۔

حدیث میں آتا ہے: کوئی بھی اُس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا، (اور ایک روایت کے مطابق مکمل ایمان نہیں لاسکتا) جب تک کہ وہ مزاح میں بھی جھوٹ بولنا، اور حق دار ہونے کے باوجود جھگڑا کرنا نہ چھوڑ دے۔ (مسند احمد ۲/۳۵۲، ابن ابی شیبہ ۶۴/۷، ابوعبید ص (۸۵) نے اس روایت کو عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً، جبکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، لیکن مکحول کا سماع ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں)

۳۷-کسی مسلمان سے قتال کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: «سباب المسلم فسوق وقتاله کفر»۔ (بخاری، مسلم)

(مسلمانوں کو گالی دینا فسق وفجور، جبکہ اُس سے لڑائی کرنا کفر ہے)

۳۸-کسی مسلمان کو کافر قرار دینا۔

کیونکہ حدیث میں آتا ہے:

«من قال لأخیه یا کافر فقد باء بها احدهما»۔ (رواہ الشیخان)

(جس نے اپنے کسی بھائی کو "اے کافر" کہہ کر پکارا، تو اس بات کیساتھ دونوں میں سے ایک ضرور متصف ہوگا۔ (بخاری، مسلم)

(یعنی اگر سامنے والا حقیقتاً کافر نہ تھا تو یہ ضرور کافر ہو جائیگا)

۳۹-اپنے نسب کی نفی کرنا۔

حدیث میں آتا ہے:«من ادعی الی غیر ابیه فعلیه لعنة الله ... الحدیث»

(جس شخص نے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی، اُس پر اللہ کی لعنت برستی ہے......الحدیث)

ایک اور حدیث میں آتا ہے: جو شخص بھی اپنی نسبت اپنے حقیقی والد کے علاوہ کسی اور کیساتھ جوڑتا ہے، حالانکہ اُسے حقیقت کا علم بھی ہے، تو وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

۴۰-کسی شخص کا یہ کہنا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ جیسا کہ بخاری (۱۱۷/۱) میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صبح کو میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لے آئے اور کچھ بندوں نے میرے ساتھ کفر کیا......الحدیث۔

۴۱-حائضہ عورت کیساتھ ہمبستری کرنا۔

۴۲-دُبر کی طرف سے بیوی کیساتھ ہمبستری کرنا۔

۴۳-کسی مرد کیساتھ بدفعلی کرنا۔

۴۴-کاہن کی تصدیق کرنا۔

۴۵-جادوگر کے پاس جانا۔

ابوعبید (۸۶) نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے۔ارشاد فرمایا:«من اتی ساحراً او کاهناً فصدقه بما یقول او حائضاً او امراة في دبرها فقد برئ مما أنزل الله علی محمد ﷺ او فقد کفر بما انزل علی محمد ﷺ»۔

(جو شخص کسی جادوگر یا کاہن کے پاس گیا اور اسکی بات کی تصدیق کی، یا حائضہ عورت سے جماع کیا، یا اپنی بیوی کے دُبر کی طرف سے ہمبستری کی، تو وہ اُس دین سے بری ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا، یا اُس نے اُس دین کا کفر کیا جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ

پرنازل فرمایا) (جادوگر کی قید کے بغیر یہ حدیث مشکوۃ (۱/۵٦) میں بھی موجود ہے)

۴٦-ریاکاری۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے: «الرياء شرك»۔ (ریاکاری شرک ہے)

۴۷-بدفالی لینا۔ «الطيرة شرك»۔ (ابوعبید/۸٦) (بدفالی لینا شرک ہے)

۴۸-تعویذ، گنڈے وغیرہ لٹکانا بھی شرک ہے،

جیسا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے۔ دیکھئے (مشکوۃ ۲/۳۸)

۴۹-کسی شخص کا یہ کہنا کہ اگر کتا نہ ہوتا تو ہماری چوری ہو جاتی، اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چور آجاتے، یا یہ کہنا کہ کشتی کا ملاح بہت سمجھدار تھا جو کشتی بچالایا۔

(یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے) دیکھئے تفسیر ابن کثیر ۱/۸۹، کتاب الایمان لابی عبید ص (۸۷) معارج القبول ۱/۳۲۹)

۵۰-عورتوں کا مردوں کیساتھ اور مردوں کا عورتوں کیساتھ مشابہت اختیار کرنا۔

مسند احمد میں حدیث ہے: «ليس منا من تشبه من الرجال بالنساء ولا من تشبه من النساء بالرجال»۔ (صحیح الجامع ۲/۹۵٦)

(وہ مرد ہم میں سے نہیں جو عورتوں کیساتھ مشابہت اختیار کریں اور وہ عورتیں ہم میں سے نہیں جو مردوں کیساتھ مشابہت اختیار کریں) (مسند احمد، صحیح الجامع)

۵۱-کفار کی مشابہت اختیار کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: «ليس منا من تشبه بغيرنا»

(وہ ہم میں سے نہیں جو غیروں سے مشابہت رکھے) (ترمذی، صحیح الجامع)

۵۲-امانت کا حلف اٹھانا۔

۵۳-بیوی کو خاوند کے خلاف بھڑکانا۔

۵۴-غلام کو آقا کے خلاف اُکسانا۔

حدیث میں آتا ہے: وہ ہم میں سے نہیں جو امانت کا حلف اٹھائے، اور جو کسی کی بیوی یا

غلام کو اسکے خلاف اُکسائے۔(صحیح الجامع)

۵۵-مصیبت کے وقت بلند آواز سے چلانا۔

۵۶-مصیبت کے موقع پر بال مونڈھ لینا۔

۵۷-مصیبت نازل ہونے پر کپڑے پھاڑ لینا۔حدیث میں آتا ہے:«لیس منا من سلق ولا حلق ولا خرق»۔(ابوداؤد،صحیح الجامع)

(جو مصیبت کے وقت بین کرے،بال مونڈھ لے،یا کپڑے پھاڑ دے وہ ہم میں سے نہیں)

۵۸-غیروں کی سنت پر چلنا۔حدیث میں آتا ہے:«لیس منا من عمل بسنة غیرنا»۔(وہ ہم میں سے نہیں جو غیروں کی سنت پر عمل کرے)

۵۹-ملاوٹ اور فراڈ کرنا۔

«من غشنا فلیس منا»(احمد،ابوداؤد) (جو ہمیں دھوکہ دے،وہ ہم میں سے نہیں)

۶۰،۶۱-رخساروں کو پیٹنا۔جاہلیت کی پکار بلند کرنا۔

۶۲-قرآنِ مجید کو پرسوز آواز میں نہ پڑھنا:

«لیس منا من لم یتغن بالقرآن»۔

(وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو پُرسوز آواز میں نہ پڑھے)

۶۳-چھوٹوں پر رحم نہ کرنا۔

۶۴-بڑوں کی توقیر نہ کرنا۔

۶۵-علماء کا احترام اور ادب نہ کرنا۔

«لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا، ویعرف لعالمنا حقه» (صحیح الجامع) (وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، بڑوں کی توقیر نہ کرے،اور ہمارے علماء کا حق نہ پہچانے)۔

۶۶-کفار کی اطاعت کرنا۔

«يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَـٰبَ يَرُدُّوكُم

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ »(آل عمران/١٠٠) (اگر تم اہل کتاب کے کسی گروہ کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے)

٦٧- کفار سے دوستی رکھنا۔

﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ﴾۔(المائدة/٥١)

(تم میں سے جو انکے ساتھ دوستی رکھے گا تو یقیناً وہ انہی میں سے ہوگا)

٦٨- دنیا کی حرص اور بخل کرنا۔

حدیث میں آتا ہے: «لا يجتمع الشح والايمان في قلب عبد ابداً»

(شح (شدید حرص اور بخل) اور ایمان کبھی کسی بندے کے دل میں جمع نہیں ہوسکتے)

(مسلم) دیکھئے مشکوۃ ٢ /کتاب الجہاد)

٦٩- بخل اور بداخلاقی۔

حدیث میں آتا ہے: «خصلتان لا تجتمعان في مؤمن البخل وسوء الخلق»

(دو خصلتیں کسی مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں، بخل اور بداخلاقی) (ترمذی، مشکوۃ ١٦٥/١)

اور حدیث میں آتا ہے:

« ان سوء الخلق ليفسد العمل كما يفسد الخل العسل»

(بے شک برا اخلاق عمل کو اسی طرح بگاڑ دیتا ہے، جیسے سرکہ شہد کو فاسد کردیتا ہے)

(طبرانی، الصحیحہ (٩٠٦)

٧٠- کسی کو نسب کا طعنہ دینا۔

٧١- نوحہ کرنا۔ حدیث میں آتا ہے: «اثنتان في امتي هما بهم كفر، الطعن فى النسب والنياحة على الميت» (میری امت میں دو باتیں ایسی ہونگی جنکی وجہ سے کفر انکے ساتھ رہے گا، نسب میں طعنہ زنی کرنا، اور میت پر نوحہ کرنا) (مسلم، الصحیحہ ٥٢١/٢)

جس قدر ایمان کی شاخیں ہیں اتنی ہی کفر کی شاخیں لہٰذا آپ مذکورہ تمام باتوں سے بچنے کی کوشش کیجئے اور اللہ کے حضور ان سے توبہ کیجئے۔

دو خصلتیں

دو خصلتوں کے ذریعے انسان کو کمال حاصل ہوتا ہے، اور یہ کم ہی کسی بندے میں جمع ہوتی ہیں اور وہ دو خصلتیں صبر اور بصیرت ہیں، انہیں قوت علمیہ اور قوت عملیہ سے اور ایمان وعمل صالح سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، یا انہیں علم نافع اور عملِ صالح بھی کہا جا سکتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر تم چاہو کہ کسی بصیرت والے کو دیکھو کہ جسکے پاس صبر نہ ہو، تو اُسے دیکھ لوگے، اور اگر یہ چاہو کہ ایسے صابر کو دیکھو کہ جسکے پاس بصیرت نہ ہو تو اُسے بھی دیکھ لوگے، لیکن اگر کسی ایسے صاحب بصیرت کو دیکھو جو صبر بھی رکھتا ہے تو پھر بات ہے۔ (الفوائد ص :۲۶۷)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان: «أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ» (ص/ ۴۵)

(ہاتھوں اور آنکھوں والے) میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اسی طرح فرمایا: «

﴿وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ (ص/ ۱۷)

﴿وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۲۰﴾۔ (ص/ ۲۰)

(اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے، جو قوت والا تھا، بے شک وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا) (اور ہم نے انہیں حکمت اور فصل خطاب (مقدمات کے فیصلہ کی استعداد بخشی تھی).

بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ صبر اور حکمت دونوں سے محروم ہیں جبکہ بعض میں صبر تو ہوتا ہے لیکن وہ بے چارے بصیرت سے خالی ہوتے ہیں، جیسے اہل بدعت اور صوفی حضرات۔ یہ لوگ ایسے ایسے مجاہدے اور عبادات کرتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے لیکن انکا علم

فاسد، ایمان بے قیمت اور بصیرت بجھ چکی ہوتی ہے، جبکہ انکے برعکس بعض لوگ ایمان واسلام اور دین کے حقائق سے آگاہ ہوتے ہیں، سنت اور بدعت کی بالکل ٹھیک معرفت رکھتے ہیں، لیکن عبادات، اخلاق جمیلہ، اور پاکیزہ عادات سے عاری ہوتے ہیں، جیسا کہ بعض اہل حدیث اور اہل سنت حضرات ہیں، بہت کم ہی لوگ ہوتے ہیں جو ان دونوں امور کو جمع کریں، ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پر احسان کرتے ہوئے ہمیں ان دونوں چیزوں سے متصف فرمادے۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (الم السجدة/٢٤)

(اور ہم نے اُن میں سے بعض لوگوں کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے، جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات کا یقین کیا کرتے تھے) (یہ بہت نادر فائدہ ہے)
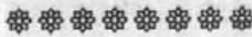
۷۱- فائدہ

آگ سے بچنے کے دو اہم ترین اسباب ہیں

۱- اللہ عزوجل اور اسکے رسول کا کلام سننا۔

۲- قرآن وحدیث پر غور وفکر کرنا، اور اسکے ساتھ ساتھ کائنات کے حقائق پر بھی تدبر کرنا۔

اللہ تعالیٰ جہنم والوں کی بات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾۔ (الملک/۱۰)

(اور وہ (جہنم والے) کہیں گے کہ اگر ہم سن لیتے یا عقل کر لیتے تو آج بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں شامل نہ ہوتے)

مجرمین کے گناہوں کی اکثریت انہی دو امور پر مشتمل ہے، کیونکہ وہ اپنی غفلتوں، شہوتوں اور دنیا میں مگن رہتے ہیں، انہیں اپنے رب کا کلام سننے کی فرصت نہیں، اور انکے پاس غور وفکر اور اپنے دین پر تدبر کرنے کا وقت نہیں کہ نصیحت حاصل کر سکیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کریں۔ انہی دو امور کی طرف بہت سی آیات میں اشارات ملتے ہیں:

فرمایا: ﴿ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ﴾ (الحجر/۳)

(انہیں چھوڑ دیجئے کہ کھائیں، فائدہ اٹھائیں، اور امیدیں انہیں غفلت میں ڈالے رکھیں، عنقریب انہیں (حقیقتِ حال کا) علم ہو جائیگا)

اور فرمایا: ﴿فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ﴾۔ (المؤمنون/۵۴) (تو (اے پیغمبر ﷺ) ان (منکروں) کو کچھ مدت تک انکی غفلت وسرشاری میں پڑا رہنے دیجئے)

اور فرمایا: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾ (ق/۳۷)

(یقیناً اس میں ہر اُس شخص کیلئے نصیحت ہے جو (زندہ و بیدار) دل رکھتا ہے، یا حاضر دماغی اور خوب توجہ کیساتھ بات سنتا ہے)۔

پھر بعض لوگوں پر سماعت کی قوت غالب ہوتی ہے اور بعض پر قوتِ فکر کا غلبہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے مذکورہ آیات میں دونوں درجوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين

وكتبه بالكمبيوتر ابوزهير سيف الله الشيخ آبادى بشاور.

سنة (١٤٣٠هـ) شهر جمادى الثانية /٩) الموافق/٢٠٠٩/٦/ ٣/جون)

❁❁❁❁❁❁❁❁
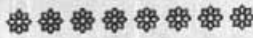
فہرست الفوائد فی تزکیۃ النفوس (۱)

مضمون	شمارہ
عرض مترجم	۳
خطبۃ الکتاب	۵
خصوصیات کتاب	۶
۱- پہلا فائدہ: عمل صالح کے شروط (۱۵)- بہت مہم فائدہ	۸
ادب کی کچھ انواع ہیں -سلفؒ کے اقوال	۲۵
ادب کی تعریف	۲۸
۲-دوسرا عظیم اور نفع بخش فائدہ -فتنہ کے معانی اور فتنوں کی اقسام (۲۱)	۳۳
فتنوں سے نجات کے اسباب	۴۵
صبر کی تین اقسام ہیں	۵۰
۳-تیسرا فائدہ -عمل صالح کی توفیق کیونکر ممکن و میسر ہو؟	۵۹
۴-چوتھا فائدہ: ہر ایک اچھی صفت اور اخلاق محمودہ کی بنیاد دو چیزیں ہیں	۷۱
۵-پانچواں فائدہ: حقیقی ایمان کیا ہے ؟	۷۳
۶-چھٹا فائدہ: دل کی سختی کا علاج	۷۷
علاج کے اسباب و طرق	۷۸
۷-ساتواں فائدہ: اللہ کی خفیہ تدابیر سے خوف اور اُن کی اقسام	۸۷
۸-آٹھواں فائدہ: جاہل لوگ دوسروں کیلئے اللہ سے نفرت اور بغض کی باعث ہیں	۹۰
۹-فائدہ: عالم دین کی گمراہی کے اسباب	۹۷
خواہشات کی دو قسمیں ہیں	۱۰۳
۱۰-فائدہ :ذکر اذکار کے تاثیر پیدا کرنے کی راز اور وجہ کیا ہے؟	۱۰۵

☆☆☆☆☆☆